مصباح المعانی

اس کتاب کے جملہ حقوق (من المنصوبات الی التوابع) بنام کتبخانہ امدادیہ محفوظ ہیں

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ

الحمد للہ الذی جعل النحو فی الکلام کالملح فی الطعام سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام

مصباح المعانی

شرح اردو

شرح ملّا جامی

المجلد الثانی

باہتمام مختار علی ابن محمد علی منیجر کتبخانہ امدادیہ دیوبند طبع شدہ

از کتبخانہ امدادیہ دیوبند ضلع سہارنپور شائع گردید

قولہ المنصوبات الخ جب مصنف علیہ الرحمۃ کو مرفوعات سے فراغت حاصل ہوگئی تو منصوبات کو شروع کر دیا رہا یہ امر کہ مرفوعات
کی وجہ تقدیم کو شارح نے بیان نہیں کی اور منصوبات کی بنا رتقدیم کا ذکر کر دیا اس کی کیا وجہ ہے؟ تو چونکہ مرفوعات کلام میں
عمدہ واقع ہوتے ہیں اس لئے اس کے تو بیان کی حاجت ہی نہیں البتہ منصوبات اور مجرورات کا قصہ باقی رہ گیا کہ ان میں
سے کون مقدم ہونا چاہیئے تو چونکہ منصوبات بکثرت ہیں یعنی بارہ ہیں اور مجرورات صرف دو نیز منصوبات اکثر فاعل کے ساتھ
تے رہتے ہیں اور فاعل کا عمدہ
ہونا ظاہر ہے پس اس مصاحبت
فاعل کے باعث ان کو بھی مقدم
کرنا چاہیئے نیز یہ کہ نصب میں خفت
ہوتی ہے اس لئے بھی انہیں کی
تقدیم اولی ہے مجرورات پر لہذا
مصنف منصوبات کو شروع کرتے
ہیں پس کہتے ہیں المنصوبات
اس قول کے متعلق ماسبق یعنی
المرفوعات میں بیان کیا جا چکا ہے
یہ کس کی جمع ہے المرفوع کی
ہے یا المرفوعۃ کی منصوبات کی
تعریف کرتے ہوئے مصنف کہتے
ہیں کہ منصوب وہ اسم ہے جو
اسم کے مفعول ہونے کی علامت
پر مشتمل ہو عام ازیں کہ مفعول
حقیقۃً ہو یا حکماً اس کی بحث
بھی مفصلاً مرفوعات کی تعریف
کے ضمن میں گذر چکی کہ ہو کا مرجع
مرفوع ہے جو المرفوعات کے
ضمن میں متحقق ہوتا ہے نیز
اشتمال علے علم المفعولیۃ سے مراد
اسم کا علامت مفعولیت کیساتھ
موصوف ہونا ہے وغیرہ وغیرہ
سب اسی جگہ ملاحظہ کی جائیں اور
اس کی وجہ بھی وہیں بیان ہو چکی
ہے کہ ما اشتمل علی علم المفعولیۃ کی
شرح علامۃ کون الاسم مفعولاً سے
کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

المنصوبات

ہو ما اشتمل علے علم المفعولیۃ قد تبین شرحہ بما ذکر فی المرفوعات
والمراد بعلم المفعولیۃ علامۃ کون الاسم مفعولاً
حقیقۃً او حکماً وہی اربع عصر الفتحۃ والکسرۃ والالف
کما فی المفاعیل ۱۲ — کما فی الملحقات بالمفاعیل ۱۲
والیاء نحو رأیت زیداً و مسلمات و اباک و مسلمین و مسلمین

اس لئے کہ اس جگہ کوئی دوسرا اسم ہے ہی نہیں کہ زید اس پر مشتمل ہو جائے کیونکہ ما اشتمل میں ما
سے بھی مراد اسم ہوگا اور علم سے بھی مراد اسم، اور اگر یہ کہا جائے کہ زید خود اپنے نفس پر مشتمل ہے
تو اشتمال الشئ علے نفسہ لازم آئیگا اور یہ باطل ہے پس ان تمام اعتراضات کا جواب بالتفصیل
وہیں ملاحظہ فرمایا جائے۔ حقیقۃً کہنے سے تعریف میں تمام مفاعیل داخل ہو گئے اور حکماً کے
اضافہ سے تمام ملحقات بالمفاعیل حال تمیز وغیرہ علامت مفعول چار ہیں فتحہ، کسرہ، الف، یاء جیسے
رئیت زیداً۔ رئیت مسلمات۔ رئیت اباک۔ رئیت مسلمین۔ رئیت مسلمین لف و نشر مرتب
کے طور پر۔ دلیل حصر یہ ہے کہ اعراب بالحرکۃ ہوگا یا بالحرف اگر اول ہے تو بالفتح ہوگا یا بالکسر
اور ثانی ہے تو یا بالالف ہوگا یا بالیاء۔ مثالیں گذر چکیں تفصیل دیکھنی ہو تو اسم متمکن کی سولہ
اقسام پر غور کیا جائے۔ اب اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض اسماء ایسے ہیں جنکو
علامت مفعولیت کے باوجود منصوبات کا حکم نہیں دیا جاتا پس تعریف دخول غیر سے مانع
نہ ہوئی کیونکہ اس میں مررت بمسلمات کا مسلمات داخل ہو گیا اس لئے کہ کسرہ علامات مفعول ہے
اور یہاں کسرہ موجود ہے مگر اسکو کوئی بھی مفعول سے تعبیر نہیں کرتا صرف مجرور کہتے ہیں جواب
یہ ہے کہ تعریف میں قید حیثیت کا اعتبار کیا جائیگا یعنی منصوب وہ ہے کہ جسمیں علامت مفعولیت
اس حیثیت سے پائی جائے کہ وہ مفعولیت کی علامت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مررت بمسلمات

مختصر آیہ کہ علم بمعنے علامت ہے نہ کہ علم بمعنے اسم کہ اس کو لیکر اعتراض کر دیا جائے کہ علم اس کو کہتے ہیں کہ جو کسی شئے کے لئے
بعینہ وضع کیا جائے ابھی واحد وضع کے ساتھ جو اپنے غیر کو متناول نہ ہو اور علم مفعولیۃ ایسا ہے نہیں اس لئے کہ وہ حال و تمیز
وغیرہ بہت سی اشیاء کو شامل ہے یا اعتراض کی تقریر بایں طور کی جائے کہ منصوبات کی تعریف افراد منصوبات میں سے ایک
پر صادق نہیں آتی اسلئے کہ زید مثلاً رئیت زیداً میں افراد منصوبات سے ہے مگر اس کے باوجود یہ علم مفعولیت کو شامل نہیں
میں کسرہ اس حیثیت سے نہیں پایا جا رہا کہ یہ مفعولیت کی علامت ہے لہذا مسلمات تعریف مذکور سے خارج ہے واللہ اعلم

فمنہ (ای من المنصوب او مما اشتمل علی علم المفعولیۃ) المفعول المطلق سمی بہ لصحۃ اطلاق صیغۃ المفعول علیہ من غیر تقیید بالباء او فی او مع او اللام (الاضافۃ للبیان ۱۲) بخلاف المفاعیل الاربعۃ الباقیۃ فانہ لا یصح اطلاق صیغۃ المفعول علیہا الا بعد تقییدہا بواحدۃ منہا فیقال المفعول بہ او فیہ او معہ او لہ وہو ای المفعول المطلق اسم ما فعلہ فاعل فعل

نہ ہوئی ان تمام اعتراضات کا جواب شارح والمراد بفعل الفاعل الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ فاعل فعل کے اس کو کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ یعنی مفعول مطلق فاعل فعل کے ساتھ اس طرح قائم ہو کہ فعل کی نسبت یعنی اسناد فاعل کی طرف درست ہو سکے عام ازیں کہ نسبت ایجابیہ ہو یا سلبیہ نسبت ایجابیہ جیسے ضرب زید ضرباً اور نسبت سلبیہ جیسے ما ضربت ضرباً۔ لہذا پہلا اعتراض مندفع ہو گیا کیونکہ نسبت میں تعمیم ہے منفی اور مثبت دونوں تعریف میں داخل ہیں اور فعل مجہول کے مفعول مطلق کے بارے میں یہ ہے کہ جب مفعول مالم یسم فاعلہ فاعل کے قائم مقام ہو گیا تو اس نے فاعل کا ہی حکم لے لیا پس فعل کا اسناد فاعل کی طرف درست ہو گیا اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہماری مراد یہ ہے کہ قیام مفعول مطلق فاعل فعل کے ساتھ اس طرح پر ہو کہ اس کی نسبت فاعل کی طرف درست ہو سکے اور یہ مراد نہیں ہے کہ تاثیر اور ایجاد فاعل کو اس میں دخل ہو تو اب مات موتاً جسم جسامۃً اور شرف شرافۃً والا اعتراض بھی واقع نہ ہو گا اس لئے کہ یہ افعال اس قسم کے ہیں کہ ان کا اسناد اس چیز کی طرف صحیح ہے کہ جس کے ساتھ یہ قائم ہیں اس لئے کہ موت زید کے ساتھ قائم ہے اگرچہ وہ موت زید میں موثر نہیں علی ہذا القیاس جسم جسامۃً اور شرف شرافۃً میں جسامت اور شرافت زید کے ساتھ قائم تو ہیں اور زید کی طرف جسامت اور شرافت کی نسبت تو صحیح ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ زید قوی ہیکل اور بلند مرتبہ ہو گیا پس اس نسبت کے باعث موتاً جسامۃً اور شرافۃً کا مفعول مطلق ہونا درست ہو گیا تاثیر اور ایجاد فاعل جو کہ اللہ تعالے کے ساتھ مختص ہیں وہ چونکہ تعریف میں مراد ہی نہیں اس لئے ان کا کچھ اعتبار نہیں ہو گا۔ (فائدہ) عبارت میں قدرے گنجلک ہے۔ (باقی بر صفحہ ۴)

له قولہ فمنہ الخ یعنی ان منصوبات میں سے ایک مفعول مطلق ہے اس جگہ شارح نے منہ کی تفسیر ای من المنصوب او مما اشتمل الخ سے کر کے ضمیر مجرور کے مرجع کو ظاہر کیا ہے یعنی ضمیر مجرور کا مرجع یا تو المنصوب ہے یا ما اشتمل الخ اول تو اس لئے مرجع بن سکتا ہے کہ وہ مقصود بالذات ہے کیونکہ اسی سے بحث ہو رہی ہے اور ثانی کو اس لئے مرجع قرار دے سکتے ہیں کہ یہ اگرچہ مقصود بالذات تو نہیں لیکن اس کے قریب ضرور ہے کیونکہ منصوب کی تعریف ہی یہ ہے مفعول مطلق کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس پر بلا کسی قید کے صیغہ مفعول کا اطلاق درست ہے یعنی اسکو با یا فی یا مع یا لام کے ساتھ مقید کئے بغیر مفعول کہہ سکتے ہیں بخلاف دیگر مفاعیل باقیہ (مفعول بہ، فیہ، معہ، لہ) کے کہ ان پر اس وقت تک صیغہ مفعول کا اطلاق ہی نہیں کر سکتے جب تک کہ بہ، فیہ، معہ، لہ میں سے کسی ایک کے ساتھ مقید نہ کر لیا جائے اسی بنا پر مفعول بہ، مفعول فیہ، مفعول معہ، مفعول لہ کہا جاتا ہے یہی وجہ دیگر مفاعیل پر اس کی تقدیم کی بھی ہے کہ اس میں مذکورہ تقییدات میں سے کوئی بھی قید نہیں پائی جاتی واللہ اعلم ۱۲

قولہ وہو الخ مفعول مطلق اس کو کہتے ہیں جس کو اس فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو اور وہ اس فعل مذکور کے ہم معنی ہو دوسرے لفظوں میں اسکو یوں سمجھئے کہ مفعول مطلق وہ اسم ہے جو فعل مذکور کے ساتھ معنے مطلق میں شریک ہو اور دونوں کا فاعل ایک ہو عام ازیں کہ فعل مذکور لفظاً مذکور ہو یا تقدیراً۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف جامع نہیں اس لئے کہ بعض مفاعیل مطلق پر صادق نہیں آتی اور وہ اس تعریف سے خارج ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ مفعول مطلق ہیں مثلاً یہ تعریف فعل منفی کے مفعول مطلق پر صادق نہیں آتی جیسے لم یضرب ضرباً اس لئے کہ فعل مذکور کے فاعل نے اسکو نہیں کیا اور تعریف میں کرنا شرط ہے نیز فعل مجہول کے مفعول مطلق پر بھی یہ تعریف صادق نہیں آتی جیسے ضُرِبَ ضرباً اس لئے کہ یہاں بھی فعل مذکور کے فاعل سے اس کا صدور نہیں ہوا بلکہ فعل مذکور کے مفعول سے اسکا تحقق ہے اور جیسے مات موتاً جسم جسامۃً ان پر بھی مفعول مطلق کی تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ ان کو بھی فعل مذکور کے فاعل نے نہیں کیا اس لئے کہ موت فعل مذکور کے فاعل کا اثر نہیں بلکہ موت کو اگر وجودی کہا جائے تو اس کا موجد باری تعالیٰ ہے اور عدمی کہا جائے تو موثر کی محتاج نہیں ایسے ہی جسیم ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ہے نہ کہ اختیار اور تاثیر جسم سے پس تعریف مذکور جامع

والمراد بفعل الفاعل ایاہ قیامہ بہ بحیث یصح اسنادہ الیہ لا ان یکون
مؤثرا فیہ موجدا ایاہ فلا یرد علیہ مثل مات موتا وجسم جسامۃ و
شرف شرفا وانما زید لفظ الاسم لان ما فعلہ الفاعل ہو المعنی
والمفعول المطلق من اقسام اللفظ ویدخل فیہ المصادر کلہا
مذکور صفۃ للفعل وہو اعم من ان یکون مذکورا حقیقۃ کما اذا کان
مذکورا بعینہ نحو ضربتہ ضربا او حکما کما اذا کان مقدرا نحو فضرب
الرقاب او اسما فیہ معنی الفعل نحو ضاربٌ ضربا وخرج بہ
المصادر التی لم یذکر فعلہا لا حقیقۃ ولا حکما نحو الضرب واقع
علی زید بمعناہ صفۃ ثانیۃ للفعل ولیس المراد بہ ان الفعل کائن

خارج ہے جیسے الضربُ واقعٌ علے زید کہ اس میں الضرب مصدر تو ہے مگر اس کا فعل مذکور نہیں نہ حقیقۃً اور نہ حکماً مذکور حقیقۃً کی مثال یعنی جبکہ فعل بعینہ مذکور ہو جیسے ضربتہ ضرباً کہ مصدر کا فعل ضربت بعینہ مذکور ہے اور حکماً کی مثال یہ ہے یعنی جبکہ مصدر کا فعل مقدر ہو جیسے فضرب الرقاب ای فاضربوا ضرب الرقاب کہ اس جگہ ضرب مصدر کا فعل اگرچہ لفظاً مذکور نہیں مگر حکماً و تقدیراً اضربوا مذکور ہے یعنی اضربوا پھر اس مذکور میں اس لحاظ سے بھی تعمیم ہے کہ اگر مصدر کا فعل حقیقۃً یا حکماً مذکور نہ ہو تو کم از کم ایک ایسا اسم ہی مذکور ہونا چاہیے کہ جس میں فعل کے معنی پائے جائیں یعنی شبہ فعل ہو جیسے ضاربٌ ضرباً واللہ اعلم ۱۲ قولہ بمعناہ الخ فعل کی پہلی صفت مذکور تھی یہ اس کی دوسری صفت ہے یعنی مفعول مطلق اس اسم کو کہتے ہیں جس کو اس فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو اور وہ فعل مذکور اس اسم کے ہم معنی ہو۔ (باقی بر ص ۵)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳) اس لئے اس کے ضمائر کے مرجع وغیرہ سمجھ لینے چاہئیں اسم ما فعلہ فاعل فعل میں ما سے مراد شے ہے اور شئ سے مراد مفعول مطلق کیونکہ اسی کی تعریف کی جا رہی ہے یعنی مفعول مطلق اس شے کا نام ہے اور پھر اس شے سے فعل بھی مراد لیا جا سکتا ہے کیونکہ جس چیز کو فاعل فعل نے کیا ہو گا وہ فعل ہی ہو گا پس فعلہ میں ہ ضمیر کا مرجع ما ہے اور والمراد بفعل الفاعل ایاہ قیامہ بہ الخ میں ایاہ کی ضمیر مرجع ہے کلمہ ما یعنی فعل کی طرف قیامہ کی ضمیر کا مرجع بھی یہی ہے البتہ بہ کی ضمیر مجرور فاعل کی طرف لوٹتی ہے اسنادہ الیہ میں بھی ضمیر اول کا مرجع فعل ہے اور ضمیر ثانی کا فاعل پس عبارت اس طرح ہو سکتی ہے والمراد بفعل الفاعل فعلاً قیام الفعل بالفاعل بحیث یصح اسناد الفعل الی الفاعل لا ان یکون الفاعل مؤثراً فی الفعل موجداً فعلاً جس کا مطلب یہ ہے کہ فعل مذکور کے فاعل کے اس فعل کو کرنے سے مراد یہ ہے کہ فعل کا (یعنی مفعول مطلق) کا قیام فاعل کے ساتھ اس حیثیت سے ہو کہ فعل (یعنی مفعول مطلق) کا اسناد فاعل کی طرف صحیح ہو جائے نہ یہ کہ فاعل فعل میں مؤثر اور فعل کا موجد ہو جیسے مثلاً مات زیدٌ موتاً کہ اس میں فعل (یعنی مفعول مطلق موتاً) فاعل کے ساتھ اس طرح قائم ہے کہ فعل موت کا اسناد فاعل (زید) کی طرف صحیح ہو رہا ہے یعنی مرنیوالا زید ہے اور زید اس فعل میں مؤثر نہیں بلکہ مؤثر باری تعالیٰ ہے واللہ اعلم ۱۲ قولہ وانما زید الخ اس عبارت سے شارح ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں تقریر سوال کی یہ ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف میں لفظ اسم کی زیادتی کی کیا وجہ ہے جبکہ اس کے بغیر بھی مطلب اختصار کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے جواب یہ ہے کہ لفظ اسم اس وجہ سے زائد کیا کہ اس کے اضافہ کے بغیر خلاف مقصود لازم آتا ہے کیونکہ اس وقت تعریف مذکور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفعول مطلق ان معنی کو کہتے ہیں جن کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ مفعول مطلق اقسام لفظ سے ہے از قسم معنی نہیں اس لئے کہ نحوی لفظ سے بحث کرتے ہیں معنے سے نہیں پھر چونکہ تعریف مذکور اسم ما فعلہ فاعل فعل سے کی گئی ہے اس لئے اس میں تمام مصادر داخل ہو جاتے ہیں اس لئے کہ ہر مصدر اپنے فاعل کا فعل ہے پس جب مصنف نے فعل کی صفت مذکور کی قید کا اضافہ کر دیا تو اس سے وہ تمام مصادر خارج ہو گئے کہ جن کا فعل مذکور نہیں پھر اس مذکور میں تعمیم ہے یعنی مذکور خواہ حقیقۃً ہو یا حکماً پس جس مصدر کا فعل نہ حقیقۃً مذکور ہو اور نہ حکماً وہ اس کی

(بقیہ صکا) یعنی فعل اور اسم دونوں کا فاعل ایک ہو پس بل المراد سے شارح لفظ معناہ کے معنے بیان فرمارہے ہیں کہتے ہیں کہ قولہ معناہ سے یہ مراد نہ لیا جائے کہ فعل اس اسم کے معنی میں ہو گا یعنی فعل اس اسم کے معنے کے مطابق ہو گا جیسے ضربتہ تادیبا میں تادیبا کے معنے بعینہ ضرب کے ہیں کیونکہ ضرب اور تادیب کا زمانہ دونوں متحد ہیں پس ضربا نہیں کہا تادیبا کہدیا ایک ہی بات ہے لہذا تادیبا کو بھی مفعول مطلق کہا جائے کیونکہ فعل اور معنی اسم دونوں ایک ہیں اس لئے کہ معنی اسم معنی فعل کے خبر ہوتے ہیں کیونکہ اسم معنے حدث کا نام ہے اور فعل حدث اور زمان کے مجموعہ کو کہتے ہیں پس اسم یعنی معنے حدث معنے فعل یعنی حدث اور زمان کا جز ہو گیا کیونکہ متعدد کے ضمن میں واحد موجود ہوا کرتا ہے لہذا تعریف مانع دخول غیر سے مانع نہیں رہتی شارح نے بل المراد سے اس کی مانعیت کا جواب دیا کہ تم نے معناہ سے جو معنے مراد لئے ہیں وہ غلط ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ معنے فعل معنے اسم پر اس طرح مشتمل ہوں جیسے کل کا اشتمال جزء پر ہوتا ہے کیونکہ کل میں جز بھی پایا جاتا ہے پس وہ کل اپنے بعض اجزاء کے اعتبار سے جزء پر مشتمل ہو گا لہذا اس سے ضربتہ تادیبا مثال کا تادیبا خارج ہو گیا اس لئے کہ یہ اگرچہ اس قبیل سے ہے کہ اس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہے لیکن یہ اس قبیل سے نہیں کہ معنے فعل اس پر مشتمل ہوں یعنی معنے اسم پر اشتمال معنے فعل کا اس جگہ قصد نہیں کیا گیا کیونکہ تادیب اسجگہ ضرب کے معنے کا جز نہیں کہ وہ اس پر مشتمل ہو جائے بلکہ تادیب ضرب کی علت واقع ہے اور جب علت واقع ہے تو مفعول لہ ہو گا مفعول مطلق نہیں ہو گا واللہ اعلم ۱۲ قولہ وکذلک الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال یہ ہے کہ یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ یہ

بمعنے ذلک الاسم فان معنی الاسم جزء معناه بل[ع] المراد ان معنی الفعل مشتمل علیه اشتمال الکل علی الجزء فخرج به مثل تادیبا فی قولک ضربته تادیبا فانه وان کان مما فعله فاعل فعل مذکور لکنه لیس مما اشتمل علیه معنی الفعل وکذلک خرج به مثل کراهتی فی نحو کرهت کراهتی فان للکراهة اعتبارین احدهما کونها بحیث قامت بفاعل الفعل المذکور واشتق منها فعل اسند الیه ولا شک ان معنی الفعل مشتمل علیها حینئذ وثانیهما کونها بحیث وقع علیها فعل الکراهة فاذا ذکرت بعد الفعل بالاعتبار الاول کما فی قولک کرهت کراهة فهو مفعول مطلق واذا ذکرت بعده بالاعتبار الثانی کما فی قولک کرهت کراهتی فهو مفعول به لا مفعول مطلق اذ لیس فعل الفعل مشتملا علیه بهذا الاعتبار بل هو واقع علیه وقوع الفعل

(الا اشتمال الملزوم علی اللازم او غیره ۱۲ — شرح ۱۲ — التذکیر باعتبار التجنیس ۱۲ — اے باعتبار کونہ مفعولا ۱۲ رحمن)

میں داخل ہے اور دوسرا اعتبار اس میں اس حیثیت سے ہے کہ اس پر فعل کراہۃ واقع ہے پس اس صورت میں اس کا ترجمہ یہ ہو گا کہ کرہت کراہتی یعنی مکروہ سمجھا میں نے اپنے مکروہ سمجھنے کو تو بلاشبہ یہ اس وقت مفعول بہ ہو گا نہ کہ مفعول مطلق پس جب کراہتی کو فعل کے بعد اعتبار اول کے مطابق ذکر کیا جیسا کہ قول قائل کرہت کراہۃ کی صورت میں تو یہ مفعول مطلق ہو گا اور جب اس کو اعتبار ثانی کے لحاظ سے ذکر کیا جائیگا جیسا کہ قول قائل کرہت کراہتی میں ہے

(باقی بر صفحہ ۶)

اس کراہتی پر صادق آتی ہے جو کرہت کراہتی میں واقع ہے حالانکہ کراہتی مفعول بہ ہے مفعول مطلق نہیں مگر اس کے باوجود یہ اس قبیل سے ہے کہ اس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہے جواب یہ ہے کہ جس طرح ہمارے معناہ کی توجیہ کرنے پر تادیبا مفعول لہ خارج ہو گیا اسی طرح یہ کراہتی بھی تعریف سے خارج ہے کیونکہ کراہۃ کے لئے دو اعتبار ہیں ایک تو اس کا اس طرح پر ہونا کہ یہ فاعل فعل مذکور کے ساتھ قائم ہے اور اس سے وہ فعل مشتق ہے کہ جس کی اسناد فاعل کی طرف کی گئی ہے پس فعل مشتق ہو گا اور کراہت مشتق منہ پس معنی یہ ہو جائینگے کہ کرہت کراہۃ یعنی مکروہ سمجھا میں نے مکروہ سمجھنا پس اس اعتبار سے بلاشک معنی فعل معنی اسم کو مشتمل ہیں اور یہ تعریف مفعول مطلق

(بقیہ حاشیہ صہ ۵) تو وہ مفعول بہ ہوگا نہ کہ مفعول مطلق اس لئے کہ اس صورت میں یہ فعل اس اعتبار سے اس مصدر یعنی اسم پر مشتمل نہیں ہوگا بلکہ وہ فعل اس اسم پر واقع ہوگا جیسا کہ فعل متعدی مفعول بہ پر واقع ہوتا ہے پس اس اعتبار سے وہ تعریف سے خارج ہوگیا اور تعریف محدود پر منطبق ہوگئی یعنی اپنے افراد کو جامع ہوگئی اور دخول غیر سے مانع واللہ اعلم ۱۲ ملہ قولہ وقد یکون الخ اب مصنف رحمہ اللہ

على المفعول به فخرج بهذا الاعتبار عن الحد وانطبق الحد على المحدود

(اے باعتبار کونہ مفعولا ۱۲ رحمن)

جامعًا ومانعًا وقد يكون المفعول المطلق للتاكيد ان لم يكن فى

(وفائدتہ دفع توہم السہو او دفع توہم)

مفهومه زيادة على ما يفهم من الفعل والنوع ان دل على

(من نوع او عدد ۱۲)

بعض انواعه والعدد ان دل على عدده مثل جلستُ جلوسًا

للتاكيد وجِلسة بكسر الجيم للنوع وجَلسة بفتحها للعدد فالاول

اى الذى للتاكيد لا يثنى ولا يجمع لانه دالٌّ على الماهية المعراة

عن الدلالة على التعدد والتثنية والجمع يستلزمان التعدد فلا

يقال جلستُ جلوسين او جلوسات الا اذا قصد به النوع او

العدد بخلاف اخويه اللذين هما للنوع والعدد نحو جلست

لہذا تاکید کی صورت میں مفعول مطلق کا افراد پر باقی رہنا ضروری ہے بخلاف تثنیہ اور جمع کے کہ یہ دونوں ماہیۃ مقیدہ بالتعدد پر دلالت کرتے ہیں اور دونوں کو تعدد مستلزم ہے پس جلستُ جلوسین یا جلستُ جلوساتٍ نہیں کہا جاسکتا مگر جبکہ اس کے ساتھ نوع یا عدد کا قصد کیا جائے تو تثنیہ و جمع لایا جاسکتا ہے پس جب نوع واحد یا عدد واحد کا ارادہ کیا جائے گا تو مفعول مطلق مفرد لایا جائے گا اور جب نوعین یا انواع، عددین یا اعداد مقصود ہوں گے تو مفعول مطلق کبھی تثنیہ یا جمع لایا جائے گا کیونکہ مفرد تثنیہ یا جمع پر دلالت نہیں کرسکتا اسی کو مصنف بخلاف اخویہ سے بیان کر رہے ہیں یعنی بخلاف تاکید دونوں نظیروں کے یعنی نوع و عدد کے کہ یہ تثنیہ و جمع لائے جاسکتے ہیں جیسے جلستُ جِلستین و جَلستین جِلساتٍ و جَلسات بکسر الجیم لنوع و بفتحہا للعدد (فائدہ) مفعول مطلق کے (باقی بر صہ ۷)

مفعول مطلق کی تعریف سے فارغ ہونے کے بعد اس کی تقسیم کو شروع کرتے ہیں کہتے ہیں کہ مفعول مطلق کبھی تاکید فعل کے لئے آتا ہے یعنی جو معنے کہ فعل سے مستفاد ہوتے ہیں ان سے زائد پر دلالت نہ کرے بلکہ مفعول مطلق صرف معنی مستفاد عن الفعل بتائے تو یہ تاکید کے لئے ہوتا ہے جیسے ضربتُ ضربًا اور اگر بعض انواع فعل پر دلالت کرے تو نوع کے لئے ہے اور اگر عدد بتلائے تو عدد کے لئے یعنی جو کچھ فعل سے مستفاد ہوتا ہے اس کو بتلانے کے ساتھ ساتھ نوع یا عدد پر بھی دلالت کرے اور اگر صرف نوع یا عدد تو بتائے لیکن جو فعل کا مفہوم ہے اس پر دلالت نہ کرے تو یہ تعریف مفعول مطلق سے خارج ہو جائیگا تاکید کی مثال جیسے جلستُ جلوسًا اس میں مفہوم مستفاد عن الفعل پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہو رہی لہذا یہ تاکید کے لئے ہے اور جلستُ جِلسۃ بکسر الجیم یہ اپنے مفہوم مستفاد کے ساتھ ساتھ نوع کو بھی بیان کر رہا ہے یعنی بیٹھا میں ایک قسم کا بیٹھنا مثلاً جلستُ جِلسۃ القاری لہذا یہ نوع کے لئے ہوگا اور جلستُ جَلسۃ بفتح الجیم عدد پر دلالت کر رہا ہے اپنے مفہوم مستفاد کے ساتھ لہذا یہ بیان عدد کے لئے ہے

اس لئے کہ جلسۃ ایک مرتبہ بیٹھنے کو کہتے ہیں (فائدہ) فَعلۃ کا وزن بیان عدد کیلئے آتا ہے اور فِعلۃ کا بیان نوع کے لئے ذکر فی فن الصرف واللہ اعلم ۱۲ ملہ قولہ فالاول الخ یعنی جو مفعول مطلق تاکید کیلئے ہو وہ تثنیہ اور جمع نہیں لایا جاتا بلکہ ایک ہی حالت یعنی افراد پر رہتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تاکید ایسی ماہیۃ پر دلالت کرتی ہے جو دلالت علی التعدد وغیرہ سے خالی ہو ورنہ اگر اس کو تثنیہ و جمع لایا جائے تو اس کے مفہوم میں فعل کے مفہوم پر زیادتی لازم آتی ہے اور پھر اس سے تاکید کا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا

(بقیہ صلہ) ان تینوں قسموں میں منحصر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مفعول مطلق دو حال سے خالی نہیں اس کے مفہوم میں مفہوم فعل پر زیادتی ہوگی یا نہیں اور اگر نہیں ہے تو تاکید کے لئے ہے اور اگر زیادتی ہوگی تو پھر دو حال سے خالی نہیں اس سے انواع کا قصد کیا جائیگا یا اعداد کا اگر انواع مقصود ہوں تو نوع کے لئے ہے ورنہ بصورت اعداد عدد کے لئے واللہ اعلم **لہ** قولہ قد یکون الخ کبھی مفعول مطلق بغیر

جَلستین وجلسات بکسر الجیم او فتحہا وقد یکون[۱] المفعول المطلق

بغیر لفظہ ای مغایرا للفظ فعلہ اما بحسب المادۃ مثل[ع] قعدت

جلوسًا واما بحسب الباب نحو انبتہ اللہ نباتًا وسیبویہ[۲] یقدر

لا بحسب المادۃ ۱۲

لہ عاملاً من بابہ ای قعدت وجلست جلوسًا وانبتہ اللہ فنبت نباتًا

وقد یحذف[۳] الفعل الناصب للمفعول المطلق لقیام قرینۃ

جواز کقولک لمن قدم من سفرہ خیر مقدمٍ[ع] ای قدمت قدومًا

حذفا جائزا ۱۲ — ھذا اما خبر او دعاء ۱۲

خیر مقدم فخیر اسم تفضیل ومصدریتہ باعتبار الموصوف

لفظہ بھی آتا ہے یعنی اپنے فعل کے لفظ کے مغائر کہ فعل کے الفاظ کچھ اور ہیں اور مفعول مطلق کے کچھ اور اس کی متعدد صورتیں ہیں یا یہ مغایرت باعتبار مادہ کے ہوگی جیسے قعدتُ جلوسًا کہ دونوں کا مادہ مختلف ہے یا باعتبار باب کے جیسے اَنبتہُ اللہ نباتًا کہ اس میں انبت باب افعال سے ہے اور نباتا باب نصر سے یا باب اور مادہ دونوں کے اعتبار سے جیسے فاوجس فی نفسہ خیفۃً موسیٰ کہ اس میں اوجس اور خیفۃً کا مادہ بھی مختلف ہے اور باب مغایر بھی کہ فعل کا افعال ہے اور مفعول مطلق کا سمع ایجاس کے معنی ہیں دل میں خوف ڈالنا مگر ان تمام مغایرتوں کے باوجود یہ ضروری ہے کہ مفعول مطلق معنے کے اعتبار سے کبھی اپنے فعل کے مغایر نہیں ہوگا ورنہ اس کا مفعول مطلق ہونا صحیح نہیں ہوگا جیسا کہ ضربتُ تادیبًا کے ضمن میں گذرا واللہ اعلم **سلہ** قولہ وسیبویہ الخ سیبویہ کہتے ہیں کہ جس طرح مفعول مطلق اور اس کے فعل میں باعتبار معنے کے اتحاد ضروری ہے اسی طرح باعتبار الفاظ کے موافقت لابدی ہے اور وہ قعدتُ جلوسًا وغیرہ امثلہ میں اسی باب کا عامل مقدر مانتے ہیں یعنی قعدتُ جلوسًا میں قعدت و جلستُ جلوسًا اور انبتہ اللہ نباتًا میں انبتہ اللہ منبت نباتًا کے قائل ہیں بخلاف مازنی، مبرد وغیرہ کے کہ یہ فعل ظاہر ہی کی وجہ سے مفعول مطلق کو منصوب قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک تقدیر کی اس وقت ضرورت پیش آتی ہے جبکہ اس کے بغیر چارہ ہی نہ ہو اور یہاں قعدت اور انبت کے ہوتے ہوئے تقدیر عبارت کی کوئی حاجت نہیں (فائدہ) قعدتُ جلوسًا والی مثال اس وقت درست ہو سکتی ہے جبکہ دونوں کے معنی محض بیٹھنے کے لئے جائیں لیکن جبکہ قعود کے معنے لیٹے کی حالت سے بیٹھنے کے اور جلوس کے معنے حالت قیام سے بیٹھنے کے لئے جائیں تو اس صورت میں جلوسًا کو قعدتُ کا مفعول مطلق بنانا درست نہ ہوگا کیونکہ ان دونوں میں لفظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے مغایرت پیدا ہو گئی اور یہ مفہوم مفعول مطلق کے خلاف ہے واللہ اعلم **سلہ** قولہ وقد یحذف الفعل الخ کبھی مفعول مطلق کے فعل ناصب کو جب کوئی قرینہ اس کے حذف پر قائم ہو جائے تو حذف کر دیتے ہیں مگر یہ حذف جائز ہے واجب نہیں جیسے کوئی شخص سفر سے واپس آئے تو اس کو دعا دیتے ہوئے کہتے ہیں خیر مقدم یعنی قدمت قدومًا خیر مقدم کے بجائے صرف خیر مقدم پر اکتفاء کر لیتے ہیں کیونکہ یہاں مسافر کا آنا ہی اس کے حذف پر بصراحت دلالت کر رہا ہے پس اول قدمتَ کو جو کہ مفعول مطلق کا ناصب ہے بقرینہ حال مخاطب حذف کیا گیا اور پھر قدومًا کو بھی حذف کر کے اس کی صفت کو قائم مقام کر دیا گیا اب اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خیرٌ اسم تفضیل ہے اصل میں اخیرُ تھا کثرت استعمال کے باعث الف کو خلاف قیاس حذف کر دیا گیا پس جب خیر اسم تفضیل ہے تو اس کو مفعول مطلق بنانا کیسے درست ہو سکتا ہے اس کا جواب شارح فخیر اسم تفضیل الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ خیر اسم تفضیل ہے یہ درست ہے مگر اس کی مصدریت کی دو صورتیں ہیں باعتبار موصوف کے ہوگی (باقی بر صفحہ)

(بقیہ صک) یا باعتبار مضاف الیہ کے یعنی اگر موصوف محذوف قدوما کی صفت واقع ہونے کا اس میں لحاظ کیا جاتا ہے تو چونکہ قدوما مصدر ہے لہٰذا اس کا اثر صفت میں بھی جاری وساری ہوگا کیونکہ صفت موصوف بمنزلہ شیٔ واحد کے ہوتے ہیں اور اگر اس میں مقدم مصدر میمی کی طرف اضافت کا اعتبار کرتے ہیں تو جو حکم مضاف الیہ کا ہوگا وہی اسم تفضیل کا بھی ہوگا کیونکہ اسم تفضیل جب کسی شئے کی طرف مضاف کر دیا جاتا ہے تو وہ بعض مضاف الیہ اور اس کے افراد میں سے ہو جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مقدم مصدر ہے پس خیر بھی مصدر کے حکم میں ہو گیا اور حاصل یہ ہوا کہ اسم تفضیل جب کسی چیز کی صفت یا چیز کی طرف مضاف ہو تو اس کے موصوف اور اس کے مضاف الیہ کی پیروی کرتے ہیں یعنی اس کے معنے معنے موصوف اور معنے مضاف الیہ کی طرف منقلب ہو جاتے ہیں پس خیر کا مفعول مطلق بننا درست ہو گیا واللہ اعلم ۔ ۵ قولہ ووجوباً الخ اس کا عطف جوازاً پر ہے اور واجباً کے معنی میں ہو کر مفعول مطلق ہے یعنی حذفاً کی صفت ہے ای یحذف حذفاً واجباً اسی طرح سماعاً سماعیاً کے معنی میں ہو کر مفعول مطلق ہی حذفاً کی صفت ثانیہ ہو کر اس توجیہ کی ضرورت اس وجہ سے پڑی کہ اگر وجوباً اور سماعاً کو اپنی حالت پر برقرار رکھا جاتا تو صفت کا حمل موصوف پر درست نہ ہوتا کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوتے کہ کبھی فعل حذف کر دیا جاتا تو ایسا حذف جو کہ وجوب اور سماع ہے حالانکہ وجوب اور سماع حذف نہیں ہوتے پس اس توجیہ سے معلوم ہو گیا کہ حذف ایسا ہوگا جو واجب اور سماعی ہو مفعول

او المضاف الیہ لان اسم التفضیل لہ حکم ما اضیف الیہ
ووجوباً ۵ ای حذفاً واجباً سماعاً ای سماعیاً موقوفاً علی
السماع لا قاعدۃ لہ لیعرف بہا نحو سقیاً ای سقاک اللہ
سقیاً ورعیاً ای رعاک اللہ رعیاً وخیبۃ ای خاب خیبۃ من (ہذہ کلہا دعاء ۱۲ عفی)
خاب الرجل خیبۃ اذا لم ینل ما طلب وجدعاً ای جدع (دعا علیہ ۱۲ عفی)
جدعاً والجدع قطع الانف والاذن والشفۃ والید وحمداً (نا امید شد ۱۲) (نیافت ۱۲) (اسے جدعک اللہ جدعا ۱۲)
ای حمدت حمداً وشکراً ای شکرت شکراً وعجباً ای عجبت عجباً فانہ
لم یوجد ۵ فی کلامہم استعمال الافعال العاملۃ فی ہذہ المصادر

یعنی تجھ کو اللہ تعالیٰ اچھی جزا دے اور رعاک اللہ رعیاً کی جگہ صرف رعیاً کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے حفاظت کرنا اور خاب زید خیبۃ کی جگہ صرف خیبۃ کہا جاتا ہے خیبۃ ماخوذ ہے خاب الرجل خیبۃ سے جس کے معنی ہیں نا امید ہونا یعنی یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ کوئی شخص اپنے مطلوب کو پانے میں ناکام رہے جدعاً بد دعائیہ کلمہ ہے جدع لغت میں ناک کان لب اور ہاتھ کے کاٹنے کو کہتے ہیں یہ کلمہ جدعک اللہ جدعاً کی بجائے اس وقت بولتے ہیں جب کسی سے ناراضگی ہو اور اس کو بد دعا دینی مقصود ہو مطلب یہ ہے کہ تجھکو اللہ تعالیٰ ذلیل ورسوا کرے بہت زیادہ حمداً حمدت حمداً کی جگہ پر بولا جاتا ہے اور شکراً شکرت شکراً کی جگہ پر اور عجباً عجبت عجباً کے موقعہ پر ان مفاعیل مطلق کو ہر متکلم بحذف فعل بدل سکتا ہے لیکن ضرب ضرباً کو اس پر قیاس کر کے صرف ضرباً نہیں بدل سکتا کیونکہ عرب سے یہ مسموع نہیں ہے ۵ قولہ فانہ لم یوجد یہاں سے شارح علیہ الرحمۃ اس امثلہ میں وجوب حذف فعل کی دلیل بیان کر رہے ہیں ۔
(باقی بر صفحہ ۹)

مطلق کے وجوباً حذف کرنے کی دو صورتیں ہیں حذف کیلئے کوئی قاعدہ مقرر ہوگا یا نہیں اگر کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہے تو سماعی ہے ورنہ قیاسی حذف سماعی کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ عرب سے چند مخصوص امثلہ میں حذف سنا گیا ہے عام طور سے اون جیسی امثلہ میں حذف نہیں سنا گیا اسلئے اون سے کوئی ضابطہ حذف نہیں بنایا گیا تاکہ ہر متکلم اپنے کلام میں جو اوس مثال کے مانند ہو حذف کر کے بولے جیسے سقیاً سقاک اللہ سقیاً کی جگہ بحذف فعل بولتے ہیں یعنی سیراب کرے تجھکو اللہ تعالیٰ سیراب کرنا

وہذا معنی وجوب الحذف سماعاً قیل علیہ قد قالوا حمدتُ اللّٰہ حمداً وشکرتہ شکراً وعجبتُ عجباً فاجاب بعضہم بان ذٰلک لیس من کلام الفصحاء وبعضہم بان وجوب الحذف انما ہو فی ما استعمل باللام نحو حمداً لہ وشکراً لہ وعجباً لہ وقد یحذف الفعل الناصب للمفعول المطلق حذفاً واجباً قیاساً ای حذفاً قیاسیاً یعلم لہ ضابطٌ کلّیٌ یحذف معہ الفعل

میں مصادر کا استعمال لام کے ساتھ نہیں ہے اور مصنف نے مطلقاً یہ امثلہ بیان کی ہیں لہذا یہ جواب درست نہیں یعنی استعمال باللام کا ورنہ لازم آئیگا کہ مصنف نے غلط بیان کیا واللّٰہ اعلم ٣ قولہ وقد یحذف الخ اس تمام عبارت کے اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ قیاساً کا عطف سماعاً پر ہے اور سماعاً حذفاً موصوف محذوف کی صفت ثانیہ ہے پس قیاساً بھی عطف کی بناپر حذفاً موصوف کی صفت ثانیہ بن کر یحذف کا مفعول مطلق بنیگا اور الناصب للمفعول المطلق کا اضافہ شارح نے پہلے بھی کیا ہے اور یہاں بھی اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مفعول مطلق کی بحث ہو رہی ہے نہ کہ حذف فعل کی لہذا اشتغال بمالا یعنی لازم آتا ہے تو اس اضافہ سے یہ شبہ دور ہو گیا کیونکہ اگرچہ یہاں حذف فعل کا ذکر ہے مگر چونکہ اس حذف فعل کا تعلق ناصب ہونے کی حیثیت سے مفعول مطلق کے ساتھ ہے اس لئے اس کو ذکر کرنا ضروری ہوا اور ای حذفاً قیاسیاً الخ کے اضافہ سے یہ امر واضح کر دیا کہ دونوں صورتیں سماعی اور قیاسی کی ایک دوسرے کے مد مقابل ہیں یعنی سماعی کی صورت میں کوئی دلیل وجوب حذف پر سوائے عدم وجدان استعمال کے پائی نہیں جاتی اور قیاسی کی صورت میں دلیل موجود ہونی ضروری ہے یعنی اس کے لئے ایک ضابطہ کلی وضع کیا جائے گا جو اس کی جزئیات پر منطبق ہوگا اور پھر اس ضابطہ کلی کی وجہ سے فعل کو حذف کیا جائیگا پس اس کیلئے بہت سے مواضع ہیں شارح کی شرح متعدد ہو سے (باقی بر صفحہ)

(بقیہ صد) کہتے ہیں کہ ان میں وجوب حذف فعل کی دلیل یہ ہے کہ کلام عرب میں ان مصادر کا استعمال افعال عاملہ سقا۔ رعا وغیرہ کے ساتھ نہیں دیکھا گیا پس ان افعال کے استعمال کا عدم وجدان ہی ان کے وجوب حذف کی دلیل ہے یہی معنی ہیں وجوب حذف سماعی کے ورنہ اگر اہل عرب سے ان کا استعمال افعال عاملہ کے ساتھ سن لیا جاتا تو پھر یہ حذف واجب نہ رہتا اور اگر اسکو واجب ہی قرار دیا جاتا تو اس کے لئے محض سماع کافی نہیں تھا بلکہ علیحدہ دلیل بیان کرنا ضروری ہو جاتا جیسا کہ قیاساً کی صورت میں دلیل بیان کی گئی ہے واللّٰہ اعلم

ك قولہ قیل علیہ الخ اس سے شارح اوپر کے بیان کردہ مسئلہ پر ایک اعتراض کر کے اس کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ تمہارا یہ کہنا درست نہیں کہ ان مصادر کا استعمال افعال عاملہ کے ساتھ کلام عرب میں پایا نہیں جاتا حالانکہ حمدت اللّٰہ حمداً شکرتہ شکراً اور عجبت عجباً استعمال کیا جاتا ہے لہذا سماع اہل عرب اور عدم وجدان استعمال کو افعال عاملہ کے ساتھ دلیل قرار دینا وجوب حذف کے لئے صحیح نہیں پس اسکا جواب بعض نحاۃ نے تو یہ دیا کہ ان مصادر کے عوامل کا ذکر کرنا کلام فصحاء سے نہیں بلکہ بعد کے لوگوں کا کلام ہے اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ وجوب حذف عام نہیں بلکہ خاص ہے یعنی اگر ان مصادر کا استعمال لام کے ساتھ کیا جائے جیسے حمداً لہ وشکراً لہ وعجباً لہ تو حذف فعل ناصب واجب ہے لیکن اگر ان کا استعمال بغیر لام کے ہو تو حذف فعل ناصب واجب نہیں اور اس وجوب پر دلیل یہ ہے کہ جب ان مصادر کو لام کے ساتھ استعمال کریں گے تو کلام طویل ہو جائیگا اس لئے تخفیف کی ضرورت پیش آئیگی اور جب اسکا استعمال بغیر لام کے ہوگا تو چونکہ کچھ طوالت ہی کلام میں پیدا نہیں ہوگی اسلئے فعل کا حذف جائز ہوگا واجب نہیں اور جی چاہے تو فعل کو ذکر بھی کر سکتے ہیں جیسے حمدتُ حمداً لیکن یہ جواب مصنف کی عبارت کے مناسب نہیں چونکہ مصنف کی بیان کردہ امثلہ

(بقیہ صـ ۹) اسی کثرت پر اشارہ ہو رہا ہے مگر مصنف نے صرف مشہور مواضع پر اکتفا کیا واللہ اعلم لے قولہ منہا الخ اوپر کہا جاچکا ہے کہ مصنف نے تمام مواضع بیان نہیں کئے بلکہ صرف بعض مشہور پر اکتفا کیا ہے اس لئے من تبعیضیہ کے ساتھ منہا کہا یعنی بعض ان مواضع میں سے کہ جہاں مفعول مطلق کے فعل ناصب کا حذف کرنا واجب ہو ایک وہ جگہ ہے کہ جہاں مفعول مطلق نفی یا معنے نفی کے بعد مثبت واقع ہو اور وہ نفی یا معنے

لزوماً فی مواضع متعددۃٍ منہا[لے] ای من ہذہ المواضع موضع ما وقع ای مفعول مطلق وقع مثبتاً ارید اثباتہ لا نفیہ فانہ لو ارید نفیہ نحو ما زید یسیر سیراً لا یجب حذفہ بعد نفیٍ داخلٍ علے اسمٍ لا یکون المفعول المطلق خبراً عنہ او بعد معنے نفیٍ داخلٍ علے اسمٍ لا یکون المفعول المطلق خبراً عنہ ای عن ذلک الاسم وانما قال علے اسمٍ لانہ لو دخل علے فعلٍ نحو ما سرتُ الا سیراً او انما سرت سیراً لا یکون منہ وانما وصف الاسم بان یکون المفعول المطلق خبراً عنہ لانہ لو کان خبراً عنہ نحو ما سیری الا سیرٌ شدیدٌ لکان

متصف کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ مفعول مطلق اس اسم سے خبر نہ ہو سکے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے ماسیری الا سیرٌ شدیدٌ کو خارج کرنا مقصود ہے کیونکہ اگر مفعول مطلق اس اسم سے خبر واقع ہو سکے تو یہ بنا بر مفعول مطلق ہونے کے منصوب نہیں ہوگا بلکہ خبریت کی بنا پر مرفوع ہو جائیگا کیونکہ اس جگہ خبر بننے کا قرینہ زیادہ ہو گا اس لئے کہ سیر کی صفت شدید لائی گئی ہے ورنہ اگر صرف ماسیری الا سیرٌ کہا جاتا تو سیرٌ میں خبریت کا احتمال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا اور سیرٌ کو مرفوع بھی نہ پڑھا جاتا لہذا یہ مفعول مطلق ہو جاتا اور یہ خبریت کا ذکر اس وجہ سے کرنا پڑا کہ جب کسی کلمہ کا اعراب مثلاً نصب متعین ہوتا ہے تو اس اعراب کیخلاف بھی دوسرا اعراب اس پر پڑھ لیتے ہیں جیسا کہ اسی صورت میں کیونکہ کبھی مفعول بھی مرفوع ہو جاتا ہے اپنے اعراب نصب متعین ہونے کے باوجود پس سیری الا سیرٌ شدیدٌ میں دونوں احتمال تھے مگر احتمال خبریت راجح تھا اس لئے اس کو مفعول مطلق سے خارج کرنا پڑا واللہ اعلم

نفی ایسے اسم پر داخل ہوں کہ اس سے یہ مفعول مطلق خبر نہ بن سکتا ہو اس جگہ شارح نے ما وقع سے پہلے موضع مضاف مقدر نکال کر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر یہ مضاف مقدر نہ ہوگا تو مفعول مطلق کا بعض مواضع پر حمل لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے پس جب موضع کا اضافہ ہو گیا تو بعض مواضع کا بعض پر حمل درست ہو گیا اور مثبت کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اگر مفعول مطلق مثبت نہ ہو منفی ہو تو ارادۂ نفی کے وقت ناصب مفعول مطلق کا حذف واجب نہ ہوگا جیسے ما زید یسیر سیراً میں اس لئے کہ اس صورت میں وہ حصر مفقود ہو جاتا ہے جس کے مقدر پر فعل ناصب کا حذف کرنا واجب ہے کیونکہ نفی چاہتی ہے منفی کو اور سیر میں منفی ہونے کی صلاحیت موجود ہے اس لئے کہ حرف نفی یعنی ما اس میں عامل ہو رہا ہے کیونکہ یسیرُ ما مشبہ بلیس کی خبر ہے اور یہی نفی کا معمول بننے کے بعد مفعول مطلق کو یسیرُ نصب بھی دے رہا ہے اس لئے وہ نفی مفعول مطلق میں بھی سرایت کریگی پس حصر فوت ہو گیا لہذا تقدیر عامل نصب کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ رہی یہ بات

کہ نفی اور معنے نفی کے دخول کو اسم پر کس لئے مشروط کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر نفی یا معنے نفی اسم پر داخل نہ ہوں فعل پر داخل ہوں گے تو نفس کا حذف واجب ہوگا جیسے ما سرتُ الا سیراً او انما سرتُ اس لئے کہ اس صورت میں فعل مذکور ہی محذوف نہیں اور جب فعل مذکور ہے تو یہ حذف فعل کے قبیل سے نہیں لہذا یہ ما نحن فیہ سے خارج ہے پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسم کو اس وصف کیساتھ

مرفوعًا علی الخبریة او وقع[1] المفعول المطلق مکررًا ای فی موضع
الخبر عن اسمٍ لا یصح وقوعه خبرًا عنه فلا یرد نحو دکت الارض
دکًا دکًا وانما جمع بین الضابطتین لاشتراکهما فی الوقوع
بعد اسمٍ لا یکون خبرًا عنه نحو ما انت[2] الا سیرًا ای تسیر سیرًا او
ما انت الا سیر البرید ای تسیر سیر البرید هذان مثالان لما
وقع مثبتًا بعد نفی وانما اورد مثالین تنبیهًا علی ان الاسم
الواقع موقع الخبر ینقسم الی النکرة والمعرفة او الی ما هو فعل للمبتدأ

یہ دونوں مثالیں ضابطۂ اولیٰ کی ہیں یعنی جبکہ مثبت مفعول مطلق نفی کے بعد واقع ہو پس مثال مذکور میں سیرًا مفعول مطلق مثبت بعد نفی کے واقع ہے اور وہ نفی ایک ایسے اسم یعنی انت پر داخل ہے کہ سیرًا مفعول مطلق اس سے خبر نہیں بن سکتا اس لئے کہ سیرًا مصدر ہے اور انت ذات اور مصدر کا حمل ذات پر ہوا نہیں کرتا پس یہاں پر قصد دوام و استمرار کے باعث دونوں مثالوں سے تسیر فعل ناصب کو وجوبًا حذف کر دیا گیا اسی کو شارح نے ای تسیر سیرًا سے ظاہر کیا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی چیز کی دو مثالیں ذکر کرنے سے فائدہ کیا ہے جبکہ ایک مثال سے بھی مقصود حاصل ہو جاتا ہے اس کا جواب شارح وانما اورد مثالین الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اس سے اس امر پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ جو اسم یعنی مفعول مطلق موقع خبر میں واقع ہو وہ ضابطۂ اولیٰ میں نکرہ اور معرفہ کی طرف منقسم ہو جاتا ہے یعنی کبھی مفعول مطلق نکرہ ہوتا ہے جیسا کہ مثال اول میں اور کبھی معرفہ جیسا کہ مثال ثانی میں یا اس امر پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ مثال اول میں ذات مبتدا یعنی مخاطب کے فعل کو بیان کیا گیا ہے اور سیرًا مفعول مطلق تاکید کے لئے ہے اور مثال ثانی میں اس چیز کو بیان کیا گیا ہے جسکے ساتھ فعل مبتدا کو تشبیہ دی گئی ہے یعنی مبتدا کو بمنزلہ مشبہ کے قرار دیکر اس کیلئے مشبہ بہ کو ثابت کیا گیا ہے کیونکہ مخاطب کے لئے سیر کا مذکرہ کیا گیا ہے (باقی بر صـ۱۲)

[1] قولہ او وقع الخ یہ مواقع حذف فعل ناصب وجوبًا میں سے دوسرا موقع ہے کہتے ہیں کہ مفعول مطلق مکرر واقع ہو تو اس صورت میں بھی فعل ناصب کو حذف کرنا واجب ہوگا اب ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ بعض مواقع میں مفعول مطلق مکرر ہوتا ہے مگر اس کے باوجود اس کے فعل ناصب کو حذف نہیں کیا جاتا جیسے قولہ تعالیٰ اذا دُکَّتِ الارض دکًّا دکًّا کہ اس میں دکًّا دکًّا مفعول مطلق مکرر ہے مگر ساتھ ہی ساتھ فعل ناصب دُکّت بھی موجود ہے اس کی کیا وجہ ہے تو اس کا جواب شارح نے ای فی موضع الخبر الخ سے یہ دیا کہ تکرار مفعول مطلق کی صورتیں اس کے فعل ناصب کو حذف کرنیکی شرط یہ ہے کہ مفعول مطلق اسم کے بعد موضع خبر میں تو واقع ہو مگر وہ مفعول مطلق اس اسم سے خبر بننے کی صلاحیت نہ رکھے اور آیت مذکورہ میں اگرچہ مفعول مطلق اسم کے بعد مکرر واقع ہے مگر اس اسم سابق سے خبر کے موضع میں نہیں اس لئے کہ اسم سابق الارض ہے اور یہ دُکّت کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے مبتدا نہیں کہ خبر کا مقتضی ہو اور اقتضاء خبر کے باوجود وہ خبر نہ بن سکے ہیں یہاں جب وجوب حذف کی شرط نہیں پائی گئی تو فعل کو لامحالہ ذکر کرنا پڑا لانہ اذا فات الشرط فات المشروط باقی رہا یہ امر کہ ان دونوں موضعوں میں فعل ناصب کے حذف کا باعث کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ موضع اول میں حصر سے اور موضع ثانی میں تکرار سے مراد دوام و استمرار ہے اور فعل حدوث و تجدد پر دلالت کرتا ہے پس اگر فعل کو محذوف نہ مانیں گے تو دوام و استمرار فوت ہو جائیگا اور یہ خلاف مقصود ہے اب رہا یہ سوال کہ مصنف نے دو ضابطوں کو ایک ہی فصل میں کیوں منسلک کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ایسے اسم کے بعد واقع ہونے میں مشترک ہیں کہ مفعول مطلق اس اسم سے خبر نہ بن سکے لہذا دونوں کو ایک جگہ بیان کر دیا نیز یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ بناء حذف فعل دونوں میں ایک ہی ہے یعنی فائدہ دوام و استمرار اس لئے بھی دونوں کو ایک ہی باب میں ذکر کر دیا واللہ اعلم [2] قولہ نحو ما انت الخ ما انت الا سیرًا ای تسیر سیرًا اور ما انت الا سیر البرید ای تسیر سیر البرید

(بقیہ صفحہ ۱۱) مگر مطلق سیر کا نہیں بلکہ قاصد کی سیر کا پس اس صورت میں سیر البرید مفعول مطلق نوع کے لئے ہوگا یا اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس ضابطہ اولی میں مفعول مطلق کو مفرد یعنی بلا اضافت اور باضافت دونوں طریقوں سے لا سکتے ہیں پس مثال اول میں بلا اضافت ہے اور مثال ثانی میں بالاضافت واللہ اعلم۔ سلہ قولہ انما انت الخ ضابطہ اولی میں مفعول مطلق کے متعلق دو شقیں ہوگئی تھیں ایک یہ کہ مفعول مطلق مثبت بعد نفی کے واقع ہو اور دوسری یہ کہ معنی نفی کے بعد واقع ہو پس پہلی دو مثالیں شق اول سے متعلق تھیں اور یہ مثال شق ثانی سے متعلق ہے یعنی اس میں مفعول مطلق مثبت معنے نفی کے بعد واقع ہو رہا ہے کیونکہ انما حرف نہیں ہے بلکہ ما اور الا کے معنی میں ہے اس کی تقدیر عبارت انما انت تسیر سیراً ہے اس میں سے فعل ناصب کو وجوباً حذف کر دیا گیا واللہ اعلم۔ سلہ قولہ وزید سیراً الخ یہ اس مفعول مطلق کی مثال ہے جو مکرر واقع ہو رہا ہے اور ضابطہ ثانیہ سے متعلق ہے اس میں مفعول مطلق زید اسم کے بعد موقع خبر میں واقع ہے لیکن خبر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ورنہ وصف کا حمل ذات پر لازم آئیگا اور یہ ناجائز ہے پس اس کی تقدیر عبارت زید یسیر سیراً ہے واللہ اعلم۔ سلہ قولہ ومنہا الخ یہ تیسرا موضع ہے کہتے ہیں اور بعض ان مواضع میں سے کہ مفعول مطلق کیلئے فعل ناصب کا حذف کرنا ان مواضع میں قیاساً واجب ہے، وہ موضع ہے کہ جس میں مفعول مطلق مضمون جملہ متقدمہ کی غرض اور فائدہ کے بیان کیلئے ہو اور مضمون جملہ سے مصدر مراد ہے جو جملہ سے سمجھ میں آئے ہوئے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو یعنی اگر فائدہ کا مدار فاعل پر ہے تو اضافت فاعل کی طرف اور مفعول پر اگر مدار فائدہ ہو تو مفعول کی طرف اور مضمون جملہ کے اثر سے اس کی غرض مطلوب اور غایت مراد ہے اور تفصیل اثر سے اثر کی انواع محتملہ کا بیان۔ پس جب یہ سب شروط پائی جاوینگی تو اس جگہ ناصب مفعول مطلق کا حذف کرنا واجب ہوگا اس لئے کہ اگر اس جگہ اس کو تفصیل کے موقع پر ذکر کریں گے تو چونکہ وہ اجمال میں مذکور ہے

والى ما يشبهه بفعله او الى مفرد و مضاف و انما انت سيراً [سلہ]
اى تسير سيراً مثال لما وقع بعد معنى النفي و زيد سيراً سيراً [سلہ]
اى يسير سيراً مثال لما وقع مكرراً و منها اى من المواضع التى [سلہ]
يجب حذف الفعل الناصب للمفعول المطلق فيها ما وقع
اى موضع مفعول مطلق وقع تفصيلاً لاثر مضمون جملة متقدمة
والمراد بمضمون الجملة مصدرها المضاف الى الفاعل او
المفعول و باثره غرضه المطلوب منه و بتفصيل الاثر بيان
انواعه المحتملة مثل قوله تعالى فَشُدُّوا الوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بعد [سلہ]

لہذا اس کا ذکر لغو اور باطل ہو جائیگا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیجیے کہ جبکہ ہم کو بصورت اجمال ہماری غرض جو اس سے وابستہ ہے حاصل ہو جاتی ہے تو تفصیل میں پڑنا تطویل لاطائل اور اشتغال بما لا یعنی ہے لہذا ایسے مواقع پر شرط مذکورہ بالا کے ساتھ مفعول مطلق کے فعل ناصب کا حذف کرنا واجب ہے فائدہ۔ جملہ فعلیہ میں مضمون جملہ معلوم کرنے کی صورت تو مذکورہ بالا ہے لیکن اگر جملہ اسمیہ کا مضمون جملہ معلوم کرنا ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ خبر کے مصدر کو مبتدا کی طرف مضاف کردو مضمون جملہ حاصل ہو جائیگا جیسے زید قائم میں قائم خبر ہے اس کے مصدر قیام کو زید کی طرف جو کہ مبتدا واقع ہو رہا ہے مضاف کردو قیام زید حاصل ہو جائیگا یہی مضمون جملہ ہے واللہ اعلم۔ سلہ قولہ مثل قولہ تعالی الخ اب مصنف قاعدہ مذکورہ کی مثال بیان فرماتے ہیں کہتے ہیں جیسے قول باری تعالی فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء یہ ایک جملہ ہے اور اس کا مضمون شد وثاق ہے اور غرض شد وثاق سے یا احسان ہے یعنی مشرکین پر احسان کرنا یا فداء یعنی فدیہ لیکر چھوڑ دینا اور تفصیل یہ ہے کہ اس جگہ اثر کی یعنی غرض کی انواع محتملہ دو تھیں مراد

(باقی بر صفحہ ۱۳)

(بقیہ صفحہ ۱۲) ایک منّ اور دوسری فداء پس جب یہ معلوم ہوگیا کہ جملہ متقدمہ یعنی فشدوا الوثاق اپنے مضمون یعنی شد وثاق پر دلالت
کررہا ہے اور اس سے اس کی غایت یعنی مفعول مطلق کی طرف ذہن منتقل ہوجاتا ہے تو فعل کو حذف کیا جائیگا پھر جب مفعول مطلق
محذوف کا قائم مقام بنایا گیا تو فعل کا حذف واجب ہوجائیگا کیونکہ اصل اور نائب کا ایک جگہ جمع ہونا لغو و مہمل ہے پس اللہ جل
شانہ نے اس غرض مطلوب کی
تفصیل فاما منًّا بعد و اما فداءً
کردی یعنی منًّا اور فداءً کو فعل محذ
کے قائم مقام کردیا پس تقدیر عبا
یہ ہوگی فشدوا الوثاق فاما تمنون
منًّا بعد شد الوثاق و اما تفدون
فداءً یعنی جس وقت تم کفار کو گر
کرلو تو ان کو بیڑیوں میں مضبوط با
اور مشکیں کس لو (حتی کہ ان کے فر
ہونے کی کوئی صورت باقی نہ ر
پھر اس کے بعد تم کو اختیار ہے کہ
تو ان پر احسان کرکے ان کو چھوڑ
یا ان سے فدیہ لینے کے بعد
دو۔ اس مثال میں چونکہ مدار فائد
مفعول پر ہے اس لئے مضمون
فعل یعنی شد مصدر کو مفعول یعنی
وثاق کی طرف مضاف کرکے مضمو
جملہ حاصل کیا گیا ہے اور شارح
بعدُ کے بعد شد الوثاق کا اضافہ کر
اس امر کو ظاہر کیا ہے کہ بعدُ کا مضا
الیہ چونکہ محذوف منوی ہے اس
بعد ضمہ پر مبنی ہے واللہ اعلم ۱۲
ومنہا الخ یہ چوتھا موضع ہے یعنی بعض
ان مواضع میں سے کہ جہاں مفعول
مطلق کے فعل ناصب کا حذف
کرنا قیاساً واجب ہے وہ موضع
کہ جہاں مفعول مطلق کے ساتھ کسی
امر آخر کو تشبیہ دینا مقصود ہو
درانحالیکہ وہ مفعول مطلق کسی ایسے
فعل پر دلالت کرے کہ جو افعال جوا
سے ہو یعنی آلات بدنی کا محتاج ہو
افعال قلب سے نہ ہو نیز وہ مفعول مطلق ایسے جملے کے بعد واقع ہو جو اس کے ہم معنی اسم اور صاحب اسم پر مشتمل ہو اب فوائد قیود ملاحظہ
فرمایئے تشبیہ کی قید سے لزید صوتٌ صوتٌ حسنٌ جیسی مثال خارج ہوگئی اس لئے کہ اس جگہ تشبیہ نہیں ہے پس صوتٌ حسنٌ کو صوت
اول کا بدل قرار دیں گے اور اگر اس کو مفعول مطلق قرار بھی دیتے ہیں تو چونکہ یہ تشبیہ کے لئے نہیں ہے اس لئے اس میں فعل ناصب

ای بعد شد الوثاق واما فداءً فقولہ فشدّوا الوثاق جملۃ مضمونہا
شدّ الوثاق والغرض المطلوب من شد الوثاق اما المنُّ والفداء
ففصل اللہ سبحانہ ہذا الغرض المطلوب بقولہ فاما منًّا بعدُ
واما فداءً ای اما تمنّون منًّا بعد الشدّ واما تفدون فداءً
ومنہا ای من تلک المواضع ما وقع ای موضع مفعول مطلق
وقع للتشبیہ ای لان یشبّہ بہ امرٌ آخر واحترز بہ عن نحو
لزید صوتٌ صوتٌ حسنٌ لانہ لم یقع للتشبیہ علاجاً ای حال کونہ
دالاً علی فعل من افعال الجوارح واحترز بہ عن نحو لزید زہدٌ
زہد الصلحاء لان الزہد لیس من افعال الجوارح بعد جملۃ واحترز
بہ عن نحو صوت زید صوت حمار مشتملۃ تلک الجملۃ علی اسم

کو ذکر کرنا پڑیگا حذف جائز نہیں ہوگا اور علاجاً یعنی افعال جوارح کی قید کا فائدہ یہ ہوا کہ اس سے
لزید زہدٌ زہد الصلحاء خارج ہوگیا اس لئے کہ زہد افعال جوارح سے نہیں افعال قلوب سے ہے
پس اس کو بھی بنا بر بدلیت کے مرفوع پڑھا جائیگا اور بعد جملۃ کی قید سے صوتُ زید صوتُ حمار
کو خارج کرنا مقصود ہے اس لئے کہ صوت حمار جملے کے بعد نہیں مفرد کے بعد ہے اس سے مل کر
جملہ بنتا ہے پس یہ یا تو بنا بر خبریت کے مرفوع ہوگا اور یا منصوب بنزع الخافض اور مشتملۃ
علی اسم بمعناہ کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے مررتُ بزید فاذا لہٗ ضرب صوت حمارٍ خارج
ہوگیا کیونکہ اس میں صوت حمار ایسے جملے کے بعد واقع نہیں ہے جو اس کے ہم معنی اسم پر مشتمل ہے
(باقی بر صفحہ ۱۴)

(باقی صـــ۱۳) بلکہ ضربٌ اور شئے ہے اور صوت اور شئ رہی نہ صاحبہ کی قید تو اس سے مررتُ بالبلدِ فاذا بہ صوتٌ صوت حمارٍ کو خارج کرنا مقصود ہے کیونکہ اگرچہ اس میں صوت حمار ایسے جملہ کے بعد واقع ہے جو اس کے ہم معنی اسم یعنی صوتٌ پر مشتمل ہے مگر صاحب اسم پر مشتمل نہیں کیونکہ اگرچہ بہ موجود ہے مگر اس کا مرجع بلد ہے اور ظاہر ہے کہ البلد صاحب اسم نہیں ہو سکتا لہذا یہ بھی اس موضع سے خارج ہو گیا پس صوت حمارٍ کو بنا برحالیۃ نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اور بنا بر بدلیۃ رفع بھی صاحب اسم کا مطلب یہ ہے کہ جس کے ساتھ معنے قائم ہوں جیسے مثلاً صوت قائم ہوتی ہے زید کے ساتھ باعتبار مرجع کے ضمیر کی صورت میں اور باعتبار حقیقۃ لفظ زید کے ذکر کی صورت میں واللہ اعلم **لـه** قولہ نحو مررتُ الخ اس مثال میں صوتَ حمارٍ محل استشہاد ہے تقدیر عبارت یہ ہے ای الصوتُ صوت حمارٍ یہ ماخوذ ہے صات الشئ صوتًا سے اس جگہ صوتًا مصدر بمعنی تصویت ہے پس اس قول صات الشئ صوتًا بمعنے صوّت الشئ تصویتًا کے ہوگا یعنی آواز بلند کرنا اور کبھی صوت بغیر مصدر کے بھی آتا ہے مطلق آواز کے معنے میں پس صوت اس معنے کے اعتبار سے مفعول مطلق نہیں بن سکتا کیونکہ مصدر نہیں ہے پس اس سے مثال دینا درست نہیں رہتا اس لئے شارح نے کہا کہ صات الشئ صوتًا معنے میں صوّت تصویتًا کے ہے یعنی صوت سے مصدر مراد ہی اسم نہیں پس صوت حمارٍ مصدر مفعول مطلق تشبیہ کیلئے ہے کہ زید کی آواز کو حمار کی آواز سے تشبیہ دیگئی ہے اور افعال جوارح سے ہے کیونکہ آواز عضو ظاہری یعنی منہ سے صادر ہوتی ہے اور جملہ یعنی لہ صوت کے بعد واقع ہے اور یہ جملہ ایک ایسے اسم پر مشتمل ہے جو مفعول مطلق کے معنی میں ہے یعنی (صوت) اور صاحب کو بھی مشتمل ہے کہ وہ قول مصنف لہ میں ضمیر مجرور ہے اور یہ ضمیر صاحب اسم اس حیثیت سے ہے کہ اس کا مرجع زید ہے پس جو حکم مرجع کا ہوگا وہی راجع کا بھی ہوگا لہذا اس مصدر کے قبل یصوتُ کو وجوبًا حذف کر دیا گیا اس لئے کہ اس کے معنی جملہ ماسبق سے مستفاد ہوتے ہیں اور اس کا بیان یہ ہے کہ لہ نسبت الی فاعلٍ تا پر اور صوت مصدر معنی حدثی پر اور اذا اقترانِ

کائن بمعناہ ای بمعنی المفعول المطلق واحترز بہ عن نحو مررتُ[لـه] بزید فاذا لہ ضربٌ صوت حمارٍ وعلی صاحبہ ای صاحب ذٰلک الاسم ای الذی قام بہ معناہ واحترز بہ عن نحو مررت بالبلد فاذا بہ صوتٌ صوت حمارٍ نحو مررت بہ فاذا لہ صوتٌ صوت حمارٍ ای یصوت صوت حمارٍ من صات الشئ صوتًا بمعنے صوّت تصویتًا فصوت حمارٍ مصدرٌ وقع للتشبیہ علاجًا بعد جملۃ ہی قولہ لہ صوت وہی مشتملۃ علے اسمٍ بمعنے المفعول المطلق وہو صوت ومشتملۃ علے صاحب ذٰلک الاسم وہو الضمیر المجرور فی قولہ ونحو[لـه] مررت بہ فاذا لہ صراخٌ[لـه]

زمان پر دلالت کرتا ہے اور یہی وہ چیزیں ہیں جن کی فعل کیلئے ضرورت ہوتی ہے پس یہ اس کے قائم مقام ہوں گے پھر اگر لفظ لذاتہ بھی ہوتا تب بھی زمانہ سیاق کلام سے معلوم ہو جاتا پس جب یہاں فعل کا قائم مقام موجود ہے اور فعل کے معنے جملہ متقدمہ سے حاصل ہو جاتے ہیں تو اب فعل کے ذکر کی کوئی حاجت نہیں رہی لہذا وجوبًا حذف کر دیا گیا واللہ اعلم ۱۲ **لـه** قولہ ونحو الخ یہ مذکورہ بالا ضابطہ کی دوسری مثال ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ توضیح کے لئے ایک مثال کافی ہوتی ہے یہاں دو کے ذکر سے کیا فائدہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ مصنف نے پہلی مثال مصدر تاویلی کی دی ہے کیونکہ صوت حقیقۃً مصدر نہیں بلکہ تصویتًا کے معنے میں ہو کر مصدر ہے اور دوسری مثال میں مصدر حقیقی یعنی صراخٌ موجود ہے جس کے معنے ہیں چیخنا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مثال اول میں مصدر نکرہ یعنی حمار (باقی بر صـــ۱۵)

صراخ الثکلی ای یصرخ صراخ الثکلی وہی امرأۃ مات
ولدہا و منہا[۵] ای من تلک المواضع ما وقع ای موضع مفعول
مطلق وقع مضمون جملۃ لامحتمل لہا ای لہذہ الجملۃ غیرہ ای
غیر المفعول المطلق نحو لہ علیّ الف درہم اعترافًا ای اعترفت
اعترافًا فاعترافًا مصدر وقع مضمون جملۃ وہی لہ علیّ الف
درہم لان مضمونہ الاعتراف ولا محتمل لہ سواہ ویسمی[۶] ہذا النوع
من المفعول المطلق تاکیدًا لنفسہ ای لنفس المفعول المطلق
لانہ انما یوکد نفسہ وذاتہ لا امرًا یغایرہ ولو بالاعتبار ومنہا[۷] ما
وقع مضمون جملۃ لہا ای لہذہ الجملۃ محتملٌ غیرہ ای غیر
المفعول المطلق نحو زیدٌ قائم حقًا ای احق حقًا من حق یحق اذا
ثبت ووجب فحقًا مصدرٌ وقع مضمون جملۃ وہی قولہ زیدٌ قائم

(بقیہ ص۱۴) کی طرف مضاف ہو اور ثانی میں معرفہ یعنی الثکلی کی جانب۔ نیز اول کا مضاف غیر ذوی العقول سے ہے اور ثانی ذوی العقول سے کیونکہ ثکلی اس عورت کو کہتے ہیں جس کا بچہ مرگیا ہو پس اس مثال میں (یعنی مررتُ بہ فاذا لہ صراخٌ صراخ الثکلی میں) صراخ الثکلی مفعول مطلق ہے اور اس سے پہلے یصرخ فعل ناصب محذوف ہے ای یصرخ صراخ الثکلی واللہ اعلم ۱۲ [۵] قولہ ومنہا الخ یہ پانچواں موضع ہے کہ جہاں مفعول مطلق کے فعل ناصب کو حذف کرنا واجب ہے کہتے ہیں کہ بعض ان مواضع میں سے کہ جہاں مفعول مطلق کے فعل ناصب کا حذف قیاسًا واجب ہے یہ ہے کہ مفعول مطلق ایسے جملہ کا مضمون یعنی خلاصہ اور لب لباب واقع ہو کہ اس میں سوائے مفعول مطلق کے معنے کے دوسرے معنے کا احتمال نہ ہوسکے پس لامحتمل لہا میں ہا ضمیر جملہ کی طرف راجع ہے اور غیرہ کی مفعول مطلق کی طرف جیسے لی علیّ الفُ درہم اعترافًا اس میں اعترافًا مصدر مفعول مطلق مضمون جملہ واقع ہے جو کہ لی علیّ الف درہم کا ماحصل ہے کیونکہ اس سے بھی اعتراف ہی ثابت ہو رہا ہے خواہ اعترافًا کا ذکر ہو یا نہ ہو پس یہ ایسا جملہ ہوا کہ اس میں مفعول مطلق کے معنے کے سوا کوئی دوسرا احتمال ہی اس لئے کہ متکلم کا مقصود اس جملہ سے ایک ہزار درہم کا اقرار و اعتراف کرنا ہے نہ کہ اس کے کچھ اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص قاضی کی عدالت میں لزید علیّ الف درہم کہدے تو قاضی اس اعتراف کے باعث اس پر ایکہزار درہم واجب قرار دیدیگا پس یہاں پر فعل کو حذف کرنا واجب ہے گیا کیونکہ جملہ لی علیّ الخ اعترفت فعل محذوف کا قائم مقام ہوجاتا ہے پس تقدیر عبارت یہ ہوئی لی علیّ الف درہم اعترفت اعترافًا واللہ اعلم [۶] قولہ ویسمی ہذا النوع الخ مفعول مطلق کی اس قسم کو تاکید لنفسہ سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ جملہ متقدمہ جبکہ اس کو مستلزم ہوتا ہے تو یہ جملہ بمنزلہ نفس مفعول مطلق کے ہوجاتا ہے پھر جب اس کا مفعول مطلق صراحۃً لایا جاتا ہے تو وہ اپنے نفس یعنی جملہ متقدمہ کی تاکید بن جاتا ہے اور اس مفعول مطلق سے کسی امر مغایر کی اگرچہ وہ

اعتباری ہی کیوں نہ ہو تاکید ہوتی نہیں اس لئے اس کو تاکید لنفسہ ہی کہیں گے ہاں اگر کسی امر مغایر کی تاکید ہوگی تو اس کا ذکر ابھی آتا ہے واللہ اعلم [۷] قولہ ومنہا ما وقع یہ چھٹا موضع ہے اور یہ پانچویں موضع کے برعکس ہے کہ اس میں مفعول مطلق تاکید لغیرہ پر دلالت کرتا ہے اور اس میں تاکید لنفسہ پر دال تھا کہتے ہیں کہ بعض ان مواضع میں سے کہ جہاں مفعول مطلق کے فعل ناصب کا قیاسًا حذف واجب ہے ایک موضع یہ ہے کہ مفعول مطلق اس جملہ کا خلاصہ اور مضمون ہو کہ جس میں مفعول مطلق کے ماسوا دوسرے معنے کا بھی احتمال ہو۔ (باقی بر صفحہ ۱۶)

ولها محتمل غيره لانها تحتمل الصدق والكذب والحق والباطل
ويسمى[١] هذا النوع من المفعول المطلق تاكيداً لغيره لانه من حيث
هو منصوص عليه بلفظ المصدر يؤكد نفسه من حيث هو محتمل
الجملة فالمؤكد اسم مفعول من حيث اعتبار وصف الاحتمال
فيه يغاير المؤكد اسم فاعل من حيث انه منصوص عليه بالمصدر
ويحتمل[٢] ان يكون المراد انه تاكيد لاجل غيره ليندفع وعلى هذا
ينبغي ان يكون المراد بالتاكيد لنفسه انه تاكيد لاجل نفسه ليتكرر

سے اس کو تاکید لغیرہ کہتے ہیں ورنہ حقیقت میں یہ تاکید لنفسہ ہی ہے دوسرے لفظوں میں
اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ موکد یعنی مضمون جملہ اور موکد منہ یعنی منصوص علیہ بالمصدر کے درمیان اتحاد
ذاتی اور مغایرت اعتباری ہے کیونکہ جملہ زیدٌ قائمٌ سے جو حق سمجھا جاتا ہے وہ محتمل غیر یقینی ہے
اس لئے کہ جملہ خبریہ حق و باطل صدق و کذب دونوں کا احتمال رکھتا ہے اور جو حق کہ قول مصنف
حقاً سے واضح ہو رہا ہے وہ یقینی ہے کیونکہ لفظ حق حق پر ہی دلالت کرتا ہے باطل پر نہیں
پس اول یعنی حق محتمل موکد اور مضمون جملہ ہے اور ثانی یعنی حق متیقن موکد منہ اور منصوص علیہ
بالمصدر ہے اور دونوں کے درمیان اتحاد ذاتی اور مغایرت اعتباری ہے کما مرآنفاً واللہ
اعلم ۱۲ [٢] قولہ ویحتمل الخ اس عبارت سے او پر والے اعتراض کا دوسرا جواب ہے ان
دونوں جوابوں کی ذیل حصر اس طرح کرنی چاہئے کہ قول مصنف لغیرہ کے لام میں دو
احتمال ہیں لام یا تو تعلیلیہ ہوگا یا صلہ کے لئے اگر صلہ کے لئے ہو تو اس صورت میں مذکورہ
اعتراض واقع ہوگا کیونکہ اس وقت اس کے معنے یہ ہوں گے کہ وہ غیر کی تاکید کرتا ہے
پس مذکورہ بالا جواب دیا جائیگا اور اگر لام تعلیل کے لئے ہو تو اس کے معنی تاکید لاجل
اندفاع الغیر کے ہوں گے یعنی یہ تاکید ہے تو اپنے ہی نفس کیلئے ہے تاکہ غیر مندفع ہو جائے
پس یہ تاکید لنفسہ ہے لاجل نفسہ تاکید لغیرہ نہیں پس نوع اول اور نوع ثانی میں فرق یہ ہے

(باقی بر صفحہ ۱۷)

(بقیہ صفحہ ۱۵) جیسے زیدٌ قائمٌ حقاً ای اُحقُّ حقاً یہ ماخوذ ہے حقَّ یحقُّ سے جو کہ ثبت اور وجب کے معنی میں ہے پس حقاً مصدر ہے اور جملہ
کا مضمون وما حصل نہ الخ ہے کیونکہ جو بات زیدٌ قائمٌ سے حاصل ہوتی یعنی قیام زید کا ثابت اور متحقق ہونا اسی پر حقاً بھی دلالت
کر رہا ہے لیکن اس میں دوسرا بھی احتمال ہے اس لئے کہ یہ صدق و کذب۔ حق و باطل کا احتمال بھی رکھتا ہے پس ہو سکتا ہے کہ قیام
زید حق نہ ہو بلکہ باطل یعنی جھوٹ ہو
اور حقاً نے آکر اس کی تخصیص کی
ہے لہذا یہ مفعول مطلق اپنے غیر کی
تاکید کے لئے ہوگا واللہ اعلم ۱۲
[١] قولہ ویسمی ہذا النوع الخ مفعول
مطلق کی اس نوع کو تاکید لغیرہ کہتے
ہیں اب اس جگہ ایک اعتراض وارد
ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ تاکید نفس
شے کی ہوتی ہے نہ کہ غیر شے کی
کیونکہ تاکید کا مطلب ہی یہ ہے
کہ شیٔ واحد کا دو مرتبہ تلفظ کیا
جائے پس اس کو تاکید لغیرہ کہنا
کیونکر درست ہوگا اس کا جواب
شارح لانہ من حیث منصوص الخ
سے یہ دے رہے ہیں کہ اس غیریت سے
مراد یہاں پر مغایرت اعتباری
ہے مغایرت ذاتی نہیں ذات
کے اعتبار سے دونوں متحد ہیں اسلئے کہ
کہ مضمون جملہ اس حیثیت سے کہ
وہ لفظ مصدر سے منصوص علیہ
ہے یعنی مصدر اس پر صراحۃً دلالت
کر رہا ہے اس چیز کے مغایر ہے کہ جملہ
میں اس چیز کا احتمال موجود ہے
یعنی ایک اعتبار تو یہ ہے کہ
مصدر سے مضمون جملہ پر دلالت
ہو رہی ہے اور ایک اعتبار یہ کہ
مصدر سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے
کہ مضمون جملہ میں غیر کا بھی احتمال
ہے پس موکد اسم مفعول (یعنی مضمون
جملہ) اس میں وصف احتمال کے
اعتبار کی حیثیت سے موکَّد
(اسم فاعل یعنی مصدر حقاً) کے اس حیثیت سے مغایر ہے کہ اس پر مصدر صراحۃً دلالت کر رہا ہے اور یہ مغایرت اعتباری ہے
ذاتی نہیں ذاتی تو اسلئے نہیں کہ دونوں حق ہیں اور اعتباری اس لئے ہے کہ اس میں موکَّد یعنی جس پر مصدر صراحۃً دلالت کر رہا ہے
یقینی ہے اور موکد کہ جس میں احتمال غیر موجود ہے محتمل پس جب یہ معلوم ہوا کہ دونوں میں تغایر اعتباری ہے تو اس تغایر کی وجہ

(بقیہ صد ۱۶) کہ وہ تاکید تو لنفسہ ہی مطلقاً اور یہ تاکید لنفسہ ہے تاکید لاجل نفسہ ہے اسی کو وعلی ہذا ینبغی الخ سے بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں
کہ اس بنا پر مناسب یہ ہے کہ تاکید لنفسہ سے مراد یہ لیا جائے کہ یہ تاکید لاجل نفسہ ہے تاکہ تاکید میں تکرار اور تقرر پیدا ہو جائے
اور نوع اول کا نوع ثانی سے تقابل عمدہ ہو جائے تکرار اور تقرر اس لئے پیدا ہو گا کہ ایک تو خود تاکید اپنے نفس کے لئے اور
دوسرے اپنے نفس کی وجہ سے
ہوگی وجوب حذف فعل کی وجہ
گذر ہی چکی کہ جملہ متقدمہ فعل کے
قائم مقام ہو جاتا ہے الخ واللہ
اعلم ۵۱ قولہ منہا ما وقع الخ یہ
ساتواں موضع ہے یعنی بعض
ان مواضع میں سے کہ جہاں
مفعول مطلق کے فعل ناصب
کو قیاساً حذف کرنا واجب ہے
ایک یہ بھی ہے کہ مفعول مطلق
تثنیہ کی صورت پر واقع ہو اگرچہ
درحقیقت تثنیہ کے لئے نہ ہو
بلکہ تکریر اور تکثیر کے لئے واقع ہو
اب اس جگہ ایک اعتراض وارد
ہوتا ہے کہ اس قاعدہ سے یہ
معلوم ہوتا ہے کہ جب مفعول مطلق
تثنیہ کی صورت میں ہو گا تو اس
کے ناصب کا حذف کرنا واجب
ہو گا مگر بعض جگہ اس کے خلاف
بھی پایا جاتا ہے کہ مفعول مطلق
بصورت تثنیہ ہے مگر حذف فعل
واجب نہیں جیسے قولہ تعالیٰ ثم ارجع
البصر کرتین ینقلب میں کہ کرتین
مفعول مطلق صورت تثنیہ پر ہے
مگر اس کا فعل ناصب محذوف
نہیں بلکہ مذکور ہے یعنی ارجع
اس کا جواب شارح ولا بد فی
تتمیم الخ سے یہ دے رہے ہیں
کہ اس قاعدہ کو مکمل کرنے کیلئے
ہم کو قید اضافۃ کا اضافہ کرنا پڑیگا
یعنی مفعول مطلق بصورت تثنیہ
فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو پس اب مذکورہ بالا اعتراض واقع نہ ہو گا اس لئے کہ کرتین اگرچہ بصورت تثنیہ بھی ہے اور تکریر و
تکثیر کا فائدہ بھی دے رہا ہے مگر فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہیں لہذا یہ اس ضابطہ سے خارج ہے اور اس میں فعل ناصب کا حذف واجب
نہ ہو گا اس جگہ شارح نے آیۂ کریمہ کے بعد ای رجعاً مکرراً کثیراً کا اضافہ کر کے کرتین کے معنی بھی بتائے ہیں اور یہ بھی ظاہر کر دیا ہے

بتقرر حتى يحسن التقابل ومنها[۵۱] ما وقع مثنى اى على صيغة التثنية
وان لم يكن للتثنية بل للتكرير والتكثير ولا بد فى تتميم هذه القاعدة
من قيد الاضافة اى مثنى مضافا الى الفاعل والمفعول
لئلا يرد مثل قوله تعالى ثم ارجع البصر كرتين اى رجعا
مكررا كثيرا او فى جعل[۵۲] المثال من تتمة التعريف لافادة هذا
القيد تكلف مثل[۵۳] لبيك اصله الب[۱] لك البابين اى
اقيم لخدمتك وامتثال امرك ولا ابرح[۲] عن مكانى اقامة

۱ے الاقامۃ مقیم شدن وایستادن ۱۲ ۲ے لا ازول ۱۲

کہ کرتین کے مفعول مطلق بننے کی صورت میں عبارت اس طرح ہو گی یعنی ارجع البصر رجعاً مکرراً
کثیراً تاکہ مفعول مطلق اور فعل ناصب کے درمیان باعتبار الفاظ کے اتحاد ہو جائے واللہ اعلم
۵۲ قولہ وفی جعل الخ اس عبارت سے شارح فاضل ہندی پر رد کرنا چاہتے ہیں انھوں نے
اعتراض مذکور کا یہ جواب دیا تھا کہ مصنف نے ضابطہ کی تتمیم کے لئے قید کا اضافہ اس وجہ
سے نہیں کیا کہ مثال پر اکتفاء کر لیا اور مثال تتمۂ ضابطہ کے بطور ہے پس شارح نے
رد کیا کہ مثال کو تتمۂ تعریف سے قرار دینا تاکہ اس قید کا فائدہ تکلف سے خالی نہیں اس لئے
کہ مثال قاعدہ کے تمام ہونے کے بعد اس کی وضاحت کے لئے ہوتی ہے نہ کہ وہ
تعریف وضابطہ کا تتمہ بنے مگر میری رائے یہ ہے کہ مصنف نے دو مثالیں ایک ہی
ضابطہ کی ذکر کی ہیں اور دونوں میں قید اضافت ملحوظ ہے بلا اضافت ایک بھی مثال
ذکر نہیں کی لہذا اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ مصنف کے ذہن میں قید اضافت موجود
تھی اور وہ اس کو اختصار کے باعث ذکر نہ کر سکے واللہ اعلم ۵۳ قولہ مثل لبیک الخ
یہ ضابطۂ مذکورہ کی مثال ہے یہ اصل میں اُلِبُّ لک البابین تھا یعنی میں تیری خدمت
اور امتثال امر کیلئے کھڑا ہوتا ہوں بار بار کثرت سے پے در پے کھڑا ہونا اور میں اپنی
جگہ سے نہیں ٹلتا یعنی برابر خدمت کے لئے آمادہ اور ایستادہ رہتا ہوں (باقی بر صفحہ)

(بقیہ ص۱۷) پس فعل کو حذف کر کے مصدر کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا لک لبابین باقی رہ گیا پھر مصدر سے زوائد یعنی ہمزہ مکسورہ اور الف کو حذف کر کے ثلاثی مجرد میں لے گئے پھر لک سے لام حرف جر کو حذف کیا لک سے ک باقی رہ گیا پھر مصدر کو اس کاف ضمیر مفعول کی طرف مضاف کر دیا لبیک ہو گیا واللہ اعلم ۱۲ ص قولہ ویجوز الخ یہ لبیک کی دوسری توجیہ ہے اس کے مطابق اس کی اصل الب لک لبین ہوگی اور لبین اس صورت میں لب بالمکان سے ماخوذ ہے اور لب چونکہ باء کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے اس لئے الب کے معنے میں ہوگا پس اس صورت میں لبیک محذوف الزوائد نہیں ہوگا کیونکہ زوائد ہمزہ مکسورہ اور الف تھے وہی اس کی اصل میں موجود نہیں باقی تعلیلات وہی ہوں گی جو اوپر مذکور ہوئیں واللہ اعلم ۱۲ ص قولہ وعلی ہذا القیاس الخ مذکورہ بالا مثال کی توجیہ پر اس کو بھی قیاس کر لینا چاہیئے یعنی سعدیک اصل میں اسعدک اسعادین ای اسعاداً بعد اسعادٍ تھا اور اسعد ہے معنی میں اعینک کے یعنی تیری مدد اور تائید کرتا ہوں میں بار بار کثرت سے مدد کرنا یکے بعد دیگرے پس اس میں بھی لبیک کی طرح تصرفات کئے گئے ہیں مگر دونوں میں فرق اس قدر ہے کہ اسعاد متعدی بنفسہ ہے اور الباب متعدی بواسطہ لام اسی واسطے مصنف نے دو مثالیں ذکر کی ہیں تاکہ اس فرق پر تنبیہ ہو جائے ورنہ توضیح کے لئے صرف ایک مثال بھی کافی ہے واللہ اعلم ۱۲ ص قولہ المفعول بہ الخ ما وقع کی شرح ای ہو اسم ما وقع سے کر کے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ما سے مراد اسم ہے پس مفعول بہ وہ اسم ہے کہ جس پر فاعل کا فعل واقع ہو اور مصنف نے لفظ اسم کا ذکر یہاں اس وجہ سے نہیں کیا کہ تعریف مفعول مطلق میں اس کے ذکر پر اکتفاء کر لیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تعریف ضمیر منصوب پر صادق نہیں آتی جیسے نعبد ایاک کیونکہ اس میں ایاک اگرچہ قید کا مفعول بہ ہے مگر فاعل کا فعل اس پر واقع نہیں کیونکہ فعل عبادت اللہ تعالی پر واقع نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالی کے لئے ہوتا ہے

كثيرة متتالية فحذف الفعل واقيم المصدر مقامه ورد الى
الثلاثي بحذف زوائده ثم حذف حرف الجر من المفعول و
اضيف المصدر اليه ويجوز ان يكون من لب بالمكان بمعنى
الب فلا يكون محذوف الزوائد وعلى هذا القياس سعديك
اي اسعدك اسعاداً بعد اسعادٍ بمعنى اعينك الا ان اسعد
يتعدى بنفسه بخلاف الب فانه يتعدى باللام المفعول
به هو ما وقع اي هو اسم ما وقع عليه فعل الفاعل ولم يذكر
الاسم اكتفاء بما سبق في المفعول المطلق والمراد بوقوع
فعل الفاعل عليه تعلقه به بلا واسطة حرف الجر فانهم يقولون
في ضربت زيداً ان الضرب واقع على زيد ولا يقولون في
مررت بزيد ان المرور واقع عليه بل متلبس به فخرج به

شارح اس کا جواب والمراد الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ ما وقع علیہ فعل الفاعل سے مراد یہ ہے کہ فعل کا تعلق مفعول بہ کے ساتھ ہو بلا واسطہ حرف جر کے اور نعبد ایاک میں ظاہر ہے کہ فعل کا تعلق مفعول بہ کے ساتھ موجود ہے اور بلا واسطہ حرف جر کی قید سے مررت بزید کا زید خارج ہو گیا کیونکہ اس پر بھی مفعول بہ کی تعریف صادق آتی تھی اس لئے کہ فعل مرور بواسطہ حرف جر زید پر واقع ہے پس جب بلا واسطہ حرف الجر کہا تو یہ خود بخود نکل گیا کیونکہ اس میں حرف جر کا واسطہ موجود ہے پس ضربت زیداً میں تو لوگ کہتے ہیں کہ ضرب زید پر واقع ہے

(باقی بر ص۱۹)

المفاعیل الثلثة الباقیة فانه لا یقال فی واحد منها ان الفعل وقع علیه بل فیه اوله او معه والمفعول المطلق[1] بما یفهم من مغایرة لفعل الفاعل فان المفعول المطلق عین فعله والمراد[2] بفعل الفاعل فعل اعتبر اسناده الی ما هو فاعل حقیقة او حکما فخرج به مثل زید فی ضرب زید علی صیغة المجهول فانه لم یعتبر اسناده الی فاعله ولا یشکل بمثل أعطی زیدٌ درهما فانه یصدق علی درهما انه وقع علیه فعل الفاعل الحکمی المعتبر اسناد الفعل الیه فان مفعول ما لم یسم فاعله فی حکم الفاعل وبما ذکرنا[3] ظهر فائدة

حالانکہ دراصل یہ مفعول بہ ہی ہے پس یہاں چونکہ اسناد فعل الی الفاعل مفقود ہے لہذا اس کو مفعول بہ بھی نہیں کہہ سکتے اور یہ اس سے خارج ہے پس اسناد حقیقی ہے تو یہ ہے جیسے ضربت میں ضرب فعل کا اسناد تاء متکلم فاعل کی طرف اور اسناد حکمی یہ ہے جیسے اعطی زید درہما کہ اس میں زید مفعول ما لم یسم فاعلہ فاعل کے قائم مقام ہوکر فاعل حکمی ہے اور درہما پر فاعل حکمی کا فعل عطا واقع ہو رہا ہے اور فعل کا اسناد فاعل حکمی کی طرف معتبر بھی ہے اس لئے کہ باب اعطیتُ اور اعلمتُ کا مفعول ما لم یسم فاعلہ فاعل کے حکم میں ہوتا ہے کیونکہ اس باب مفعول ما لم یسم فاعلہ دراصل فاعل ہوتا ہے اس لئے کہ وہ آخذ یعنی لینے والا ہوتا ہے پس اُعطی زید درہما کا ترجمہ لیا زید نے درہم کو" ہوگا واللہ اعلم ٣ قولہ وبما ذکرنا الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ عبارت میں اصل ایجاز واختصار ہے پس اگر مصنف ما وقع علیہ الفعل بغیر ذکر فاعل کے کہتے تو مطلب بھی حاصل ہو جاتا اور اختصار بھی۔ جواب یہ ہے کہ اگر فاعل کا ذکر نہ کیا جاتا تو یہ سمجھا جاتا کہ فعل سے مراد مطلق فعل ہے

(باقی بر صفحہ)

(بقیہ صفحہ ۱۸) لیکن مررت بزید میں یہ نہیں کہتے کہ مرور زید پر واقع ہے کیونکہ حرف جر کا واسطہ درمیان میں آگیا پس اس واسطہ کے باعث یہ کہتے ہیں کہ مرور زید کے ساتھ متلبس اور ملصق ہے پس جب ہم نے مفعول بہ کی تعریف ما وقع علیہ الخ کے ساتھ کی تو اس سے مفاعیل ثلثہ باقیہ یعنی مفعول معہ۔ لہ۔ فیہ خارج ہو گئے اس لئے کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں کہا جاتا کہ فعل اس پر واقع ہے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ فعل اس میں یا اس کے لئے یا اس کے ساتھ ہے واللہ اعلم ١٢ ١ قولہ والمفعول المطلق الخ اس کا عطف المفاعیل الثلثۃ پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ ما وقع علیہ فعل الفاعل سے مفعول مطلق بھی خارج ہو جائیگا اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ دونوں میں مغایرت ہے کیونکہ ما وقع علیہ فعل الفاعل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فعل فاعل اور ما وقع علیہ الفعل یعنی مطلق میں مغایرت ہونی چاہیئے اس لئے کہ ایک شئے اپنے نفس پر واقع نہیں ہوا کرتی اور مفعول مطلق میں مفعول اور فعل فاعل کے درمیان اتحاد ضروری ہے یعنی مفعول مطلق عین فعل ہوتا ہے اور مفعول بہ غیر فعل پس مفعول مطلق اس سے خارج ہو جائیگا اور تعریف مفعول بہ جامع مانع ہو جائیگی واللہ اعلم ٢ قولہ والمراد الخ اس عبارت سے ایک سوال مقدر کا جواب دینا مقصود ہے سوال یہ ہے کہ تعریف مذکور مانع نہیں کیونکہ ضُرِبَ زیدٌ میں زید پر صادق آتی ہے اس لئے کہ فعل فاعل زید پر واقع ہے حالانکہ اس کو مفعول بہ نہیں کہا جاتا مفعول ما لم یسم فاعلہ کہتے ہیں شارح نے جواب دیا کہ فعل فاعل سے مراد یہ ہے کہ فعل کا اسناد فاعل کی طرف معتبر ہو عام ازیں کہ فاعل حقیقۃً ہو یا حکماً پس اس سے ضُرِبَ زیدٌ کا زید خارج ہو گیا اس لئے کہ اس میں فاعل کی طرف فعل کے اسناد کا اعتبار ہی نہیں کیا گیا نہ حقیقۃً اور نہ حکماً کیونکہ مثال مذکور میں زید دراصل مفعول بہ ہے حقیقۃً بھی اور حکماً بھی پس جبکہ فعل کی اسناد زید کی طرف کر دیگئی تو زید مفعول بہ ہونے سے خارج ہو گیا اور فاعل کے حکم میں ہو گیا اور جب یہ فاعل کے حکم میں ہو گیا تو مفعول بہ نہیں رہا

(بقیہ ص ۱۹) حالانکہ ایسا نہیں بلکہ وہ فعل مراد ہے جس کا اسناد فاعل کی طرف معتبر ہوا اور پھر فاعل میں تعمیم ہو یعنی فاعل حقیقی ہو یا حکمی پس شارح کے ذکر سے ذکر فاعل کا فائدہ ظاہر ہو گیا لہٰذا اب کوئی اعتراض باقی نہیں رہا واللہ اعلم ۱۲ قولہ نحو ضربت زیداً الخ یہ مفعول بہ کی مثال ہے اس لئے کہ زید پر بلا واسطہ حرف جر کے وہ فعل واقع ہے کہ جس کا اسناد فاعل یعنی ضمیر متکلم کی طرف معتبر ہے اس عبارت زیداً اِنَّ کا

ذکر الفاعل فلا یرد انہ لو قال ما وقع علیہ الفعل لکان اخصر نحو ضربت زیداً فان زیداً قد وقع علیہ بلا واسطۃ حرف الجر فعل اعتبر اسنادہ الی الفاعل الذی ہو ضمیر المتکلم وقد یتقدم المفعول بہ علی الفعل العامل فیہ لقوۃ الفعل فی العمل فیعمل فیہ متقدماً و متأخراً اما جوازاً مثل اللہ اعبد و وجہ الحبیب اتمنی واما وجوباً فیما تضمن معنی الاستفہام او الشرط نحو من رأیت ومن تکرم یکرمک ہذا اذا لم یکن مانع من التقدیم کوقوعہ فی حیز ان نحو من البر ان تکف لسانک وقد یحذف الفعل

(مثال استفہام) یعنی کس کو دیکھا تو نے اس میں مَن مفعول بہ اپنے فعل رأیت پر مقدم ہے مَن تکرم یکرمک یہ شرط کی مثال ہے یعنی جس شخص کا تو اکرام کریگا وہ تیرا اکرام کریگا اس میں بھی مَن مفعول بہ تکرم فعل پر مقدم ہے وجوباً مگر یہ تقدیم مفعول بہ کی دونوں صورتیں اس وقت ہیں جبکہ تقدیم سے کوئی مانع پیش نہ آئے مثلاً مفعول بہ اگر اَن مصدریہ کے تحت میں واقع ہو جائے تو مفعول بہ کو فعل پر مقدم کرنا ممتنع ہو جائیگا اسلئے کہ اَن مصدریہ کے فعل مضارع پر دخول کے باعث فعل مضارع مصدر کی تاویل میں ہو جائیگا پس فعل مضارع کی جانب فعلیہ ضعیف ہو جائیگی پس یہ اپنے ما قبل میں عمل نہیں کریگا جیسے مِن البر ان تکف لسانک اس میں لسانک مفعول بہ ہے مگر چونکہ فعل مضارع پر اَن مصدریہ داخل ہے اس لئے اس کی تقدیم ممتنع ہے ترجمہ تیرا زبان کو روک لینا یعنی کم گوئی اختیار کرنا بھلائی ہے (فائدہ) شارح کے قول ہذا اذا لم یکن الخ سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تقدیم مفعول بہ کی تین صورتیں ہیں جائز۔ واجب۔ ممتنع کما مر واللہ اعلم ۱۲ ۳ قولہ وقد یحذف الخ کبھی مفعول بہ کے فعل عامل کو حذف بھی کر دیتے ہیں بشرطیکہ کوئی قرینہ موجود ہو خواہ وہ قرینہ مقالیہ ہو (باقی بر ص ۲۱)

اسم ہے اور علیہ کی ضمیر مجرور اسی کی طرف راجع ہے اور وقع کا فاعل فعل اُن اعتبر ہے پھر فعل میں تعمیم ہے عام ازیں کہ مثبت ہو جیسے مثال مذکور میں یا منفی جیسے لم اضرب زیداً واللہ اعلم ۱۲ ۲ قولہ وقد یتقدم الخ مفعول بہ کبھی اپنے فعل عامل پر مقدم بھی ہوتا ہے کیونکہ فعل عامل عمل میں قوی ہوتا ہے پس وہ خواہ مقدم ہو یا مؤخر بہر صورت مفعول بہ میں عمل کریگا اس جگہ قید عامل کے اضافہ کا فائدہ یہ ہے فعل صرف فعل حقیقی میں ہی محدود نہ رہے بلکہ مطلق عامل ہونے کے لحاظ سے شبہ فعل کو بھی شامل ہو جائے نیز یہ فعل متعلقات اسم سے ہے عامل ناصب ہونے کی جہت سے متعلقات فعل سے نہیں اس لئے عامل کا اضافہ کر دیا اب اس کی دو صورتیں ہیں یعنی یہ کہ فعل ناصب پر مفعول بہ کا تقدم جائز بھی ہے اور واجب بھی جواز کی صورت تو یہ ہے جبکہ اس سے تخصیص مفعول بہ مقصود ہو جیسے اللہ اعبد یعنی اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں پس تقدیم مفعول بہ عبارت کی اللہ کے ساتھ تخصیص ہو گئی بخلاف اعبد اللہ کے کہ اس میں عبادت غیر اللہ کا بھی امکان ہے اور دوسری مثال جیسے وجہ الحبیب اتمنی یعنی میں محبوب ہی کے دیدار کا خواہشمند ہوں کسی اور کا نہیں اس میں تمنا کے ساتھ وجہ الحبیب کی تخصیص ہو گئی اور وجوب کی صورت یہ ہے کہ مفعول بہ معنی استفہام یا معنی شرط کو متضمن ہو پس چونکہ استفہام اور شرط صدارت کلام کے مقتضی ہیں اس لئے تقدیم مفعول بہ فعل پر واجب ہو گی جیسے مَن رأیتَ ص

العامل فی المفعول بہ لقیام قرینۃ مقالیۃ او حالیۃ جوازاً نحو زیداً لمن قال من اضرب ای اضرب زیداً فحذف الفعل للقرینۃ المقالیۃ التی ہی السؤال ونحو مکۃ للمتوجہ الیہا ای ترید مکۃ فحذف الفعل للقرینۃ الحالیۃ ووجوباً فی اربعۃ مواضع تخصیصہا بالذکر لیس للحصر لوجوب الحذف فی باب الاغراء والمنصوب علی المدح او الذم او الترحم بل لکثرۃ مباحثہا بالنسبۃ الی ہذہ الابواب الاول من تلک المواضع الاربعۃ سماعی مقصور علی السماع لا یتجاوز عن امثلۃ محدودۃ مسموعۃ بان یقاس علیہا امثلۃ اخری نحو امرأً ونفسہ ای

(ان شئت اظہرت وان شئت حذفت ۱۲ متوسط) (ای باب الاغراء ۱۲) (ای المواضع الاول ۱۲)

(بقیہ صفحہ ۲۰) یعنی قول سے معلوم ہو رہا ہو یا حالیہ۔ اس حذف کی دو صورتیں ہیں جائز اور واجب جائز کی مثال جیسے زیداً جبکہ اس شخص کے جواب میں واقع ہو جو مَن اَضرِبُ کہے یعنی سائل سوال کرے کہ میں کس کو ماروں گا تو مجیب جواب میں صرف زیداً کہہ سکتا ہے یعنی زید کو اِضرب زیداً کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس پر قرینہ مقالیہ یعنی سوال دلالت کر رہا ہے اور جی چاہے تو اِضرب زیداً بھی کہہ سکتے ہیں دونوں جائز ہیں اور جو شخص مکہ کی جانب متوجہ ہو یعنی حج بیت اللہ کے قصد سے جا رہا ہو تو اس کا خیال کرتے ہوئے صرف مکہ بھی کہہ سکتے ہیں اتریدُ فعل کے حذف کے ساتھ اور فعل کو بھی ذکر کر سکتے ہیں ای اترید مکۃ پس اگر صرف مکۃ کہا جائے گا تو قرینہ حالیہ یعنی حج کے لئے جانا اس پر دال موجود ہے پس دونوں کا اختیار ہے واللہ اعلم ۱۲

۵۱ قولہ ووجوباً الخ یہ حذف فعل کی دوسری صورت ہے یعنی اس میں فعل کا حذف واجب ہے اور یہ چار مواضع میں ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وجوب حذف فعل کی تو بہت سی صورتیں ہیں مصنف نے چار کا ذکر کر کے ان میں کیوں منحصر کر دیا اس کا جواب شارح تخصیصہا بالذکر الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ انہی چار کے ذکر کے ساتھ حذف فعل وجوباً کو خاص کرنا حصر کے لئے نہیں ہے بلکہ ان چاروں میں مباحث بکثرت ہیں بہ نسبت دوسرے مواضع کے لہذا انہی چار پر اکتفاء کیا دوسرے مواضع کہ جہاں فعل ناصب مفعول بہ کو حذف کرنا ہے بہت ہیں۔ باب ۱ اغراء یعنی کسی کو برانگیختہ کرنا اور بھڑکانا جیسے اخاک اخاک ای الزم اخاک اس میں الزم فعل کو بوجہ تنگی وقت اور کمی فرصت کے حذف کرنا واجب ہے ۲ منصوب علی المدح جیسے الحمد للہ الحمید ای اعنی الحمید ۳ منصوب علی الذم جیسے اتانی زید الفاسق الخبیث ای اعنی الخبیث ۴ منصوب علی الترحم جیسے مررت بزید المسکین ای اعنی المسکین او ارحم المسکین اور تینوں صورتیں اسی وقت متحقق ہو سکتی ہیں جبکہ ان کو اپنے ماقبل کی صفت نہ قرار دیں ہو منصوب پڑھیں اور اگر ان کو ماقبل کی صفت

قرار دیں گے تو پھر منصوب نہیں پڑھ سکتے پس الحمید اور المسکین دونوں مجرور کی صفتیہ کی بناء پر مجرور ہوں گے اور الخبیث مرفوع کی صفت ہونے کے باعث مرفوع ہو گا واللہ اعلم

۵۲ قولہ الاول الخ یعنی ان مواضع اربعہ میں موضع اول سماعی ہے کسی قاعدہ اور قیاس کو اس میں دخل نہیں بلکہ وہ مورد سماع پر مقصور ہے اور یہ حذف چند سنی ہوئی محدود معین مثالوں سے متجاوز نہیں کہ اس پر دوسری امثلہ کو قیاس کر لیا جائے اس کی پہلی مثال امرأً ونفسہ ہے ای اترک امرأً ونفسہ یعنی مرد اور اس کے نفس کو چھوڑ دو اور اپنے ہاتھ اور زبان کو اس کے مارنے اور نصیحت کرنے سے روک لے پس یہاں امرأً اترک کا مفعول ہے فعل کو حذف کر دیا گیا اور اس کے وجوب حذف کی وجہ یہی ہے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں اہل عرب بغیر ذکر فعل کے اس کو ذکر کرتے ہیں دوسری مثال قول باری تعالیٰ انتہوا خیراً لکم ہے یہ اصل میں انتہوا عن التثلیث واقصدوا خیراً لکم تھا یعنی تم تین خدا کہنے سے گریز کرو۔

(باقی بر صفحہ ۲۲)

(بقیہ صہ۲۱) اور اپنے لئے بھلائی کا قصد کرو یعنی توحید اختیار کرو پس یہاں خیراً اقصدوا کا مفعول بہ ہے اقصدوا فعل ناصب کو محذوف کر دیا گیا یہ آیۃ نصاریٰ سے خطاب کیلئے نازل ہوئی اور نصاریٰ تین خداؤں کے قائل تھے اس لئے عن التثلیث کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی کیونکہ قرینہ موجود ہے تیسری مثال اس کی یہ ہے اھلاً وسھلاً ای اتیت اہلاً ووطیت سہلاً لفظ اہل دو چیزوں کے مقابلہ میں آتا ہے ایک خرابہ یعنی ویرانہ کے دوسرے اجانب یعنی بیگانوں کے پس معنیٔ ثانی کی بنا پر اہل بمعنے ماہول ہوگا یعنی معمور اور آباد اور اس کیلئے موصوف مقدر کیا جائیگا یعنی بلفظ مکان پس تقدیر عبارت یہ ہوگی ای اتیت مکاناً ماہولاً معموراً لا خراباً اور بنا بر ثانی کے تقدیر عبارت یہ ہوگی اتیت اہلاً لا اجانب یعنی تو اپنے رشتہ داروں میں آیا ہے غیروں میں نہیں آیا اور سہل نرم زمین کے معنے میں آتا ہے بمقابلہ حزن یعنی زمین درشت و ناہموار کے پس اس کی تقدیر عبارت یہ ہوگی وطیت سہلاً من البلاد لا حزناً یعنی تو نے شہروں کی نرم زمین میں سفر کیا نہ کہ سخت اور ناہموار زمین میں پس مثال مذکور میں مفعول بہ کے فعل کو سماعاً حذف کر دیا گیا اور یہ حذف واجب ہے بدلیل سماع اہل عرب یہ جملہ اس وقت استعمال کرتے ہیں جب کوئی شخص سفر کر کے بطور مہمان کے وارد ہوتا ہے واللہ اعلم ۔ لہ قولہ والموضع الثانی الخ ان مواضع اربعہ میں سے کہ جہاں فعل ناصب مفعول بہ کو حذف کرنا واجب ہے دوسرا موضع منادیٰ ہے اور منادیٰ ایسی شے کے اسم کو کہتے ہیں جس کے متوجہ ہونے کو اس حرف کے ذریعہ طلب کیا جائے جو ادعو کے قائم مقام ہوتا ہے عام ازیں کہ وہ لفظاً مذکور ہو یا تقدیراً ای توجہہ الخ سے شارح اقبال کے معنی بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ اقبالہ کا مطلب یہ ہے کہ شے کی توجہ یعنی جس کو پکارا جائے اس کی توجہ چہرہ یا قلب کے ذریعہ تمہاری طرف ہو جائے پس اقبال یعنی متوجہ کرنے کی دو قسمیں ہوئیں ایک وجہی دوسری قلبی ۔ پھر اس حیثیت سے

اترک امراً و نفسہ او انتہوا خیراً لکم ای انتہوا عن التثلیث

(ایہا النصاریٰ عما انتم علیہ من القول بالتثلیث ۱۲ عل)

واقصدوا خیراً لکم و ہو التوحید و اہلاً و سہلاً ای اتیت اہلاً

(عطف مثال علی مثال ۱۲)

ای مکاناً ماہولاً معموراً لا خراباً او اہلاً لا اجانب و وطیت

(من الاہل ای مانوساً ۱۲)

سہلاً من البلاد لا حزناً والموضع الثانی من تلک المواضع

الاربعۃ المنادیٰ و ہو المطلوب اقبالہ ای توجہہ الیک

(ای الموضع وقوع المنادیٰ وفیہ مسامحۃ ۱۲ عب) (ای الاسم الذی طلب اقبالہ ۱۲)

بوجہہ او بقلبہ کما اذا نادیت مقبلاً علیک بوجہۃ حقیقیۃ

(تعمیم الاقبال ۱۲) (روبرو ۱۲)

مثل یا زید او حکماً مثل یا سماء و یا جبال و یا ارض فانہا

نزلت او لا منزلۃ من لہ صلاحیۃ النداء ثم ادخل علیہا حرف

(لسرعۃ امتثال الامر ۱۲ غف)

النداء و قصد نداؤہا فہی فی حکم من یطلب اقبالہ

دو قسمیں اور نکلتی ہیں کہ منادیٰ میں متوجہ ہونے کی صلاحیت بھی ہے یا نہیں اگر صلاحیت ہوگی تو اس کو توجہ حقیقی کہیں گے عام ازیں کہ وہ بالوجہ ہو یا بالقلب اور اگر صلاحیت نہ ہو تو یہ توجہ حکمی ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہم سے پشت کیئے کھڑا ہو اور ہم آواز دیکر اس کے چہرہ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہیں تو یہ توجہ حقیقی وجہی ہوگی اور اگر کوئی شخص ہماری طرف رخ کئے ہوئے کھڑا ہو اور ہم اس کے دل کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہیں تو یہ توجہ حقیقی قلبی ہوگی پس چونکہ شخص منادیٰ میں متوجہ ہونے کی صلاحیت موجود ہے اس لئے دونوں صورتیں یا زید مثلاً میں جمع ہو سکتی ہیں یعنی توجہ چہرہ کے ذریعہ بھی اور دل کے ذریعہ بھی یہی توجہ حقیقی ہے اور توجہ حکمی یہ ہے کہ جس چیز میں متوجہ ہونے کی صلاحیت نہیں اس کو بمنزلہ اس چیز کے فرض کریں کہ جس میں متوجہ ہونے کی صلاحیت موجود ہے پھر اس پر حرف نداء کو داخل کریں جیسے یا سماء یا جبال یا ارض پس ہم

بخلاف[۱] المندوب لانه المتفجع عليه ادخل عليه حرف النداء المجرور التفجع لا لتنزيله منزلة المنادى وقصد ندائه فخرج بهذا القيد عن تعريف المنادى ولهذا افرد المصنف احكامه بالذكر فيما بعد وفيه[۲] تحكم فان المندوب ايضا كما قال بعضهم منادى مطلوب اقباله حكما على وجه التفجع فاذا قلت يا محمداه فكانك تناديه وتقول له تعال فانا مشتاق اليك فالاولى ادخاله تحت المنادى كما فعله صاحب المفصل وقيل الظاهر من كلام سيبويه ايضا انه داخل في المنادى بحرف[۳]

کیا ہے اور بقول رضی کے سیبویہ کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مندوب منادی میں ہی داخل ہے علیحدہ قسم نہیں مگر شارح کا یہ اعتراض کرنا درست نہیں اس لئے کہ نادب کا مقصود اقبال مندوب نہیں ہوتا بلکہ مندوب کے سبب سے سامعین کے سامنے اظہار رنج وغم مقصود ہوتا ہی نیز اقبال مندوب مقصود ہو بھی نہیں سکتا نہ حقیقۃً اور نہ حکماً حقیقۃً تو ظاہر ہے رہا حکماً تو وہ اس طرح کہ حکماً کہنے سے مجاز لازم آتا ہے اور باب مندوب کثیر الدوران کثیر الوقوع ہے اور واسع ہے اہل عرب کی زبان پر بکثرت جاری وساری رہتا ہے پس اس کو مجاز قرار دینا ممکن نہیں بخلاف یا سماء و یا جبال وغیرہ کے کہ وہ اس قدر کثیر الوقوع نہیں لہذا وہ مجاز قرار دیئے جا سکتے ہیں واللہ اعلم ۳ قولہ بحرف الخ یہ جار مجرور المطلوب کے متعلق ہے اور جو حروف ادعو کے قائم مقام ہوتے ہیں وہ پانچ ہیں - یا - ایا - ہیا - ای - ہمزہ مفتوحہ - ان کو حروف نداء سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ قید احترازی ہے پس جس جگہ حرف ندا نہیں پایا جائیگا وہ منادی سے خارج ہے

(باقی بر صـ ۲۴)

۱ قولہ بخلاف المندوب الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ مندوب کو بھی منادی حکمی کہنا چاہیئے اس لئے اس کا بھی اقبال مطلوب ہوتا ہے اور اس پر بھی قائم مقام ادعو حرف ندا داخل ہوتا ہے پس اولاً مندوب کو بمنزلہ اس چیز کے فرض کریں جس میں صلاحیت ندا ہو پھر اس پر حرف ندا داخل کر دیں اور اس کو منادی حکمی کہنا اولیٰ وانسب بھی ہے اس لئے کہ مندوب قبل الموت منادی حقیقی تھا اس کا جواب شارح بخلاف المندوب سے یہ دے رہے ہیں کہ مندوب اس کو کہتے ہیں جس پر اظہار تفجع اور گریہ کیا جائے پس اس پر حرف ندا محض تفجع کے لئے داخل کیا گیا ہے بمنزلہ منادی کے قرار دینے کے لئے نہیں اور نہ مندوب کی ندا مقصود ہوتی ہے پس شرط اقبال ہی فوت ہو گئی واذا فات الشرط فات المشروط کے بموجب مندوب تعریف منادی سے خارج ہو گیا پھر چونکہ یہ منادی سے خارج ہو کر ایک مستقل باب ہے اسی واسطے مصنف نے اس کے احکام کو آگے چل کر مستقلاً علیحدہ صورت میں بیان کیا ہے ندبہ کہتے ہیں نالہ وشیون ونوحہ کرنے کو اور تفجع کے معنے آتے ہیں درد مند اور غمگین ہونا واللہ اعلم ۲ قولہ وفیہ تحکم الخ اس عبارت سے شارح مصنف پر ایک اعتراض کر رہے ہیں جس کی تقریر یہ ہے کہ مصنف کا المطلوب اقبالہ کی قید لگا کر مندوب کو تعریف منادی سے خارج کرنا تحکم اور دعوی بلا دلیل ہے مصنف نے سماء ارض جبال وغیرہ کو تو تعریف منادی میں داخل کر دیا اور اس کو خارج حالانکہ مندوب بھی منادی حکمی ہے جیسا کہ بعض نے کہا ہے کہ اس سے بھی حکماً بنا پر تفجع اور اظہار دردمندی کے اقبال مطلوب ہوتا ہے پس مثلاً جب یا محمداہ کہا جائیگا تو گویا کہ تم محمد کو پکار رہے ہو اور اس سے کہہ رہے ہو کہ ہمارے پاس آ ہم تیرے مشتاق ہیں پس اولیٰ یہی ہے کہ اس کو منادی کے تحت میں داخل کر لیا جائے جیسا کہ صاحب مفصل نے

(بقیہ صـ٢٣) جیسے لیقبل زیدٌ رچاہیئے کہ زید متوجہ ہو) پس اس میں چونکہ حرف ندا موجود نہیں بلکہ زید کا اقبال لام امر سے مطلوب
ہے اور وہ ادعوا کا قائم مقام نہیں لہٰذا یہ اس بحث سے خارج ہے نیز اس میں چونکہ حرف کی قید ہے اس لئے منادی کی تعریف
سے ادعوا زیداً بھی خارج ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس میں زید کا اقبال فعل کے ذریعہ سے مطلوب ہو رہا ہے حرف کے ذریعہ
نہیں واللہ اعلم ۔ ؎ قولہ لفظاً
اوتقدیراً الخ اس کی شرح تفصیل
للطلب الخ سے کر کے شارح
نے ایک سوال مقدر کا جواب
دیا ہے تقریر سوال یہ ہے کہ قول
مصنف لفظاً او تقدیراً یا تو
المطلوب کا مفعول مطلق ہوگا
یا لفظ نائب کا یا اقبالہٗ کی ضمیر
سے حال واقع ہوگا یا حرف
سے اور کل کے کل غلط ہیں المطلو
کا تو اس واسطے مفعول مطلق
نہیں ہوسکتا کہ یہ طلب پر مشتمل
ہے نہ کہ لفظاً او تقدیراً پر اور نائب
کا اس واسطے مفعول مطلق نہیں
ہوسکتا کہ نائب کے معنی بھی
نیابت کو مشتمل ہیں لفظاً او
تقدیراً کو نہیں اور اقبالہٗ کی
ضمیر سے حال قرار دینا اس لئے
درست نہیں کہ یہ ضمیر راجع ہے
منادی کی طرف اور حال میں
اصل وضابطہ یہ ہے کہ وہ
ذوالحال پر محمول ہوا کرتا ہے
اور اس جگہ حمل صحیح نہیں اس لئے
کہ وہ لفظاً او تقدیراً نہیں بلکہ
ملفوظ یا مقدر ہے اسی طرح
حرف سے بھی حال قرار دینا
صحیح نہیں شارح نے جواب
دیا کہ یہ تمام صورتیں صحیح و درست
ہیں اور اعتراضات کا جواب
یہ ہے کہ اگر ان کو المطلوب کا
مفعول مطلق قرار دیں تو یہ
باعتبار موصوف محذوف کے ہوگا اور تقدیر عبارت یہ ہوگی المطلوب اقبالہٗ بحرف نائب مناب ادعوا
طلباً لفظیاً او تقدیراً ۔ طلب لفظی کا مطلب یہ ہوگا کہ آلۂ طلب یعنی جس کے ذریعہ آواز دی جائے وہ لفظی ہے
جیسے یا زیدُ کہ اس میں حرف ندا لفظاً موجود ہے اور طلب تقدیری کا حاصل یہ ہے کہ آلۂ طلب لفظوں میں نہ ہو

نائبٍ مناب ادعوا من الحروف الخمسة وھی یا وایا وھیا وای[٢]
والھمزة[٥] واحترز بہ عن نحو لیقبل زیدٌ لفظاً او تقدیراً تفصیل
للطلب[ع] ای طلباً لفظیاً بان[ع] تکون آلة الطلب
لفظیة نحو یا زید او تقدیریاً بان تکون آلتہ مقدرة نحو
(حذف یاء النسبة ١٢)
یوسف اعرض عن ھذا او[ع] للنیابة ای نیابة لفظیة بان
(ای یا یوسف ١٢)
یکون النائب ملفوظاً او تقدیریة بان یکون النائب
مقدراً کما فی المثالین المذکورین او[ع] للمناوی والمنادی
الملفوظ مثل یا زید والمقدر مثل الا یا اسجدوا ای الا یا قومُ

مقدر ہو جیسے قول باری تعالے یُوسفُ اَعرِض عن ھذا ۔ ای یا یوسف اعرض عن
ھذا اور اگر لفظاً وتقدیراً کو نائب کا مفعول مطلق قرار دیں یعنی ان کو نیابت کی تفصیل قرار دیا
جائے تو اس وقت بجائے طلب مصدر موصوف محذوف کے نیابت مصدر موصوف
محذوف نکالا جائیگا اور تقدیر عبارت یہ ہوگی بحرف نائب مناب ادعو نیابةً لفظیةً
اوتقدیریةً پس نیابۃ لفظیۃ کا مطلب یہ ہے کہ ادعوا کا نائب یعنی قائم مقام لفظاً موجود
ہو جیسے یا زید میں اور تقدیریۃ کا یہ مطلب ہے کہ ادعو کا نائب مقدر یعنی محذوف ہو جیسے
یوسف اعرض عن ھذا میں دونوں کی امثلہ ایک ہیں اور اگر اس کو منادی کی تفصیل قرار
دیں یعنی اقبالہٗ کی ضمیر جو منادی کی طرف راجع ہے اس سے اس کو حال قرار دیں تو حمل
درست ہونے کی صورت یہ ہے کہ لفظاً اور تقدیراً کو بمعنے ملفوظاً اور مقدراً کے
قرار دیں پس اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی ہو المطلوب اقبالہٗ حال کون المنادی
ملفوظاً او مقدراً پس حال کا حمل ذوالحال پر درست ہو جائیگا منادی ملفوظ کی مثال (باقی بر صـ٢٥)

(بقیہ صہ ۲۴) جیسے یا زید کہ اس میں زید لفظاً موجود ہے اور منادی مقدر کی مثال جیسے الا یا اسجدوا ای الا یا قوم اسجدوا کہ اس میں قوم منادی ملفوظ نہیں مقدر ہے علی ہذا القیاس اگر اس کو حرف سے حال قرار دیں تب بھی ملفوظ اور مقدر کے معنی میں کرنا ہوگا اور تقدیر عبارت یہ ہوگی بحرف نائب مناب ادعو حال کون الحرف ملفوظاً او مقدراً نیس اول۔ ثانی اور رابع صورت کا تو مآل

اسجدوا وانتصابُ[۱] المنادی عند سیبویہ علی انہ مفعول بہ وناصبہ الفعل المقدر واصل یا زید ادعو زیداً فحذف الفعل حذفاً لازماً[۳] لکثرۃ استعمالہ ولدلالۃ[عطف] حرف النداء علیہ وافادتہ فائدتہ وعند المبرد[عم] بحرف النداء لسدہ مسد الفعل وقال ابو علی[۳] فی بعض کلامہ ان یا واخواتہا اسماء الافعال فعلی[عم] ہذین المذہبین لایکون من ہذا الباب ای مما انتصب المفعول بہ بعامل واجب الحذف وعلی[۳] المذاہب کلہا مثل یا زید جملۃ ولیس المنادے

(او کثرۃ الاستعمال یناسب التخفیف ۱۲ ع) (عطف تفسیری ۱۲ ع ب) (فی الاصل ۱۲) (منادی ۱۲)

بعض کلام میں کہا ہے کہ یا اور اس کے اخوات یعنی تمام حروف ندا اسماء افعال ہیں یعنی جس طرح بعض اسماء افعال جو امر حاضر کے معنی میں ہوتے ہیں وہ اسم کو بنا بر مفعولیت کے نصب دیتے ہیں اسی طرح حروف ندا بھی اسماء افعال ہونے کے باعث منادی کو بنا بر مفعولیت کے نصب دیتے ہیں پس ان دونوں یعنی مبرد اور ابو علی کے مذہبوں کی بنا پر یہ اس باب سے خارج ہو جائیں گے کہ یہ عامل واجب الحذف کے باعث مفعول بہ ہونے کی بنا پر منصوب ہوتے ہیں کیونکہ دونوں کے نزدیک حذف فعل ماننے کی ضرورت نہیں رہتی اور یہاں مطلب حذف فعل سے ہے اقول مبرد کی بات تو قرین قیاس اور قابل قبول ہو سکتی ہے لیکن قول ابو علی درست نہیں اس لئے کہ اسماء افعال کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ دو حروف سے کم نہ ہو اور حروف ندا میں ہمزہ مفتوحہ صرف ایک حرف ہے نیز اسم فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ ہو جاتا ہے پس یہاں بھی بغیر منادی کے حرف ندا کو جملہ قرار دیا جائے حالانکہ ایسا نہیں علی ہذا القیاس۔ اسم فعل کا انحصار دو قسموں میں ہے بمعنی ماضی اور بمعنی امر حاضر معروف اور یہ ان دونوں میں (صح)

یہ ہے کہ تینوں حرف ندا سے متعلق ہیں یعنی حرف ندا لفظاً ہو یا تقدیراً اور ثالث صورت اس کے خلاف ہے یعنی ندا سے متعلق نہیں منادی سے تعلق رکھتی ہے یعنی منادی لفظاً ہو یا تقدیراً واللہ اعلم

سلہ قولہ وانتصاب الخ منادی کو یہاں اس حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ منصوب ہوتا ہے پس یا زیدُ میں منادی جو حالت رفع پر مبنی ہے وہ اگرچہ بظاہر مرفوع ہے مگر درحقیقت منصوب ہے کیونکہ یہ فعل اعراب کے اعتبار سے مفعول بہ کی جگہ میں واقع ہے پس یہاں سے شارح منادی کے منصوب ہونے کا سبب بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ سیبویہ کے نزدیک منادی کے منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مفعول بہ اور اس کا ناصب فعل مقدر ہے جس کو وجوباً حذف کر دیا گیا پس یا زید کی اصل ادعو زیداً ہے فعل کو کثرت استعمال کے باعث وجوباً حذف کر دیا گیا نیز حرف ندا بھی اس حذف فعل پر دلالت کرتا ہے اور حرف ندا اس فعل محذوف کا فائدہ بھی دیتا ہے اس لئے اس کو بھی حذف کرنا ضروری ہوا کیونکہ قائم مقام موجود ہے لیکن مبرد سیبویہ سے قدرے اختلاف کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حرف ندا چونکہ فعل کا قائم ہے اس لئے منادی منصوب ہوتا ہے یہ وجہ نہیں کہ حرف ندا اس پر دلالت کرتا ہے اس لئے فعل محذوف ہے بلکہ سرے سے یہاں اس کے فعل کا وجود ہی نہیں واللہ اعلم سلہ قولہ وقال ابو علی الخ یہاں سے شارح ایک تیسرا مذہب ابو علی فارسی کا بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ ابو علی فارسی نے اپنے ۔۔۔ سے کسی میں بھی داخل نہیں کیونکہ یہ بمعنی فعل مضارع معروف ہو واللہ اعلم سلہ قولہ علی المذاہب الخ بہر حال منادی کے منصوب

(بقیہ صد ٢٥) مگر یہ بات مسلم ہے کہ سب کے نزدیک مثل یا زید جملہ ہے اور منادی کسی کے نزدیک بھی جملہ کا جز نہیں نہ یہ مسند ہے نہ مسند الیہ پس اس کے جملہ ہونے کی توجیہ ہر شخص کے نزدیک مختلف ہے سیبویہ رح تو کہتے ہیں کہ جملہ کے دونوں جز یعنی فعل اور فاعل دونوں مقدر ہیں یعنی ادعوا اپنی ضمیر متکلم مستتر سمیت پس ان کے نزدیک نہ حرف ندا جملہ کا جز ہے اور نہ منادی اور مبرد یہ کہتے ہیں کہ حرف ندا جملہ کے دو جزوں میں سے ایک یعنی فعل کا قائم مقام ہے اور فاعل مقدر ہے مگر یہ صحیح نہیں اسلئے کہ اس سے تنہا حذف فاعل لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے اور ابو علی کا مسلک یہ ہے کہ اس کا ایک جز تو اسم فعل ہے اور دوسرا جز اس میں ضمیر مستتر حاصل یہ ہوا کہ منادی کسی کے نزدیک بھی جملہ کا جز نہیں نہ سیبویہ کے نزدیک نہ مبرد کے نہ ابو علی کے لیکن ان مذاہب میں مذہب مختار عند المصنف چونکہ مذہب سیبویہ رح ہے اس لئے اس کو اس باب میں ذکر کیا یعنی جہاں فعل ناصب مفعول بہ کو وجوباً حذف کرنا واجب ہے بخلاف دوسرے مذاہب کے کہ یہ اس باب میں داخل ہی نہیں واللہ اعلم

لہ قولہ ویبنیٰ الخ یبنے بصیغۃ المجہول ہے اور اس کا نائب فاعل المنادی محذوف ہے اسی کی طرف شارح نے ای المنادی سے اشارہ کیا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شارح نے منادی کے مبنی علی الرفع اور مجرور و مفتوح ہونے کے بیان کو کیوں مقدم کیا حالانکہ چاہیئے یہ تھا نصب کے بیان کو مقدم کرتے کیونکہ منادی میں نصب ہی اصل ہے اس لئے کہ منادی منصوبات سے ہے اس کا جواب شارح نے نقلتہا الخ سے یہ دیا کہ ان کے بیان کی تقدیم کا باعث یہ ہے کہ تحقق و استعمال کے اعتبار سے بہ نسبت نصب کے یہ بہت کم پائے جاتے ہیں یعنی منادی علے الرفع وغیرہ۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بیان نصب میں اختصار مطلوب ہے

احد جزأی الجملة فعند سيبويه جزءا الجملة ای الفعل والفاعل (المسند والمسند اليه ١٢) مقدران وعند المبرد حرف النداء قائم مقام احد جزأی الجملة ای الفعل والفاعل مقدر وعند ابی علی احد جزأيها (ای ادعو وحده ١٢) اسم الفعل والآخر ضمير مستتر فيه (كما فی اف بمعنى اتضجر ١٢) ويبنى[له] ای المنادی قدم (المص ١٢) بيان البناء والخفض والفتح على النصب لقلتها بالنسبة (ای بحسب التحقق والاستعمال) الى النصب ولطلب الاختصار فی بيان النصب ١٢ (كما مر فی الاعراب التقديری اللفظ والمحل ١٢) بقوله وينصب ما سواهما على ما يرفع به ای على الضمة

یعنی نصب کے مواقع بہت ہیں اگر ان کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو طوالت ہو جاتی ہے اس لئے نصب کے مغایرات کو بیان کر کے تمہید یا ہے کہ ان کے علاوہ سب جگہ منادیٰ کو نصب ہوتا ہے پس کہتے ہیں کہ منادی کو علامت رفع پر مبنی بھی کر دیا جاتا ہے بشرطیکہ منادی مفرد معرفہ ہو اس جگہ مصنف نے علی ما یرفع بہ کہا اور یبنیٰ علے الضم نہیں کہا تو اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ رفع کی دونوں صورتوں کو شامل ہو جائے یعنی خواہ مرفوع بالحرکۃ ہو یا بالحرف اسی طرف شارح نے ای علی الضم الخ سے رہنمائی فرمائی ہے یعنی منادی مبنی علے الرفع خواہ ضمہ پر مبنی ہو جیسے یا زید یا الف پر جیسے یا زیدان یا واو پر جیسے یا زیدون پھر التی یرفع بہا الخ کا اضافہ کر کے شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ یبنے اور یرفع دونوں کی ضمیر منادیٰ کی طرف راجع ہے پس عبارت یہ ہوگی یبنی المنادیٰ علے ما یرفع المنادیٰ بہ پس اس وقت مصنف کے کلام میں تناقض پیدا ہو گیا کیونکہ بناء اور اعراب کا اسم واحد میں اجتماع لازم آیا اس لئے کہ یبنیٰ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ منادی کا مبنی ہونا صریح ہے اور یرفع اعراب پر دلالت کرتا ہے (باقی بر صـ ٢٧)

(بقیہ ص۲۶) اس لئے کہ رفع معرب کے القاب میں سے ہے پس منادی کیلئے بناء بھی ثابت ہوئی اور اعراب بھی اور یہ کھلا ہوا تناقض ہے شارح نے جواب دیا کہ اس میں کوئی تناقض نہیں اس لئے بناء کا تعلق صورت ندا کے ساتھ ہے یعنی جب منادی پر حرف ندا داخل ہو جائے تب تو وہ مبنی ہو جائے گا اور رفع کا تعلق غیر صورت النداء سے ہے یعنی حرف ندا کے دخول سے قبل وہ مرفوع ہوگا ضمہ یا الف یا واو کے ساتھ پس غیر صورت ندا میں اسم پر منادی کا اطلاق کرنا مجازاً ہے اور اس کے ارتکاب کی ضرورت اسی وجہ سے پیش آئی کہ یرفع کی ضمیر منادی ہی کی طرف راجع ہے واللہ اعلم ۵ قولہ او الفعل الخ یہ مذکورہ اعتراض کا دوسرا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر یرفع میں ضمیر نہ مانی جائے اور بہ جار مجرور کو ہی نائب فاعل قرار دے لیا تو اس وقت بھی اعتراض مندفع ہو جائیگا اس لئے کہ اس وقت تقدیر عبارت یہ ہوگی ویبنی المنادی علے ما بہ الرفع یعنی منادی علامت رفع پر مبنی ہوگا۔ اب رہا یہ امر کہ ایسا کیوں نہ کر لیا جائے کہ یرفع کی ضمیر کو اسم کی طرف راجع کر دیا جائے تو کوئی بھی اعتراض لازم نہیں آئے گا اس کا جواب وارجاع الضمیر الخ سے شارح نے یہ دیا کہ اگرچہ یہ جواب چل سکتا ہے مگر ضمیر کو اسم کی طرف راجع کرنا غیر مناسب ہے اس لئے کہ سیاق کلام اس کے خلاف ہے یعنی سیاق کلام کا تقاضا یہ ہے کہ منادی کی ہی جانب ضمیر راجع ہو کیونکہ منادی کا بیان ہو رہا ہے مطلق اسم کی طرف راجع نہ ہو مگر یہ کہ اسم کا بیان منادی کے ضمن میں آجائے واللہ اعلم ۵۲ قولہ ان کان مفرداً الخ یہ عبارت مبنی علے الرفع کے لئے بطور شرط کے ہے یعنی منادی مفرد معرفہ ہو شارح نے ای لایکون مضافاً الخ سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مفرد کے معنے متعدد آتے ہیں یعنی مقابل تثنیہ وجمع و مضاف و شبہ مضاف وغیرہ پس

او الالف او الواو التی یرفع بہا المنادی فی غیر صورۃ النداء
عہ او الفعل مسند الی الجار والمجرور اعنی بہ ولا ضمیر فیہ وارجاع
(وجه الاحتیاج الی قولہ فی غیر صورۃ النداء ۱۲ رحمن) (ای لفظ بہ ۱۲)
الضمیر الی الاسم غیر ملائم لسوق الکلام ان کان ای المنادی
مفرداً ای لایکون مضافاً ولا شبہ مضاف وہو کل اسم لا یتم
(یعنی ان المفرد مقابل للمضاف ۱۲ ج) (ای المشابہ للمضاف ۱۲)
معناہ الا بانضمام امر آخر الیہ معرفۃ قبل النداء او بعدہ وانما
بنی المفرد المعرفۃ لوقوعہ موقع الکاف الاسمیۃ المشابہۃ لفظاً
(المنادی ۱۲) (التی ہی الضمیر ۱۲)
ومعنی لکاف الخطاب الحرفیۃ وکونہ مثلہا افراداً وتعریفاً

یہاں مفرد سے مراد مضاف اور شبہ مضاف کا مقابل ہے تثنیہ وجمع کا مقابل نہیں تاکہ یا زیدان یا زیدون بھی اس میں داخل ہو جائیں اب رہی یہ بات کہ شبہ مضاف کس کو کہتے ہیں؟ تو اس کا جواب وہو کل اسم الخ سے شارح نے یہ دیدیا کہ شبہ مضاف ہر اس اسم کو کہہ سکتے ہیں کہ جس کے معنی بغیر امر آخر کے ملائے تمام نہ ہو سکیں جیسے یا طالعاً جبلاً میں طالعاً کے معنے بغیر جبلاً کے ذکر کے تمام نہیں ہوتے پس طالعاً شبہ مضاف ہے اور معرفہ سے مراد عام ہے خواہ قبل ندا کے معرفہ یعنی متعین ہو جیسے یا زید یا ندا کے تعین پیدا ہو جائے جیسے یا رجل کہ اس میں رجل نکرہ تھا ندا کے بعد خاص ہو گیا ہر شخص اس سے مراد نہیں ہو سکتا واللہ اعلم ۵۳ قولہ وانما بنی المفرد الخ یہاں سے شارح منادی مفرد معرفہ کے مبنی ہونے کی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ منادی مفرد معرفہ کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کاف اسمیہ کے موقع میں واقع ہوتا ہے جو کہ لفظاً و معنیً کاف خطاب حرفیہ کے مشابہ ہے کاف اسمیہ ضمیر منصوب متصل کو کہتے ہیں جیسے ادعوک میں اور کاف خطاب حرفیہ وہ ہے جو مثلاً ذلک میں ہے کیونکہ اس میں اسم اشارہ صرف ذا ہے اور ل اسم اشارہ اور کاف کے درمیان فصل کیلئے ہے (باقی بر ص۲۸)

(بقیہ صفحہ ۲۷) اور ذلک کے کاف کو خطابیہ اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ اصل میں خطاب کیلئے ہی ہوتا ہے اسم اشارہ پر عارضاً داخل ہے اسم اشارہ کا جز نہیں پھر اس کو حرفیہ اس واسطے کہتے ہیں کہ اسم ظاہر اس کی جگہ پر واقع نہیں ہو سکتا کیونکہ ذلک میں اس کی حیثیت حرف سے زیادہ نہیں رہی اور پھر یہ اس میں خطاب کیلئے استعمال بھی نہیں ہوتا صرف اصل کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو خطابیہ کہدیتے ہیں دوسری وجہ اس مناسبت کی یہ بھی ہے کہ منادی مفرد معرفہ افراد اور تعریف کے اعتبار سے کاف اسمیہ سے مشابہت رکھتا ہے یعنی جس طرح کاف اسمیہ سوائے مفرد اور معرفہ ہونے کے مضاف اور نکرہ نہیں ہو سکتا اسی طرح منادی مفرد معرفہ بھی مضاف اور نکرہ نہیں ہو سکتا۔ بیان اس کا یہ ہے کہ یا زید بمنزلہ ادعوک کے ہے اور ادعوک میں کاف اسمیہ ہے کیونکہ یہ اسم ظاہر کے موقع میں واقع ہو رہا ہے پھر یہ کاف اسمیہ کاف ذلک کے مشابہ ہے لفظاً بھی اور معنیً بھی۔ لفظاً تو ظاہر ہے کہ دونوں جگہ کاف کی صورت ایک ہی ہے نیز دونوں مفرد ہیں اور معنیً مشابہۃ یہ ہے کہ دونوں تعریف کے لئے بھی ہیں اور خطاب کیلئے بھی پس بوجہ مناسبت مبنی اصل کے منادی مفرد معرفہ مبنی ہوگا واللہ اعلم ۱۲ قولہ انما قلنا الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ عبارت میں اصل اختصار ہے پس اتنی طول طویل عبارت کی کیا ضرورت تھی اس قدر کہدینا کافی تھا وانما بنی لوقوعہ موقع الکاف الاسمیۃ۔ اور المشابہۃ لفظاً او معنیً کہنے سے کیا فائدہ ہوا؟ جواب یہ دیا کہ ہم نے یہ طول اس لئے اختیار کیا کہ اسم مبنی نہیں ہوا کرتا تا وقتیکہ یہ حرف یا فعل کے مشابہ نہ ہو کیونکہ حرف اور فعل ہی بناء میں اصل ہیں پس اگر صرف لوقوعہ موقع الکاف الاسمیۃ پر اکتفاء کیا جاتا تو منادی مفرد کا کاف کی جگہ پر واقع ہونا اس کے مبنی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا تھا پس جب

وذلک لان یا زید بمنزلۃ ادعوک وہذہ الکاف ککاف ذلک لفظاً و معنیً وانما قلنا ذلک لان الاسم لا یبنی الا لمشابہۃ الحرف والفعل ولا یبنی لمشابہۃ الاسم المبنی مثل یا زید

(حواشی بین السطور: ای بیان ذلک ۱۲ — الاسمیۃ ۱۲ — لہ — ای لفظ ذلک ۱۲ — کالذی ۱۲)

یہ کہدیا گیا کہ کاف اسمیہ کاف خطاب حرفیہ سے مشابہ ہے اور کاف حرفیہ مبنی اصل ہے تو اس کا کاف اسمیہ کے موقع میں واقع ہونا اس کے مبنی ہونے کے لئے دلیل بن گیا اس لئے کہ کاف حرفیہ مبنی اصل کے ساتھ کاف اسمیہ کے مشابہ ہونے کے باعث تو کاف اسمیہ میں بناء آئی اور کاف اسمیہ کے باعث منادی مفرد معرفہ میں پس لازم کا لازم اپنا لازم سمجھتے ہوئے منادی مفرد معرفہ کو مبنی قرار دیدیا گیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر منادی مفرد معرفہ کو مبنی کرنا تھا تو سکون پر مبنی قرار دیتے اس لئے کہ بناء میں سکون اصل ہے علامت رفع پر مبنی کرنے کا کیا باعث ہے جواب یہ ہے کہ منادی مفرد معرفہ یعنی اصل سے مشابہت کی بناء پر مبنی قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ابھی گذرا اور سکون اس مبنی کی علامت ہے جو کہ اصل ہے پس اس کی بناء اصل کے مطابق سکون پر نہیں ہو گی اس لئے کہ یہ فرع ہے اور فرع میں کچھ تو اصل سے علیحدہ ہونا ہی پڑتا ہے ورنہ دونوں میں اتحاد لازم آتا ہے اور فرع فرع نہیں رہتا اور فتحہ پر اس وجہ سے بناء نہیں ہو سکتی کہ اس حالت میں اس کا التباس اس منادی کے ساتھ لازم آئے گا جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہے اور یاء متکلم کو الف سے بدل کر ماقبل کو فتحہ دیکر الف کو گرا دیا گیا ہے جیسے بعض لغات کی بناء پر یا غلام کہ اس کی اصل یا غلامی تھی ی الف سے بدل کر میم کو فتحہ دیا اور پھر الف کو گرا دیا یا غلامَ ہو گیا اور جر یعنی کسرہ پر اس وجہ سے مبنی نہیں کہہ سکتے کہ اس صورت میں اس منادی کے ساتھ التباس لازم آتا ہے جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہے اور یاء کو حذف کر کے کسرہ کو باقی رکھا گیا ہے جیسے یا غلامِ یا قومِ یا ربِّ وغیرہ پس اب بجز اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ منادی مفرد معرفہ کو علامت رفع پر ہی مبنی قرار دیا جائے واللہ اعلم ۱۲ قولہ مثل یا زید الخ یہ دونوں مثالیں اس منادی کی ہیں جو کہ ضمہ پر مبنی ہے ان میں سے اول یعنی زید تو قبل النداء ہی معرفہ ہے اور ثانی قبل النداء تو نکرہ تھا لیکن بعد النداء معرفہ ہو گیا اور یا زیدان مبنی علی الالف کی مثال ہے اور یا زیدون مبنی علی الواو کی واللہ اعلم ۱۲

وياَ رجل مثالاً لما هو مبنيٌّ على الضمة اولها معرفة قبل النداء وثانيهما معرفةٌ بعد النداء ويا زيدان مثال المبني على الالف ويا زيدون مثال المبني على الواو وتخفض

(ہو معرفۃ بعد النداء لان جمع العلم يكون بعد التنكير ۱۲)

اي ينجر المنادي بلام الاستغاثة اي بلام تدخله وقت الاستغاثة وهي لام التخصيص (فریاد خواستن ۱۲) دخلت على المستغاث لِدلالة على انه مخصوصٌ من بين امثاله بالدعاء مثل يالَزيدٍ وانما (ای اللام الجارۃ ۱۲) فتحت لئلا يلتبس بالمستغاث له اذا حذف المستغاث نحو ياللمظلوم اي يالَلقوم فانه لو لم تفتح لام المستغاث لم يُعلم ان المظلوم في هذا المثال مستغاثٌ او مستغاث له و (اغیث للمظلوم ۱۲) لم يُعكس الامر لان المنادي المستغاث واقعٌ موقع كاف الضمير التي تفتح لام الجر معها نحو لك بخلاف المستغاث

برعکس نہیں ہو سکتا پس اگر کوئی صورت ایسی ہے کہ اس سے مستغاث اور مستغاث لہٗ میں امتیاز ہو سکے تو لام مستغاث کو بنا بر اصل کے مکسور بھی کر سکتے ہیں مثلاً مستغاث پر اگر بغیر اعادۂ یا کے عطف کیا جائے تو لام کو مکسور پڑھ سکتے ہیں کیونکہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اور یہی وجہ بہت کافی ہے کہ مستغاث اس کے باعث مستغاث لہٗ سے ممتاز ہو جاتا ہے جیسے یالَزیدٍ ولِعمرٍو لام عمرو کے کسرہ کے ساتھ لیکن اگر یہی عطف اعادۂ یا کی صورت میں کیا جائے گا تو پھر لام معطوف کو مکسور نہیں پڑھ سکتے (رواقی حرف ۱۲)

لہ قولہ وتخفض الخ منادیٰ پر جب لام استغاثہ داخل ہوگا تو منادیٰ مجرور ہوگا کیونکہ لام استغاثہ حقیقت میں یہ وہی لام جر ہے جو اسم کے خواص میں سے ہے اور اسم پر داخل ہوتا ہے پھر اس کو لام استغاثہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ استغاثہ کے معنی فریاد طلب کرنے کے ہیں پس یہ مستغاث پر اس وجہ سے داخل ہوتا ہے کہ اس امر پر دلالت کرے کہ یہ اپنی مثال میں دعا کے ساتھ مخصوص ہے یعنی اسی کو مدد کے لئے طلب کیا جا رہا ہے دوسرے کو نہیں جیسے یالَزیدٍ کہ اس میں زید عمرو بکر وغیرہ امثال سے زید کی مستغاث کے لئے تخصیص ہو گئی۔ اب رہا یہ سوال کہ جب کہ یہ در حقیقت حروف جر ہی ہے تو خود مکسور کیوں نہیں ہوتا مفتوح کیوں کیا جاتا ہے؟ اس کا جواب شارح ؒ وانما فتحت لئلا یلتبس الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اگر اس کو مفتوح نہ کیا جائے مکسور ہی رکھا جائے تو اس کا التباس مستغاث لہٗ کے لام مکسور سے ہو جائے گا جبکہ مستغاث کو حذف کر کے صرف مستغاث کو باقی رکھا جائے جیسے یاللمظلوم کہ اصل میں یالَلقومِ للمظلوم تھا پس اگر لام مستغاث کو مفتوح نہ کیا جاتا تو اس بات کا پتہ نہ چلتا کہ اس مثال میں مظلوم مستغاث ہے یا مستغاث لہٗ حالانکہ یہ امر یقینی ہے کہ مظلوم مستغاث لہٗ ہے مستغاث نہیں واللہ اعلم لہ قولہ ولم یعکس الامر الخ یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ اس کا برعکس کیوں نہیں کیا گیا یعنی لام مستغاث کو مکسور اور لام مستغاث لہٗ کو مفتوح کر دیتے تو اس صورت میں بھی کوئی التباس لازم نہیں آتا تھا اس کا جواب یہ دیا کہ برعکس اس لئے نہیں کیا گیا کہ منادیٰ مستغاث کاف ضمیر کے موقع میں واقع ہے اور کاف ضمیر پر جب لام جارہ داخل ہوتا ہے تو وہ مفتوح ہوتا ہے جیسے لک لہٰذا یہ لام بھی مفتوح ہوگا بخلاف مستغاث لہٗ کے کہ وہ ضمیر کی جگہ پر واقع نہیں لہٰذا اس پر داخل ہونے والا لام بھی مفتوح نہ ہوگا پس ثابت ہوا کہ لام مستغاث مفتوح اور لام مستغاث لہٗ مکسور ہوتا ہے اس کا

(بقیہ صہ ۲۹) کیونکہ اس صورت میں بھی وہی التباس کا اشکال سامنے آجائیگا یعنی یالزید تک تو بات درست ہوگی اور پھر جب معطوف یعنی یالعمر بھی یا کا اعادہ ہو گا تو اس میں شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید یہ لام مستغاث لہٗ کے لئے ہے کیونکہ یہ اس صورت میں ایسا ہو جائیگا گویا کہ عطف ہوا ہی نہیں بلکہ منادی مستغاث ہے مستقلاً پس فتح لام ضروری ہوا واللہ اعلم ۵ قولہ وانما اعرب الخ

لعدم وقوعه موقع الضمير فان عطفت على المستغاث بغير
الکاف ١٢
يا نحو يا لزيد ولعمرو كسرت لام المعطوف لان الفرق بينه
وبين المستغاث له حاصل بعطفه على المستغاث وان عطفت
مع يا فلابد من فتح لام المعطوف ايضا نحو يا لزيد ويا لعمرو
للالتباس ١٢
وانما اعرب المنادى بعد دخول لام الاستغاثة لان علة بنائه
كانت مشابهته للحرف واللام الجارة من خواص الاسم
وهذه العلة ضعيفة ١٢
فبدخولها ضعفت مشابهته للحرف فاعرب على ما هو الاصل
لوجود المعارض ١٢ اج
فيه قيل قد يخفض المنادى بلامي التعجب والتهديد ايضا
فلام التعجب نحو يا للماء ويا للدواهي ولام التهديد نحو يا لزيد
جمع داهية وهي البلاء ١٢
لاقتلنك فلم اهمل المصنف ذكرهما وكيف يصدق قوله فيما بعد و
ينصب ما سواهما كليا واجيب بان كلا من هاتين اللامين

مصنف کا آئندہ قول وینصب ما سواہما کس طرح صادق آئیگا اس لئے کہ ما سوا میں منادی بالام تعجب و بالام تہدید بھی داخل ہیں اور ان کے دخول کے باعث منادی مجرور ہوتا ہے منصوب نہیں ہوتا لام تعجب کی مثال جیسے کوئی شخص ایسی جگہ پانی دیکھکر کہ جہاں اس کا امکان بھی نہ ہو تعجب سے کہے یا للماء اسی طرح خلاف توقع اچانک کوئی مصیبت پیش آجائے تو اس پر اظہار تعجب کرتے ہوئے کہے یا للدواہی دواہی جمع ہے داہیۃ کی جس کے معنی ہیں دباقی بر صہ ۳۱

یہاں سے شارح منادی کے مجرور ہونے کی وجہ بیان فرمار ہے ہیں کہتے ہیں کہ منادی مفرد معرفہ علامت رفع پر مبنی قرار دیا گیا تھا لیکن جب اس پر لام مستغاث داخل ہوتا ہے تو اس کے معرب ہونے کا کیا سبب ہے حالانکہ یہ مفرد بھی ہے اور معرفہ بھی شارح نے کہا کہ لام استغاثہ کے دخول کے بعد منادی کو اعراب دینے یعنی معرب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی بناء حرف سے مشابہت کے باعث تھی کیونکہ حرف مبنی اصل میں داخل ہے اور لام جارہ اسم کے خواص میں سے ہے پس اس کے دخول کی وجہ سے حرف کے ساتھ مشابہت ضعیف ہوگئی اور ضعیف خلاف اصل میں موثر نہیں ہوا کرتا پس اسی بنا بر اصل کے کہ اسم میں اصل اعراب ہے معرب کر کے مجرور کر دیا گیا تفصیل مقام کی یہ ہے کہ اس وقت منادی پر دو عامل مجتمع ہیں ایک یا دوسرے لام اور دونوں میں لام عامل بنفسہا اور منادی کے قریب ہے یا میں دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی کیونکہ وہ عامل بنفسہا نہیں بلکہ باعتبار فعل کے عامل ہے اور بہ نسبت لام کے منادی سے بعید ہے پس جب لام بہ نسبت یا کے عامل قوی اور قریب ہے تو اسی کو عمل دیا جائے گا لہذا منادی مجرور ہو گا واللہ اعلم ۲ قولہ قیل قد الخ یہاں سے شارح مصنف پر ایک اعتراض کر کے اس کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ منادی کبھی لام تعجب اور لام تہدید کے باعث بھی مجرور ہوتا ہے پس مصنف نے اس کو کیوں بیان نہیں کیا ترک کی کیا وجہ ہے؟ نیز اس کے عدم ذکر کے باعث

(بقیہ صنہ ۳۰) بڑی اور سخت مصیبت پس ان دونوں جگہوں میں لماء اور الدواہی منادی لام تعجب کے باعث مجرور ہو رہے ہیں
اور لام تہدید یعنی زجر و توبیخ ڈانٹ ڈپٹ کی مثال جیسے یا لزید لاقتلنک کہ اس میں زید کو قتل کی دھمکی دی گئی ہے اور یہ منادی
ہے جو کہ لام تہدید کے باعث مجرور ہے واجیب سے اس کا جواب ہے یعنی جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ دونوں لام بھی لام
استغاثہ ہی میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ مہدد بصیغہ اسم فاعل یعنی دھمکی دینے والا مہدَّد بصیغہ اسم مفعول یعنی زید سے فریاد طلب کر رہا ہے تاکہ وہ حاضر ہو جائے پھر اس سے انتقام لیکر دشمن سے دشمنی و رنجش کی کوفت و تکلیف سے ہمیشہ کے لئے نجات و راحت حاصل کرلے پس دھمکی دینے والا زید کو ہوشیار کر رہا ہے کہ اپنے نفس کو قتل سے بچنے تیار کرے تاکہ میں اپنے دل کی آتش بغض و کینہ فرو کرسکوں اور ہوشیاری کی وجہ یہ ہے کہ بہادر اور دلیر کبھی غافل پر حملہ نہیں کیا کرتا غافل پر حملہ کرنا بزدل کا کام ہے پس اس کو اپنے ارادۂ جدل و قتال سے آگاہ کر دیا اسی طرح تعجب کرنے والا بھی گویا کہ تعجب منہ یعنی تعجب میں ڈالنے والی شئے فریاد طلب کر رہا ہے تاکہ وہ شئے متعجب منہ حقیقۃً اس کے سامنے آجائے اور وہ اس سے اپنے تعجب کو ظاہر کر کے اس سے خلاصی حاصل کرلے کیونکہ جس چیز پر تعجب ہوتا ہے اور وہ سامنے آتی ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ میری آنکھیں کہیں دھوکا تو نہیں کھا رہی ہیں اس چیز کو یہاں کیسے دیکھ رہا ہوں پھر جب اس کا شک یقین سے تبدیل ہو جاتا ہے تو وہ دل سے تعجب کو نکال کر
اس سے خلاصی حاصل کر لیتا ہے واللہ اعلم ۵ قولہ واجیب عن لام الخ یہاں سے لام تعجب سے متعلق اعتراض کا شارح دوسرا
جواب دے رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ لام تعجب کی بابت دوسرے طریقہ پر ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے جس کو مصنف نے بھی ایضاح
شرح مفصل میں ذکر کیا ہے کہ قول قائل یا للماء و یا للدواہی میں منادی الماء اور الدواہی نہیں ہیں بلکہ ان سے مراد یا قوم

لام الاستغاثة كانّ المهدِّد واسم فاعل يستغيث بالمهدَّد و
اسم مفعول ليحضر فينتقم منه ويستريح من الم خصومته وكانّ
المتعجب يستغيث بالمتعجب منه ليحضر فيقضى منه العجب
ويتخلص منه واُجيب عن لام التعجب بوجه آخر ذكره المصنف
في الايضاح وهو ان المنادى في قولهم يا للماء ويا للدواهي
ليس الماء ولا الدواهي وانما المراد يا قوم او يا هؤلاء اعجبوا
للماء وللدواهي ولا يخفى عليك ان القول بحذف المنادى
على تقدير كسر اللام ظاهر واما على تقدير فتحها فمشكل لانتفاء

ہے اور یا ہؤلاء یعنی متعجب یہ کہنا چاہتا ہے کہ یا قوم اعجبوا للماء وللدواہی یا ہؤلاء اعجبوا
للماء والدواہی یعنی اے قوم یا اے لوگو اپنے نفس کو تعجب میں ڈالو پانی اور مصیبت
عظیمہ سے یعنی جہاں پانی کا وہم و گمان بھی نہ تھا وہاں پانی نکل آیا اسی طرح خلاف امید
مصیبت سامنے آگئی پس معلوم ہوا کہ یہ منادی کی اس قسم میں داخل ہے جس میں
منادی کو حذف کرسکتے ہیں جیسے الا یا اسجدوا میں پس یہ اس صورت میں مخفض بلام
الاستغاثہ سے خارج ہو جائیگا کیونکہ اب لام کا تعلق منادی سے نہیں رہا واللہ
اعلم ۱۲ ۵ قولہ ولا یخفی علیک الخ یہاں سے شارح جواب ثانی پر اعتراض کر رہے
ہیں تقریر اعتراض یہ ہے کہ اس جگہ لام تعجب میں کسرہ اور فتحہ دونوں جائز ہیں پس
اگر اس میں لام کو مکسور پڑھتے ہیں تو الماء اور الدواہی مستغاث لہ ہو جائیں گے اور
مستغاث یعنی قوم یا ہؤلاء محذوف ہو جائیگا پس اس صورت میں تو کوئی اعتراض نہیں
لیکن اگر لام تعجب کو مفتوح پڑھیں گے تو قابل اعتراض امر یہ ہے کہ منادی تو اس وقت
(باقی بر صنہ ۳۲)

(بقیہ صد ۳۱) محذوف ہو گا پس اس کو مفتوح پڑھنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ کیونکہ یہ مستغاث لہ ہو گا اور لام مستغاث لہ ہمیشہ مکسور ہوتا ہے نیز لام مستغاث کو مفتوح قرار دیئے جانے کا جو سبب تھا وہ بھی اب ختم ہو جاتا ہے یعنی مستغاث کا التباس مستغاث لہ کے ساتھ کیونکہ اب کوئی التباس ہی نہیں رہتا اس لئے کہ مستغاث تو محذوف ہو گیا اس پر تو لام کی ضرورت نہیں رہی

ما یقتضے فتحہا حینئذٍ کما ہو الظاہر مما سبق و یفتح ای یبنے المنادی علے الفتح لالحاق الفہا ای الف الاستغاثۃ بآخرہ لاقتضاء الالف فتح ما قبلہا ولا لام فیہ حینئذٍ لان اللام یقتضے الجر والالف الفتح فبین اثریہما تناف فلا یحسن الجمع بینہما مثل یا زیداہ بالحاق الہاء بہ للوقف و ینصب ما سواہما ای ینصب بالمفعولیۃ ما سوی المنادی المفرد المعرفۃ والمنادی المستغاث مع اللام او الالف لفظاً او تقدیراً ان کان معرباً قبل دخول حرف النداء لان علۃ النصب ہی المفعولیۃ

ذائع ہے واللہ اعلم ۱۲ سلہ قولہ: ینصب الخ منادی مفرد معرفہ اور منادی مستغاث مع اللام او الالف کے علاوہ جس قدر صورتیں ہو سکتی ہیں سب میں مفعولیۃ کی بنا پر منادی منصوب ہوتا ہے اور معرب کیونکہ مصنف کا ینصب کہنا اعراب پر صاف طور سے دلالت کر رہا ہے کیونکہ نصب اعراب کی ہی حالت میں آتا ہے بخلاف یفتح کے کہ وہ صرف فتحہ کے ساتھ خاص ہے اور جب فتحہ کے ساتھ خاص ہوئے تو اعراب کے دوسرے احتمالات ختم ہوئے لہذا مبنی ہو گا پھر منادی کے منصوب ہونے میں تعمیم ہے خواہ لفظاً ہو جیسے یا عبد اللہ یا تقدیراً جیسے یا فتی القوم کہ اس میں فتی پر اعراب تقدیری ہے اب اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ قول یا یوم ینفع الصدقین صدقہم پر صادق نہیں آتا جبکہ یوم ینفع الصدقین (باقی بر صد ۳۱)

صرف مستغاث لہ رہ گیا سو اس کا لام مکسور ہو جائیگا لام مفتوح کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی پھر اس صورت میں یہ خبر بھی نہیں رہتی کہ منادی کاف کے قائم مقام ہے یعنی جس طرح کاف کا ماقبل لام مفتوح ہوتا ہے اسی طرح منادی بھی اس کے موقع میں واقع ہونے کے باعث لام مفتوح ہو اور یہ اس وجہ سے کہ منادی تو محذوف ہی ہو گیا اب لام ہی کی کیا ضرورت رہی جو اس قائم مقامی کا بھی لحاظ کیا جائے اس کا جواب شارح نے کچھ نہیں دیا مگر جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ منادی محذوف ہے مگر چونکہ یہ موقع میں منادی کے واقع ہے لہذا لام مفتوح ہو سکتا ہے جیسا کہ اصل منادی میں ہوتا ہے واللہ اعلم ۱۲ سلہ قولہ: یفتح الخ یہ منادی کے مبنی علے الفتح ہونے کی صورت ہے یعنی جب منادی کے آخر میں الف استغاثہ لاحق کیا جائیگا تو منادی مبنی علی الفتح ہو گا اسلئے کہ الف اپنے ماقبل کو فتحہ چاہتا ہے اور اس وقت یعنی آخر میں الف استغاثہ کے الحاق کے بعد اس پر لام مستغاث داخل نہیں ہو گا اس لئے کہ لام اپنے مدخول کو مجرور بنانے کا مقتضی ہوتا ہے اور الف اپنے ماقبل کو فتحہ چاہتا ہے اور ان دونوں کے درمیان منافات ہے یعنی فتحہ اور کسرہ ایک حرف پر ایک وقت میں جمع نہیں ہو سکتے پس لام مستغاث اور الف مستغاث کو ایک جگہ جمع کرنا کوئی عقلمندی کی بات نہیں ہوگی واللہ اعلم ۱۲ سلہ قولہ مثل یا زیداہ الخ یہ منادی مبنی علی الفتح کی مثال ہے اور اس میں ہاء کا اضافہ وقف کے لئے ہے اور یہ کلام عرب میں اکثر شائع و

(بقیہ صـ۳۲) کسی شخص کا نام رکھدیں کیونکہ اس صورت میں یوم منادی ہوگا اور ماسواہما میں بھی داخل اس لئے کہ یہ مضاف ہے لیکن یہ معرب نہیں مبنی علی الفتح ہے اس کا جواب شارح نے ان کان معربًا سے یہ دیا کہ یہ موقع اور اسی کے مماثل سب حرف ندا کے دخول سے پہلے مبنی ہیں لہذا یہ حرف ندا کے دخول کے بعد بھی مبنی رہیں گے اور ان کا اعراب محلی ہوگا یعنی نصب کے محل میں ہوں گے اگرچہ فتحہ پر مبنی ہیں پس نصب لفظی اور تقدیری کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ حرف ندا کے دخول سے پہلے معرب ہوں تو ان پر نصب لفظی یا تقدیری آسکے گا ورنہ اعراب محلی ہوگا اقول اس بنا پر شارح کو لفظًا او تقدیرًا کے ساتھ او محلًا کا بھی اضافہ کرنا چاہیئے تھا تاکہ اعراب محلی بھی بنصب ماسواہما میں داخل ہوجاتا مگر شاید شارح نے لفظ ینصب کی رعایت کی ہے کیونکہ اس سے دو ہی صورتیں معلوم ہوتی ہیں اس لئے کہ ینصب اعراب پر دلالت کرتا ہے اور اعراب محل بنا پر لہذا اس کو ذہن قاری پر چھوڑ دیا اور ماسواہما کے منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ علت نصب یعنی مفعولیت اس میں متحقق ہے نیز ان دونوں کے ماسوا کو کسی مغیر نے منادی کے منصوب ہونے کی حالت سے تبدیل بھی نہیں کیا جس کے باعث ماسواہما پر نصب نہ آسکے جیسا کہ منادی مفرد معرفہ کی صورت میں مُغیّر نے منادی کو حال نصب سے کاف سے مشابہت کے باعث بنا علی الرفع کی طرف تبدیل کردیا تھا پس ان دونوں وجوہات کے باعث ماسواہما میں منادی

متحققة فیه وما غیره مغیر عن حاله وما سوی المفرد المعرفة اما ما

منادی ۱۲ — تاثیرہ ۱۲ — منادی ۱۲

لایکون مفردًا بان یکون مضافا او شبه مضاف واما ما

یکون مفردًا ولکن لایکون معرفة واما ما لایکون مفردًا ولا معرفة

فالقسم الاول[۲] وهو ما لایکون مفردًا لکونه مضافا مثل

یا عبد الله والقسم الثانی وهو ما لایکون مفردًا لکونه شبه

مضاف مثل یا طالعًا[عصر] جبلًا والقسم الثالث وهو ما یکون

مفردًا ولکن لایکون معرفة مثل یا رجلًا مقولًا لغیر مُعیّن ای

لرجل غیر معین[۳] وهذا توقیت[۴] لنصب رجلًا[قال الاعمیٰ ۱۲] لا تقیید له

ای تقیید لنصب رجلًا لا تقیید لرجلًا ۱۲ ج

[۱] شبہ مضاف اور اگر مفرد ہوگا تو معرفہ نہیں ہوگا نکرہ ہوگا یا نہ مفرد[۲] ہوگا نہ معرفہ واللہ اعلم [۲] قولہ فالقسم الاول الخ پس قسم اول یعنی منادی کے مضاف ہونے کی مثال تو یہ ہے جیسے یا عبد اللہ اور قسم ثانی میں شبہ مضاف کی مثال یا طالعًا جبلًا ہے اس لئے کہ مشابہ مضاف اس اسم کو کہتے ہیں کہ اس کے معنے مابعد کے ملائے بغیر تام نہ ہوں جیسا کہ مضاف کے معنے بغیر مضاف الیہ کے ملائے تام نہیں ہوتے پس یہاں بھی طالعًا کے معنی جبلًا کے انضمام کے بغیر غیر تام رہتے ہیں اس لئے یہ شبہ مضاف ہے اور قسم ثالث یعنی منادی مفرد نکرہ کی مثال جیسے یا رجلًا خذ بیدی پس رجلًا مثال مذکور میں اس وقت منصوب ہوگا جبکہ اس سے کسی غیر معین شخص کو آواز دی جائیگی مثلاً کوئی نابینا اس جملہ کا اعادہ کرے تو چونکہ نابینا کے نزدیک سب غیر معین ہیں اس لئے رجلًا منادی نکرہ ہوکر منصوب ہوگا ورنہ اگر غیر معین نہ ہو تو اسکا بیان منادی مفرد معرفہ کا بیان ہوگا واللہ اعلم [۳] قولہ وهذا توقیت الخ اس سے ایک سوال مقدر کا

(باقی بر صـ۳۴)

منصوب ہوگا واللہ اعلم [۱] قولہ وما سوی الخ یہاں سے شارح یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مصنف نے ماسواہما کی متعدد امثلہ کیوں پیش کی ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تعدد امثلہ تعدد ممثل کے باعث ہے اور تعدد ممثل کی دلیل یہ ہے کہ منادی مفرد معرفہ کے ماسوی میں چار صورتیں ہیں اول یہ کہ معرفہ تو ہوگا مگر مفرد نہیں ہوگا تو یہ دو حال سے خالی نہیں مضاف[۱] ہوگا یا

(بقیہ صـ۳۳) جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ رجلاً کو بغیر معین کی قید کے ساتھ مقید کرنا جائز نہیں اس لئے کہ اس صورت میں رجل کے منصوب ہونے کی دو حالتیں ظاہر ہوں گی ایک یہ کہ غیر معین پر محمول ہو دوسرے یہ کہ معین پر محمول ہو اور یہ معنی باطل ہیں کیونکہ رجل کے منصوب ہونے کی ہرگز ہرگز دو حالتیں نہیں بلکہ صرف ایک حالت ہے کہ غیر معین کے لیئے ورنہ اگر معین کے لیئے ہوگا تو رجل منصوب نہیں ہوگا مبنی علے الرفع ہوگا پس رجلاً منصوب ہونے کی حالت میں تعریف و تعیین کا احتمال نہیں رکھتا شارح نے جواب دیا کہ لغیر معین کا اضافہ رجل کے نصب کی توقیت کے لئے تقیید کیلئے نہیں کیونکہ یہ حالت نصب میں معین کا احتمال نہیں رکھتا پس توقیت کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ رجل اس وقت منصوب ہوگا جبکہ غیر معین کے لئے بولا جائے گا اور جب غیر معین کے لئے نہیں بولیں گے تو وہ مبنی علے الرفع ہوگا کما مر واللہ اعلم ۱۲ اسلـہ قولہ والقسم الرابع الخ یہی قسم رابع یعنی منادی نہ مفرد ہو نہ معرفہ تو اس کی مثال یہ ہے جیسے یا حسناً وجہہ ظریفاً اس میں حسناً موصوف صفت مشبہ ہے اسم فاعل کے معنے میں اور وجہہ اس کا فاعل اور ظریفاً اس کی صفت پس یہ نہ مفرد ہے اس لئے کہ شبہ مضاف ہے اور نہ معرفہ اس لئے کہ نکرہ ہے یہی وجہ ہے کہ ظریفاً تنوین کے ساتھ اس کی صفت لائی گئی کیونکہ اس سے غیر معین پر دلالت ہوگی۔ اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ مصنف نے قسم رابع کی مثال کو کس لئے ذکر نہیں کیا جبکہ اول کی تین قسموں کی امثلہ بیان کردیں شارح نے اس کا جواب ولم یورد المصنف الخ سے یہ دیا کہ مصنف اس قسم کی مثال اس وجہ سے نہیں لائے کہ جس وقت دونوں قیدوں کا انتفار مثال سے واضح ہوگیا یعنی جب یا عبداللہ اور یا رجلاً کی مثال پیش

لانہ منصوبا لا یحتمل المعین[۱] والقسم[۲] الرابع وہو ما لا یکون مفرداً ولا معرفۃ مثل یا حسناً وجہہ ظریفاً ولم یورد المصنف لہذا القسم مثالاً اذ حیث اتضح انتفاء کل من القیدین بمثال سہل تصور انتفائہما معاً فلا حاجۃ الی ایراد مثال لہ علیٰ انفرادہ مع ان[۳] المثال الثانی یحتملہ فیمکن ان یراد بقولہ یا طالعاً جبلاً ہذہ العبارۃ اعم من ان یراد بہا معین او غیر معین فامثلۃ

[۱] حال ۱۲ — وفقہیکہ ۱۲ — ای المفرد والمعرفۃ ۱۲ — ہو طالعاً جبلاً ۱۲

کی گئی تو یا عبداللہ کہنے سے منادی کا مفرد ہونا منتفی ہوگیا یعنی قید افراد کا نہ پایا جانا واضح ہوگیا اس لئے کہ یا عبداللہ مضاف ہے مفرد نہیں اور یا رجلاً کہنے سے منادی کی تعریف ختم ہوگئی اس لئے کہ یا رجلاً نکرہ ہے معرفہ نہیں پس قید تعریف کا انتفار بھی واضح ہوگیا پس جب مثال سے دونوں قیدیں فرداً فرداً منتفی ہوگئیں تو اب باسانی ہر شخص دونوں قیدوں کے یک لخت انتفار کا بھی تصور کرسکتا ہے یعنی ایک ایسی مثال سوچ سکتا ہے کہ جس میں منادی نہ مفرد ہو نہ معرفہ پس اس خیال سے علیحدہ طور پر اس کی مثال کے ذکر کی حاجت نہیں رہتی لہذا مصنف نے بھی اس کو ذکر نہیں کیا تاکہ پڑھنے والا خود اپنے دماغ سے اس کی مثال سوچ لے واللہ اعلم ۱۲ اسلـہ قولہ مع ان المثال الخ اس عبارت سے اسی سوال کا دوسرا جواب دے رہے ہیں یعنی مثال ثانی یا طالعاً جبلاً بھی اس چوتھی مثال کا احتمال رکھتی ہے کیونکہ مثال رابع اسی سے ملتی جلتی ہے فرق صرف یہ ہے کہ مثال ثانی شبہ مضاف اور معرفہ سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ جبلاً نے طالعاً کی تخصیص کردی ہے اور مثال رابع میں شبہ مضاف کے ساتھ تعریف کی تنکیر کی ضرورت پیش آتی ہے پس جب یا حسناً وجہہ ظریفاً کہہ کر تنکیر کے ساتھ حسناً کی صفت لاتے تو تعریف زائل ہوگئی اس لئے کہ اگر حسناً وجہہ سے معرفہ مراد ہوتا تو اس کی صفت ظریفاً نکرہ نہ لائی جاتی۔ (باقی بر صـ۳۵)

(بقیہ ص ۳۴) کیونکہ موصوف وصفت میں تعریف وتنکیر کے اعتبار سے بھی مطابقت لازمی ہے بلکہ بصورت تعریف یا جبلاً وجہۂ الظریف کہا جاتا یہ جواب تردہ ہے جو میں نے مع ان المثال الثانی یحتمل سے سمجھا ہے مگر یہ شارح کا مقصود نہیں بلکہ شارح کا مقصود یہ تیسرا جواب ہے جو فیمکن ان یراد الخ سے واضح ہو رہا ہے یعنی جبکہ مثال ثانی مثال رابع کا بھی احتمال رکھتی ہے تو ممکن ہے کہ یا طالعاً جبلاً سے لفظ یا... طالعاً جبلاً ہی مصنف نے مراد لیا ہو اور پھر اس میں تعمیم کا لحاظ کیا ہو یعنی اگر اس سے پہاڑ پر چڑھنے والا مخصوص شخص مراد ہے تو یہ قسم ثانی کی مثال ہو جائے گی اور اگر مخصوص مراد نہ ہو بلکہ پہاڑ پر چڑھنے والا کوئی شخص لا علے التعیین مراد ہو تو قسم رابع کی مثال حاصل ہو جائے گی پس اس صورت میں کل کی کل امثلہ کتاب میں مذکور ہوں گی اور کسی کو کسی سے حاصل نہیں کیا جائیگا واللہ اعلم لـ٥ قولہ وہذہ الامثلۃ الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جس طرح ماسوائے مفرد معرفہ کی امثلہ بیان کی گئی ہیں اسی طرح ماسوائے مستغاث کی بھی امثلہ ذکر کی جاتیں مصنف نے ان کو کیوں ترک کر دیا شارح نے جواب دیا کہ بعینہ یہی مثالیں ماسوائے مستغاث کی بھی امثلہ ہیں کیونکہ ان میں سے ایک میں بھی مستغاث کا وجود نہیں پس ماسوائے مستغاث کے لئے علیحدہ مثالیں بیان کرنے کی حاجت نہیں واللہ اعلم لـ٥ قولہ توابع المنادی الخ

الاقسام باسرہا مذکورۃ وہذہ الامثلۃ کلہا مثال لما سوی المستغاث ایضاً فلا حاجۃ الی ایراد مثال لہ علی حدۃ

توابع المنادی المبنی علی ما یرفع بہ المفردۃ حقیقۃً او حکماً انما قید المنادی بکونہ مبنیاً لان توابع المنادی المعرب تابعۃ للفظہ فقط وقیدنا المبنی بکونہ علی ما یرفع بہ لان توابع المستغاث بالالف لا یجوز فیہا الرفع نحو یا زیداہ وعمراً الا وعمرٌ لان المتبوع مبنی علی الفتح وقید التوابع بکونہا مفردۃً لانہا لو لم تکن مفردۃ لا حقیقۃ ولا حکماً کانت مضافۃ

علی ما یرفع بہ کا اضافہ کر کے یہ واضح کر دیا کہ مبنی سے مراد مبنی علی الرفع ہے یعنی یہاں اس منادی کے توابع کا بیان ہے جو رفع پر مبنی ہوتا ہے اور مفرد سے مراد عام ہے خواہ مفرد حقیقۃً ہو یا حکماً اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ منادی کو اس جگہ قید مبنا کے ساتھ کیوں مقید کیا۔ اس کا جواب شارح نے وانما قید المنادی سے یہ دیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حکم معرب کے توابع کا نہیں اس لیے کہ منادی معرب کے توابع صرف لفظ کے تابع ہوتے ہیں محل کے نہیں بخلاف منادی مبنی کے توابع کے کہ چونکہ منادی مبنی میں دو صورتیں ہیں ایک مبنی علے الضم ہونا دوسرے محل کے اعتبار سے منصوب قرار دیا جانا بنا بر مفعولیت پس اس کے توابع میں بھی دونوں صورتیں ہونگی کہ مبنی علے الضم بھی ہوگا اور محلاً منصوب بھی اور معرب کا تابع صرف منصوب ہی آسکتا ہے لفظاً یا تقدیراً لفظ منادی کے تابع ہو کر پھر مبنی کو علی ما یرفع بہ کے ساتھ مقید کرنے کی یہ وجہ ہے کہ منادی مستغاث بالالف کے توابع میں رفع جائز نہیں۔ (باقی بر صـ ۴۶)

پہلے اس کی ترکیب کو بغور دیکھ لینا چاہیے پھر فوائد قیود پر روشنی ڈالی جائیگی ترکیب توابع مضاف المنادی موصوف المبنی صفت موصوف صفۃ سے مل کر مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر موصوف المفردۃ صفت موصوف صفۃ سے مل کر مبتدا اور خبر اس کی آگے آرہی ہے یعنی ترفع علے لفظہ وتنصب علے محلہ شارح نے المبنی کے بعد

(بقیہ صفحہ ۳۵) مثلاً یا زید او عمراً کو یا زید و عمرو نہیں پڑھ سکتے عمرو کے رفع کے ساتھ اس لئے کہ متبوع یعنی زید اجنبی علے الفتح ہے تو لامحالہ تابع بھی مبنی علے الفتحہ ہوگا اور اس سے ہم کو بحث نہیں پھر توابع قید مفرد کے ساتھ اس وجہ سے مقید ہے کہ اگر تابع مفرد نہ ہو نہ حقیقۃً اور نہ حکماً تو لامحالہ مضاف باضافت معنویہ ہوگا اور اس وقت میں سوائے نصب کے اور کوئی اعراب جائز نہیں ہوگا اس لئے کہ منادی جب مضاف ہوتا ہے تو اس کا نصب واجب ہوتا ہے اسی طرح توابع میں بھی نصب واجب ہوگا اور رفع ممتنع جیسے یا زید ذا المال واللہ اعلم ۱۲ **اسلہ قولہ وانما جعلنا** الخ یہاں سے مفرد میں تعمیم کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ ہم نے مفرد میں تعمیم حقیقی اور حکمی کی اس وجہ سے کردی کہ یہ حکم مضاف باضافہ لفظی اور شبہ مضاف کو بھی شامل ہو جائے اس لئے کہ یہ دونوں بھی رفع اور نصب کے جائز ہونے میں توابع مفرد کی مانند ہیں اب رہی یہ بات کہ مفرد حقیقی اور مفرد حکمی کی کیا صورت ہے تو اس کو شارح بان لاتکون مضافۃً معنویۃً الخ سے بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ مفرد حقیقی کی تو صورت یہ ہے کہ تابع نہ تو مضاف باضافہ معنویہ ہو اور نہ مضاف باضافت لفظیہ اور نہ شبہ مضاف کیونکہ اگر ان میں سے ایک بھی پایا جائے گا تو افراد حقیقی باقی نہیں رہیگا بلکہ ترکیب آجائے گی اور مفرد حکمی کی صورت یہ ہے کہ تابع مضاف باضافۃ لفظیہ ہو یا مشابہ مضاف اس لئے کہ جب ان دونوں میں اضافت معنویہ منتفی ہو جائے گی تو دونوں مفرد کے حکم میں ہو جائیں گے اس لئے کہ مفرد حکمی اسی کو کہتے ہیں جو مضاف باضافت لفظیہ یا شبہ مضاف ہو مضاف باضافہ معنویہ نہ ہو پس مفرد حکمی کہنے سے اضافت معنویہ کی خود بخود نفی ہو جائیگی پس مفرد ہونے میں اضافت لفظی اور شبہ مضاف بھی داخل ہو جائیں گے مرآنفاً پس اگر مفرد

بالاضافۃ المعنویۃ وحینئذ لا یجوز فیہا الا النصب وانما[۱] جعلنا المفردۃ اعم من ان تکون مفردۃ حقیقۃً (کما سیجیء حکمہا ۱۲) بان لاتکون مضافۃ معنویۃ ولا لفظیۃ ولا شبہ مضاف (نحو یا زید ذا المال ۱۲) او حکما بان تکون مضافۃً لفظیۃ او مشبہۃ بالمضاف فانہما لما انتفت فیہما الاضافۃ المعنویۃ کانتا فی حکم المفردۃ لتدخل فیہا المضافۃ بالاضافۃ اللفظیۃ والمشبہۃ بالمضاف (توابع ۱۲) لانہما کالتوابع المفردۃ فی جواز الرفع والنصب نحو یا زید الحسن الوجہ والحسن الوجہ ویا زید الحسن وجہہ

کو صرف حقیقی پر محمول کیا جائے تب تو مضاف باضافہ لفظیہ اور شبہ مضاف خارج ہو جائینگے اور جب اس سے مفرد حکمی مراد ہوگا تو یہ دونوں داخل ہو جائیں گے اور اضافہ معنویہ خارج ہو جائیگی اور اس تعمیم سے مقصود ہی یہ ہے کہ مضاف لفظی اور شبہ مضاف بھی اس میں داخل ہو جائیں اضافہ لفظیہ اور معنویہ کا مکمل بیان مجرورات میں آئے گا انشاء اللہ واللہ اعلم ۱۲ **سلہ قولہ نحو یا زید** الخ یہاں سے شارح اضافت لفظیہ اور مشابہ مضاف کی امثلہ بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں یا زیدُ الحسن اس مثال میں زید منادی مفرد معرفہ ہے اور الحسن الوجہ اس کا تابع اور یہ مضاف ہے اضافت لفظیہ کے ساتھ اضافہ لفظیہ اس کو کہتے ہیں کہ مضاف صفۃ ہو اور مضاف الیہ خود مضاف کا معمول ہو جیسے اس مثال میں کہ الحسن صفۃ مشبہ ہے اور الوجہ اس کا معمول یعنی فاعل ہے پس اس مثال میں الحسنُ کو لفظ زید پر معطوف قرار دیتے ہوئے مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اور محل زید پر عطف کرتے ہوئے الحسنَ الوجہ منصوب بھی کیونکہ یہ محل اعراب کے اعتبار سے

(باقی بر صفحہ ۳۷)

(بقیہ صفحہ ۳۶) مفعول بہ ہے اور یا زید الحسنُ وجہہٗ مشابہ مضاف کی مثال ہے اس میں وجہہٗ الحسن کا فاعل ہے پس الحسنُ اگرچہ اس کی جانب مضاف نہیں مگر شبہ مضاف ضرور ہے کیونکہ وجہہٗ کے ذکر کے بغیر الحسنُ کہنا کوئی فائدہ نہیں دیتا پس اس میں تابع یعنی الحسن وجہہٗ میں رفع اور نصب کی بتوجیہ بالا دونوں صورتیں ہوسکتی ہیں اب رہی یہ بات کہ ان دونوں میں جواز رفع و نصب کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اضافت لفظیہ اور شبہ مضاف بتقدیر انفصال ہوتے ہیں یعنی چونکہ اس میں خود اپنے معمول کی طرف اضافت ہوتی ہے اس لئے اگر اضافت فاعل کی طرف ہوتی ہے تو مضاف الیہ کو فاعل ہونے کی حیثیت سے اپنے مضاف سے جدا کرکے مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اور مضاف کا اعتبار کرتے ہوئے فاعل کو مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے مجرور بھی علی ہذا القیاس اگر مضاف الیہ مفعول ہوگا تو اس کو بوجوہ مذکورہ منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں اور مجرور بھی پس چونکہ اس میں مضاف الیہ اپنے مضاف سے منفصل یعنی علیحدہ ہوکر مضاف مفرد کے حکم میں ہوجاتا ہے اس لئے مفرد کی طرح رفع و نصب دونوں جائز ہوں گے رفع باعتبار لفظ پر عطف ہونے کے اور نصب بنا بر محل اعراب پر معطوف قرار دیئے جانے کے واللہ اعلم ۱۲

سلہ قولہ ولما لم یجر الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ مصنف کو من التاکید والصفۃ الخ کے ذکر کی حاجت نہیں تھی جبکہ توابع کو مفرد کے ساتھ مقید کردیا تھا کیونکہ توابع کو قید افراد کے ساتھ مقید کرنے سے خود بخود تاکید وغیرہ سمجھ میں آجاتے ہیں پس خواہ مخواہ عبارت کو طول دیا گیا حالانکہ اصل ایجاز و اختصار ہے پھر اگر ان کو انفرادا ذکر کیا بھی تھا تو بدل بھی تو توابع میں سے ہے اس کو کیوں نہیں ذکر کیا اور پھر بعض کو بعض قیودات کے ساتھ مقید کرنے کی کیا وجہ ہے؟ مثلاً معطوف کو قید بحرف المتنع

والحسن وجہہٗ ولما لم یجر الحکم الآتی فی التوابع کلہا بل فی بعضہا ولم یجر فیما ہو جار فیہ مطلقا بل لابد فی بعضہا من قید فصل التوابع الجاری ہذا الحکم فیہا وصرح بالقید فیما ہو محتاج الیہ فقال من التاکید ای المعنوی لان التاکید اللفظی حکمہ فی الاغلب حکم الاول اعرابا وبناء نحو یا زید زید وقد یجوز اعرابہ رفعا ونصبا وکان المختار عند المصنف ذلک لذلک

(الرفع علی اللفظ والنصب علی المحل ۱۲ علوی — اللفظیۃ ۱۲ خمن — علی ما فسرہ الشارح الجامی ۱۲ ع — لانہ ہو ہو لفظا ومعنے ۱۲ عت — ای جواز الرفع والنصب ۱۲)

دخول یا علیہ کے ساتھ مقید کیا ہے اور بعض کو مقید نہیں کیا ان سب کا باعث کیا ہے اس کا جواب شارح ولما لم یجر الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ جو حکم عنقریب توابع کا بیان کیا جائے گا یعنی ترفع علی لفظہ وتنصب علی محلہ وہ چونکہ تمام توابع میں جاری نہیں ہوتا بلکہ بعض میں جاری ہوتا ہے اور بعض میں نہیں اس لئے ان البعض کی تخصیص و تعیین کے لئے کہ جن میں حکم آتی جاری ہوتا ہے من التاکید الخ سے ذکر کردیا اور جن بعض میں یہ حکم جاری ہوتا ہے تو مطلقاً جاری نہیں ہوتا بلکہ بعض میں اضافہ قید کی ضرورت رہتی ہے تو مصنف نے ان توابع کو بیان کردیا جن میں ترفع علی لفظہ الخ کا حکم جاری ہوتا ہے اور بدل کو ذکر نہیں کیا کیونکہ اس میں یہ حکم مذکور جاری نہیں ہوتا (اس کا بیان مستقلاً علیحدہ آرہا ہے) اور جن بعض میں قید کی احتیاج تھی ان میں قید کا اضافہ کردیا ورنہ اگر مطلقاً ذکر کیا جاتا تو جس میں یہ قید مذکور نہیں ہے اس کا حکم علیحدہ ہے پس وہ بھی اسی میں داخل ہوتا اور مطلب خبط ہوجاتا واللہ اعلم ۱۲ سلہ قولہ فقال من التاکید الخ جب مصنف کے ذہن میں مذکورہ بالا شئے موجود تھی تو انھوں نے اس کو مد نظر رکھکر بعض توابع کی تفصیل کرتے ہوئے من التاکید فرمایا شارح کہتے ہیں کہ تاکید سے مراد تاکید معنوی ہے اس لئے کہ تاکید لفظی کا حکم اکثر استعمال میں وہی ہے جو مؤکد یعنی اول کا ہے اعراب اور بناء کے اعتبار سے یعنی اگر اول معرب ہوگا تو تاکید

(باقی بر صفحہ ۳۶)

(بقیہ صـ ۳۷) بھی معرب ہو گی اور اگر اول مبنی ہو گا تو تاکید کا بھی مبنی ہونا یقینی ہے کیونکہ دونوں کے الفاظ اور معنے ایک ہی ہوتے ہیں جیسے یا زیدُ زیدُ یعنی چونکہ اس میں اول مبنی علے الضم ہے اس لئے ثانی بھی مبنی علے الضم ہو گا کیونکہ حسب ثانی عین اول ہے تو حرف ندا ثانی میں تسلیم کیا جائے گا پس اس کی تقدیر یہ ہو گی یا زیدُ یا زیدُ اور بعض اس میں اعراب کی بھی تجویز کرتے ہیں رفع و نصب کے اعتبار سے یعنی وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ الفاظ میں اصل اعراب ہے اور بناء عارضی ہوتی ہے لہذا وہ تاکید میں سرایت نہیں کریگی پس تاکید لفظی معرب ہو گی مبنی نہیں پھر اس میں دونوں صورتیں ہیں اگر لفظ کا لحاظ کیا جاتا ہے تو تاکید مرفوع لائی جائیگی جیسے یا زیدُ زیدٌ اور اگر محل اعراب کا اعتبار کرتے ہیں تو یا زیدُ زیداً کہیں گے کیونکہ زید اول اپنے محل کے اعتبار سے مفعول بہ ہے اور مفعول بہ منصوب ہوتا ہے پس تاکید کو بنا بر مفعولیت منصوب لائے مصنف کا مذہب مختار بھی یہی معلوم ہوتا ہے اسی لئے مصنف نے تاکید کو معنوی کے ساتھ اپنی عبارت میں مقید نہیں کیا لیکن شارح نے تاکید کو لفظی کے ساتھ مقید کر کے مذہب جمہور کا اتباع کیا ہے مصنف کے مذہب کو نظر انداز کر دیا واللہ اعلم ۱۲ ۵ قولہ والصفۃ مطلقاً الخ دوسرا تابع صفۃ مطلقہ ہے یعنی عام ازیں کہ وہ مدح کے لئے ہو یا ذم کے لئے عام ہو یا خاص موضحہ ہو یا غیر موضحہ او تیسرا تابع عطف بیان ہے یہ بھی صفۃ کی طرح مطلقاً ہے اور اس میں بھی وہی تعمیم ہے یعنی مشتق ہو یا غیر مشتق وغیرہ اور چوتھا تابع ایسا معطوف ہے کہ جس پر حرف ندا کا داخل ہونا ممتنع ہے یعنی معرف باللام پر حرف ندا کا داخل ہونا ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں دو آلۂ تعریف کا اجتماع لازم آتا ہے ایک حرف ندا کا ہونا دوسرے معرف باللام ہونا اور ان دونوں کا اجتماع ناجائز ہے بخلاف بدل اور اس معطوف کے کہ جس پر دخول یا ممتنع نہیں تو چونکہ ان دونوں کا حکم ان چارو

لم یقید التاکید بالمعنوی والصفۃ مطلقاً وعطف البیان
سواء کانت الصفۃ موضحۃ او مادحۃ او غیرہما ۱۲ رحمٰن
کذلک والمعطوف بحرف الممتنع دخول یا علیہ یعنی المعرف
باللام بخلاف البدل والمعطوف الغیر الممتنع دخول یا
علیہ فان حکمہما غیر حکمہا کما سیجیئ ترفع حملاً علی لفظہ
الظاہر او المقدر لان بناء المنادی عرضی فیشبہ المعرب
مثل یا فتی لان ضمتہ تقدیریۃ ۱۲
فیجوز ان یکون تابعہ تابعاً للفظہ وتنصب حملاً علی محلہ
لان حق تابع المنادی المبنی ان یکون تابعاً لمحلہ وہو ہہنا
حال ۱۲

کے حکم کے مغایر ہے اس لئے ان کا بیان علیحدہ آئے گا واللہ اعلم ۱۲ ۵ قولہ ترفع حملاً الخ حملاً کے اضافہ سے شارح نے ظاہر کیا ہے کہ جار مجرور اپنے متعلق کے اعتبار سے ترفع کا مفعول لہٗ ہے پس ان توابع کا حکم یہ ہے کہ لفظ منادیٰ پر ان کو حمل کرتے ہوئے مرفوع پڑھنا جائز ہے عام ازیں کہ اس منادیٰ پر اعراب ظاہر ہو یا مقدر یعنی منادیٰ کا اعراب خواہ لفظوں میں موجود ہو جیسے یا زیدُ یا نہ ہو تقدیری ہو جیسے یا فتےٰ بہرصورت لفظ منادیٰ پر حمل کرتے ہوئے تابع کو مرفوع پڑھیں گے اس لئے کہ ان کا متبوع یعنے منادیٰ لفظاً مرفوع ہے اور بناء منادیٰ عارضی ہے پس وہ معرب کے ساتھ مشابہ ہو جائے گا پس جائز ہو گا کہ منادیٰ مفرد معرفہ کا تابع لفظ کے تابع ہو بناء علی الضم کے تابع نہ ہو پس یا زیدُ عاقلٌ میں عاقلٌ کو لفظ پر حمل کرتے ہوئے مرفوع پڑھیں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ توابع مذکورہ کو منادیٰ مبنی کے محل پر حمل کرتے ہوئے منصوب پڑھیں اس لئے کہ منادیٰ مبنی کے تابع کا حق یہ ہے کہ وہ محل متبوع کا تابع ہو اور وہ محل متبوع اس جگہ چونکہ مفعولیت کی بنا پر منصوب المحل ہے لہذا اس کے توابع بھی منصوب ہوں گے واللہ اعلم ۱۲

منصوب المحل بالمفعولية مثل[1] یاتیم اجمعون واجمعین فی التاکید ویازیدُ العاقل والعاقلَ فی الصفة واقتصر[عص] علی مثالها لانها اکثر واشهر ویاغلام بشرٌ وبشیراً فی عطف البیان ویازیدُ والحارثُ والحارثَ فی المعطوف بحرف الممتنع دخول یا علیه والخلیل[2] بن احمد وهو استاذ[عص] سیبویه فی المعطوف بحرف الممتنع دخول یا علیه یختار الرفع مع تجویزه النصب لان[عص] المعطوف بحرف فی الحقیقة منادیٰ مستقلٌ فینبغی ان یکون علی حالة جاریة علیه علی تقدیر مباشرة حرف النداء له وهی الضمة او مایقوم مقامها ولکن لما لم یباشره حرف النداء جعلت تلک الحالة اعراباً فصارت رفعاً

(لان المراد بالاختیار الحکم بالاولویة ۱۲ عف — لا فی اللفظ ۱۲ — المعطوف ۱۲ — الالف والواو ۱۲ — البناء ۱۲ — وهی الضمة ونحوها فانها علامة البناء ۱۲ — لا ضما ۱۲)

ہی دیتے ہیں اس لئے کہ معطوف درحقیقت منادیٰ مستقل ہوتا ہے اس لئے کہ حرف عطف حرف ندا کے قائم مقام ہوتا ہے پس مناسب یہ ہے کہ اس کو اسی حالت پر رکھا جائے جو حرف ندا کے دخول کے بعد منادیٰ مستقل کی ہے یعنی ضمہ اور اس کے قائم مقام الف اور واؤ یعنی جس طرح منادیٰ مستقل اس پر یا کے دخول کے بعد ضمہ ۔ الف ۔ واو داخل ہوتا ہے اسی طرح تابع پر بھی ضمہ الف واو آنے چاہئیں مگر چونکہ تابع پر حرف ندا نہیں داخل ہو سکتا اس لئے کہ معرف باللام ہونا دخول یا کو مانع ہے لہٰذا اس میں پوری رعایت منادیٰ مستقل کی نہ کر سکیں گے بلکہ اس میں منادیٰ مستقل کی حالت مبنی علی الضم کو اعراب سے

(باقی بر صفحہ ۴۰)

[1] قولہ مثل یاتیم الخ جیسے تاکید کی مثال میں یاتیم اجمعون اور اجمعین دونوں کہہ سکتے ہیں اجمعون بنا بر حمل علی اللفظ ہوگا اور اجمعین منصوب بالیا، بنا بر مفعولیۃ محل پر حمل کے اعتبار سے اور یازید العاقل والعاقل صفت میں کہہ سکتے ہیں یعنی بوجوہ مذکورہ العاقل میں رفع ونصب دونوں جائز ہیں اب رہی یہ بات کہ مصنف نے صرف صفۃ کی مثال پر ہی کیوں اکتفا کیا دیگر توابع کی امثلہ کیوں نہیں ذکر کی تو اس کی وجہ شارح واقتصر الخ سے یہ بتا رہے ہیں کہ اس پر اس لئے اقتصار کیا کہ وہ اکثر اور مشہور ہے اور عطف بیان کی مثال میں یا غلامُ بشرٌ وبشیراً کہہ سکتے ہیں اور اس معطوف کی مثال میں کہ جس پر یا کا داخل ہونا ممتنع ہے یازیدُ الحارثُ والحارثَ کہیں گے وجہ اوپر مذکور ہو چکی ۔ اب اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ والمعطوف بحرف الممتنع دخول یا علیہ سے مراد معرف باللام ہے تو اس قدر طول اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی صرف والمعطوف المعرف باللام کہدیا جاتا ۔ جواب یہ ہے کہ اگر ایسا کہا جاتا تو ہمیں توابع منادیٰ کے بعض وہ اقسام بھی داخل ہو جاتے کہ جن کا اخراج مقصود ہے مثلاً یا محمدُ واللہ کہ یہاں اگرچہ اللہ معرف باللام ہے مگر اس پر دخول یا ممتنع نہیں بلکہ یا اللہ کہتے ہیں پس اگر یہ طوالت نہ اختیار کی جاتی تو یہ حکم ہر معطوف معرف باللام کو شامل ہو جاتا حالانکہ مثال مذکور میں اللہ پر رفع متعین ہے نصب اس میں جائز ہی نہیں واللہ اعلم [2] قولہ والخلیل ابن الخ بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ معطوف بحرف جس پر یا کا داخل ہونا ممتنع ہے جب منادیٰ کا تابع ہوگا تو اس میں جمہور کے نزدیک رفع و نصب دونوں جائز ہوں گے یہی مذہب خلیل ابن احمد استاذ سیبویہ اور ابو عمرو بصری کا بھی ہے لیکن ان دونوں میں قدرے اختلاف ہے اس لئے مصنف اس کو بیان فرماتے ہیں کہتے ہیں کہ خلیل ابن احمد استاذ سیبویہ ایسے معطوف بحرف میں کہ جس پر یا کا داخل ہونا ممتنع ہے رفع کو مختار یعنی اعلیٰ قرار دیتے ہیں اور نصب کو بھی جائز رکھتے ہیں مگر جانب مرجوح میں ترجیح رفع کو

والو عمرو بن العلاء النحوی القاری المقدمُ علی الخلیل المختار فیہ النصب مع تجویزہ الرفع فانہ لما امتنع فیہ تقدیر حرف النداء بواسطۃ اللام لایکون منادی مستقلا فلہ حکم التبعیۃ وتابع المبنی تابعٌ لمحلہ ومحلہ النصب والو العباس المبرد ان کان المعطوف المذکور کالحسن ای کاسم الحسن فے جواز نزع اللام عنہ فکالخلیل ای فابو العباس مثل الخلیل فی اختیار رفعہ لامکان جعلہ منادیً مستقلاً بنزع اللام عنہ والاّ ای وان لم یکن المعطوف المذکور کاسم الحسن فے جواز نزع اللام عنہ مثل النجم والصعق فکابی عمرو ای فابو العباس مثل ابی عمرو فی اختیار النصب لامتناع جعلہ منادیً

(بقیہ ص۳۹) بدل دیں گے پس تابع مرفوع ہو جائیگا پس رفع مختار ہوگا تاکہ تا حد امکان کچھ نہ کچھ رعایت منادی مستقل کی ہوسکے واللہ اعلم ۱۲ **لہ** قولہ نا بو عمرو الخ ابو عمرو ابن العلاء بصری نحوی قاری جو کہ خلیل سے پہلے ہو چکے ہیں اس ہیں نصب کو مختار کہتے ہیں اور رفع کے بھی جواز کے قائل ہیں مگر وہی جانب مرجوح میں جانب راجح نصب ہی۔ ابو عمرو اختیار نصب کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ جب معطوف بحرف پر دخول الف لام کے باعث حرف ندا کا داخل ہونا ممتنع ہے تاکہ دو آلہ تعریف کا اجتماع لازم نہ آئے تو تابع کی حیثیت منادی مستقل کی نہیں رہتی بلکہ منادی کے مقابل کی ہو جاتی ہے کیونکہ اگر اس کی حیثیت منادی مستقل کی ہوتی تو اس پر دخول یا ممتنع نہ ہوتا پس اس میں فقط تابع ہونے کی حیثیت ہوگی اور صرف تبعیتہ کا حکم دیا جائے گا اور چونکہ مبنی کا تابع اپنے متبوع کے محل کا تابع ہوتا ہے اور محل اس کے متبوع کا نصب ہے بنا بر مفعولیت کے لہذا نصب مختار ہوگا اور رفع غیر پسندیدہ جواز کے درجہ میں واللہ اعلم **لہ** قولہ ابو العباس الخ یہاں سے تیسرا شخص دونوں کے اقوال کے بارے میں بطور ثالث کے اپنا فیصلہ دیتا ہے ابو العباس مبرد کی کنیت ہے یہ کہتے ہیں کہ اگر معطوف مذکور الحسن کی مانند ہو یعنی اسم الحسن کی مانند کہ اس سے لام کا حذف جائز ہو تو خلیل کے اختیار کو ترجیح دی جائے گی ای ابو العباس اختیار رفع میں خلیل کی مثل ہیں کیونکہ اس معطوف بحرف میں اس بات کا امکان موجود ہے کہ یہ منادی مستقل بن سکے جبکہ اس سے لام تعریف کو علیحدہ کر دیا جائے کیونکہ لام تعریف دخول یا سے مانع تھا پس جب وہ معطوف سے دور ہو سکتا ہے تو اب اس کا حکم منادی مستقل کا لامحالہ ہوگا اور اس میں منادی مستقل کی رعایت کی جائے گی پس رفع مختار ہوگا اور اگر معطوف مذکور اسم الحسن کی طرح نہ ہو یعنی اس سے لام تعریف کو جدا کرنا ممتنع ہو جائز نہ ہو تو چونکہ یہ لام کلمہ کے جز کی مانند ہوتا ہے جیسے النجم اور الصعق میں کہ ان دونوں میں لام کلمہ کا جز ہو گیا ہے

جبکہ یہ کسی شخص کے علم ہوں لہذا ابو عمرو کا قول مختار ہوگا کیونکہ اس وقت اس کی حیثیت منادی مستقل کی نہیں ہو سکتی پس صرف تابع ہونے کا حکم دیکر نصب کو مختار قرار دیا جائے گا اور رفع بھی جائز ہوگا اسی کو مصنف کہتے ہیں والا فکابی عمرو یعنی اس صورت میں ابو العباس اختیار نصب میں ابو عمرو بصری کے مثل ہیں اس لئے کہ اس وقت اس کو منادی مستقل بنانا ممتنع ہے (فائدہ) علم جب لام کے ساتھ وضع نہ کیا گیا ہو تو اس پر دخول لام جائز ہوگا بشرطیکہ علم اپنی اصل کے اعتبار سے صفۃ یا مصدر ہو جیسے الحسن (صفۃ مشبہ) اور الفضل (مصدر) پس جب اس پر دخول لام جائز ہوا تو لام کا اس سے

(باقی بر ص۴۱)

مستقلاً والمضافُ (عطف علی المفردة [لہ]) وتوابع المنادیٰ المبنی علی ما یرفع بہ المضافة بالاضافة الحقیقیة تنصب لانہا اذا وقعت منادی تنصب فنصبہا اذا وقعت توابع اَولیٰ لانّ حرف النداء لایباشرہا مثل یا تیم کلہم فی التاکید ویا زید ذا المال فی الصفة ویا رجل ابا عبد اللہ فی عطف البیان ولایجیٔ المعطوف بحرف الممتنع دخول یا علیہ مضافا لان اللام یمتنع (ای لایصیر ۱۲) دخولہا علی المضاف بالاضافة الحقیقیة والبدلُ [لہ] والمعطوف غیر ماذکر ای غیر المعطوف

(بقیہ صفحہ) حذف کرنا بھی جائز ہوگا لیکن جب لام کے ساتھ علم وضع کیا گیا ہو تو اس سے لام کا حذف کرنا جائز نہ ہوگا اس لئے کہ اس صورت میں لام بمنزلہ جزء کلمہ کے ہوجاتا ہے جیسے النجم اور الصعق میں واللہ اعلم ۱۲ [لہ] قولہ والمضافة الخ اس کا عطف المفردةُ پر ہے جو کہ توابع کی صفت ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے وتوابع المنادی المبنی علی ما یرفع بہ المضافة بالاضافة الحقیقیة مفرد میں تعمیم کی گئی تھی کہ مفرد حقیقی ہو یا حکمی ہو پس حکمی میں اضافت لفظیہ اور شبہ مضاف داخل ہوگئے تھے اور ان کا حکم وہی تھا جو مفرد حقیقی کا ہے یعنی جواز رفع ونصب پس اب مفرد حقیقی اور حکمی سے فارغ ہوکر مصنف اس کی ضد یعنی مضاف باضافة معنویہ حقیقیہ کا ذکر کرتے ہیں کہ منادی مفرد معرفہ مبنی علی الرفع کے توابع اگر مضاف باضافة حقیقیہ ہوں تو ان کو نصب دیا جائے گا اس لئے کہ توابع مضاف اگر منادی واقع ہوں تو چونکہ منادی سے قید افراد زائل ہوجاتی ہے اس لئے بناء علی الرفع کا حکم بھی مرتفع ہوجائے گا اور منادی بربناء مفعولیت منصوب ہوگا پس جب اندریں صورت خود منادی کے لئے نصب کا حکم ہوتا ہے تو توابع کے لئے بدرجۂ اولیٰ ہوگا اس لئے کہ اس وقت اس پر حرف ندا داخل نہیں اور جب حرف ندا داخل نہ ہو تو یہ اپنی اصل پر رہیگا اور اصل منادی میں نصب ہے فعل محذوف کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے لہٰذا توابع کو نصب دیا جائے گا جیسے یا تیم کلہم تاکید کی مثال میں اور یا زید ذا المال مثال صفت میں اور یا رجل ابا عبد اللہ عطف بیان میں لیکن ایسا معطوف بحرف کہ جس پر دخول یاء ممتنع ہو یعنی معطوف معرف باللام تو یہ مضاف ہوکر مستعمل نہیں ہوتا اس لئے کہ لام کا دخول مضاف باضافة حقیقیہ ممتنع ہوتا ہے اس لئے کہ اضافة حقیقیہ کے لئے تجرید عن اللام التعریف شرط ہے بخلاف اضافة لفظیہ کے کہ اس پر لام تعریف داخل ہوسکتا ہے اس لئے کہ اضافة لفظیہ انفصال کے حکم میں ہوتی ہے کما مر واللہ اعلم [لہ] قولہ والبدل الخ ترکیب البدل معطوف علیہ واو حرف عطف المعطوف موصوف یا مبدل منہ غیرُ ماذکر صفت یا بدل موصوف اپنی صفت یا مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر معطوف معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر مبتداء اول حکمہ مبتداء ثانی حکم المستقل مطلقاً مبتداء ثانی کی خبر مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر خبر ہوئی مبتداء اول کی مبتداء اول اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا مطلب یہ ہے کہ بدل اور وہ معطوف جو مذکورہ معطوف کا غیر ہے یعنی ابھی اس معطوف بحرف کا ذکر کیا گیا تھا جس پر دخول یاء ممتنع ہے تو اس کا غیر وہ معطوف ہوا کہ جس پر دخول یاء جائز ہے ممتنع نہیں ہے ان دونوں کا حکم اس منادی مستقل کا سا ہے کہ جس پر حرف ندا داخل ہوا ہو یعنی بعینہ جو حکم منادی کا ہوگا وہی بدل اور اس معطوف کا بھی ہوگا اس لئے کہ بدل کی صورت میں بدل مقصود بالذکر ہوا کرتا ہے رہا مبدل منہ تو وہ صرف توطئہ اور تمہید کے لئے لایا جاتا ہے تاکہ اس تمہید کے بعد بدل کو ذکر کریں پس منادی حقیقة میں بدل ہے مبدل منہ نہیں پس بدل منادی مستقل رہا (باقی بر صفحہ)

الذی ذکر من قبل وهو الممتنع دخول یا علیه فغیرہ المعطوف
الذی لا یمتنع دخول یا علیه حکمه ای حکم کل واحد منهما حکم
المنادی المستقل الذی باشرہ حرف النداء وذلک لان
البدل هو المقصود بالذکر والاول کالتوطیة لذکرہ والمعطوف
المخصوص منادی مستقل فی الحقیقة ولا مانع من دخول حرف
النداء علیه فیکون حرف النداء مقدرا فیه مطلقا ای حال
کون کل واحد منهما مطلقا فی هذا الحکم غیر مقید بحال من الاحوال
ای سواء کانا مفردین او مضافین او مضارعین للمضاف
او نکرتین فالبدل مثل یا زید عمرو و یا زید اخا عمرو و یا زید
طالعا جبلا و یا زید رجلا صالحا والمعطوف مثل یا زید و عمرو

(بقیہ ص۴۵) کی مثل ہو جائے گا ایسے ہی وہ معطوف مخصوص یعنی جو لام تعریف سے خالی ہو اور دخول یا اس پر ممتنع نہ ہو تو یہ بھی حقیقت میں منادی مستقل ہے اس لئے کہ معطوف گویا کہ معطوف ہوتا ہی نہیں اس لئے کہ حرف عطف حرف ندا کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور معطوف پر حرف ندا کے داخل ہونے سے کوئی مانع بھی نہیں ہے پس حرف ندا اس میں مقدر ہوگا پس یہ منادی مستقل کی مثل ہو جائیگا اور جب منادی مستقل کی مثل ہو جائیگا تو جو حکم منادی کا ہوگا وہی اس کا بھی ہوگا واللہ اعلم۔ ۱ قولہ حکمہ الخ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اوپر دو چیزیں بیان کی گئی ہیں بدل اور معطوف اور جب ان دونوں کا حکم بیان کیا جانے لگا تو حکمہ میں صرف ضمیر واحد لائے حالانکہ حکمہما کہنا چاہیئے تھا تاکہ مرجع اور ضمیر میں مطابقت ہو جاتی شارح نے ای حکم کل واحد منہما سے جواب یہ دیا کہ ضمیر مفرد اس وجہ سے لائی گئی ہے کہ مصنف نے دونوں کو کل واحد واحد کے مرتبہ میں لیا نیز بتاویل مذکور بھی ضمیر مفرد لانا صحیح ہے اس لئے کہ لفظ مذکور واحد ہے تثنیہ نہیں واللہ اعلم ۱۲ ۲ قولہ مطلقا الخ شارح نے ای حال کونہ سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مطلقا حکمہ کی ضمیر مضاف الیہ سے حال واقع ہے اور مضاف الیہ سے حال بنانا اس وقت درست ہوتا ہے جبکہ مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کیا جا سکے اور یہاں ایسا ہو سکتا ہے اس لئے کہ کہہ سکتے ہیں وہو مطلقا کالمنادی المستقل بہر حال بدل اور اس معطوف کا حکم جو کہ غیر معرف باللام ہے منادی مستقل کا ہے اور یہ ہر حال میں ہے کسی مخصوص حالت کے ساتھ مقید نہیں یعنی خواہ وہ دونوں مفرد ہوں یا دونوں مضاف ہوں یا شبہ مضاف یا نکرہ واللہ اعلم ۳ قولہ فالبدل الخ پس بدل کی مثالیں حسب ذیل ہیں جیسے یا زید عمرو یہ بدل مفرد یعنی غیر مضاف کی مثال ہے یا زید اخا عمرو یہ بدل مضاف کی مثال ہے اس میں بدل بنا بر مفعولیت منصوب ہے یا زید طالعا جبلا یہ بدل شبہ مضاف کی مثال ہے اس میں بھی بدل منصوب ہے یا زید رجلا صالحا یہ بدل نکرہ کی مثال ہے اس میں بھی بدل بناء مفعولیت منصوب ہے علی ہذا القیاس معطوف کی مثالیں جیسے یا زید و عمرو دونوں مبنی علی الضم ہیں اس لئے کہ دونوں مفرد ہیں یا زید و اخا عمرو معطوف علیہ مبنی علی الضم ہے اور معطوف بربناء مفعولیت منصوب یہ مضاف کی مثال ہے یا زید و طالعا جبلا معطوف شبہ مضاف ہے بربناء مفعولیت منصوب ہے یا زید و رجلا صالحا معطوف نکرہ ہے اور یہ بھی منصوب ہے واللہ اعلم

ویا زیدُ اخا عمرٍو ویا زید طالعًا جبلاً ویا زید ورجلاً صالحًا

والعَلَمُ ای العلم المنادیٰ المبنی علے الضم اما کونہ منادیٰ فلان الکلام فیہ واما کونہ مبنیا علی الضم فلما یفہم من اختیار (ای فی المنادی ۱۲) فتحہ المبنی عن جواز ضمہ فان جواز الضمۃ لایکون الا فی المبنی علے الضم الموصوف بابنٍ مجردٍ عن التاء او ملحوقٍ بہا اعنی ابنۃً بلا تخلل واسطۃٍ بین الابن وموصوفہ کما ہو المتبادر الی الفہم فیخرج عنہ مثل یا زید الظریف ابن عمرٍو مضافًا ای حال کون ذلک الابن مضافًا الی علم آخر

تو یہ حکم نہیں رہیگا یعنی اختیار فتحہ اور جواز ضمہ کا لہذا اس قید سے یا زیدُ الظریف ابن عمرٍو خارج ہو گیا اس لئے کہ علم منادی یعنی زید اور اس کی صفتہ کے درمیان الظریف حائل آگیا پس اس میں زید کو لازمًا مرفوع پڑھیں گے فتحہ کا مختار ہونا تو درکنار فتحہ جائز بھی نہیں ہوگا اور الظریف میں رفع ونصب دونوں جائز ہیں کیونکہ اگر الظریف زید کی صفت کو لفظ پر محمول کرتے ہیں تو مرفوع پڑھیں گے اور محل پر حمل کرتے ہیں تو منصوب پڑھیں گے اور ابن عمرٍو کو صرف منصوب ہی پڑھیں گے اس لئے کہ یہ توابع مضاف میں سے ہے اور توابع مضاف منصوب ہوتے ہیں کما مر واللہ اعلم ۱۲ سلے قولہ مضافًا الخ یہ چونکہ ابن سے حال واقع ہو رہا ہے اس لئے شارح نے اس کی تفسیر ای حال کون ذلک الابن سے کردی پس ہر وہ علم جس کی صفت ابن کے ساتھ لائی گئی ہے اور ابن علم آخر کی طرف مضاف ہو تو اس میں بر بناء مذکور ضمہ جائز ہے لیکن فتحہ مختار ہے اسلئے کہ اس قسم کا منادی کلام عرب میں کثیر الوقوع ہے کہ جس میں یہ تمام مذکورہ صفات پائی جاتی ہیں اور کثرت کے مناسب (باقی بر ص۴۲)

سلہ قولہ والعلم الخ یہ قاعدہ ضابطہ سابق سے بطور استثناء کے ہے کیونکہ ماقبل میں کہا گیا ہے کہ جب منادی مفرد معرفہ ہوگا تو ہر حالت میں مبنی علے الضم ہوگا پس اب اس سے استثناء کے بطور کہتے ہیں کہ جو علم منادی مبنی علی الضم یعنی منادی مفرد معرفہ علم ہو لفظ ابن یا ابنۃ کے ساتھ صفت لایا گیا ہو اور وہ لفظ ابن یا ابنۃ دوسرے علم کی طرف مضاف ہو تو اس صورت میں علم اول کا فتحہ مختار ہے اگرچہ رفع بھی جائز ہے اب اگر کوئی کہے کہ العلمُ کے ساتھ منادی مبنی علی الضم کی قید کا شارح نے کس لئے اضافہ کیا تو اس کا جواب خود شارح اما کونہ منادیً الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اس کا منادی ہونا ہمیں اس لئے معلوم ہے کہ کلام ہی منادی میں ہو رہا ہے نہ کہ غیر میں اور مبنی علے الضم ہونا فتحہ کو مختار قرار دیئے جانے سے مفہوم ہو رہا ہے جو کہ ضمہ کے جائز ہونے کی بھی خبر دے رہا ہے اس لئے کہ اختیار میں دو شقوں کا ہونا ضروری ہے جس سے ایک شق کو اختیار کیا جائیگا نیز اسلئے کہ منادی ہوتا ہے بحیثیت علم نہ مضاف ہوگا نہ شبہ مضاف نہ نکرہ کہ صرف فتحہ ہی متعین ہو اور مستغاث باللام کو فتحہ نہیں دیا جاتا اور مستغاث بالالف میں فتحہ مختار نہیں ہوتا واجب ہوتا ہے پس اختیار فتحہ سے جواز ضم ہی متعین ہوا کہ غیر پس جب جواز ضم ثابت ہو گیا تو بناء بھی ثابت ہو گئی اس لئے کہ جواز ضمہ اکثر مبنی میں ہی ہوتا ہے غیر میں نہیں پس العلم کو منادی مبنی علی الضم کی قید کے ساتھ مقید کرنا صحیح ہوگا واللہ اعلم ۱۲ سلہ قولہ مجرد عن التاء الخ ابن میں تعمیم ہے خواہ یہ تاء سے خالی ہو یعنی لفظ ابن ہو یا تاء بھی اس کے ساتھ ملحق ہو یعنی ابنۃ ہو بہر حال ہیئۃ ابن میں تغیر نہ آنا چاہیئے یعنی بنت نہ ہو اور ابن اور اس کے موصوف کے درمیان کوئی واسطہ بھی نہ آنا چاہیئے جیسا کہ متبادر الی الفہم بھی یہی ہے اسلئے کہ موصوف صفۃ معنےً ایک دوسرے سے مربوط ومتحد رہتے ہیں پس ان کے درمیان فاصلہ ممتنع ہوگا اور اگر فاصلہ آجائے گا

(بقیہ ص۴۳) تخفیف ہے اور تخفیف کے مناسب فتحہ اس لئے کہ وہ اخف الحرکات ہے پس اس میں ضمہ کو منادی کی حرکت اصلیہ یعنی فتحہ کے ساتھ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے مخفف کردیا کیونکہ منادیٰ میں اصل فتحہ ہی ہے ضمہ محض بناء عارض کی وجہ سے تھا اور یہ عارض کثرت استعمال کی وجہ سے زائل ہوگیا لہذا اس کی حرکت اصلیہ یعنی فتحہ لوٹ آئی مثلاً یا زیدُ ابن عمرٍو کہ اس میں فتحہ مختار اور ضمہ جائز ہے لیکن ابن عمرٍو میں صرف فتحہ ہی جائز ہے رفع نہیں اس لئے کہ یہ تابع مضاف ہے واللہ اعلم ۱۲ **لہ قولہ واذا نودی الخ** یہاں سے مصنف معرف باللام کو منادی بنانے کا طریقہ بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ جب معرف باللام کو منادی بنانے کا ارادہ کیا جائے مثلاً الرجلُ کا تو ہاء تنبیہ کے ساتھ ایُّ کو ندا اور منادی معرف باللام کے درمیان میں لاکر یا ایہا الرجل کہیں گے تاکہ بغیر فاصلہ کے دو آلہ تعریف کا اجتماع لازم نہ آئے یا ہذا کو درمیان میں لاکر یا ہذا الرجل کہینگے یا دونوں امروں کو یکجا جمع کرکے یا ایہذا الرجل کہیں گے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ای اور ہاء تنبیہ اور ہذا کے ہی وسط میں لانے سے کیا فائدہ ہے ان کے علاوہ اور کوئی لفظ کیوں وسط میں نہیں لایا جاتا اس کا جواب یہ ہے کہ ایُّ ابہام کے لئے ہے اور ہاء تنبیہ کے لئے پس ابہام سے تو منادی کو شوق پیدا ہوگا تعیین کا اور ہاء دلالت کرے گا تنبیہ پر تو شخص منادی جلد متوجہ ہوگا نیز ہاء تنبیہ کے اضافہ کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ ندا خود ایک تنبیہ ہے اور ای ہذا سے یہ فائدہ ہے کہ ایُّ میں ابہام زیادہ ہے اور ہذا میں کم پس اس سے بتدریج منادی کی تعیین ہوگی اور تکرار ابہام کی وجہ سے منادی میں زیادتی شوق پیدا ہوگی اور یہی ندا سے مقصود ہے کہ منادی منادی کی طرف فوراً متوجہ ہو اس جگہ قول شارح ای اذا ارید نداءہ سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مصنف نے اذا نودی الخ کہکر مسبب کو سبب کی جگہ میں استعمال کیا ہے اس لئے کہ ارادہ سبب ہے اور نداء مسبب

فکل علم یکون کذلک یجوز فیہ الضم کما عرفت من قاعدۃ
حیث قال ویبنی علی ما یرفع بہ ۱۲ عب
بناء المفرد علی ما یرفع بہ لکن یختار فتحہ لکثرۃ وقوع المنادی
ولتبعیۃ ما بعدہ وہو الابن ۱۲ رحمن
الجامع لہذہ الصفات والکثرۃ مناسبۃ للتخفیف
فخففوہ بالفتحۃ التی ہی حرکتہ الاصلیۃ لکونہ مفعولا بہ
لفظا ۱۲
واذا نودی المعرّف باللام ای اذا ارید نداءہ وقیل
مثلا یا ایہا الرجل بتوسط ایٍّ مع ہاء التنبیہ بین
حرف النداء والمنادی المعرف باللام تحرزا
عن اجتماع آلتی التعریف بلا فاصلۃ و یا ہذا الرجل

اور ایسا اکثر ہوتا رہتا ہے کہ فعل کو ذکر کرکے ارادۂ فعل مراد لیتے ہیں جیسے یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ سے اذا اردتم الصلوٰۃ ہے اور قیل کے بعد مثلاً کا اضافہ کرکے ایک سوال کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ مصنف کے قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب معرف باللام کی نداء کا ارادہ کریں گے تو یا ایہا الرجل وغیرہ کہیں گے اور یہ باطل ہے اس لئے کہ مثلاً جب الکرام کی نداء کرتے ہیں تو یا ہٰؤلاء الکرام کہتے ہیں نہ کہ یا ایہا الرجل پس جزا اپنی شرط پر مرتب نہیں رہی اس لئے کہ اس کلام میں اذا نودی المعرف باللام شرط ہے اور قیل الخ جزا اور قاعدہ یہ ہے کہ جزا اپنی شرط پر مترتب ہوتی ہے مگر یہ جزا ایسی ہے کہ اپنی شرط پر مترتب نہیں اس لئے کہ شرط عام ہے اور جزا خاص اور عام کو خاص لازم نہیں یعنی اذا نودی سے مطلق معرف باللام کو منادی بنانے کا طریقہ بیان کیا جارہا ہے تو یہ عام ہوا اور طریقہ میں خصوصیت برتی گئی یعنی صرف الرجل معرف باللام کا طریقہ بتلایا اور اس معرف باللام کا کچھ بھی ذکر نہیں کیا

(باقی بر ص۵۰)

بتوسط ہذا ویا ایہذا الرجل بتوسط الامرین معاً والتزموا یعنی العرب رفع الرجل مثلاً وان کان صفة وحقہا جواز الوجہین الرفع والنصب کسائر لانہ ای الرجل مثلاً ہو المقصود بالنداء فالتزم رفعہ لتکون حرکتہ الاعرابیة موافقة للحرکة البنائیة التی ہی علامة المنادی فتدل علی انہ ہو المقصود بالنداء وہذا بمنزلة المستثنیٰ عن قاعدة جواز الوجہین فی صفة المنادی ولہذا لم یذکر ہناک ما یخرج صفة الاسم المبہم عن تلک القاعدة وتوابعہ بالجر عطف

بمنزلة المستثنیٰ الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ مصنف کے اس قول اور قول سابق وتوابع المنادی المبنی المفردة الخ میں تناقض ہے اس لئے کہ اس سے تو صرف ایک وجہ معلوم ہو رہی ہے یعنی رفع اور و توابع المنادی الخ جیسے جواز رفع و نصب دونوں پس لامحالہ دونوں میں سے ایک قول غلط ہے جواب یہ ہے کہ صفة منادی میں جواز وجہین کا جو قاعدہ تھا یہ اس سے بمنزلہ مستثنیٰ کے ہے اسی واسطے مصنف نے اس جگہ یعنی جواز وجہین کے ضمن میں ایسی کوئی بات ذکر نہیں کی جو اس قاعدہ سے اسم مبہم کی صفة کو خارج کرے اس لئے کہ اس جگہ اگر اس کے اخراج کے لئے کوئی قید بایں طور زائد کر دیجاتی کہ لفظاً اور محلاً بر صفة منادی کا حمل اس وقت جائز ہے جبکہ منادی مبہم نہ ہو تو اس وقت اس جگہ یہ قول بمنزلہ استثناء کے صحیح نہیں ہو سکتا تھا تب یقیناً عبارت مصنف میں تناقض پایا جاتا واللہ اعلم ۱۳ قولہ وتوابعہ بالجر الخ یہ جر کے ساتھ الرجل پر معطوف ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے (باقی برص۴۶)

(بقیہ ص۴۴) جو الرجل کے غیر ہیں جیسے یا ہؤلاء الکرام یا ہذہ المرأة یا ہذان العالمان وغیرہ پس یہ اس بیان سے خارج ہوئے جاتے ہیں کیونکہ یہ الرجل کے غیر ہیں شارح نے مثلاً سے جواب دیا کہ قول مصنف یا ایہا الرجل وغیرہ تمثیل پر محمول ہے یعنی بطور مثال کے یہ مشہور امثلہ پیش کی جا سکتی ہیں دوسری امثلہ کو اس سے خارج کرنا مقصود نہیں پس جزا بھی عام رہی اور شرط بھی عام اور عام کا ترتب عام پر درست ہو گیا واللہ اعلم ۱۱ قولہ والتزموا یعنی الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال یہ ہے کہ جب منادیٰ مبنی مفرد معرفہ کی صفت معرف باللام ہو اور منادی موصوف ایہا یا ہذا یا ایہذا وغیرہ ہو تو اس صورت میں دونوں وجہیں یعنی رفع و نصب کیوں جائز نہیں جیسا کہ یا زید الظریف میں الظریف زید کی صفت ہے اور اس میں رفع و نصب دونوں جائز ہیں ایسے ہی یہاں بھی مثلاً یا ایہا الرجل میں الرجل میں جو کہ ایہا منادی کی صفت واقع ہو رہا ہے رفع و نصب دونوں جائز ہونے چاہئیں اس کا جواب مصنف نے یہ دیا کہ اہل عرب نے الرجل میں مثلاً رفع کو ہی لازم و واجب قرار دیا ہے اگرچہ الرجل صفت ہی کیوں نہ ہو اور صفت کا حق جواز وجہین یعنی رفع و نصب ہے کما مر اور اس التزام کی وجہ یہ ہے کہ مثلاً یا ایہا الرجل میں الرجل مقصود بالنداء ہے پس اس کے رفع کو لازم قرار دیدیا تاکہ اس کی حرکت اعرابیہ یعنی رفع حرکت بنائیہ یعنی ضمہ کے (جو کہ منادیٰ مفرد معرفہ کی علامت ہے) کے مطابق ہو کر اس بات پر دلالت کرے کہ مقصود بالنداء الرجل ہی ہے اس کا موصوف ایہا یا ایہذا وغیرہ مقصود بالنداء نہیں بخلاف یا زید الظریف کے کہ اس میں مقصود بالنداء موصوف ہے صفت نہیں لہذا الظریف میں دونوں وجہیں جائز ہیں پس یا ایہا الرجل میں مثلاً موصوف یعنی ایہا۔ ایہذا وغیرہ صرف اس لئے لایا گیا ہے کہ منادے معرف باللام پر دخول یاء جائز ہو جائے واللہ اعلم ۱۵ قولہ ہذا

(بقیہ ص۴۵) ای والتزموا رفع توابع الرجل یعنی جس طرح الرجل میں صرف نحاۃ نے رفع لازم قرار دیا ہے اسی طرح اس کے توابع میں بھی نحاۃ نے رفع کو ہی لازم کیا ہے عام ازیں کہ توابع مفرد ہوں یا مضاف جیسے یا ایہا الرجل الظریف و یا ایہا الرجل ذو المال کہ ان مثالوں میں الظریف اور ذو المال کو صرف رفع ہی پڑھ سکتے ہیں نصب نہیں پس الظریف اور ذا المال نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ یہ منادی معرب کے توابع ہیں اور جواز وجہین منادی معرب کے توابع میں نہیں بلکہ منادے مبنی کے توابع میں ہے لہذا اس میں حرف رفع ہی جائز ہوگا پس اب کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ جبکہ یا ایہا الرجل میں مقصود بالنداء الرجل ہے تو یہ منادی مبنی علی الضم کی مثل ہوجائے گا پس اس کے توابع مفردہ میں رفع و نصب دونوں جائز ہونے چاہئیں والجواب مامر آنفا اعنی لانہا توابع مناد معرب واللہ اعلم ۱۲ ۵ قولہ وقالوا الخ اس عبارت سے مصنف ایک سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں سوال یہ ہے کہ ماسبق میں کہا گیا تھا کہ جب معرف باللام کی نداء کا ارادہ کیا جائے تو ندا اور منادی کے درمیان فاصلہ لانا ضروری ہے تاکہ دو آلۂ تعریف کا اجتماع لازم نہ آئے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یا اللہ میں حرف ندا معرف باللام پر بلا فاصلہ داخل ہو رہا ہے اور دو آلۂ تعریف یکجا جمع ہو رہے ہیں اور اس کے باوجود اللہ منادی واقع ہو رہا ہے مصنف نے جواب دیا کہ اگرچہ بظاہر اس میں آلۂ تعریف کا اجتماع نظر آرہا ہے مگر حقیقۃ یہ ہے کہ اس میں اجتماع نہیں اس لئے کہ لام ہمزۂ محذوفہ کے عوض میں ہے اور بمنزلہ کلمہ کے جزء کے ہے اسی کو شارح اس طرح بیان فرما رہے ہیں کہ نحاۃ نے حرف ندا کے اجتماع کو لام کے ساتھ جائز قرار دینے کی بنا پر یا اللہ کہا ہے یعنی یہ ایک جدید قاعدہ ہے جس میں حرف ندا لام کے ساتھ مجتمع ہو سکتا ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے

علی الرجل ای والتزموا رفع توابع الرجل مضافۃً او مفردۃً نحو یا ایہا الرجل الظریف و یا ایہا الرجل ذو المال لانہا توابع منادیٔ معرب وجواز الوجہین انما یکون فی توابع المنادے المبنی وقالوا بناءً علی قاعدۃ تجویز اجتماع حرف النداء مع اللام وہی اجتماع امرین احدہما کون اللام عوضًا عن محذوف وثانیہما لزومہا للکلمۃ یا اللہ لان اصلہ الاٰلٰہ فحذفت الہمزۃ وعوضت اللام عنہا ولزمت الکلمۃ

واہذا لا یجمع بینہما الا قلیلا ۱۲ غف

کہ جہاں یہ دو امور جمع ہوں گے وہاں حرف ندا معرف باللام پر داخل ہو سکتا ہے ایک ان میں سے یہ ہے کہ لام محذوف کے عوض میں ہو اصلی نہ ہو اور دوسرا امر یہ ہے کہ وہ کلمہ کو اس طرح لازم ہو جائے کہ کسی حال میں اس سے جدا نہ ہو سکے پس یہ قاعدہ جدا ہے اور مذکورہ ماسبق قاعدہ جدا لہذا اب کوئی اعتراض واقع نہیں واللہ اعلم ۵۲ قولہ لان اصلہ الخ یہاں اس امر پر دلیل پیش کر رہے ہیں کہ اللہ میں لام عوض میں کس طرح ہے؟ اور کلمہ کو کیسے لازم ہے؟ کہتے ہیں اللہ کی اصل الاٰلٰہ ہے پس ہمزہ کو جو کہ فاء کلمہ کی جگہ میں واقع ہے حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض میں لام کو رکھ دیا گیا پس اگرچہ اس میں لام اس تعلیل سے قبل تعریف کے لئے تھا لیکن چونکہ بعد التعلیل اس کو عوض کے لئے قرار دیدیا گیا ہے لہذا اس کی تعریف زائل ہوگئی پھر چونکہ مع اللام کے علم بنا دیا گیا ذات باری تعالیٰ کا اس لئے یہ کلمہ کے لئے بمنزلہ جزء کے ہوگیا لہذا اس کو اس سے جدا نہیں کیا جا سکتا بخلاف دوسرے اسماء کے کہ چونکہ وہ بمنزلہ جزء کلمہ نہیں ہوتے اس لئے وہ بدستور تعریف کے لئے ہوتے ہیں اور ان پر حرف ندا نہیں داخل ہو سکتا پس یہ قاعدہ قاعدہ اولے سے بمنزلہ استثناء کے ہے (باقی بر ص۴۷)

(بقیہ صـــ ۴۶) پس جب لام اس کے لئے لازم ہوگیا تو اسی وجہ سے وسعۃ کلام میں لاہٌ نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اس سے عوض کا معوض بمعیت حذف کرنا لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے واللہ اعلم ۱۵ قولہ ولما لم یجتمع الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ اسم اللہ تو خاص ہی ہے عام نہیں پھر اس کے بعد خاصۃً کہنے کا کیا فائدہ۔ شارح نے جواب دیا کہ خاصۃً سے اشارہ قاعدہ کلیہ کی طرف ہے یعنی جو قاعدہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ اس میں تعویض اور لزوم مجتمع ہوں تو یہ دونوں امر کسی اور اسم میں نہیں پائے جاتے لہذا اس جواز دخول ندا علی اللام کے ساتھ اللہ ہی خاص ہے اسم اللہ کی خصوصیت اور عمومیت سے بحث نہیں پس مصنف نے یا اللہ کے بعد خاصۃً کہدیا اب رہا یہ اعتراض کہ النجم اور الصعق میں بھی تو لا تعریف بمنزلہ جزو کلمہ کے ہے لہذا اس پر حرف ندا کیوں نہیں داخل ہوتا اس کا جواب شارح نے واما مثل النجم الخ سے یہ دیا کہ اگرچہ ان میں لام بمنزلہ جزو کلمہ کے ہے کہ اس سے جدا نہیں ہو سکتا لیکن یہ محذوف کے عوض میں نہیں پس دو امر مذکورہ مجتمع نہیں ہوئے لہذا ان پر حرف ندا داخل نہیں ہو سکتا اب پھر کوئی یہ اعتراض کرے کہ الناس جو انسان کی جمع ہے اس کی اصل الاناسُ تھی اس میں سے ہمزۂ اصلی یعنی فاء کلمہ کو حذف کرکے الف لام کو اس کے عوض میں رکھا گیا ہے لہذا اس میں اس قاعدہ کا اجراء ہونا چاہیئے پھر بھی اسم اللہ کے ساتھ اس قاعدہ کی خصوصیت باقی نہیں رہتی اس کا جواب شارح نے واما الناس الخ سے یہ دیا کہ اگرچہ اس میں لام ہمزہ محذوفہ کے عوض میں ہے کیونکہ اس کی اصل الاناس تھی لیکن یہ لام کلمہ کو مستلزم نہیں کہ اس سے علیحدہ نہ ہو سکے اس لئے کہ حذف لام کے ساتھ ناسٌ بھی کہا جاتا ہے بخلاف اللہ کے کہ اس میں حذف لام کے ساتھ لاہٌ نہیں کہہ سکتے پس اس میں دو امر نہیں پائے گئے بلکہ صرف ایک امر یعنی تعویض موجود ہے لزوم نہیں لہذا یہ بھی اس قاعدۂ جواز سے خارج ہے

فلا یقال فی سعۃ الکلام لاہٌ ولما لم یجتمع[۱] ہذان الامران فی موضع آخر اختص ہذا الاسم بذلک الجواز ولہذا قال خاصۃً

(وجاز فی الشعر ضرورۃ ۱۲ رحمن)

واما مثل النجم والصعق وان کانت اللام لازمۃً فیہ لکن لیست عوضاً عن محذوف واما الناس وان کانت اللام فیہ عوضاً عن الہمزۃ لان اصلہ الاُناس لکن لیست لازمۃً للکلمۃ لانہ یقال ناسٌ فی سعۃ الکلام فلا یجوز ان یقال یا النجم ویا الناس (مردم ۱۲) ولعدم[۲] جریان ہذہ القاعدۃ فی التی فی قولہ شعر

من اجلك یا التی تیمت قلبی ۔۔۔ وانت بخیلۃٌ بالوصل عنی

(بکسر الکاف ۱۲ رحمن)

لان لامہا لیست عوضاً عن محذوفٍ وان کانت لازمۃ

پس اسم اللہ کا اس قاعدہ کے ساتھ خاص ہونا معلوم و متحقق ہوگیا پس یہ جائز نہیں ہوگا کہ یا النجم یا الصعق یا الناس کہہ سکیں بلکہ اسی قاعدہ میں داخل ہوں گے جس میں ندا اور منادی کے درمیان فاصلہ لانا ضروری ہے واللہ اعلم ۲ قولہ ولعدم الخ یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ النجم اور الناس میں تو عدم اجتماع امرین کہہ کر تم نے اس کو قاعدۂ جواز سے خارج کر دیا لیکن شاعر کے اس قول ؎ من اجلک یا التی تیمت قلبی ÷ وانت بخیلۃٌ بالوصل عنی۔ میں کیا کہو گے کہ اس میں التی میں اجتماع امرین بھی نہیں اور پھر اس پر حرف ندا داخل ہو رہا ہے اور بغیر فاصلہ کے شعر کا ترجمہ یہ ہے تیری محبت کے سبب سے اے وہ محبوبہ کہ تو نے میرے دل کو پامال اور ذلیل کر دیا ہے (ہر قسم کی مصیبت برداشت کر رہا ہوں) لیکن تو ہے کہ مجھ سے ملاقات کرنے میں

(باقی بر صفحہ ۴۸)

(بقیہ صفحہ ۴۷) بھی بخل کا اظہار کرتی ہے اس میں من اجلک جار مجرور ظرف مستقر فعل محذوف الحمل کے متعلق ہے اور تیم بتقدیم التاء کے معنی ذلیل اور پامال کرنے کے آتے ہیں شارح نے اس کا جواب ولعدم الخ سے یہ دیا کہ چونکہ یہ قاعدہ مذکورہ شعر کے التی میں جاری نہیں ہوتا اس لئے کہ اس کا لام محذوف کے عوض میں نہیں اگرچہ بمنزلہ جزء کلمہ کے ہے اس لئے کہ اس کی اصل تی ہے اس پر لام تعریف داخل کر کے التی کر دیا اور یہ اسماء موصولات سے ہو گیا پس اگر اس سے لام تعریف کو جدا کرتے ہیں تو تی اسم اشارہ ہو جاتا ہے موصولہ نہیں رہتا اس لئے اس کو بمنزلہ جزء کلمہ کے قرار دیدیا گیا پس چونکہ قاعدہ جواز کے لئے اجتماع امرین ضروری ہے اور یہاں صرف امر واحد ہے یعنی لزوم اور پھر اس پر حرف ندا داخل ہوا ہے بغیر فاصلہ کے تو اس پر نحاۃ نے شذوذ کا حکم عائد کیا ہے یعنی یہ شاذ ہے اور الشاذ کالمعدوم پس قاعدۂ جواز یہ مختصر اپنی جگہ پر باقی رہا واللہ اعلم ۱۲ سلہ قولہ وفی الغلامان الخ اس سے بھی اعتراض کا ہی جواب دینا مقصود ہے اعتراض یہ ہے کہ التی میں تو ایک امر تھا بھی اور یہاں ایک بھی نہیں پھر بھی الغلامان پر حرف ندا بغیر فاصلہ کے اس مصرعہ میں موجود ہے فیا الغلامان اللذان فرا لہٰذا یہ قاعدۂ جواز یہ صرف اللہ کے ساتھ خاص نہیں اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اختصار کی وجہ سے توسیط یعنی ایہا کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس کے حذف پر قرینہ موجود ہے یعنی غلاموں کا فرار اور یہ تثنیہ کا محتاج ہے اور دوسرا جواب جو شارح نے دیا ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ اس مصرعہ میں الغلامان میں دونوں امر مفقود ہیں تو اس پر اشد شذوذ ہونے کا حکم عائد کیا گیا ہے یعنی یہ پہلے شاذ التی سے بھی بڑھ چڑھ کر شاذ ہے (فائدہ) اس مصرعہ کا دوسرا مصرعہ یہ ہے یعنی پورا شعر اس طرح ہے۔ شعر؎ فیا الغلامان اللذان فرّا ٭ ایاکما ان تعقبا شرّا ۔ یعنی اے دونوں

للكلمة حكموا عليه بالشذوذ وفي الغلامان في قولهم
(لانتفاء احد الامرين وهو عدم كونهما عوضا ۱۲ رحمن)
ع فيا الغلامان اللذان فرّا ٭ لانتفاء الامرين كليهما
حكموا بانه اشذ شذوذا وذلك اي وجاز ذلك في مثل
(خطاب لمن يصلح له هذا الخطاب ۱۲ عف)
يا تيم تيم عديٍّ اي في تركيب تكرر فيه المنادى المفرد المعرفة
صورةً وولي الثاني اسمٌ مجرورٌ بالاضافة في الاول الضمُّ و
النصب وفي الثاني النصب فحسب اما الضم في
الاول فلانه منادىً مفردٌ معرفةٌ كما هو الظاهر والنصب
على انه مضاف الى عديٍّ المذكور ويتم الثاني تاكيد لفظي
فاصلٌ بين المضاف والمضاف اليه وذلك مذهب

بھاگنے والے غلامو شر و برائی حاصل کرنے سے بچو واللہ اعلم ۱۲ سلہ قولہ وذلک ای وجاز الخ
لک کی تفسیر ای وجاز لک سے کر کے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لام سے
جواز کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور علی سے وجوب کی طرف جیسے علیک واجب ہے تجھ کو
کہ مثل یا تیم الخ سے مراد ہر وہ ترکیب ہے کہ جس میں منادی مفرد معرفہ صورۃً مکرر ہو اور
ثانی میں اسم مجرور ملا ہوا ہے یعنی ثانی کے بعد مضاف الیہ مذکور ہو پھر قول شارح بالاضافۃ
فی الاول کا تعلق اسمٌ مجرورٌ سے نہیں بلکہ عبارت اس طرح ہے وجاز لک فی مثل
یا تیم تیم عدی بالاضافۃ فی الاول والضم والنصب مطلب یہ ہے کہ یا تیم
تیم عدیٍّ میں یتم اول میں ضمہ و نصب دونوں جائز ہیں اور ثانی میں صرف فتحہ ہی جائز
ہے ضمہ نہیں پس اول میں ضمہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ منادی مفرد معرفہ ہے (باقی بر صفحہ ۴۹)

(بقیہ صفحہ ۴۲) جیسا کہ ظاہر ہے اور منادی مفرد معرفہ مبنی ہوتا ہے علامت رفع پر اور نصب کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ وہ عدی کی طرف مضاف ہے پس اس صورت میں منادی مضاف ہوگیا اور منادی مضاف منصوب ہوتا ہے نہ کہ مرفوع باقی رہا تیم ثانی تو وہ تیم اول کی تاکید لفظی ہے جو کہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان بطور فاصل کے ہے اب اگر کوئی کہے کہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان فاصلہ ناجائز ہوتا ہے لہٰذا یہ توجیہ ناجائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فاصلہ وہ ناجائز ہوتا ہے جو کہ اجنبی ہو اور جب اجنبی نہ ہو تو جائز ہے پس چونکہ اس جگہ تیم ثانی تیم اول کی تاکید ہے اور تاکید و مؤکد دونوں ایک شئی ہیں لہٰذا فصل بالاجنبی لازم نہیں آیا پس اس اعتبار سے تیم اول کو منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں اور یہ مذہب سیبویہ کا ہے واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ او مضاف الخ یہ تیم اول کو منصوب پڑھنے کی دوسری وجہ ہے اور یہ مبرد کا مذہب ہے یعنی تیم اول عدی محذوف کی طرف مضاف ہے اور اس حذف پر قرینہ یہ ہے کہ تیم ثانی کے بعد عدی موجود ہے پس یہ اصل میں یا تیم عدی و تیم عدی تھا اول عدی کو حذف کر دیا کیونکہ اس پر دال موجود ہے اور یہ شائع و ذائع ہے لہٰذا اضافت کے باعث تیم اول کو منصوب پڑھ سکتے ہیں پس اس بنا پر کسی قسم کا فصل مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان لازم نہیں آتا مگر چونکہ یہ صرف احتمالات ہیں اضافت یقینی نہیں اس لئے نصب کا جواز ہے ورنہ وجوب ہوتا کما مر تفصیلاً واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ والسیرافی الخ یہ تیسرا مذہب جس کے قائل سیرافی ہیں ان کے نزدیک تیم اول میں نصب کی جگہ فتحہ جائز ہے اس لئے کہ تیم اول منادی مفرد معرفہ ہونے کی وجہ سے مبنی علی الضم یعنی یا تیم ہے اور تیم عدی اضافت کے باعث منصوب ہے پس تیم ثانی کی اتباع کرتے ہوئے ان کے نزدیک تیم اول کو بھی فتحہ دیا جائے گا پس تیم اول مبنی علی الفتح ہوگا تاکہ وہ

سیبویہ أو مضاف الی عدی المحذوف بقرینۃ المذکور وذلک
مذہب المبرد والسیرافی اجاز الفتح مکان النصب علی
أن یکون فی الاصل یا تیم بالضم تیم عدی ففتح اتباعاً النصب
الثانی کما فی یا زید بن عمرو وتعین النصب فی الثانی لانہ اما
تابع مضاف او تابع مضاف وتمام البیت یا تیم تیم عدی
لا ابا لکم .. لا یلقینکم فی سوءۃ عمر * والبیت لجریر حین اراد
عمر التیمی الشاعر ان یہجوہ فقال جریر خطاباً لبنی تیم لا تترکوا

مبنی علی الضم کی بنا پر قائم مقامی کر سکے کیونکہ اس میں ان کے نزدیک صرف مفرد معرفہ ہونے کا ہی احتمال متعین ہے جیسا کہ یا زید بن عمرو میں ابن عمرو مضاف مضاف الیہ کے نصب کا اتباع کرتے ہوئے یا زیدُ مبنی علی الضم کو فتحہ دیکر یا زیدَ بن عمرو پڑھا گیا ہے اب رہا تیم ثانی تو اس میں بہر صورت نصب متعین ہے اس لئے کہ اگر اس میں سیبویہ کے مذہب کا اعتبار کرتے ہیں تو یہ منادی مضاف کا تابع ہوگا اور منادی مضاف چونکہ خود منصوب ہوتا ہے اس لئے یہ تابع بدرجہ اولیٰ منصوب ہوگا اور اگر مبرد کے مذہب کو اختیار کرتے ہیں تو یہ تابع خود مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا واللہ اعلم ؎ قولہ وتمام البیت الخ یا تیم تیم عدی چونکہ ایک شعر کا ناتمام ٹکڑا ہے جو بطور مثال کے پیش کیا گیا ہے اس لئے شارح پورا شعر تحریر فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ پورا شعر یہ ہے ؎ یا تیم تیم عدی لا ابا لکم ۔ لا یلقینکم فی سوءۃ عمر ۔ یہ شعر جریر کا ہے جب عمر تیمی شاعر نے جریر کی ہجو کا ارادہ کیا تو اس وقت جریر نے قبیلۂ بنی تیم کو خطاب کر کے کہا تھا کہ تم عمر کو میری ہجو کرنے کے لئے آزاد مت چھوڑو اگر تم نے ایسا کیا تو وہ تم کو میری جانب سے برائی میں مبتلا کر دے گا (باقی بر صفحہ ۵)

(بقیہ ص ۴۹) یعنی میں تم سب کی ہجو کردوں گا تو تم سب ایک کے بدلے میں خواہ مخواہ ذلیل ورسوا ہوگے اس شعر میں لا اباً لکم جملہ مدحیہ بھی ہو سکتا ہے اور ذمیہ بھی مدحیہ کی صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ تمہارے فضائل اس قدر ہیں کہ تمہارا کوئی باپ نہیں معلوم ہوتا یعنی تم مافوق البشر کوئی اور غدائی مخلوق ہو اور اگر ذم کے لئے مراد لیں تو یہ مطلب ہوگا کہ تمہارا کوئی باپ نہیں یعنی حرامی ہو یا تم میں کوئی شرافت نہیں اس لئے کہ تمہارا مربی اور سرپرست کوئی نہیں۔ سورۃ بفتح السین کے معنے ہیں ہجو کے جس کی تفسیر شارح نے مکروہ کے ساتھ کی ہے اس لئے کہ ہجو بھی مکروہ ہی ہوتی ہے کوئی شخص بھی اس کو پسند نہیں کرتا القی تلقی القاء کے معنے ڈالنے کے آتے ہیں واللہ اعلم ۔ ٥١ قولہ والمنادی المضاف الخ اب یہاں سے اس منادی کو بیان کرتے ہیں جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو پھر چونکہ یہاں منادی سے ہی بحث ہو رہی ہے اسلئے شارح نے المضاف سے پہلے اس کا موصوف ذکر کردیا تاکہ غیر منادی اس میں داخل نہ ہوسکے مثلاً جاری غلامی کہ اس میں سوائے ایک وجہ کے اور کوئی وجہ جائز نہیں پس کہتے ہیں کہ جو منادی یاء متکلم کی طرف مضاف ہو اس میں چار وجہیں جائز ہیں (۱) فتح یاء جیسے یا غلامیَ (۲) سکون یاء جیسے یا غلامیْ (۳) یاء کو حذف کرکے کسرہ پر اکتفاء کرنا جبکہ یاء کے ماقبل کسرہ ہو ورنہ یاء کا حذف جائز نہ ہوگا جیسے یا فتای کہ اس میں یاء کا ماقبل مکسور نہیں مفتوح ہے لہذا یاء کو حذف نہیں کرسکتے پس حذف یاء کی مثال جیسے یا غلامِ (۴) یاء کو الف سے تبدیل کرلینا جیسے یا غلاما واللہ اعلم ٥٢ قولہ وہذان الوجہان الخ یہاں سے شارح اخیر کی دو وجہوں کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ ان میں تخفیف کیوں کی گئی کہتے ہیں کہ یہ آخری دو وجہیں ندا میں اکثر وبیشتر واقع ہوتی رہتی ہیں اس لئے کہ ندا موضع تخفیف ہے کیونکہ ندا مقصود بالذات نہیں ہوتی بلکہ مقصود بالذات

عمران یہجونی فیلقینکم فی سورۃ ای مکروہ من قبلی یعنی جہاجاتہ جریر ۱۲

ایا ہم والمنادی المضاف الی یاء المتکلم یجوز فیہ وجوہ اربعۃ فتح الیاء مثل یا غلامیَ سکونہا مثل یا غلامیْ واسقاط الیاء اکتفاء بالکسرۃ اذا کان قبلہا کسرۃ احترازاً عن نحو یا فتای جوان من ۱۲ مثل یا غلامِ وقلبہا الفاً نحو یا غلاما وہذان الوجہان یقعان غالباً فی النداء لان النداء موضع تخفیف لان المقصود غیرہ فیقصد الفراغ من النداء بسرعۃ لیتخلص الی المقصود من الکلام المتکلم ۱۲ فخفف یا غلامی بوجہین حذف الیاء وابقاء الکسرۃ دلیلاً علیہ وقلب الیاء الفاً لان الالف والفتحۃ

ندا کے بعد کا قول ہوتا ہے جس کی وجہ سے متکلم کو آواز دینا پڑتی ہے پس متکلم جلد از جلد ندا سے فارغ ہونے کی کوشش کریگا تاکہ وہ اس سے خلاصی پاکر اپنے کلام مقصود کی جانب متوجہ ہو پس یا غلامی میں دو طریقوں سے تخفیف کی گئی ایک تو حذف یاء اور کسرہ کے باقی رکھنے کے ساتھ تاکہ وہ حذف یاء پر دلالت کرے کیونکہ منادی مفرد معرفہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے اور یہاں رفع نظر نہیں آئے گا تو مخاطب خود سمجھ لے گا کہ آخر سے یاء متکلم حذف کی گئی ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یاء کو الف سے بدل دیا گیا اس لئے کہ الف اور فتحہ یاء اور کسرہ سے خفیف ہیں کیونکہ یہ بسہولت ادا ہوجاتے ہیں لہذا ثقالت کے ازالہ اور سرعت سے فراغت کے لئے اس میں تخفیف کردی گئی۔ واللہ اعلم۔

اخف من الیاء والکسرۃ وہما ای ہذان الوجہان وان کانا واقعین فی المنادی المضاف الی یاء المتکلم لکن لایقعان فی کل منادی کذلک بل فیما غلب علیہ الاضافۃ الی یاء المتکلم واشتہر بہا لتدل الشہرۃ علی الیاء المغیرۃ بالحذف او القلب فلا یقال یاعدو ویا عدوا وقد جاء شاذا فی المنادی یاغلام بالفتح اکتفاء بالفتحۃ عن الالف ویکون لمنادی المضاف الی یاء المتکلم بالہاء فی ہذہ الوجوہ کلہا وقفا ای فی حالۃ الوقف تقول یاغلامیہ ویاغلامیہ ویاغلامہ ویا غلاماہ فرقا بین الوقف والوصل وقالوا ای العرب فی

لہ قولہ وہما ای ہذان الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ یہ تخفیف کا قاعدہ اپنے افراد کو جامع نہیں اس لئے کہ مثلاً یاعدوی منادی یاء متکلم کی طرف مضاف ہے مگر اس میں دونوں وجہوں میں سے ایک بھی جائز نہیں شارح نے جواب دیا کہ یہ دونوں وجہیں اگرچہ منادی مضاف الی یاء المتکلم میں واقع ہوتی ہیں لیکن ہر منادی مضاف الی یاء المتکلم میں نہیں بلکہ اس منادی میں کو اقع ہوتی ہیں کہ جس میں یاء متکلم کی طرف اضافت غالب اور اکثر ہو اور منادی اس اضافہ کے ساتھ مشہور ہو تا کہ یہ شہرت اس یاء پر دلالت کرے جو کہ حذف یا تبدیل بالالف کی وجہ سے اپنی ہیئۃ اصلیہ سے متغیر ہو گئی ہو یعنی جب کسی کلمہ میں یاء متکلم کی طرف اضافت کی شہرت ہوگی اور پھر اس کے آخر سے یاء حذف کر دی گئی ہو یا الف سے بدل دی گئی ہو تو یہ شہرت اضافت اس تغیر کے بعد اس یاء پر دلالت کرے گی پس یاعدوی اس تخفیف سے خارج ہے اس لئے کہ اس کی اضافت کی شہرت نہیں۔ کیونکہ کوئی شخص ندا میں عدو کی نسبت اپنی جانب نہیں کیا کرتا پس یاعدوی میں یاعدو اور یاعدوا نہیں کہہ سکتے اول کی دو صورتیں اس میں متحقق ... ہو سکتی ہیں واللہ اعلم ۵۲ قولہ وقد جاء شاذا الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ وجوہ کا انحصار اربعہ میں باطل ہے اس لئے کہ ایک پانچویں وجہ بھی پائی جاتی ہے یعنی یاغلام میم کے فتحہ کے ساتھ الف کی جانب سے صورت میں تھی لیکن جب اس منادی پر وقف کیا جائیگا تو منادی پر ان تمام وجوہ میں ہاء وقف داخل ہو جاتی ہے تاکہ وقف اور وصل کے درمیان فرق ہو جائے جیسے یاغلامیہ۔ یاغلامیہ۔ یاغلامہ۔ یاغلاماہ بترتیب لف ونشر مرتب۔ اس جگہ شارح نے واو کے بعد یکون کا اضافہ کرکے یہ ظاہر کیا ہے کہ بالہاء جار مجرور یکون کے متعلق ہے اور فی ہذہ الوجوہ کلہا سے یہ بتلایا ہے کہ بالہاء کا تعلق صرف وجہ اخیر سے نہ سمجھ لیا جائے جیسا کہ کلام سے متبادر ہوتا ہے بلکہ اس کا تعلق تمام وجوہ سے ہے اور ای فی حالۃ الوقف سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ باعتبار مضاف محذوف یعنی حالۃ کے ظرف زمان ہے واللہ اعلم ۵۴ قولہ وقالوا ای العرب الخ یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ بعض امثلہ میں وجوہ اربعہ مذکورہ کے علاوہ اور وجہیں بھی جائز ہیں۔ پس کہتے ہیں کہ اہل عرب (باقی بر صلہ)

فتحہ پر اکتفاء کے ساتھ یعنی اس میں الف کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں فتحہ ہی الف کے حذف پر دلالت کریگا شارح نے جواب دیا کہ یہ شاذ ہے اور شاذ کالمعدوم ہوتا ہے لہذا اس کو دلیل حصر میں بیان نہیں کیا گیا پس وجوہ اربعہ میں انحصار صحیح اور درست ہے واللہ اعلم ۵۳ قولہ ویکون المنادی الخ مذکورہ بالا حالت منادی مضاف الی یاء المتکلم کی وصل کی

(بقیہ صفحہ ۵) اپنے محاورات میں یا ابی اور یا امی کو وجوہ اربعہ مذکورہ کے ساتھ استعمال کرنے کے باوجود ان میں بعض وجوہ اور بھی زائد کردیتے ہیں اس لئے کہ کلام عرب میں ان کی نداء کا استعمال بکثرت ہے جیسا کہ انہی وجوہ اُخر کی طرف مصنف نے اپنے قول یا ابتِ اور یا امتِ سے اشارہ کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ والدین انسان سے قریبی تعلق کے باعث بکثرت پکارے جاتے ہیں اور کثرت نداء مقتضی ہے کثرت وجوہ کو اسلئے کہ جب وجوہ میں کثرت ہوگی تو اگر نداء ایک وجہ کے ساتھ دشوار ہوگی تو وجہ آخر کے ساتھ آسان ہوجائے گی یعنی جیسا موقع محل ہوگا ویسا کرلیا جائے گا واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ ای وقالوا الخ اس سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یا ابت اور یا اُمّت کا عطف قالوا پر ہے یعنی جس طرح اہل عرب یا ابی اور یا امی کہتے ہیں اسی طرح یا اَبت اور یا اُمّت بھی کہتے ہیں یا کو تاء سے بدل کر پھر تاء میں دونوں اعراب جاری کرتے ہیں یعنی اگر اس امر کا لحاظ کریں کہ یہ تاء یاء مفتوحہ کے عوض میں آئی ہے تو تاء کو مفتوحہ پڑھتے ہیں تاکہ حرکت یاء کی موافقت پیدا ہوجائے اور اگر یاء کا اعتبار کرتے ہیں تو چونکہ یاء کسرہ کو چاہتی ہے اسلئے تاء کو مکسورہ پڑھتے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ شارح نے فتحاً وکسراً کی تفسیر ای حال کون التاء الخ کے ساتھ کیوں کی تو یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ فتحاً وکسراً تاء سے حال واقع ہیں اور حال ذوالحال پر محمول ہوا کرتا ہے اور یہاں حمل صحیح نہیں اس لئے کہ تاء فتحہ اور کسرہ نہیں ہوتی نیز حال اور ذوالحال کے درمیان افراد اور تثنیہ وغیرہ میں مطابقت بھی شرط ہوتی ہے اور یہاں مطابقت ہے نہیں اس لئے کہ ذوالحال یعنی تاء مفرد ہے اور حال یعنی فتحہ وکسرہ تثنیہ۔ جواب یہ ہے کہ فتحاً وکسراً "مفتوحۃً" اور "مکسورۃً" کے معنی میں ہیں اب حال کا حمل ذوالحال پر درست ہوگیا پھر فتحاً وکسراً میں واؤ بمعنے او ہے پس ان دونوں

محاورانهم یا ابی و یا امّی علی الوجوہ الاربعة کسائر ما اضیف الی یاء المتکلم مع وجوہ اُخر زائدة علیها لکثرة استعمال ندائهما فی کلامهم کما اشار الیها بقوله و یا اَبَتِ و یا اُمَّتِ ایضا بابدال الیاء بالتاء فتحاً و کسراً ای حال کون التاء مفتوحةً علی وفق حرکة الیاء او مکسورة لمناسبة الیاء و قد جاء الضم ایضا نحو یا ابت و یا امت لاجرائه مجری المفرد المعرفة ولم یذکره للقلة و قالوا یا ابتا و یا اُمتا بالالف بعد التاء جمعا بین العوضین دون الیاء فما قالوا یا ابتی و یا امتی احترازا عن الجمع بین العوض

(وعلیہ قراءة یا ابت بالضم) (وان کان مضافا) (لعدم الاضافة صورة ۱۲)

کے درمیان مطابقت فی الافراد بھی ہوگئی اس لئے کہ کلمہ او احد الامرین کیلئے آتا ہے پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یا ابتُ اور یا امتُ بضم التاء بھی تو مستعمل ہوتے ہیں اس کو مصنف نے کیوں نہیں ذکر کیا اس کا جواب وقد جاء الضم سے شارح نے یہ دیا کہ کبھی ضمہ بھی آجاتا ہے یعنی اس کو منادیٰ مفرد معرفہ کے قائم مقام سمجھتے ہوئے کبھی مبنی علی الضم بھی کردیتے ہیں اس لئے کہ اس میں صورۃً اضافت نظر نہیں آتی مگر یہ بہت قلیل ہے اور درجۂ اعتبار سے ساقط اس لئے مصنف نے اس کو ذکر نہیں کیا کیونکہ قلیل کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ یا ابتا الخ اس کا بھی عطف یا ابی اور یا امی پر ہے یہ اس میں دوسری وجہ ہے جو کہ وجوہ اربعہ کے علاوہ ہے یعنی اس اعتبار سے یہ چھٹی وجہ ہے کہتے ہیں کہ اہل عرب نے تاء کے بعد الف کو زائد کرکے یا ابتا اور یا اُمتا بھی کہا ہے پس اس وقت تاء اور الف دونوں یاء کے عوض میں ہوں گے یعنی اجتماع عوضین ہوگا اور اس میں کوئی استحالہ نہیں۔ (باقی بر صفحہ ۵۳)

(بقیہ صفحہ ۵۲) اسلئے کہ جمع بین العوضین جائز ہے لیکن تار کے بعد یار کی زیادتی نہیں کر سکتی اسی کو مصنف دون الیار سے
مرادلے رہے ہیں پس کسی اہل عرب سے یہ نہیں سنا گیا کہ اس نے اپنے والدین کو خطاب کرتے ہوئے یا ابتی یا اور یا
اُمتی کہا ہو اس لئے کہ اس صورت میں عوض اور معوض عنہ کے درمیان اجتماع لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے کیونکہ

والمعوض عنه فانه غير جائز وقالوا يا ابنَ اُمَّ ويا ابن عمَّ
اى فى سعة الكلام لانه يوجب الثقل ١٢
خاصةً هذا الاختصاص بالنظر الى الام والعم اى لا يقال يا
ابن اخ ويا ابن خال بل يقال يا ابن اخى ويا ابن خالى
لا بالنظر الى الابن ايضا فانهم يقولون يا بنت اُمّ ويا بنت
عم على الوجوه الاربعة مثل باب يا غلامى فقالوا يا ابن امى
ويا ابن عمى بفتح الياء وسكونها ويا ابن ام ويا ابن عم بحذف
الياء والاكتفاء بالكسرة ويا ابن امّا ويا ابن عمّا بابدال
الياء الفا وقالوا بزيادة وجهٍ آخر شذّ فى المضاف الى
ياء المتكلم يا ابنَ اُمَّ ويا ابن عمَّ بحذف الالف والاكتفاء

ہے یعنی وہ یا ابن اُمّ اور یا ابن عمّ بھی کہتے ہیں الف کو حذف کرنے کے بعد جو کہ مقلوب
عن الیار تھا اور فتحہ میم پر اکتفار کرنے کے ساتھ اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس میں کثرت
استعمال طول لفظ اور ثقل تضعیف اس وجہ کے جواز کا باعث ہے یعنی چونکہ اس
کا استعمال بہ نسبت یا غلامی کے زیادہ رہتا ہے اس لئے یہ مزید ایک وجہ کی زیادتی
کا مقتضی ہے پھر اگر ایسا نہ کیا جائے تو الفاظ بھی طویل ہو جاتے ہیں یا غلامی کی
بہ نسبت چونکہ یا غلامی میں صرف تین کلمے ہیں یا غلام یار متکلم اور اس میں چار کلمے
ہیں یا ابن۔ ام یار متکلم اسی طرح ام کے بجائے عم میں بھی یہی صورت ہے پھر
ثقل تضعیف اس پر مستزاد ہے یعنی دونوں جگہ میم مشدد ہے پس ان تینوں وجوہ
کی بنار ہر ایک وجہ زائد کی گئی تاکہ تخفیف پیدا ہو جائے۔ (باقی بر صفحہ ۵۸)

اصل کے ہوتے ہوئے عوض کا
کوئی اعتبار نہیں ہوا کرتا اس لئے
یار کو زائد کرکے یا ابتی اور یا اُمتی
کہنا ناجائز ہوگا واللہ اعلم ۵۵
قولہ وقالوا یا ابن ام الخ اور اہل
عرب خاصکر یا ابن اُمّ اور یا ابن
عمّ میں مثل غلامی کے چاروں
وجہیں جائز قرار دیتے ہیں اور
خاصۃً کا مطلب یہ ہے کہ اس
کی خصوصیت لفظ ام اور عم
کے لئے ہے یعنی ان دونوں کا
وجوہ اربعہ کے ساتھ اختصاص
مضاف الیہ کے اعتبار سے
ہے نہ کہ مضاف کے اسی کو
شارح ہذا الاختصاص بالنظر
الی الام والعم سے تعبیر کر رہے
ہیں پس یا ابن اخ یا ابن خالٍ
وغیرہ نہیں کہہ سکتے بلکہ یا ابن
اخی اور یا ابن خالی کہیں گے
صرف ایک وجہ کے ساتھ یعنی
یار کے سکون کے ساتھ پھر
چونکہ یہ اختصاص ام اور عم
کے اعتبار سے ہے ابن یعنی
مضاف کے اعتبار سے نہیں
اس لئے یا بنت ام اور یا بنت
عم وجوہ اربعہ کے ساتھ کہہ سکتے
ہیں باب غلامی کی طرح یعنی جس
طرح غلامی میں چار وجہیں جائز ہیں
اسی طرح یہاں بھی چاروں
وجوہ جائز ہونگی پس یا ابن
امیَ یا ابن عمیَ بفتح الیار یا ابن
امی یا ابن عمی بسکون الیار یا ابن ام یا ابن عم بحذف الیار اور کسرہ پر اکتفار کرتے ہوئے یا ابن امّا یا ابن عمّا یار کو
تبدیل الف کے ساتھ کہیں گے واللہ اعلم ۵۶ قولہ وقالوا الخ اس سے مصنف یا ابن عم اور یا ابن ام میں ایک اور یا پانچویں
وجہ بتلاتے ہیں کہتے ہیں کہ ان وجوہ کے علاوہ بھی اہل عرب نے ایک اور وجہ زائد کی ہے جو کہ مضاف بیار متکلم میں شاذ

(بقیہ صـ۵۳) پھر یہ تینوں وجوہ یعنی کثرت استعمال۔ طول الفاظ، ثقل تضعیف ایک ذلیل ہیں جدا جدا نہیں پس اگر یاغلام اُمّ کہا جائے گا تو اس میں کثرت استعمال مفقود ہے لہٰذا یہ وجہ زائد جائز نہیں ہوگی اور جب یاابن اخی کہا جائے گا تو ثقل تضعیف غیر موجود ہے لہٰذا اس میں بھی جائز نہیں ہوگی اور طول الفاظ تو بہر حال پایا ہی جائے گا واللہ اعلم

بالفتحۃ لکثرۃ الاستعمال وطول اللفظ وثقل التضعیف ولما کان من خصائص النداء الترخیم شرع فی بیانہ فقال و ترخیم المنادی (المنادی ۱۲) جائز (ای اراد ان یشرع ۱۲) ای واقع فی سعۃ الکلام من غیر ضرورۃ شعریۃ دعت الیہ فان دعت الیہ ضرورۃ فبالطریق الاولیٰ وھو فی غیرہ ای غیر المنادی واقع ضرورۃٍ ای لضرورۃ شعریۃ داعیۃ الیہ لا فی سعۃ الکلام وھو ای ترخیم المنادے حذفٌ فے آخرہ ای آخر المنادے تخفیفاً ای لمجرد التخفیف لا لعلۃٍ اُخریٰ مفضیۃ الی الحذف المستلزم

ھو کا اضافہ کرکے یہ بتلایا ہے کہ فی غیرہ ظرف مستقر واقع کے متعلق ہوکر ھو مبتدا محذوف کی خبر ہے اور ضرورۃً کی تفسیر ای لضرورۃ شعریہ الخ سے کرکے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ضرورۃً فعل محذوف کا بحذف اللام مفعول لہ واقع ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے ویُرخّم فی غیرہ ضرورۃً واللہ اعلم ۱۲ ۔ ۵۲ قولہ ھو ای الخ ھو کا مرجع ترخیم منادی ہے مطلق ترخیم نہیں اس وجہ سے شارح نے اس کو ذکر کیا پھر فی آخرہ کی ضمیر مجرور بھی اسی طرف راجع ہوگی ترخیم منادی منادی کے آخر سے تخفیف کے لئے حذف کرنے کو کہتے ہیں تاکہ منادی بسرعۃ ادا ہو جائے اور یہ تخفیف کسی ایسی علۃ کی وجہ سے نہ ہونی چاہیئے جو مفضی الی الحذف ہوکر تخفیف کو مستلزم ہو یعنی وہ علۃ حذف آخر کو چاہے اور پھر حذف آخر سے تخفیف پیدا ہو جیسے یدٌ دمٌ قاضٍ وداعٍ میں حذف موجود ہے مگر اس کو ترخیم نہیں کہتے کیونکہ یہ حذف محض تخفیف کے لئے نہیں ہوا بلکہ یہ قانون صرفی اور سماع لغوی کے ماتحت ہوا ہے لہٰذا اس سے خارج ہے واللہ اعلم

۵۱ قولہ ولما کان الخ یہ عبارت ترخیم منادی کیلئے بطور تمہید کے بھی ہے اور ایک اعتراض کا جواب بھی تمہید کیلئے ہونا تو ظاہر ہے۔ رہا اعتراض تو اس کی تقریر یہ ہے کہ یہاں بحث تو ہو رہی ہے مفعول بہ کے فعل ناصب کے حذف کی اور ذکر چھیڑ دیا ترخیم منادی کا جو کہ خروج عن المبحث ہے پس اس کی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ اس سے خروج عن المبحث لازم نہیں آتا کیونکہ ترخیم ندا کے خصائص میں سے ہے اور خصائص سے شے زیادہ واضح ہوتی ہے اس لئے اس کا بھی ذکر کرنا ضروری ہوا پس مصنف کہتے ہیں کہ ترخیم منادی جائز ہے اور شارح اس کی تفسیر ای واقعٌ الخ سے کرکے اس امر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جواز سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترخیم کی جاسکتی ہے لیکن ہوتی نہیں پس یہ مطلب نہیں بلکہ ترخیم منادی ایسی ضرورت شعریہ کے بغیر بھی جو ترخیم کی داعی ہو نثر کلام میں بکثرت واقع ہے یعنی بلا کسی ضرورت کے بھی منادی میں ترخیم کرلی جاتی ہے پس اگر اس کی کہیں ضرورت پیش آئے گی تو بدرجۂ اولیٰ ترخیم ہوگی لیکن ترخیم کا اس قدر عام ہونا صرف منادی کے ہی ساتھ خاص ہے البتہ اگر کہیں ضرورت شعر کی وجہ سے علاوہ منادی کے ترخیم کرنی پڑے تو کر سکتے ہیں مگر بلا ضرورت نہیں اسی کو مصنف کہتے ہیں کہ وہ غیر منادی میں ضرورۃ شعری کی وجہ سے واقع ہے نثر کلام میں بلا ضرورت نہیں۔ اس جگہ شارح نے فی غیرہ سے پہلے

۱ قوله فعلی ہذا الخ ترخیم کی مذکورہ تعریف میں چونکہ حرف ترخیم منادی کی تعریف ہوتی ہے غیر منادی کی نہیں لہذا یہ تعریف ترخیم منادی کے ساتھ خاص ہوگی اور غیر منادی کی ترخیم اس پر قیاس کرکے معلوم کی جاسکتی ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اسم کے آخر سے محض تخفیف کیلئے (نہ کہ علت آخر کے باعث) حذف کو ترخیم کہیں گے پس اس صورت میں ترخیم منادی کی تعریف اصل ہوگی اور غیر منادی کی اس کے تابع پھر شارح ویمکن حملہ الخ سے یہی تعریف بالعکس کرنا چاہتے ہیں یعنی مطلق ترخیم کی تعریف اصل ہوگی اور ترخیم منادی اس کی فرع اور اس سے حاصل کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس تعریف کو مطلق ترخیم کی تعریف پر حمل کرلیں اور ہو ضمیر مرفوع کو مطلق ترخیم کی طرف راجع کریں اور فی آخرہ کی ضمیر مجرور کو اسم کی طرف لوٹائیں پس اس صورت میں عبارت یہ ہوگی و ہو ای الترخیم حذف فی آخر الاسم اور یہ مطلق ترخیم کی تعریف ہے پس ترخیم منادی کی تعریف اس کے ضمن میں حاصل ہوگی واللہ اعلم

۲ قولہ وشرطہ الخ یہاں سے مصنف ترخیم منادی کی شرائط کو بیان فرمارہے ہیں شرطہ کی ضمیر میں بھی باعتبار مرجع کے دو احتمال ہیں تقدیر اول کی بنا پر اس کا مرجع ترخیم المنادی ہوگا ای شرط ترخیم المنادی اور تقدیر ثانی کی بنا پر مطلق ترخیم لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جو شرطیں اس جگہ بیان کی جارہی ہیں وہ ترخیم منادی کی ہیں مطلق ترخیم کی نہیں پس مطلق ترخیم اس ضمیر مجرور کا مرجع کیونکر بنے گی تو اس کا جواب شارح نے اذا کان واقعا الخ سے یہ دیا کہ اس جگہ عبارت محذوف ہے اصل عبارت اس طرح ہے وشرط الترخیم اذا کان واقعا فی المنادی یعنی ترخیم جبکہ منادی میں واقع ہو تو اس کے لئے شرط یہ ہے اور یہ عبارت محذوفہ اس وجہ سے سمجھ میں آئی ہے کہ یہاں منادی کا ذکر ہو رہا ہے پس اس قرینہ حالیہ کی بنا پر عبارت حذف کردی گئی پھر چونکہ شرائط مختلف ہیں اس وجہ سے دلیل حصر کی ضرورت پیش آتی ہے اور مصنف نے اس کو ذکر نہیں کیا

للتخفیف فعلی ہذا یکون ذلک التعریف مخصوصا بترخیم المنادی ویعلم منہ ترخیم غیر المنادی بالمقایسۃ ویمکن حملہ علی تعریف الترخیم مطلقا بارجاع الضمیر المرفوع الی الترخیم مطلقا والضمیر المجرور الی الاسم وشرطہ ای شرط ترخیم المنادی علی التقدیر الاول (لان ذکر المقید یستلزم لذکر المطلق ۱۲) او شرط الترخیم اذا کان واقعا فی المنادی علی التقدیر الثانی (وہو ان یکون تعریفا لترخیم المنادی ۱۲) امور اربعۃ ثلثۃ منہا عدمیۃ وہی ان لا یکون مضافا حقیقۃ او حکما فدخل فیہ المشبہ بالمضاف ایضا لا یمکن الحذف من الاول (ای المضاف ۱۲) لانہ لیس آخر اجزاء المنادی نظرا الی المعنی ولا من الثانی لانہ لیس آخر

تو اعتراض واقع ہوا کہ یہ مقام مقام حصر ہے لہذا ادوات حصر کا ذکر ہونا چاہئے شارح نے اس کے جواب کے لئے امور اربعۃ کا اضافہ کردیا پس شرائط کا انحصار چار میں ہوگیا تین ان میں سے عدمی ہیں اور ایک وجودی واللہ اعلم ۳ قولہ وہی ان لا یکون الخ عدمی تین میں سے ایک یہ ہے کہ منادی مضاف نہ ہو نہ حقیقۃً نہ حکماً حقیقۃً کی قید سے اضافت معنویہ مطلقا خارج ہوگئی اور حکماً سے اضافت لفظی اور شبہ مضاف ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مضاف و مضاف الیہ معنے کے اعتبار سے بمنزلہ کلمۂ واحدہ کے ہیں یعنی جیسا کہ کلمہ واحدہ کے معنے اس کے تمام اجزاء کے ملائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے اسی طرح مضاف اور مضاف الیہ کو جب تک ملا نہ لیا جائے مضاف کے معنے تمام نہیں ہوتے پس یہ دونوں معنے کے اعتبار سے ایک کلمہ ہیں اور اگر

(باقی بر صفحہ ۵)

اس میں لفظ کا لحاظ کرتے ہیں تو یہ دونوں دو کلمے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے کہ دونوں پر دو اعراب جاری ہوتے ہیں مضاف پر علیحدہ اور مضاف الیہ پر علیحدہ پس اگر معنے کے اعتبار کو لیتے ہیں تو اول یعنی مضاف کے آخر سے حذف ممکن نہیں اس لئے کہ یہ اجزاء منادی کا آخر نہیں بلکہ آخر مضاف الیہ ہے پس وسط کلام میں ترخیم لازم آتی ہے اور اگر مضاف الیہ کے آخر سے حذف کریں تو اعتبار لفظا اسکی اجازت نہیں دیتا اس لئے کہ مضاف الیہ آخر اجزاء منادی نہیں بلکہ مضاف ہے پس ترخیم اس جگہ ممتنع ہوگی کیونکہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان تعارض لازم آتا ہے اور تعارض کا اقتضاء یہ ہے کہ اذا تعارضا تساقطا لہذا اس پر عمل کرتے ہوئے نہ مضاف میں ترخیم کریں گے اور نہ مضاف الیہ میں دونوں میں بالکلیہ ترخیم ممتنع ہوجائے گی واللہ اعلم سلہ قولہ وان لایکون الخ یہ دوسری عدمی شرط ہے مستغاثا کا عطف مضافا پر ہے اسی لئے شارح نے لا سے پہلے اَن اور لا کے بعد یکون کا اضافہ کیا مطلب یہ ہے کہ منادی مستغاث بھی نہ ہو نہ مستغاث باللام جو کہ مناد مجرور ہوتا ہے پس اس صورت میں چونکہ نداء کا اثر یعنی نصب یا بناء علی الضم ہی اس میں متحقق نہیں ہوتا (جیسا کہ منصوب ومبنی علی الضم ہونے کی وجہ گذر چکی) پس اس پر ترخیم جو کہ منادی کے خصائص میں سے ہے وارد نہ ہوگی اور منادی بنا بر مفعولیت کے یا منصوب ہوتا ہے یا کاف اسمی سے مشابہت کے باعث مبنی علی الضم اور یہاں ان دونوں اثروں میں سے ایک بھی موجود نہیں لہذا منادی مستغاث باللام میں ترخیم نہیں ہوگی اب رہا یہ امر کہ منادی مستغاث مفتوح بزیادۃ الالف میں بھی یہ ترخیم ہو سکتی ہے یا نہیں تو اس کا جواب شارح ولا مفتوحا الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اس میں بھی نہیں ہو سکتی اسلئے کہ اس میں مقصود درازی صوت ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے آخر میں الف

اجزائہ نظراً الی اللفظ فامتنع الترخیم فیہما بالکلیۃ وان لا یکون مستغاثا لا مجروراً باللام لعدم ظہور اثر النداء فیہ من النصب او البناء فلم یرد علیہ الترخیم الذی ہو من خصائص المنادیٰ ولا مفتوحا بزیادۃ الالف لان الزیادۃ تنافی الحذف ولم یذکر المندوب لانہ غیر داخل فی المنادی عندہ وما وقع فی بعض النسخ فکانہ من تصرف الناسخین مع ان وجہ اشتراطہ عند دخولہ فی المنادیٰ ظاہر وہو ان الاغلب فیہ زیادۃ الالف فی آخرہ لمد الصوت اظہاراً للتفجع فلا یناسبہ

(حواشی بین السطور: ولہذا اعرب — ای المضاف والمضاف الیہ ۱۲ — علی الضم ۱۲ — ای اشتراط عدم کونہ مندوبا ۱۲)

زیادہ کرتے ہیں لہذا ترخیم نہیں کر سکتے اس لئے کہ ترخیم زیادتی الف کے منافی ہے واللہ اعلم سلہ قولہ ولم یذکر المندوب الخ یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ مندوب بھی ترخیم منادی کیلئے شروط عدمیہ میں سے ہے اس لئے کہ اس میں زیادتی الف سے مد صوت مقصود ہوتا ہے اور ترخیم مد صوت کے منافی ہے لہذا مصنف نے اس کو بھی شروط عدمیہ میں کیوں نہیں ذکر کیا شارح نے جواب دیا کہ یہ چونکہ مصنف کے نزدیک منادی میں داخل نہیں اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض نسخوں میں تو یہ موجود ہے تو اس کا جواب مکانہ من تصرف الناسخین الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ اگر بعض نسخوں میں موجود ہے تو یہ ناسخین یعنی لکھنے والوں کا تصرف ہے باوجود اس کے کہ مندوب کے منادی میں داخل ہونے کے وقت اس کے شرط ہونے کی وجہ ظاہر ہے مطلب یہ ہے کہ بعض ناسخین نے جو تصرف کر کے مندوب کو بھی اس میں ذکر کر دیا یہ درست نہیں۔ (باقی بر صفحہ ۵۷)

الترخیم للتخفیف وان لا یکون جملۃً لان الجملۃ محکیۃ لحالہا (نحو یا تابط شرا ۱۲) فلا تغیر والشرط الرابع احد الامرین الوجودیین وہو ان یکون المنادی اما علماً زائداً علی ثلثۃ احرفٍ لانہ لعلمیتہ ناسبہ التخفیف بالترخیم لکثرۃ نداء العلم مع انہ لشہرتہ فیما ابقے منہ دلیل علے ما القے ولزیادتہ علی الثلثۃ لم یلزم نقص الاسم عن اقل ابنیۃ المعرب بلا علۃ

یعنی اگر یہ پائی جائیگی تو منادی میں ترخیم ہو سکے گی ورنہ نہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قول مصنف اما علماً الخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شرط وجودی میں دو شقیں ہیں یعنی دونوں میں ایک پائی جائیگی تو ترخیم ہو سکے گی مگر مصنف نے اس کے لئے وجہ حصر بیان نہیں کی تو شارح نے جواباً والشرط الخ سے اس کو بیان کر دیا یعنی یہ کہ شرط رابع یہ ہے دو امر وجودی ہیں اگر ان میں سے لا علے التعیین کوئی ایک پایا جائے گا تو ترخیم ہو سکے گی ورنہ نہیں واللہ اعلم ۳ؐ قولہ وہو ان یکون الخ وہ شرط یہ ہے کہ منادی علم زائد علی الثلث ہو اسلئے کہ منادے کا علم ہونا ترخیم کے ذریعہ تخفیف کے لئے زیادہ مناسب ہے کیونکہ علم کی نداء بکثرت ہوتی ہے اور یہ کثیر الاستعمال ہے نیز چونکہ علم زیادہ مشہور ہوتا ہے اسلئے جو کچھ اس میں سے حذف کرنے کے بعد باقی رہے گا وہ ما القی یعنی محذوف پر دلالت کرے گا پھر چونکہ اس میں زائد علی الثلث کی قید ہے اس لئے ترخیم کے بعد اسم معرب میں اس کے اقل وزن کے اعتبار سے بھی کوئی نقص لازم نہیں آئے گا کیونکہ معرب کا اقل وزن تین حرف ہیں اور وہ بعد الترخیم اس پر باقی رہے گا اب رہا یہ سوال کہ اس میں وزن معرب کی قید کیوں لگائی تو اس کا جواب یہ ہے کہ غیر معرب میں تین حرفوں سے کم ہونا جائز ہے جیسے مَن و مَا وغیرہ۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ید اور دم وغیرہ میں تین حرف نہیں بلکہ دو ہیں اور یہ معرب ہیں لہذا یہ نقص ان میں ناجائز ہونا چاہئے کیونکہ معرب کے لئے کم از کم تین حروف ہونے چاہئیں۔ (باقی برصفحہ ۵۸)

(بقیہ صفحہ ۵۶) اسلئے کہ اولاً تو مصنف کے نزدیک یہ منادی میں داخل ہی نہیں اور اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تب بھی ان شرائط میں اس کے ذکر کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی بلکہ عدم ذکر کی وجہ ہی ظاہر ہے اسلئے کہ مندوب کے آخر میں مصوت کے لئے الف کی زیادتی ہوتی ہے تاکہ تفجع اور ماتم کا اظہار کیا جائے اور یہ زیادتی الف مستغاث بالالف میں بھی پائی جاتی ہے پس جب مستغاث کی شرط بطور نفی کے ترخیم میں ذکر کر دی گئی تو مندوب بھی اس میں داخل ہو گیا کیونکہ زیادتی الف کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں پس جب مستغاث خارج ہو گیا تو مندوب بدرجۂ اولیٰ ترخیم سے خارج ہو جائے گا لہذا یہ تصرف ناسخین مندوب کو منادی میں داخل کرتے ہوئے بھی درست نہیں پھر اس میں تخفیف کے لئے ترخیم نہیں ہو گی کیونکہ اس سے مصوت مفقود ہو جائے گا اور یہ خلاف مقصود ہے واللہ اعلم ۵ؐ قولہ وان لا یکون الخ یہ تیسری شرط عدمی ہے یعنی منادی مرخم جملہ بھی نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ جملہ علم ہو کر مبنی ہو جائیگا اور پھر اپنی حکایت حال پر دلالت کریگا پس جب جملہ مبنی ہوا تو اس میں ترخیم نہ کر سکینگے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اگر کسی جملہ کے ساتھ کسی شخص کا نام رکھدیا جائے مثلاً تابط شرا کے ساتھ تو یہ جملہ مبنی ہو جائیگا اور اس پر ہر حالت میں یہی اعراب رہے گا یعنی اس میں کسی قسم کی ترمیم اعراب وغیرہ کے ذریعہ نہیں کر سکیں گے ورنہ اس سے جس قصہ پر دلالت مقصود ہے وہ باقی نہیں رہیگی اور ترخیم مقتضی ہے ترمیم کو اور ترمیم اور اس جملہ کے مقصود میں منافات ہے لہذا اس میں ترخیم نہیں کریں گے مثلاً یا تابط شرا کہہ کر اگر کسی کو پکاریں تو پورا جملہ ہی کہنا پڑیگا تاکہ قصہ پر دلالت کرے اور اگر اس میں سے بطور تخفیف کچھ حذف کر دیا تو قصہ پر دلالت نہیں رہیگی اور خلاف مقصود لازم آجائے گا واللہ اعلم ۱۲ ۲ؐ قولہ والشرط الرابع الخ چوتھی شرط وجودی ہے

(بقیہ ص ۵۷) اس کا جواب شارح نے بلا علۃ موجبۃ سے یہ دیا کہ معرب کے اقل وزن یعنی تین حروف سے کمی بغیر علۃ کے موجبہ کے نہ ہونی چاہیے یعنی کمی ایسی علۃ کے بغیر نہ ہونی چاہیے کہ جس سے حذف واجب ہو اور ترخیم چونکہ علۃ موجبہ نہیں ہے لہذا اس میں تین حرفوں کی قید رہیگی تاکہ معرب کے اقل وزن میں نقص لازم نہ آئے بخلاف ید و دم کے کہ ان میں جو تخفیف ہوئی ہے وہ چونکہ ایسے سبب کی وجہ سے ہوئی ہے جس کے لئے حذف ضروری تھا لہذا اس میں معرب کے وزن میں اگر دو حرف رہ گئے تو یہ باعث نقص نہیں واللہ اعلم ۵۵ قولہ ؤ اما اسما الخ اما کے بعد اسما متلبساً کے اضافہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ بتار التانیث ظرف مستقر متلبساً کے متعلق ہے اور متلبساً اسما موصوف محذوف کی صفت ہے کہتے ہیں کہ اگر منادی علم نہ ہو یا علم ہو لیکن زائد علی الثلثۃ نہ ہو تو پھر اس کی ترخیم کے لئے شرط یہ ہے کہ تا تانیث کے ساتھ متلبس ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ تا کی وضع ہی زوال کی بناء پر ہوئی ہے یعنی اس تا تانیث کو لڑھکا ہی اس لئے جاتا ہے کہ گر جایا کرے پس اس کو ساقط کرنے کیلئے ادنی اور معمولی سبب کافی ہو گا چہ جائیکہ یہ ایسی جگہ میں واقع ہو کہ وہاں یہ حرف اصل بھی گر جاتا ہو پس ترخیم منادی کے وقت تا تانیث حذف کر دی جائے گی۔ اب رہی یہ بات کہ تا تانیث میں علمیۃ یا زائد علی الثلثۃ ہونا کیوں شرط نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ تا تانیث کلمہ کے اجزاء ترکیبی میں داخل نہیں بلکہ یہ اس سے علیحدہ ہے پس جب یہ دیکھا جائے گا کہ منادی میں کلمہ کا آخر مفتوح ہے اور اس میں نہ علمیت ہے اور نہ زیادتی "علی الثلثۃ" تو خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ اس میں سے ترخیم کے باعث تا تانیث حذف کی گئی ہے کیونکہ تا تانیث کا ماقبل ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے واللہ اعلم ۱۲ ۵۶ قولہ ولم یبالوا الخ یہ عبارت

موجبۃ[۵۴] ۔ اِمَّا[۵۵] اسماً متلبساً بتاء التانیث وان لم یکن علماً ولا زائداً علی الثلثۃ لان وضع التاء علی الزوال فیکفیہ ادنی مقتض للسقوط فکیف اذا وقع موقعاً یکثر فیہ (ای التخفیف ۱۲) سقوط الحرف الاصلی ولم یبالوا[۵۶] ببقاء (ای آخر المنادی ۱۲) نحو ثُبَۃٍ وشاۃٍ بعد الترخیم علی حرفین لان بقاءہ (علی حرفین ۱۲) کذلک لیس لاجل الترخیم بل مع التاء ایضاً کان ناقصاً عن ثلثۃ اذ التاء (ای حرف ۱۲) کلمۃ اخری برأسہا ؤ لا یرخم[۵۷] بغیر ضرورۃ منادیً (نائب فاعل لا یرخم ۱۲) لم یستوف الشروط المذکورۃ الا ما شذ من نحو یا صاحِ فی یا صاحبُ ومع شذوذہ فالوجہ

ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ یہ قاعدہ کہ معرب کا اقل وزن تین حروف ہیں ثُبَۃٌ اور شاۃٌ سے منقوض ہے اس لئے کہ ان میں جب ترخیم کی جائیگی تو دو حرف باقی رہ جائیں گے اور یہ اقل ابنیۂ معرب کے خلاف ہے شارح نے جواب دیا کہ اگر ثُبَۃٌ اور شاۃٌ میں ترخیم کے بعد دو ہی حرف باقی رہ جائیں تو کچھ حرج نہیں اسلئے کہ ان کا دو دو حرفوں پر باقی رہنا ترخیم کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ تا تانیث کے ہوتے ہوئے بھی تین حرفوں سے کم ہیں اسلئے کہ تا مستقل طور پر دوسرا کلمہ ہے لیکن یہ ماقبل سے مل کر بمنزلہ ایک کلمہ کے ہو گئی اور پھر اسی پر اعراب بھی جاری ہونے لگا پس چونکہ اس کی اصل کی بناء ہی تین سے کم پر ہے لہذا یہ قابل اعتراض نہیں اور اس کا کچھ اعتبار نہ ہو گا پھر جاننا چاہیے کہ ثُبَۃٌ بتقدیم الثاء علی الباء ہے اور اس کے معنی گروہ اور جماعت کے آتے ہیں اور شاۃ کے معنے ظاہر ہے کہ بکری کے ہیں واللہ اعلم ۱۲ ۵۷ قولہ ولا یرخم الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ یا صاحبُ کی ترخیم میں

(باقی بر ص ۵۹)

في ترخيمه كثرة استعماله منادىً ولما فرغ من بيان شرائط

حال من ضمير استعماله ۱۲

الترخيم شرع في بيان كمية المحذوف بسببه فقال فان

كان في آخره اي آخر المنادى زيادتان كائنتان في حكم الزيادة

الواحدة في انهما زيدتا معًا واحترز به عن نحو ثمانية ومرجانة فان

ومثل به على وجه حذفهما معا ۱۲

الياء والنون فيهما زيدتا اولاً ثم زيدت تاء التانيث فلم

يحذف منهما الا الاخير كاسماء اذا جعلتها فعلاء من الوسامة

علم امرأة ۱۲

اي الحسن كما هو مذهب سيبويه لا افعالاً جمع اسم على ما هو

مذهب غيره لانه يكون حينئذٍ من باب عمار و مروان

وهو ملک من العرب ۱۲

سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ زیادتان کے ساتھ فی حکم الواحدۃ کی قید احترازی ہے پس اس سے وہ مثال خارج ہو جائیگی جس میں دو زیادتی تو ہوں مگر معًا اور حکم واحد میں نہ ہوں جیسے ثمانیۃ اور مرجانۃ کہ ثمانیۃ میں یاء اور مرجانۃ میں نون اولاً زائد کیا گیا پھر تاء تانیث بڑھا دیگئی پس چونکہ یہ دونوں زیادتیاں حکم واحد میں نہیں ہیں لہذا بوقت ترخیم صرف اخیر حرف یعنی تاء ہی ساقط ہوگی واللہ اعلم ۱۲ قولہ کاسماء الخ یہ ان دو زیادتیوں کی مثال ہے جو حکم واحد میں ہوں اسکے بعد شارح اذا جعلتها الخ سے کہہ رہے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مثال مذکورہ بالا قاعدہ کیلئے اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ وسامۃ بمعنے خوبصورتی سے فعلاء کے وزن پر لیں پس اس کی اصل وسماء تھی واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا پس اس میں دو زیادتیاں اس طرح پر ہونگی کہ اس کی اصل وسم نکلے گی پھر اس کے آخر میں الف اور ہمزہ زائد کر دیا گیا وسماء ہو گیا پھر واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا اسماء ہو گیا یہی سیبویہ کا بھی مذہب ہے اب رہی یہ بات کہ اسماء کو افعال کے وزن پر کیوں نہ جمع قرار دیں۔ (باقی بر صفحہ ۶۰)

(بقیہ ص۵۵) یا صاح استعمال کیا جاتا ہے مگر اس میں دونوں شرطوں میں سے ایک بھی موجود نہیں نہ تو تاء تانیث ہے اور نہ علمیت اگرچہ زیادتی علی الثلثہ موجود ہے مگر یہ اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ علمیت نہ پائی جائے پس مصنف اس کے بارے میں کیا کہیں گے شارح نے جواب دیا کہ جس منادیٰ میں شرط مذکورہ نہ پائی جائیں اس میں بلا ضرورت ترخیم نہیں کی جائیگی مگر یہ کہ بطور شذوذ ترخیم کر دی جائے جیسے یا صاحبُ سے یا صاح پس یہ شاذ ہے لیکن اس شذوذ کے باوجود جس کے باعث اس میں ترخیم کی گئی ہے وہ اس کا بطور منادیٰ کے بکثرت استعمال ہے پس یہ اپنے شذوذ کے باعث شرط علمیت سے خارج ہے واللہ اعلم ۱۲ ۵ قولہ ولما فرغ الخ جب مصنف شرائط ترخیم کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب یہاں سے ترخیم کے باعث محذوف کی مقدار کو بیان کرتے ہیں کہ ترخیم میں کتنے حروف گرائے جائیں گے پس کہتے ہیں کہ اگر منادیٰ کے آخر میں ایسے دو حرفوں کی زیادتی ہو جو ایک ہی زیادتی کے حکم میں ہو یعنی دونوں حروف ایک ساتھ زیادہ کئے جائیں جیسے اسماء اور مروان کہ دونوں میں دو دو حرفوں کی زیادتی ایک ساتھ ہوئی ہے یہ دوسری بات ہے کہ اسماء میں یہ زیادتی تانیث کے لئے اور مروان میں تذکیر کیلئے ہے تو ترخیم کرتے وقت ہر ایک سے یہ دونوں زائد حرف محذوف ہو جائیں گے اور یا اسم۔ یا مرو کہیں گے اس جگہ شارح نے فی آخرہ کے بعد ای آخر المنادیٰ سے ضمیر مجرور کا مرجع بتلایا ہے اور زیادتان کے بعد کائنتان کا اضافہ کر کے فی حکم ظرف مستقر کا متعلق بیان کیا ہے پھر یہ کہ یہ زیادتان کی صفت واقع ہے۔ پھر حکم کے بعد الزیادۃ کا اضافہ اس امر پر دال ہے کہ الواحدۃ کی صفۃ الزیادۃ محذوف ہے حکم اس کی صفت نہیں تاکہ یہ اعتراض نہ لازم آئے کہ موصوف و صفت کے درمیان مطابقت ضروری ہے اور یہاں موجود نہیں واللہ اعلم ۲ قولہ واحترز بہ الخ اس

(بقیہ ص۵۹) فعلاء کے وزن پر ہے اس کی جمعیت کی کیا خصوصیت ہے تو اس کے متعلق شارح کہتے ہیں کہ یہ افعال کے وزن پر اسم مفرد کی جمع نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا مذہب ہے اور یہ اسلئے نہیں کہ اگر اس کو تسلیم کرلیا جائے تو یہ اس وقت باب عمار میں داخل ہو جائے گا باب عمار سے ہر وہ اسم مراد ہے کہ جس کے آخر میں حرف صحیح اصلی موجود ہو اور اس کا ماقبل مدہ ہو پس اندریں صورت اسماء میں سین۔ میم ہمزہ اصلی ہوں گے اور دونوں الف زائد اسلئے کہ اس کا وزن افعال ہوگا نہ کہ فعلاء پس یہ اس قاعدہ سے خارج ہو جائے گا اسلئے کہ اس کے حذف کے لئے دوسرا قاعدہ ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا دوسری مثال اس کی مروان ہے اس میں بالاتفاق آخر میں دو حرف زائد حکم واحد میں ہیں واللہ اعلم ۱۲ ملہ

قولہ او کان فی آخرہ الخ یہ مقدار محذوف کے متعلق دوسرا قاعدہ ہے جس کی طرف باب عمار سے ابھی ابھی اشارہ کیا گیا تھا یعنی اگر منادی کے آخر میں حرف صحیح اصلی اور ماقبل اس کے مدہ ہو تو اس صورت میں بھی ترخیم کرتے وقت آخر سے دو حرفوں کو حذف کریں گے بشرطیکہ اسم چار حرفوں سے زائد ہو جیسے عمار، منصور وغیرہ کہ ان میں سے ہر ایک سے ترخیم کے وقت دو۔ دو حرف حذف کئے جائیں گے ایک حرف صحیح دوسرا مدہ۔ صحیح کی تفسیر شارح نے اصلی سے کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اصلی ہونے کے اعتبار سے اس میں حروف علتہ بھی داخل ہیں اور ذہن بھی اسی کی جانب سبقت کرتا ہے اس لئے کہ حرف صحیح اکثر اصلی ہوا کرتا ہے پس اس میں وہ حروف علتہ داخل ہونگے جو اصلی ہوں یعنے زائد نہ ہوں جیسے رمی ظبی وغیرہ پس اس سے سعلاۃ اور اس جیسی امثلہ خارج ہو جائینگی اس لئے کہ اس کے آخر میں حرف اصلی نہیں اگرچہ صحیح ہے بلکہ تاء تانیث ایک مستقل کلمہ ہے اس کلمہ کا جز نہیں لہذا اس میں جب ترخیم کی جائیگی تو صرف تاء ہی حذف کی جائے گی دو حرف

أو كان في آخره حرف صحيح أي صحيح اصلي لتبادره إلى الذهن لان الغالب في الحرف الصحيح الاصالة فيخرج منه نحو سعلاة لانه لا يحذف منه الا التاء وهو أعم من ان يكون حقيقة

لان تاءه ليست باصلية وان كانت صحيحة ١٢

أو حكماً فيشمل مثل مرمي ومدعو فان الحرف الاخير منهما في حكم الصحيح في الاصالة قبله مدة أي الف او واو او ياء ساكنة حركة ما قبلها من جنسها والمراد بها المدة الزائدة لتبادرها إلى الذهن

محذوف نہیں ہونگے واللہ اعلم ۱۲ ملہ قولہ وہو اعم الخ جبکہ حرف صحیح سے مراد اصلی ہوا تو لامحالہ حرف صحیح میں تعمیم کرنی پڑیگی اس لئے کہ حرف اصلی کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ حرف اصلی حرف علۃ نہ ہو دوم یہ کہ حرف اصلی حرف علۃ ہو یعنی وہ لام کلمہ کی جگہ میں واقع ہو یا وہ اس اعتبار سے صحیح ہو کہ وہ حرف صحیح اصلی کی حرکات کو قبول کرتا ہو جیسے دلو ظبی وغیرہ پس جب اس میں تعمیم ہوگئی تو مرمی مدعو اور دلو وغیرہ داخل ہوگئے اس لئے کہ اصالۃ کے اعتبار سے حرف آخر ان میں صحیح کے حکم میں ہے اور قبلہ مدۃ کا مطلب یہ ہے کہ اس حرف صحیح سے پہلے الف، واو، یاء میں سے کوئی ساکن ہو اور اس کے ماقبل حرف پر مناسب حرف علت کی حرکت ہو یعنی الف کے ماقبل پر فتحہ۔ واو کے ماقبل پر ضمہ اور یاء کے ماقبل پر کسرہ ہو یہی حرکۃ ما قبلہا من جنسہا کا مطلب ہے واللہ اعلم ۱۲ ملہ قولہ والمراد بہا الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اوپر کا حکم یا مختار کی مثال سے منقوض ہے اس لئے کہ اس میں ترخیم کے وقت صرف ایک حرف کا حذف ہوتا ہے یعنی راء کا حالانکہ اس میں قاعدہ وہی دو حرفوں کے حذف کا پایا جارہا ہے اس لئے کہ آخر میں حرف صحیح موجود ہے اور ماقبل اس کے مدہ اور پھر ماقبل کی حرکت بھی اس کے مناسب ہے شارح نے جواب دیا کہ مدہ سے مراد مدہ زائدہ ہے یعنی اصلیہ نہ ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مدہ کے (باقی بر ص۶۱)

(بقیہ صفحہ ٦٠) استعمال میں کثرت مدہ زائدہ کی ہی ہے اور اسی کا غلبہ ہے پس اس کثرت استعمال مدہ زائدہ کے باعث اس
کی طرف ذہن خود بخود سبقت کریگا لہذا یا مختار خارج ہوجائے گا اس لئے اس میں مدہ زائدہ موجود نہیں بلکہ اصلیہ ہے
کیونکہ الف یاء اصلیہ کے بدلہ میں لایا گیا ہے اس لئے کہ اس کی اصل مُختَیَرٌ تھی یار کو الف سے بدل دیا پس اس میں
بوقت ترخیم صرف ایک ہی حرف آخر کو حذف کیا جائے گا واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ و ھو الخ اس میں واو حالیہ ہے اسی وجہ سے مصنف نے اس کی تفسیر ای والحال ان الخ کے ساتھ کی ہے پس یہ فی آخرہ کی ضمیر مجرور سے حال واقع ہے کیونکہ ضمیر مضاف الیہ ہے اور اس کے مضاف کو حذف کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام بنانا درست ہے پھر کان کو بمعنے وجد کے لینگے تو مضاف الیہ اس کا مفعول بہ ہوجائے گا پس مضاف الیہ کا ذوالحال ہونا درست ہوجائے گا پس وہ اسم کہ جس کے آخر میں حرف صحیح اور ماقبل مدہ ایسی حالت میں ہونا چاہیئے جو چار حروف سے زائد ہو جیسے منصورٌ ۔ عمارٌ ۔ مسکینٌ تاکہ ان امثلہ میں ترخیم کے باعث دو حرفوں کے حذف سے معرب کے اقل وزن یعنی تین حرفوں سے کم پر کلمہ کی بقا لازم نہ آئے یعنی کم از کم تین حرفوں کا باقی رہنا لازمی ہے پس جب پانچ میں سے دو حذف ہوجائیں گے تو تین باقی رہ جائیں گے لیکن اگر چار میں سے دو حذف کردیئے گئے تو کلمہ لامحالہ دو پر باقی رہیگا اور یہ معرب کے اقل وزن یعنی

لغلبتها وكثرتها فيخرج منه نحو مختار فانه لا يحذف منه الا الحرف
(اي زيادة المدة وكثرتها ۱۲ رحمن)
الاخير وهو اي والحال ان ما في آخره حرفٌ صحيحٌ قبله مدّةٌ اكثر
(خلافا للاخفش فانه يحذف المدة ايضا ۱۲ غف)
من اربعةٍ من الحروف كمنصورٍ وعمّارٍ ومسكينٍ لئلا يلزم من حذف
حرفين منه عدم بقائه على اقلّ ابنية المعرب وانما لم يأخذ
(وانما يظهر عدم اخذه فيه بايراد)
هذا القيد في قوله زيادتان في حكم الواحدة لانّ نحو ثُبُون وقُلُون
يُرخّم بحذف زيادتيه لان بقاء الكلمة فيه على حرفين ليس
(اي الواو والنون ۱۲)
للترخيم حذفتا اي الحرفان الاخيران في كلا القسمين اما في
الاول فلمّا كانتا في حكم الواحدة فكما زيدتا معًا حذفتا معًا
(مصدرية ۱۲)

(ای من الضمير المجرور حال ۱۲ عب)

شارح نے وانما لم یأخذ الخ سے یہ جواب دیا کہ اس قید کو زیادتان فی حکم الواحدۃ میں بیان
نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ثُبُون اور قُلُون جو کہ ثُبَۃٌ اور قُلَۃٌ کی جمع ہیں باوجود چار حرفی ہونے
کے ان میں دو حرفوں کے حذف کے ساتھ ترخیم کی گئی ہے اس لئے کہ ان میں کلمہ کا دو
حرفوں پر باقی رہنا ترخیم کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی اصل کے سبب سے ہے اسلئے
کہ ثُبَۃٌ اور قُلَۃٌ میں تاء تانیث دوسرا کلمہ ہے جو اس کو لاحق ہوتی ہے پس ان کو تین
حرفی کلمہ نہیں کہہ سکتے پس اگر اس جگہ بھی اس قید کو ذکر کردیا جاتا تو لامحالہ وہاں بھی
پانچ حرفوں کی ترخیم کے لئے ضرورت پیش آتی اور ان میں صرف چار ہی حرف ہیں اور
ترخیم کے بعد دو رہجاتے ہیں تو یہ اقل ابنیۂ معرب سے خارج ہوجاتے اور اس ضابطہ
میں داخل نہ ہوتے حالانکہ یہ اس میں داخل ہیں کیونکہ ان میں زائد کی ترخیم کی گئی ہے
اصل کی نہیں اصل ان کی دو ہی حرف ہیں لہذا یہ اس ضابطہ سے خارج نہیں ہوسکتے
واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ حذفتا الخ یہ فان کان فی آخرہ کا کہ جس میں دو ضابطے بیان کئے گئے ہیں
(باقی بر صفحہ ٦٢)

تین حرفوں سے کم ہے لہذا قابل اعتراض اور ناجائز ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف کو چاہیئے تھا کہ معرب کے
ترخیم کے بعد اقل ابنیۂ معرب یعنی تین حرفوں پر باقی رہنے کی قید کو ضابطۂ اولیٰ یعنی زیادتان فی حکم الواحدۃ میں بھی اضافہ
کرتے تاکہ ترخیم کے باعث بھی دو حرفوں کے حذف کے بعد معرب کا اپنے اقل وزن سے کم پر باقی رہنا لازم نہ آتا

(بقیہ صلا) جواب یا جزا ہے یعنی ان دونوں ضابطوں میں آخر سے دو حرف حذف کئے جائیں گے اول سے تو اسلئے کہ جب دو حرفوں کی زیادتی زیادتی واحد کے حکم میں ہے تو جس طرح دونوں ایک ساتھ زائد کئے جائیں گے اسی طرح بوقت ترخیم دونوں ایک ساتھ حذف کر دیئے جائیں گے اور ثانی میں اس لئے کہ جب کہ حرف آخر اپنی اصل اور صحیح ہونے کے باوجود حذف کر دیا جائیگا تو مدہ زائدہ بھی لامحالہ حذف کرنا پڑے گا ورنہ یہ مشہور مثل صادق آئے گی کہ صُلْتَ علی الاسد وبُلْتَ عن النقد۔ نقد کہتے ہیں بکری کے بچہ کو یعنی تو نے شیر پر تو حملہ کر دیا (اور مطلق خوف نہ کھایا لیکن) بکری کے بچہ سے ڈر کر پیشاب کر دیا۔ پس لامحالہ حرف صحیح کے ساتھ مدہ زائدہ کو بھی حذف کرنا پڑے گا کیونکہ جب اصل ہو گیا تو اس کی تو بساط ہی کیا ہے جو باقی رہ سکے لہذا یہ بوجہ اولی فرع ہونے کی بناء پر حذف ہو گا واللہ اعلم ۔ ۵ قولہ وان کان الخ اور اگر منادی مرخم مرکب ہو تو اسم کے اخیر کو حذف کریں گے اسلئے کہ مرکب کلمہ واحد کے حکم میں ہے پس اسم ثانی کو کہ بمنزلہ حرف اخیر کے ہے حذف کر دیا جائے گا پس بعلبک میں ترخیم کے بعد یا بعل کہیں گے اور خمسۃ عشر میں یا خمسۃ کیونکہ یہ اسم ثانی علیحدہ کلمہ ہونے کے اعتبار سے تاء تانیث کے مرتبہ میں ہو گا پس جس طرح بوقت ترخیم تاء تانیث حذف ہو جاتی ہے اسی طرح یہ اسم ثانی بھی بمنزلہ جزء کلمہ ہونے کے باوجود حذف کر دیا جائے گا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ترکیب عام ہے اسنادی یعنی جملہ اور اضافی یعنی مضاف مضاف الیہ کو شامل ہے پس یہ بھی اس میں داخل ہوئے جاتے ہیں حالانکہ ترخیم کے لئے شرط یہ لگائی گئی تھی کہ منادی نہ مضاف ہو اور نہ جملہ پس اس میں ترخیم قاعدہ کے خلاف لازم آتی ہے اس لئے کہ یہ دونوں بھی مرکب میں داخل ہیں پس مصنف کے کلام میں تناقض لازم آیا کہ پہلے کچھ کہا اور بعد میں کچھ اس کا جواب شارح نے ۶

وَاَمَّا فِي الثَّانِي فَلِاَنَّهٗ لَمَّا حُذِفَ الْاَخِيرُ مَعَ صِحَّتِهٖ وَاَصَالَتِهٖ حُذِفَتِ الْمَدَّةُ الزَّائِدَةُ لِئَلَّا يَرِدَ الْمَثَلُ السَّائِرُ صُلْتَ عَلَى الْاَسَدِ (ایضاً ۱۲ المشہور ۱۲ ای الجاری علی الالسنۃ ۱۲) وَبُلْتَ عَنِ النَّقَدِ وَاِنْ كَانَ مُرَكَّبًا وَيُعْلَمُ مِنْ بَيَانِ شَرْطِ التَّرْخِيمِ اَنَّهٗ لَا يَكُونُ مُضَافًا وَلَا جُمْلَةً مِثْلَ بَعْلَبَكَّ وَخَمْسَةَ عَشَرَ عَلَمَيْنِ حُذِفَ الْاِسْمُ الْاَخِيرُ فَيُقَالُ فِي بَعْلَبَكَّ يَا بَعْلُ وَفِي خَمْسَةَ عَشَرَ يَا خَمْسَةُ لِنُزُولِهٖ مَنْزِلَةَ تَاءِ التَّانِيثِ فِي كَوْنِ كُلٍّ مِنْهُمَا كَلِمَةً عَلٰى حِدَةٍ صَارَتْ بِمَنْزِلَةِ الْجُزْءِ وَاِنْ كَانَ غَيْرَ ذٰلِكَ الْمَذْكُورِ مِنَ الْاَقْسَامِ

---

۵ ویعلم من بیان شرط الترخیم الخ سے یہ دیا کہ اس مرکب سے وہ مرکب مراد ہے کہ جس میں ترکیب اضافی اور اسنادی نہ ہو اور اس مراد کا علم ہمیں اس وجہ سے ہوا کہ مصنف نے پہلے ہی شرط لگا دی ہے کہ مضاف اور جملہ نہ ہو پس یہاں لامحالہ وہ ترکیب مراد ہو گی جو مضاف اور جملہ نہ ہو ورنہ تناقض لازم آئے گا اور تناقض کی نسبت مصنف کی طرف کرنا اپنی ہی شان کے خلاف ہے اسلئے کہ اس سے اپنی ہی کم علمی مترشح ہوتی ہے پس اس مرکب کی مثال یہ ہے جیسے بعلبک اور خمسۃ عشر وغیرہ کہ یہ دونوں باوجودیکہ مرکب ہیں مگر کسی میں بھی ترکیب اسنادی اور اضافی نہیں واللہ اعلم ۔ ۵ قولہ وان کان الخ اور اگر تینوں مذکورہ اقسام میں سے ایک بھی نہ پائی جائے تو فقط ایک حرف حذف کیا جائیگا کیونکہ اندریں صورت ایک ہی حرف کے حذف سے فائدہ مقصودہ یعنی تخفیف حاصل ہو جائے گی پھر ایک سے زائد کے حذف کا یہاں کوئی سبب بھی تو نہیں جس کی بناء پر ایک سے زائد کو حذف کر سکیں لہذا ایک ہی حذف ہو گا جیسے یا حارثُ سے یا حارُ اور یا مالکُ سے یا مالُ پھر اس میں اختیار ہے کہ منادی مرخم کو حذف شدہ حرف کی حرکت کے ساتھ پڑھیں یا جو ترخیم سے پہلے کی حرکت ہے۔ (باقی بر صلا ٦٣)

(بقیہ ص۶۲) اس کے ساتھ پڑھیں اگر اول کو اختیار کرتے ہیں تو دونوں میں باختیار ضمہ یا حارُ اور یا مالُ کہیں گے اور اپنی ہی اصل پر چھوڑتے ہیں تو یا حارِ یا مالِ پڑھیں گے اس جگہ شارح نے فحرفٌ واحدٌ کی شرح ای فیحذف حرف واحدٌ سے کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جزاء جملہ ہوتی ہے پس اس شرط وان کان الخ کی جزاء یعنی یحذف محذوف ہے اور حرفٌ واحدٌ اس کا فاعل ہے واللہ اعلم ۔

الثالثة فحرفٌ واحدٌ ای فیحذف حرف واحد لحصول الفائدة المقصودة و عدم موجب حذف الاکثر نحو یا حارُ و یا مالُ فی یا حارث و یا مالک و هو ای المنادی المرخم فی حکم المنادی الثابت بجمیع اجزائه فیبقی الحرف الذی صار آخر الکلمة بعد الترخیم علی ما کان علیه قبله علی الاستعمال الاکثر فیقال فی یا حارث یا حارِ بکسر الراء علی ما کان قبل الترخیم و فی یا ثمود یا ثمو بواو متطرفة بعد ضمة و فی یا کروان یا کرو بواو متحرکة بعد فتحة وقد یجعل قد للتقلیل ای و یجعل المنادی المرخم علی الاستعمال الاقل اسما برأسه کانه لم یحذف منه شئ فیکون له فی بنائه و اعلاله و تصحیحه حکم نفسه لا حکم الاصل فیقال یا حارُ بالضم

(حاشیہ: وهی التخفیف ۱۲ — ای نتیجة ۱۲ — ای واقعة فی الطرف ۱۲)

لیکن اس کو اصل کا حکم نہیں دیا جائے گا یعنی جو حرف ترخیم کے بعد حذف ہوا ہے اس کا حکم اس پر جاری نہیں کیا جائے گا اسلئے کہ وہ اس وقت کان لم یکن یعنی نہ ہونے کے درجہ میں ہوگیا پس جب اس کا اس اعتبار سے کوئی وجود ہی نہیں رہا تو اس کا حکم دینے کے کیا معنے؟ پس یا حارث میں ترخیم کے بعد یا حارُ راء کے ضمہ کے ساتھ کہیں گے کیونکہ جب اس کو مستقل اسم سمجھ لیا گیا ہے تو اس پر مستقل ہی اسم کا اعراب بھی جاری ہوگا پس چونکہ یہ منادی مفرد معرفہ واقع ہو رہا ہے لہٰذا اس کو مبنی علی الضم کردیں گے اور یا ثمود میں ترخیم کے بعد یا ثمو کے بجائے یا ثمی کہیں گے اس لئے کہ جب ثمو کو مستقل اسم سمجھ لیا گیا (باقی بر صـ۶۴)

ا؎ قولہ و هو ای المنادی الخ یعنی منادی مرخم ترخیم کے بعد ایسے منادی کے حکم میں ہوگا جو کہ اپنے تمام اجزاء سمیت ثابت ہے یعنی گویا کہ محذوف اس کے آخر میں ہے حذف نہیں ہوا پس محذوف سے پہلا حرف جس حالت پر ترخیم سے پہلے تھا ترخیم کے بعد وہ آخر کلمہ ہوکر اسی حالت پر باقی رہے گا بناء بر استعمال اکثر کے یعنی اسی حالت پر اکثر اس کا استعمال ہوتا ہے لہٰذا اس میں مزید کوئی تصرف نہ کریں گے کہ محذوف کے ماقبل پر دوسرا اعراب جاری کردیں پس یا حارث میں یا حارِ کسرہ راء کے ساتھ اور یا ثمود میں یا ثمو آخر میں واو کے ساتھ بعد الضمة اور یا کروان میں یا کرو فتحہ کے بعد واو متحرک کے ساتھ کہیں گے کروان ایک پرندہ ہوتا ہے دراز گردن دراز پا اور دراز منقار جس کو کلنگ کہتے ہیں واللہ اعلم ۔

۲؎ قولہ و قد یجعل قد للتقلیل الخ اس میں قد تقلیل کے لئے ہے پس تقدیر عبارت بمقابلہ علی الاستعمال الاکثر یہ ہوگی ای و یجعل المنادی المرخم علی الاستعمال الاقل تاکہ اکثر اور اقل کا تقابل درست ہوجائے عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کبھی منادی مرخم کو استعمال اقل کی بناء پر مستقل اسم قرار دیدیا جاتا ہے یعنی گویا کہ اس میں سے کچھ حذف ہی نہیں کیا گیا پس بناء تعلیل اور عدم تعلیل یعنی تصحیح میں اس کے لئے اس کے نفس کا حکم ہوگا نہ کہ اصل کا یعنی ترخیم کے بعد آخر میں جو حرف ہوگا اگر وہ بناء کا مقتضی ہوگا تو مبنی کردیا جائیگا اور اگر تعلیل کی ضرورت پیش آئیگی تو تعلیل کردی جائے گی اور اگر اس کو صحیح ہونے کے باعث اپنی صحت پر رکھا جائیگا تو صحیح کہیں گے

(بقیہ صـ٦٣) تو واؤ طرف میں ضمہ کے بعد واقع ہوا تو چونکہ یہ اسمارِ متمکنہ میں سے ایک اسم ہے لہذا اس میں قاعدۂ صرفی کا اجرار کیا جائیگا پس واو کو یار سے بدلیں گے اور ضمۂ ماقبل کو کسرہ سے اس لئے کہ منادی بنار کے عارضی ہونے کی وجہ سے یہاں معرب کے حکم میں ہوگا پس اس میں معرب جیسی تعلیل کی جائیگی اور یہ تعلیل اسی طرح ہوگی جس طرح کہ ادلٍ میں ہوئی ہے کہ اس کی اصل اَدلُو تھی (دلو بمعنے ڈول کی جمع ہے) واو طرف میں واقع ہونے کے سبب سے یار سے بدلا گیا ادلُی ہوا پھر لام کے ضمہ کو یار کے مناسب کرنے کے لئے کسرہ سے تبدیل کیا گیا ادلِی ہوا پھر یار کا ماقبل مکسور ہوا یار کو ساکن کیا گیا ادلین ہوا پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے یار کو حذف کر دیا گیا ادلٍ ہو گیا اسی طرح یاکروان میں یاکرا کہیں گے اسلئے کہ جب کرَوَ کو اسم مستقل کا مرتبہ دیا گیا تو مانع اعلال یعنی ساکن کا واو کے بعد واقع ہونا جاتا رہا یعنی یا کروان میں واو کے بعد الف ساکن موجود تھا اس لئے واو کو تبدیل نہیں کر سکتے تھے لیکن جب صرف یاکرَوَ رہ گیا تو وہ مانع تعلیل مرتفع ہو گیا لہذا واؤ متحرک ماقبل مفتوح "الف سے بدلجائے" کے قاعدہ کے مطابق واو کو الف سے بدل دیا گیا یاکرا ہو گیا واللہ اعلم ۱۲ ـــ قولہ وقد استعملوا الخ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ مصنف کو مندوب کا ذکر کرنا اس جگہ مناسب نہیں تھا اس لئے کہ یہاں بحث مفعول بہ کے فعل ناصب کے حذف کی ہو رہی ہے نہ کہ مندوب کی جواب یہ ہے کہ مندوب اور منادی بہت سی باتوں میں مشترک ہیں مثلاً دخول حرف ندا اعراب اور بنار وغیرہ میں اور منادی ظاہر ہے کہ مفعول بہ کے فعل ناصب کے حذف سے تعلق رکھتا ہے پس اس لزوم کی بنا پر اس جگہ مندوب کا ذکر کر دیا گیا پس کہتے ہیں صیغۂ ندا یعنی خاصکر یار کو مندوب میں استعمال کرتے ہیں اور یا کی خصوصیت اس میں اس وجہ سے ہے کہ اس کے سوا...... مندوب پر کوئی دوسرا حرف ندا داخل ہی

كانه اسمٌ مفردٌ معرفةٌ برأسه فيضم ويا ثمى لانه لما جُعل ثمو اسما برأسه صارت الواو طرفًا بعد ضمةٍ فلا جرم قلبت الواو ياءً وكسر ماقبلها كادلٍ في ادلو ويا كرا لانه لما جعل كرو اسمًا برأسه ارتفع مانع الاعلال وهو وقوع الساكن بعد الواو فانقلبت الواو الفا لتحركها وانفتاح ماقبلها وقد استعملوا يعنے العرب صيغة النداء يعني يا خاصةً في المندوب لانه لا يدخل عليه سواها لكونها اشهر صيغها فكانت اولى بان يتوسع فيها باستعمالها في غير المنادى والمندوب في اللغة ميّت يبكى عليه احدٌ ويعدّ محاسنه ليعلم الناس ان موته امر عظيم ليعذروه

(حواشی: الموجهم ام احبهما ۱۲ — لان الاستعمال الذى يبحث عنه النحوى فى لكن — ندبه نوحه وشيون ۱۲ — علة للاختصاص ۱۲ — بيان للتوسع ۱۲ — عذر بالضم معذور — ۱۲)

نہیں ہوتا کیونکہ یار ہی ندا کے صیغوں میں سب سے زیادہ مشہور ہے پس اس شہرت کے اقتضار کے بموجب مناسب یہ ہے کہ اس کو غیر منادی کے استعمال میں بھی وسعت دی جائے صرف منادی میں ہی اس کا انحصار نہ رہے اس جگہ صیغة النداء کی شرح "یعنی یا خاصةً" سے کر کے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ چونکہ حرف ندا میں یا زیادہ مشہور ہے لہذا یہ فردِ کامل کے مرتبہ میں ہوا اور افرادِ کامل کے متعلق... قاعدہ یہ ہے کہ المطلق اذا يطلق يراد به الفرد الكامل اور ندا کا فردِ کامل یا ہے لہذا صیغة النداء جو کہ مطلق ہے اس سے خاصکر یار مراد ہوگا واللہ اعلم ۱۲ ـــ قولہ والمندوب الخ مصنف نے مندوب کی اصطلاحی تعریف بیان کی ہے اسلئے شارح اس کی لغوی تعریف بیان فرما رہے ہیں تاکہ دونوں میں (باقی بر صـ٦٥)

(بقیہ صـ ۶۲) فرق معلوم ہوجائے پس کہتے ہیں کہ مندوب لغت میں اس میت کو کہتے ہیں کہ جس پر کوئی شخص نوحہ کرے اور اسکے محاسن کو گنائے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ اس کی موت معمولی سانحہ نہیں بلکہ حادثہ عظیم ہے تاکہ لوگ اس کو نوحہ اور نالہ وشیون کرنے میں حق بجانب اور معذور سمجھیں اور اس کی غم خواری و درد مندی میں وہ بھی شریک ہوجائیں پس جب وہ بھی درد مندی میں شریک ہوجائینگے تو ان کے لئے اعتراض کرنے کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہے گا واللہ اعلم ۵۱ قولہ وفی الاصطلاح الخ اور اصطلاح میں مندوب اس اسم کو کہتے ہیں جس پر لفظ یا۔ یا لفظ وا سے گریہ کیا جائے اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ تعریف متفجع علیہ وجوداً پر صادق نہیں آتی اس لئے کہ متفجع علیہ سے متبادر متفجع علیہ عدماً ہے یعنی جس کے معدوم ہونے پر گریہ کیا جائے نہ کہ موجود ہونے پر اس لئے کہ المتفجع کا صلہ علی لایا گیا ہے اور یہ شئی کے معدوم ہونے پر دلالت کرتا ہے مثلاً کوئی شخص فوت ہوجائے تو وہ دنیا سے معدوم ہوجاتا ہے پس اس پر تفجع کیا جائے گا وجودی شئی پر تفجع نہیں ہوگا مثلاً مصیبت پر اس لئے کہ مصیبت پر کوئی تفجع نہیں کیا کرتا بلکہ مصیبت کے سبب سے تفجع کیا کرتا ہے لہذا تفجع وجودی پر یہ تعریف صادق نہیں آئیگی شارح نے اس کے جواب کی طرف وجوداً اور عدماً سے اشارہ کردیا اور پھر دونوں کی تفصیل خود ہی بیان فرمارہے ہیں کہتے ہیں کہ متفجع علیہ عدماً تو یہ ہے کہ جس کے معدوم اور مردہ ہونے پر گریہ کیا جائے جیسے کسی میت پر گریہ کرنے والا وازیداہ وغیرہ سے نوحہ کرے اور متفجع علیہ وجوداً وہ ہے کہ مندوب کے وجود پر متفجع علیہ عدماً کی عدم موجودگی کے وقت نوحہ کیا جائے یعنی مثلاً نوحہ گر میت کو نہ دیکھے بلکہ اس کی خبر سن کر اظہار گریہ کرے جیسے کہ مصیبۃ حسرۃ اور ویل یعنی سختی میت کے موجود نہ ہونے پر نوحہ گر کو لاحق ہوتی ہے پس یہ

في البكاء ويشاركوه في التفجع وفي الاصطلاح هو المتفجع (درد مند شدن ۱۲)
عليه وجوداً او عدماً بيا او وا فالمتفجع عليه عدماً ما يتفجع على
عدمه كالميت الذي يبكى عليه النادب والمتفجع عليه وجوداً (الباء للالصاق صفة للمتفجع)
ما يتفجع على وجوده عند فقد المتفجع عليه عدماً كالمصيبة والحسرة (مثل وازيداه ۱۲)
والويل اللاحقة للنادب لفقد الميت فالحد شامل لقسمى (سختی ۱۲)
المندوب مثل يا زيداه ويا عمراه ومثل يا حسرتاه ويا مصيبتاه
ويا ويلاه واختص المندوب بوا امتيازاً به عن المنادى لعدم

مصیبت وحسرت وغیرہ سب متفجع علیہ وجودی میں داخل ہونگی کیونکہ ان کا وجود اظہار درد مندی کا باعث ہوا ہے بخلاف میت کے کہ اس کا عدم یعنی انسان کا مرجانا اور دنیا سے کوچ کرجانا اظہار تفجع کا باعث ہے پس تعریف مندوب کی دونوں قسموں کو شامل ہوگئی یعنی اس کو بھی جس کے عدم پر نوحہ گری ہو اور اس کو بھی جس کا وجود نوحہ گری کا باعث ہو لیکن اس صورت میں علے کو تفجع کے صلہ کے بجائے بنائیہ لینا پڑے گا یعنی جس کی بناء پر تفجع کیا جائے تب تو یہ تعریف دونوں قسموں پر صادق آئے گی ورنہ نہیں کما مر فی الاعتراض۔ پس دونوں قسموں کی مثالیں یہ ہیں جیسے یازیداہ یا عمراہ یہ دونوں متفجع علیہ عدمی کی مثالیں ہیں اور وجودی کی امثلہ مثلاً یا حسرتاہ یا مصیبتاہ اور یا ویلاہ ہیں واللہ اعلم ۵۲ قولہ واختص الخ مندوب کو کلمۂ وا کے ساتھ خاص کردیا گیا ہے تاکہ اس میں اور منادی میں امتیاز پیدا ہوجائے اس لئے کہ وا منادی پر داخل نہیں ہوا کرتا پس وہ مندوب کے ساتھ خاص ہوجائے گا بخلاف یا کے کہ وہ دونوں میں مشترک ہے یعنی منادی کیلئے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے اور مندوب کے لئے بھی لیکن وا حرف مندوب کے ہی ساتھ خاص ہے۔ اب اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے

(باقی بر صـ ۷۰)

(بقیہ صفحہ ۶۵) کہ مصنف نے اول تو یہ فرمایا کہ صیغۂ ندا کو مندوب میں بھی استعمال کرتے ہیں اور پھر فرمایا کہ مندوب کلمۂ وا کے ساتھ خاص ہے یعنی وا کے ہی ذریعہ ندبہ کیا جاسکتا ہے یا کے ذریعہ نہیں پس دونوں باتوں میں تعارض اور تناقض لازم آیا اس کا جواب شارح نے ممتازاً بہ الخ سے یہ دیا کہ بوا کی با جارہ اختص کے متعلق ہے اور اختصاص کے اندر امتیاز کے معنے بھی پائے جاتے ہیں اس لئے کہ ایک شے کا ایک شے کے ساتھ خاص ہونا دوسری شئے سے امتیاز کو مستلزم ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں مندوب وا کی وجہ سے منادی سے ممتاز ہے لہٰذا وا کا اختصاص مندوب کے ساتھ منادی سے امتیاز کے لئے ہوا نہ کہ اس امر کے لئے کہ مندوب کے ساتھ وا ہی خاص ہے دوسرا کوئی حرف اس پر داخل نہیں ہوسکتا پس کلام مصنف میں اب کوئی تناقض اور تعارض نہیں واللہ اعلم ۱۲ ملہ قولہ وحکمہ الخ مندوب کا حکم اعراب اور بناء کے اعتبار سے منادی کے حکم جیسا ہے یعنی جب مندوب اقسام منادیٰ میں سے کسی ایک قسم کی صورت پر واقع ہو تو مندوب کی اس قسم کو وہی حکم دیں گے جو منادی کی اس قسم کا ہے یعنی جس طرح منادی مفرد معرفہ کو مبنی علی الضم کہا جاتا ہے اسی طرح مندوب اگر مفرد معرفہ واقع ہو تو اس کو بھی مبنی علے الضم قرار دیں گے ہی جس طرح منادی مضاف یا مشابہ مضاف منصوب ہوتا ہے مندوب بھی مضاف یا شبہ مضاف واقع ہو تو یہ بھی منصوب ہوگا جیسے وا طالعا جبلا شبہ مضاف کی مثال اور مضاف کی مثال جیسے وا عبد اللہ اسی طرح مندوب کے توابع کا بھی حکم ہوگا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کسی شئے پر اثر مرتب کو کہتے ہیں اور اعراب منجملہ عوارضات کے ہے اور اس اثر مرتب کے محل دو ہوگئے منادی اور مندوب پس واحد کا حلول دو مختلف محلوں میں لازم آیا اور یہ باطل ہے اس لئے کہ اثر مرتب علے الشئی اسی شئی کے ساتھ خاص ہوتا ہے

وخوله عليه بخلاف يا فانه مشترك بينهما وحكمه اى حكم المندوب فى الاعراب والبناء حكم المنادى اى مثل حكمه يعنى اذا وقع المندوب على صورة قسم من اقسام المنادى فحكمه فى الاعراب والبناء مثل حكم ذلك القسم من المنادى كما اذا كان مفردا معرفة يضم واذا كان مضافا او مشبها به ينصب ولا يلزم من ذلك جواز وقوعه على صورة جميع اقسام المنادى ليرد عليه انه لا يقع نكرة لانه لا يندب الا المعرفة وجاز لك زيادة الالف فى آخره

جس پر وہ مرتب ہو اور یہاں یہ خصوصیت رہی نہیں شارح نے ای مثل کلمہ سے جواب دیا کہ اس جگہ عبارت بحذف مضاف ہے یعنی حکم المنادی میں مضاف محذوف ہے ای مثل پس اب کوئی اعتراض نہیں ہوگا اسلئے کہ اب اثر مرتب اسی شے کے ساتھ خاص ہوگا جس پر وہ مرتب ہو البتہ اسی جیسا اثر دوسری شئے میں پایا جائے گا اور اس میں کوئی استحالہ نہیں واللہ اعلم ۱۲ ملہ قولہ ولا یلزم الخ یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ قول مصنف وحکمہ حکم المنادی سے یہ لازم آتا ہے کہ منادی کی تمام اقسام مندوب میں بھی پائی جاتی ہیں حالانکہ ایسا نہیں اس لئے کہ مندوب کبھی نکرہ نہیں لایا جاتا شارح نے کہا کہ اس تشبیہ مذکور سے یہ لازم نہیں آتا کہ منادی کی جمیع اقسام کی صورت میں مندوب کے واقع ہونے کا جواز ہو کیونکہ تشبیہ حکم اور اس تب کے اعتبار سے ہے منادی کے اقسام کے اعتبار سے نہیں پس مندوب کے نکرہ واقع نہ ہونے سے کوئی اعتراض نہیں ہوتا واللہ اعلم ۱۲ ملہ قولہ وجاز لک الخ اور مندوب کے آخر میں درازی صوت کے لئے الف کا زیادہ کرنا بھی جائز ہے اس لئے کہ ندبہ میں درازی صوت مطلوب ہوتی ہے اور یہ الف کے بڑھانے سے حاصل ہوجاتی ہے پس بجائے

اى آخر المندوب لمد الصوت المطلوب فى الندبة فان خفت[۱]
اللبس اى التباس ذلك اللفظ عند زيادة الالف بغيره
عدلت الى حرف مدٍ مجانسٍ لحركة آخر المندوب من كسرةٍ او
ضمةٍ كما اذا اردت ندبة غلام مخاطبة (اے مونث مخاطبہ ۱۲) قلت واغلامكيه لا واغلامكاه
لالتباسه بندبة غلام مخاطب (اے مذکر مخاطب ۱۲) واذا اردت ندبة غلام جماعةٍ
مخاطبين قلت واغلامكموه اذ الميم اصله الضم لا واغلامكماه
لالتباسه بندبة غلام مخاطبين اثنين وجاز[۲] لك الهاء (ہار سکتہ ۱۲)
اى الحاقها بهذه المدات فى حال الوقف لبيانها
ولا يندب[۳] من قسم المندوب المتفجع عليه عدمًا الا الاسم
المعروف الذى اشتهر المندوب به ليعذر النادب (علما كان او غير علم ۱۲)

۱؎ قولہ فان خفت الخ یعنی اگر مندوب کے آخر میں الف کے زیادہ کرنے سے کسی دوسرے صیغہ کے ساتھ التباس ہوتا ہو تو زیادتی الف کو ترک کرکے اس کے بجائے ایسا حرفِ مد زائد کیا جائے گا جو آخر مندوب کی حرکت کے مجانس ہے یعنی اگر آخر مندوب کی حرکت کسرہ ہے تو یار بڑھائیں گے اور ضمہ ہے تو واو مثلاً جب ہم کسی مؤنث مخاطبہ کے غلام کا ندبہ کریں گے تو واغلامک کسر کاف کے ساتھ کہیں گے لیکن اس سے مد صوت نہیں ہوگا تو الف کی زیادتی کریں گے واغلامکاہ ہو جائے گا تو اس سے مذکر مخاطب کے غلام کے ندبہ کے ساتھ التباس پیدا ہو جائے گا اس لئے کہ اس کے ندبہ کے وقت بھی واغلامکاہ کہیں گے تو اس الف کو یار سے بدل لیں گے یا الف کے بجائے یار ساکنہ لے آئیں گے (بہر صورت مآل ایک ہی ہے) اس لئے کہ آخر مندوب یعنی کاف کا کسرہ یار ساکنہ کے مجانس اور موافق ہے پس واغلامکیہ کہیں گے واغلامکاہ نہیں کہیں گے ایسے ہی جب ہم جمع مذکر حاضر کے غلام کا ندبہ کرنا چاہیں تو واغلامکموہ کہیں گے الف کے بجائے واؤ کی زیادتی کے ساتھ تاکہ میم کہ جس کی اصل ضمہ ہے واو اس کے مجانس ہو جائے کیونکہ ضمہ واو کو چاہتا ہے پس اگر اس صورت میں واو کے بجائے الف کو زیادہ کرتے ہیں تو تثنیہ مخاطب کے غلام کے ندبہ کے ساتھ التباس پیدا ہو جائے گا یعنی واغلامکماہ کہیں گے تو اس سے پتہ نہیں چلے گا جمع حاضر کے غلام کا ندبہ کیا جارہا ہے یا تثنیہ مخاطب کے غلام کا پس لامحالہ ضمہ کی موافقت کی وجہ سے میم کے ساتھ بجائے الف کے واو زیادہ کریں گے اور واغلامکموہ کہیں گے۔ اب رہی یہ بات کہ غلامکم کے میم کی اصل باعتبار حرکت کے ضمہ کیسے ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ غلامکم اصل میں غلامکموا تھا میم کو تخفیف کیلئے ساکن کردیا دو ساکن جمع ہو جائیں تو اجتماع ساکنین کی وجہ سے حرف علۃ یعنی واو کو گرادیا غلامکم ہوگیا پس بوقت ندبہ یہ ضمہ اپنی اصل پر لوٹ آئے گا اور اس کے بعد واو زیادہ کریں گے واللہ اعلم

۲؎ قولہ وجاز لک الخ ان تمام مدات کے بعد حالت وقف میں ہار سکتہ کا اضافہ کرنا بھی جائز ہے تاکہ اس کے اضافہ کے باعث حرف مد بخوبی واضح ہو سکے کیونکہ اس سے مزید مد صوت پیدا ہوگا کما مر واللہ اعلم ۱۲

۳؎ قولہ لا یندب الخ اب کہتے ہیں کہ مندوب کی دو قسموں میں سے مندوب متفجع علیہ عدمًا میں ندبہ صرف معروف شخص کا ہوتا ہے یعنی جو لوگوں میں شہرت رکھتا ہو مجہول اور غیر معروف شخص کا نہیں ہوتا اس لئے کہ سامعین مندوب کے معروف و مشہور ہونے کی وجہ سے ندبہ کرنے والے کو اس کے نالہ و شیون (باقی بر ص ۶۸)

(بقیہ صـ٦٧) اور فریاد و فغاں میں مجبور و معذور خیال کریں گے پس اس کے ساتھ شہرت کی تخصیص کے باعث وارجلاہ نہیں کہیں گے اس لئے کہ مندوب خاص لفظ رجل کے ساتھ مشہور نہیں ہے کہ سامعین کا ذہن اس کی طرف منتقل ہو سکے اور مندوب لفظ رجل سے پہچانا جا سکے تاکہ لوگ ندبہ کرنے والے کو اس کے جزع و فزع پر معذور خیال کریں بلکہ اس صورت میں مندوب کے مجہول اور غیر معروف ہونے کے باعث لوگ ادر الٹا اسی کا مذاق و تمسخر اڑائیں گے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لا یندب کے بعد من قسم المندوب الخ کے اضافہ کی شارح کو کیا ضرورت پیش آئی جواب یہ ہے کہ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ یا مصیبتاہ اور یا حسرتاہ بھی مندوب ہیں مگر نکرہ ہیں پس مصنف کا قول ولا یندب الا المعروف غلط ہے جواب دیا کہ لا یندب الا المندوب مندوب متفجع علیہ عدماً کے ساتھ خاص ہے، وجوداً اس سے خارج ہے پھر المعروف سے قبل لاسم کے اضافہ سے المعروف کا موصوف محذوف ہونے کی طرف اشارہ ہے پھر رہا الذی اشتہر المندوب بہ کا اضافہ تو یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال کی یہ ہے کہ وا من قلع باب خیبر بھی مندوب میں داخل ہے اور قسم عدمی سے متعلق ہے لیکن یہ معرفہ نہیں نکرہ ہے لہذا لا یندب الا المعروف کا قاعدہ غلط ہے جواب یہ ہے کہ معرف سے مراد یہ ہے کہ مندوب لوگوں میں اس لفظ کے ساتھ مشہور ہو جائے اور ظاہر ہے کہ من قلع باب خیبر اس اعتبار سے مشہور و معروف ہے کہ یہ جملہ سوائے

بمعرفتہ فی ندبتہ والتفجع علیہ فلا یقال وارجلاہ اذا ما اشتہر بہذا اللفظ مندوب خاص انتقل الذہن الیہ ویعرف بہ لیعذر النادب بالندبۃ علیہ وامتنع الحاق الالف بصفۃ المندوب بل یجب ان یلحق بالموصوف مثل وازیداہ الطویل لان اتصالہ بالصفۃ لیس کاتصال المضاف بالمضاف الیہ لانہ جیٔ بہ لتمام المضاف فہو کالجزء بخلاف الصفۃ فانہ جیٔ بہا بعد تمام الموصوف للتخصیص او التوضیح فلہذا

کا اضافہ اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وا زید الطویلاہ سے ایک خاص ضابطہ کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ کہ الف مندوب کی صفت کے ساتھ ملحق ہو۔ کہتے ہیں کہ صفت کے آخر میں علامت ندبہ یعنی الف کا الحاق جائز نہیں ممتنع ہے بلکہ اس میں واجب یہ ہے کہ الف کا الحاق موصوف کے ساتھ ہو اس لئے کہ صفت کا اپنے موصوف کے ساتھ اتصال ایسا نہیں جیسا مضاف کا اپنے مضاف الیہ کے ساتھ ہوتا ہے اسلئے کہ مضاف الیہ کو تو لایا ہی اس لئے جاتا ہے کہ مضاف تمام ہو جا ورنہ مضاف تشنہ تکمیل رہ جائے گا پس مضاف الیہ مضاف کے واسطے بمنزلہ جزء کے ہے کہ اگر کل کے کسی جزء کو حذف کر دیں تو اس میں کمی آجاتی ہے اسی طرح اس میں بھی کمی آجائے گی بخلاف صفۃ کے کہ وہ اپنے موصوف کے مکمل اور تمام ہو جانے کے بعد تخصیص یا توضیح کے لئے لائی جاتی ہے موصوف کی تکمیل میں مضاف الیہ کی طرح اس کو کوئی دخل نہیں ہوتا پس موصوف و صفۃ دونوں علیحدہ علیحدہ دو مستقل کلمے ہونگے لہذا صفت کے آخر میں علامت مندوب کا الحاق درست نہ ہوگا۔ (باقی بر صـ٦٩)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اور کسی کی طرف نسبت نہیں کیا جا سکتا پس یہ جملہ اگرچہ نکرہ ہے مگر اس میں مندوب متعین اور مشہور ہے لہذا یہ بھی اس میں داخل ہے اسلئے کہ یہ ضروری نہیں کہ مندوب کا نام ہی لیا جائے بلکہ اس کا وصف مشہور یا کنیت یا لقب وغیرہ سے بھی ندبہ کیا جا سکتا ہے واللہ اعلم ۔ ٥ قولہ وامتنع الخ اس جگہ الحاق الالف الخ

جاز مثل یا امیر المؤمنیناہ ولم یجز مثل وا زید الطویلاہ خلافا
لیونس[۵۱] فانہ یجوز الحاق الالف باٰخر الصفۃ فان اتصال
الموصوف بالصفۃ وان کان فی اللفظ انقص من الاتصال
بین المضاف والمضاف الیہ الا انہ اتم منہ من جہۃ المعنے
لاتحادہما بالذات فان الطویل ہو زیدا غیر بخلاف المضاف
والمضاف الیہ فانہما متغایران وحکی[۵۲] یونس ان رجلا ضاع لہ
قدحان فقال واجمجمتی الشامیتیناہ والجمجمۃ القدح ویجوز لقیام
قرینۃ حذف حرف النداء الا اذا کان متقارنا مع اسم الجنس و
یعنی بہ ما کان نکرۃ قبل النداء سواء تعرف بالنداء کیا رجل اولم

(بقیہ ص۶۵) اور وازیدالطویلاہ اور واعمر الکریماہ نہیں کہہ سکتے بلکہ ضروری ہوگا کہ علامت ندبہ کا الحاق موصوف کے ساتھ کرکے
وازیداہ الطویلا واعمراہ الکریم کہیں پھر چونکہ مضاف الیہ کا تعلق اپنے مضاف کے ساتھ کالجزء ہوتا ہے لہذا مضاف الیہ پر
علامت ندبہ داخل کرنا جائز ہوگا جیسے یا امیر المؤمنیناہ وغیرہ واللہ اعلم ۵۱ قولہ خلافا لیونس الخ یونس نحوی اس میں اختلاف
کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صفت
کے آخر میں علامت مندوب کا
الحاق جائز ہے اور دلیل یہ پیش
کرتے ہیں کہ صفت کا اتصال
موصوف کے ساتھ اگرچہ مضاف
الیہ اور مضاف کے اتصال سے
کم ہے لیکن موصوف و صفت
کا اتصال اس اعتبار سے اتم
اور اکمل ہے کہ دونوں معنی کے
اعتبار سے متحد بالذات ہیں
اس لئے کہ طویل زید ہے کوئی
دوسرا نہیں بخلاف مضاف و
مضاف الیہ کے کہ دونوں آپس
میں بالذات متغایر ہیں یعنی
مضاف کچھ اور ہوتا ہے اور
مضاف الیہ کچھ اور نیز دونوں
ایک دوسرے پر صادق نہیں
آسکتے جیسے غلام رجل کہ اس
میں غلام اور رجل دونوں دو
جدا جدا چیزیں ہیں متحد بالذات
نہیں حاصل یہ ہوا کہ جب علامت
ندبہ کا الحاق مضاف الیہ کے آخر
میں مضاف و مضاف الیہ کے
تغایر کے باوجود جائز ہے تو
اس کا الحاق صفت کے آخر
میں جو کہ عین موصوف ہے بدرجہ
اولیٰ جائز ہوگا اب رہی یہ بات
کہ موصوف و صفۃ کا اتصال
انقص کیوں ہے؟ تو اس کی
وجہ یہ ہے کہ موصوف اپنی صفت
کے بغیر بھی تمام ہوتا ہے لہذا
صفت کی ضرورت کم پیش آتی ہے تخصیص یا توضیح کیلئے اس کو لے آتے ہیں ایسے ہی صفۃ اپنے موصوف کے قائم مقام
نہیں بن سکتی بخلاف مضاف الیہ کے کہ وہ مضاف کے قائم مقام بن سکتا ہے واللہ اعلم ۵۲ قولہ وحکی یونس الخ یہ یونس کا
اپنے دعوی پر دوسرا استدلال ہے کہ ایک اعرابی (دیہقانی) کے دو پیالے گم ہو گئے تھے تو اس نے واجمجمتی م

م الشامیتیناہ کہا جمجمہ لکڑی کے پیالے کو کہتے ہیں ترجمہ یہ ہوا ہائے میرے شامی
دو پیالے شامی یعنی شام کے بنے ہوئے پس معلوم ہوا کہ علامت ندبہ کا الحاق صفت
کے ساتھ جائز ہے اس کا جواب جمہور یعنی مخالفین یونس کی جانب سے یہ دیا جاتا
ہے کہ اعرابی کا یہ قول شاذ اور غیر فصیح ہے لہذا قابل استدلال اور لائق اعتبار نہیں ہوگا
واللہ اعلم ۵۳ قولہ ویجوز الخ یعنی قیام قرینہ کے وقت حرف ندا کا حذف کرنا منادیٰ
سے جائز ہے لیکن یہ حذف صرف یا کے ہی ساتھ خاص ہے کیونکہ یہی زیادہ
مشہور اور کثیر الاستعمال ہے کہ قریب اور بعید و متوسط سب میں استعمال کی جاتی ہے
بخلاف غیر یا کے کہ چونکہ ان کا استعمال خاص ہے لہذا ان کا حذف جائز نہ ہوگا مگر
حذف یا بھی اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ یا اسم جنس۔ اسم اشارہ مستغاث اور مندوب سے

(باقی بر ص۷)

(بقیہ صفحہ ۶۹) مقارن نہ ہو اگر ان میں سے کسی ایک سے بھی مقارن ہوگی تو یا کا حذف جائز نہ ہوگا اسم جنس سے مراد یہ ہے کہ وہ قبل النداء نکرہ ہو عام ازیں کہ ندا کے بعد معرفہ ہو گیا ہو جیسے یا رجل۔ یا معرفہ نہ ہوا ہو نکرہ ہی رہا ہو جیسے یا رجلاً پس اس میں سے عدم حذف یاء کی وجہ یہ ہے کہ اسم جنس کی ندا معرفہ یعنی علم کی ندا کی طرح کثیر الاستعمال نہیں پس اگر اسم جنس سے حرف ندا کو حذف کر دیا جائے گا تو سامع کا ذہن اس کے منادی ہونے کی طرف سبقت نہیں کریگا اور جب سامع کا ذہن سبقت نہیں کریگا تو ندا کا مقصود یعنی منادی کا متنبہ کی طرف متوجہ ہونا حاصل نہیں ہوگا لہذا اس سے حرف ندا کو حذف نہیں کریں گے واللہ اعلم ۱؎ قولہ والاشارۃ الخ ایسے ہی جب منادی اسم اشارہ ہو تو اس سے بھی حرف ندا کا حذف جائز نہ ہوگا اس لئے کہ یہ بھی ابہام میں اسم جنس کی طرح ہے یعنی جس طرح اسم جنس مثلاً رجل ہر مرد پر صادق آتا ہے کسی شخص کی تعیین نہیں ہوتی اسی طرح حذف ندا کے ساتھ مطلق ندا کہنے سے کسی شخص کی تعیین نہیں ہوگی لہذا یا ہذا کہنا ضروری ہے تاکہ مشارٌ الیہ متعین ہو جائے واللہ اعلم ۲؎ قولہ والمستغاث الخ علی ہذا القیاس مستغاث اور مندوب سے بھی حذف حرف ندا نا جائز ہی اسلئے کہ ان دونوں میں مطلوب درازی صوت اور تطویل کلام ہوتی ہے اور حذف ان دونوں کے منافی ہے لہذا ان کے شروع سے بھی حرف ندا کو حذف نہیں کریں گے تاکہ مقصود اصلی فوت نہ ہو جائے واللہ اعلم ۳؎ قولہ فیبقی الخ پس جب حذف حرف

یتعرف مثل یا رجلا لان نداءه لم یکثر کثرة نداء العلم فلو حذف منه حرف النداء لم یسبق الذهن الی انه منادی والاشارة ای والا مع اسم الاشارة لانه کاسم الجنس فی الابهام والمستغاث والمندوب لان المطلوب فیهما مد الصوت وتطویل الکلام والحذف ینافیه فیبقی علی هذا من المعارف التی یجوز فیها حذف حرف النداء العلم سواء کان مع بدل عن حرف النداء کلفظة الله فانه لا یحذف منه الا مع ابدال المیم المشددة منه نحو اللهم او بغیر بدل نحو یوسف اعرض عن هذا ای یا یوسف ولفظة ای اذا وصف

حذف کیا جاتا ہے تو اس کے بدلہ میں میم مشدّد لانا ضروری ہوتا ہے ورنہ حذف جائز نہیں ہوتا اور حذف حرف ندا غیر بدل کی مثال یہ ہے جیسے قول باری تعالےٰ یُوسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ای یا یوسف اس پر یہ قرینہ دلالت کر رہا ہے کہ یہ مقام مقام خطاب ہے۔ (فائدہ) اس تعمیم کی ضرورت کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ یہ سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ لفظ اللہ سے بھی حذف حرف ندا نا جائز ہے اسلئے کہ یہ حذف اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کا عوض میم مشدّد نہ لایا جائے لہذا مصنف کی عبارت قاصر اور غیر تام ہے مصنف کو مستثنیات میں لفظ اللہ کو بھی شمار کرنا چاہیے تھا جواب ظاہر ہے کہ حذف کسی صورت سے ہے تو سہی خواہ عوض کے ساتھ ہو یا بغیر عوض کے لہذا اس کے استثناء کی ضرورت نہیں واللہ اعلم ۵؎ قولہ ولفظۃ ای الخ دوسرا لفظ ای ہے کہ جس سے حذف حرف ندا جائز ہے ای معرفہ اس وجہ سے ہوگا کہ معرف باللام کی صفت واقع ہو رہا ہے پس جب اس کی صفت۔ (باقی بر صفحہ)

ندا سے اسم جنس۔ اشارہ۔ مستغاث اور مندوب خارج ہو گئے تو اب ان معرفوں میں سے کہ جن میں حذف حرف ندا جائز ہے گنے چنے چند باقی رہ گئے جن میں سے ایک علم ہے (دوسرے آگے آتے ہیں) پھر علم میں تعمیم ہے عام ازیں کہ حذف حرف ندا کے بدلہ میں علم پر کچھ داخل کیا گیا ہو یا نہ پس بدلہ کی مثال یہ ہے جیسے اللّٰھُمَّ اس لئے کہ لفظ اللہ سے جب حرف ندا کو

(بقیہ صفحہ) معرف باللام یا ایسے لفظ کے ساتھ لائی جائے جو معرف باللام کا موصوف ہے یعنی معرف باللام اس کی صفت ہے تو حذف حرف ندا جائز ہوگا جیسے ایہا الرجل کہ اس کی اصل یا ایہا الرجل تھی اس میں ای کی صفت معرف باللام لائی گئی ہے اس لئے حرف ندا حذف کر دیا گیا اور جیسے ایہذا الرجل کہ یہ بھی اصل میں یا ایہذا الرجل تھا اس میں ای ایسے لفظ کے ساتھ متصف ہے کہ جس کی صفت معرف باللام لائی گئی ہے یعنی لفظ ہذا موصوف ہے اور اس کی صفت معرف باللام الرجل ہے اور ای ہذا الرجل کا موصوف واقع ہو رہا ہے پس جب تک ہذا کو معرف باللام کے ساتھ متصف نہیں کیا جائے گا اس وقت تک ایہذا سے حرف ندا کا حذف جائز نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہذا اسم اشارہ ہے اور اسم اشارہ سے حرف ندا کا حذف جائز نہیں جب تک کہ مشار الیہ متعین نہ ہو جائے تب یہ معرفہ ہوگا ورنہ تعیین مشار الیہ کے بغیر نکرہ ہی رہے گا۔ یہی حال ای کا بھی ہے کہ جب اس کی صفت معرفہ لائی جاتی ہے تو یہ بھی معرفہ ہو جاتا ہے پس ان دونوں کی تعریف کے لئے ضروری ہے کہ معرف باللام کو ذکر کیا جائے جبکہ حرف ندا کے حذف کا ارادہ کیا جائے واللہ اعلم ۱۲ ف قولہ والمضاف الخ تیسرا معرفہ کہ جس کے شروع سے حذف حرف ندا جائز ہے ہر وہ نکرہ مضاف ہے جو کسی معرفہ کی طرف مضاف ہو کیونکہ اس صورت میں نکرہ معرفہ ہو جائے گا لہذا اس کا بھی حسب سابق حکم ہوگا جیسے غلامُ زیدٍ افعَل ای یا غلامُ زیدٍ افعَل کہ یہاں افعل قرینۂ خطاب موجود ہے لہذا اس سے بھی حرف ندا حذف کر دیا گیا اور موصولات سے بھی یہ حذف جائز ہے جیسے مَن لایزال مُحسِناً اَحسِن اِلَیَّ ای یا من لایزال الخ یعنی وہ شخص جو ہمیشہ احسان کرتا رہتا ہے مجھ پر بھی احسان کر اس پر بھی قرینہ احسِنْ فعل امر حاضر یعنی خطاب ہے دوسرے لفظوں میں اس کو یوں کہہ لیجئے کہ اگر اس جگہ حرف ندا محذوف نہیں مانیں گے من لایزال محسناً کو مبتدا اور احسن الیَّ کو اس کی

بذی اللام نحو ایہا الرجل ای یا ایہا الرجل او بالموصوف بذی اللام نحو ایہذا الرجل ای یا ایہذا الرجل فلا یجوز الحذف من ایہذا من غیر ان یتصف ہذا بذی اللام والمضاف الیٰ ای معرفۃ کانت نحو غلام زیدٍ افعل کذا والموصولات نحو من لایزال محسناً احسن الیَّ واما المضمرات فشذ نداؤہا نحو یا انت و یا ایاک وشذ حذف حرف النداء من اسم الجنس فی اصبح لیلُ ای صر صبحا یا لیل حذف حرف النداء من اللیل مع انہ اسم جنس شذوذاً

بقرینۃ ان صورۃ ایہا و ایہذا المختص بالنداء ۱۲ عب

خبر قرار دیں گے اور یہ درست نہیں اسلئے کہ خبر انشاء ہے اور انشاء کو بلا تاویل خبر بنانا درست نہیں ہوتا پس معلوم ہوا کہ مَن سے پیشتر حرف ندا محذوف ہے یہی توجیہ یوسف اعرض عن ھذا اور غلامُ زیدٍ افعَل میں بھی چل سکتی ہے اب سوال پیدا ہوا کہ جب موصولات معرفہ ہونے کے باعث اس حکم میں داخل ہیں تو مضمرات بھی تو معرفہ ہیں پس ان سے پیشتر بھی حرف ندا کو حذف کرنا چاہیئے تو شارح نے واما المضمرات الخ سے جواب دیا کہ مضمرات کی ندا بہت کم ہوتی ہے اس لئے ان سے حرف ندا کو حذف نہیں کریں گے پس جب اس کی ندا ہی شاذ ہے تو حرف ندا کا حذف ہی کیسے جائز ہوگا جیسے یا انت اور یا ایاک یہ اسی حال پر رہیں گے واللہ اعلم ۱۲ ف قولہ شذ الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال کی یہ ہے کہ مصنف کے کلام سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسم جنس سے حرف ندا کا حذف کرنا جائز نہیں اور کلام عرب میں اس کے خلاف پایا جاتا ہے (جیسا کہ امثلۂ آئندہ میں اسم جنس سے حرف ندا کو حذف کر دیا گیا ہے) پس مصنف کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ مصنف نے جواب دیا کہ اسم جنس سے حرف ندا کا حذف کرنا شاذ ہے اور شاذ کالمعدوم ہوتا ہے لہذا یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں اس کی چند مثالیں ہیں۔

باقی بر صفحہ ۷۲

(بقیہ صلہ) جہاں اسم جنس سے حرف ندا کو حذف کر دیا گیا ہے مثلاً اِصبِح لَیلُ اصل میں اِصبِح یا لیلُ تھا یعنی اے رات تو صبح ہو جا پس اسجگہ لیل سے حرف ندا کو حذف کر دیا گیا باوجود اس بات کے کہ یہ اسم جنس ہے پس یہ حذف بطور شذوذ کے ہے قیاس کے مطابق نہیں لہذا قابل اعتراض نہیں یہ جملہ امرأ القیس کی بیوی نے اس کی بعض ناشائستہ حرکات سے متنفر ہو کر کہا تھا اس کے متعلق واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ امرأ القیس نے کسی عرب دوشیزہ سے اپنے آپ کو عرب ظاہر کرتے ہوئے شادی کر لی جب زفاف کا وقت آیا تو اسنے اپنی بیوی سے چراغ بجھانے کے متعلق أطفی السراج کے بجائے أقتُلی السراج کہدیا اس پر اس نے امرأ القیس کو عجمی سمجھتے ہوئے اِصبِح لَیلُ۔ اِصبِح لیلُ کہنا شروع کر دیا مگر یہ واقعہ غلط معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ ایک شخص جو کہ اشعر الشعراء اور ملک الشعراء کا خطاب دیا گیا ہو اور فصاحت وبلاغت میں جس کو افصح العرب تسلیم کیا جا چکا ہو اس سے یہ امید نہیں کہ وہ اس قسم کی غلطی کا ارتکاب کریگا اور اس کی اہلیہ یہ سن کر تمام رات روتی اور اصبح لیل کہتی رہے گی بلکہ اس کا باعث یہ ہے کہ اس کی زوجہ اس کی صحبت سے متنفر ہو گئی تھی اور سبب اس تنفر کا امرأ القیس کی بعض نازیبا ونامناسب عادات تھیں نہ کہ اس کا عجمی ہونا۔ اس جگہ شارح نے اصبح لیل کی شرح ای صر صبحاً سے کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اصبح صار کے معنے میں ہے والله اعلم ۱۲ ۵ قولہ افتد مخنوق الخ افتد مخنوق اصل میں افتد یا مخنوق تھا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ سلیک بن سلکہ چت لیٹا ہوا سو رہا تھا ایک شخص سارق اس کے پاس سے گذرا اور اس کا گلا گھونٹ کر کہنے لگا افتد مخنوق یعنی اے مخنوق (گلا گھونٹے ہوئے) فدیہ دے تاکہ میں تجھکو چھوڑ دوں پس اس میں مخنوق سے حرف ندا کو حذف کر دیا گیا باوجودیکہ وہ اسم جنس ہے پس یہ بھی بطور شذوذ کے ہے والله اعلم ۱۲ ۶ قولہ اطرق کرا الخ اَطرِق کرا اصل میں اَطرِق یا کروان

قالتہ امرأۃ امرئ القیس حین کرہتہ وفی افتد مخنوق ای یا مخنوق قالہ شخص وقع فی اللیل علی نائم مستلق فخنقہ وقال افتد مخنوق حذف حرف الندا عن المخنوق مع انہ اسم جنس شذوذاً وفی اطرق کرا ای یا کروان وفیہ شذوذان حذف حرف الندا من اسم الجنس وترخیم غیر العلم قیل ہی رقیۃ یصیدون بہا الکروان ویقولون اطرق کرا اطرق کرا ان النعامۃ فی القری فیسکن ویطرق حتی یصاد والمعنی ان النعامۃ الذی ہو اکبر منک قد اصطید وحمل الی القری فلا تخلی ایضا وقد یحذف المنادی لقیام قرینۃ

(وہو سارق ۱۲) (التاء فیہ لیس للتانیث ۱۲) (تخلیہ رہا کردن ۱۲)

تھا اس میں بجائے ایک کے دو شذوذ پائے جاتے ہیں ایک اسم جنس سے حرف ندا کا حذف ہونا دوم غیر علم کی ترخیم لہذا یہ بھی باعث اعتراض نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ منتر ہے اور اس سے کروان یعنی کلنگ کا شکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں اطرق کرا اطرق کرا اِنَّ النَّعامۃَ فی القُری ترجمہ اے کروان تو اپنے سر کو جھکائے تحقیق شتر مرغ کہ جو تجھ سے بڑا ہے شکار کر لیا گیا اور گاؤں میں پہنچا دیا گیا ہے (پس تو ہی کب چھوٹ کر جا سکتا ہے) کہتے ہیں کہ یہ سن کر وہ ٹھہر جاتا ہے اور گردن جھکا دیتا ہے حتی کہ شکار کر لیا جاتا ہے کروان کی جمع کروان اور کرا دین آتی ہے نعامہ بفتح النون شتر مرغ کو کہتے ہیں والله اعلم ۱۲ ۷ قولہ وقد یحذف الخ کبھی منادی کو قیام قرینہ کے وقت حذف بھی کرنا جائز ہے جیسے الا یا اسجدوا۔ شارح کہتے ہیں کہ الا ہمزہ مفتوحہ اور لام کی تخفیف کے ساتھ حرف تنبیہ ہے اور یا حرف ندا ہے پس تقدیر عبارت یہ ہوگی ای الا یا قوم اسجُدوا اور قرینہ حذف منادی کے اوپر یہ ہے کہ اسجُدوا فعل پر حرف ندا داخل ہو رہا ہے اور یہ ممتنع ہے اس لئے کہ ندا حرف اسم کا خاصہ ہے اور خاصہ کا مطلب یہ ہے کہ جس کے لئے خاصہ اسکے سوا اور میں نہ پایا جائے۔ (باقی بر صفحہ ۷۳)

(بقیہ صـ۷۲) پس پتہ چلا کہ یا کا مدخول یعنی منادیٰ محذوف ہے بخلاف اسکے کہ الا اس کو بتشدید اللام الا یسجدوا پڑھیں تو یہ اس وقت ہماری بحث سے خارج ہوگا اسلئے کہ یہ اس باب سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس وقت میں اَن مصدریہ ناصب مضارع ہوگا پھر نون کو قریب المخرج ہونے کے باعث لام سے تبدیل کرکے لام کا لام میں ادغام کردیا گیا الا ہوگیا اور یسجدوا فعل مضارع معروف ہوگا اور اس کا نون جمع اَن ناصبہ کے باعث حذف ہوجائے گا الا یسجدوا ہوجائیگا واللہ اعلم ۱ے قولہ الثالث الخ جن مواضع میں سے مفعول بہ کے فعل ناصب کو حذف کرنا واجب ہے ان میں سے دو کا بیان ہوچکا ہے تیسرا موضع ان مواضع میں ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر ہے ما سے مراد مفعول بہ ہے اس لئے کہ اسی کی بحث ہے اور اضمر قُدّر یعنی پوشیدہ کیا گیا کے معنے میں ہے اور عامل سے مراد عامل ناصب یعنی وہ فعل جس کے باعث مفعول بہ کو نصب آتا ہو مطلب یہ ہے کہ تیسرا موضع وہ ہے کہ جہاں مفعول بہ کے عامل کو اس شرط پر حذف کیا گیا ہو کہ اس کے عامل کی تفسیر آگے آرہی ہے شریطہ اور شرط دونوں مترادف ہیں اور شریطہ کی اضافت تفسیر کی طرف بیانیہ ہے اور علی شریطہ میں علی بنائیہ ہے پس عبارت یوں ہوگی بناءً علی شریطۃٍ ہی تفسیرہٗ ای تفسیر العامل بما بعدہ یعنی عامل کی تفسیر مابعد میں آرہی ہے پھر عامل کا حذف اس جگہ اس لئے واجب ہوگیا کہ اگر حذف نہیں کرتے ہیں تو مفسَّر اور مفسِّر دونوں کا اجتماع لازم آتا ہے اور وہ علی الاطلاق جائز نہیں اضافت بیانیہ کا مطلب یہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں معنیً متغایر نہ ہوں متحد ہوں یعنی جو مضاف ہو وہی مضاف الیہ ہو پس اس قسم کی اضافت سے مضاف کی توضیح و تشریح مطلوب ہوتی ہے واللہ اعلم ۵۲ قولہ وہو ای الخ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر اس اسم کو کہتے ہیں کہ جس کے بعد کوئی ایسا فعل یا شبہ فعل مذکور ہو کہ وہ اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے

جوازاً نحو الا یا اسجدوا بتخفیف الا علی انہ حرف تنبیہ و یا حرف
النداء ای یا قوم اسجدوا والقرینۃ امتناع دخول یا علی الفعل
بخلاف قراءۃ الا یسجدوا بتشدید اللام لانہ لیس من ہذا الباب
فان ان حینئذ ناصبۃ للمضارع ادغمت نونہا فی لام لا و یسجدوا
فعل مضارع سقط نونہ بالنصب الثالث من تلک المواضع
(مرفوع مبتدا او ما رفع فی بعض النسخ والثالث)
الاربعۃ التی وجب حذف ناصب المفعول بہ فیہا ما ای
مفعول بہ اضمر ای قدر عاملہ الناصب لہ علی شریطۃ التفسیر
(ای لموضع مفعول ۲ اح)
الشریطۃ والشرط واحد واضافتہا الی التفسیر بیانیۃ ای ما اضمر
(وفی بعض النسخ بمعنیٰ واحد ۱۲)
عاملہ بناءً علی شرط ہو تفسیرہ ای تفسیر العامل بما بعدہ وانما
(اشار بہ الی ان کلمۃ علی بنائیۃ ۱۲ غب)
وجب حذفہ حینئذ احترازاً عن الجمع بین المفسَّر والمفسِّر وہو ای
ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کل اسم بعدہ فعل او شبہہ
احترز بہ عن نحو زید ابوک ولا یرید بہ ان یلیہ الفعل او شبہہ متصلا
(ای بقولہ بعدہ فعل او شبہہ ۱۲ غب — حال ۱۲)

اس اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرتا ہو اور اگر اس فعل یا شبہ فعل کو یا اس کے مناسب کو اس اسم پر مسلط کردیں یعنی ضمیر اسم یا اس کے متعلق کو حذف کرکے فعل یا شبہ فعل یا اس کے مناسب کا اس اسم کو معمول بنائیں تو وہ اس اسم کو نصب دیدے اس جگہ تعریف میں فعل یا شبہ فعل کہنے سے وہ اسم خارج ہوگیا کہ جس کے بعد فعل یا شبہ فعل نہیں جیسے زیدٌ ابوک۔ (باقی بر صـ۷۴)

(بقیہ صفحہ ۷۳) اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعریف سے زیداً عمروٌ ضربہٗ اور زیداً انت ضاربہٗ نکل جاتے ہیں اسلئے کہ دونوں مثالوں میں زید کے بعد فعل یا شبہ فعل مذکور نہیں بلکہ اسم مذکور ہے حالانکہ یہ از قبیل ما اضمر عاملہٗ علی شریطۃ التفسیر ہے شارح اس کا جواب ولا برید بہ الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اسم کے بعد فعل یا شبہ فعل ہونے کا مطلب یہ نہیں جو معترض نے سمجھا ہے کہ اسم کے بعد فعل یا شبہ فعل متصلاً ذکر کیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل اس کلام کا جزء ہو جو اسم کے بعد مذکور ہے اور اس میں شک نہیں کہ دونوں مثالوں میں زید اسم کے بعد عمروٌ اور انت کا فعل یا شبہ فعل جزء ہے اسلئے کہ مثال اول میں عمروٌ مبتدا ہوگا اور ضربہٗ اس کی خبر ایسے ہی مثال ثانی میں انت مبتدا ہوگا اور ضاربہٗ شبہ فعل اس کی خبر اور یہ ظاہر ہے کہ مبتدا و خبر دونوں ایک دوسرے کے لئے جزء کی حیثیت رکھتے ہیں پس لامحالہ فعل اور شبہ فعل عمروٌ اور انت کے جزء واقع ہونگے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں اور یہ دونوں مثالیں باب ما اضمر عاملہٗ میں داخل ہیں پس اول کی تقدیر عبارت تو یہ ہے ضرب زیداً عمروٌ ضربہٗ اور ثانی کی انت ضارب زیداً انت ضاربہٗ واللہ اعلم

سلہ قولہ مشتغل الخ اشتغال کا صلہ جب عن آتا ہے تو اس کے معنے اعراض اور فارغ ہونے کے آتے ہیں پس یہاں بھی اس کے معنے اعراض کے ہونگے یعنی وہ فعل یا شبہ فعل اسم میں عمل کرنے سے اعراض کرتا ہو اس وجہ سے کہ وہ فعل یا شبہ فعل اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کر رہا ہو اور پھر متعلق عام ہے اسم کا متعلق ہو یا ضمیر کا۔ مشتغل کے بعد شارح نے ذلک الفعل او شبہہ کے اضافہ سے راجع اور مرجع کے درمیان مطابقت پیدا کردی کیونکہ فعل یا شبہ فعل تثنیہ ہیں اور مشتغلٌ واحد پس اس سے معلوم ہوگیا تو دونوں یکلخت کی کا مرجع نہیں بلکہ احد الامرین ہیں اب اعتراض وارد ہوا کہ اعراض اور فراغ عمل سے ہوا کرتا ہے نہ کہ اسم سے اور قولہ

بہ بل ان یکون الفعل او شبہہ جزء الکلام الذی بعدہ نحو زیداً عمروٌ ضربہٗ و زیداً انت ضاربہٗ مشتغلٌ ذلک الفعل او شبہہ عنہ ای عن العمل فی ذلک الاسم بضمیرہٖ ای بالعمل فی ضمیرہٖ او فی متعلقہ ای متعلق ذلک الاسم او متعلق ضمیرہٖ وحاصلہ ان یکون الفعل او شبہہ مشتغلا بالعمل فی ضمیر ذلک الاسم او متعلقہ فارغاً عن العمل فیہ بسبب ذلک الاشتغال لا بسبب آخر

عنہ اور قولہ بضمیرہٖ کی ضمیر مجرور اسم کی طرف راجع ہے پس یہ غلط ہے شارح نے عنہ کے بعد ای عن العمل فی الاسم اور بضمیرہٖ کے بعد ای بالعمل فی ضمیرہٖ سے یہ جواب دیا کہ ان دونوں کا مرجع عمل ہی ہے اور اسم کو اس کا مرجع قرار دینا ادنی ملابست کی وجہ سے ہے اس لئے کہ اسم ہی میں عمل کا اثر ظاہر ہوا کرتا ہے واللہ اعلم ۲ قولہ وحاصلہ الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ اشتغال تین حال سے خالی نہیں یا تو اس کے معنی حقیقی مراد ہوں گے یا مجازی یا دونوں اگر حقیقی مراد ہیں تو تب اس کا صلہ بضمیرہٖ پر بار لانا درست ہے لیکن عن صلہ لانا درست نہیں اور اگر معنے مجازی مقصود ہیں تو عن صلہ لانا درست ہے بار درست نہیں اور اگر دونوں مراد ہیں تو حقیقۃ و مجاز کا اجتماع لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے شارح نے جواب دیا کہ اس جگہ اشتغال سے مراد معنے حقیقی ہیں اور کلمہ عن اشتغال کا صلہ نہیں بلکہ اشتغال سے فراغت حاصل ہوتی ہے اس کا صلہ ہے پس اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی مشتغل بضمیرہٖ حال کونہ فارغاً عن العمل فی ذلک الاسم یہی حاصل شارح کی عبارت کا بھی ہے یعنی بار اشتغال کا صلہ ہو جائے گی اور عن فراغ کا پس شارح کہتے ہیں کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل اسم یا اس کے متعلق کی ضمیر میں عمل کرنے کے ساتھ مشغول ہو (باقی بر صفحہ ۷۵)

(بقیہ صفحہ) اور اس مشغولیت کی وجہ سے نہ کہ سبب آخر سے اسم میں عمل کرنے سے فارغ ہو یعنی اعراض کر رہا ہو اور عمل نہ کرتا ہو بہر حال خواہ یہ توجیہ اعتراض سے بچنے کیلئے اختیار کرلی جائے یا عن کو بلا کسی جھجک کے مشتغل کا صلہ قرار دیدیا جائے تو دونوں صورتوں کا مآل ایک ہی نکلے گا جیسا کہ قولہ مشتغل کے ذیل میں گذرا واللہ اعلم ۱۲ قولہ بحیث الخ اس کے اضافہ سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قول مصنف لو سُلِّطَ الخ جملہ شرطیہ قید احترازی ہے جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا اور بمجرد رفع الاشتغال کے اضافہ کی وجہ شارح نے آگے چل کر خود بیان کی ہے اور ہو کے بعد احد الامرین الخ کا اضافہ اس امر کی طرف مشیر ہے کہ راجع اور مرجع میں مطابقت ہو جائے یعنی ضمیر ہو فعل اور شبہ فعل دونوں کی طرف راجع نہیں کہ عدم مطابقت کا الزام عائد ہو بلکہ دونوں میں سے ایک کی طرف راجع ہے۔ رہا بعینہ کا اضافہ تو اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل کا تقابل او مناسبہ سے درست ہو جائے یعنی فعل یا شبہ فعل اور مناسبہ میں مغایرت ہے اتحاد نہیں پھر مناسبہ کی تفسیر شارح نے ای ماینا سبہ الخ سے کرکے اس کی مغایرت کو واضح کردیا مثلاً مررتُ کے مغایر مترادف جاوزتُ ہے مطلب اس تمام عبارت کا یہ ہوا کہ اگر وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم پر مسلط کردیا جائے تو وہ اس اسم کو مفعولیت کی بناپر نصب دیدے جیسا کہ یہ ظاہر و باہر ہے واللہ اعلم ۱۲ قولہ فبتقیید الخ یہاں سے شارح علیہ الرحمۃ قیود کا فائدہ بیان فرمارہے ہیں کہتے ہیں کہ جب تعریف میں اشتغال بالضمیر اور متعلقہ کی قید لگائی گئی تو اس سے زیداً ضربتُ خارج ہوگیا اسلئے کہ اس میں فعل ضمیر اسم یا اس کے متعلق کے ساتھ مشغول نہیں ہے بلکہ سرے سے ضمیر ہی موجود نہیں کہ جس کے ساتھ یہ مشغول ہوسکتا اور فراغ عن العمل فیہ بمجرد ذلک الاشتغال کی قید سے زیدٌ ضربتہ

بحیث لو سُلِّطَ بمجرد رفع ذلک الاشتغال علیہ ای علیٰ ذلک الاسم ہو ای احد الامرین الفعل او شبہہ بعینہ او مناسبہ ای ماینا سبہ بالترادف او اللزوم لنصبہ ای لنصب احد ہذین الامرین الاسم بالمفعولیۃ کما ہو الظ المتبادر فبتقیید الاشتغال بالضمیر او متعلقہ خرج نحو زیداً ضربتُ وبتقیید الفراغ عن العمل فیہ بمجرد ذلک الاشتغال خرج نحو زیدٌ ضربتہ فان المانع عن عمل ضربتہ فی زیدٌ لیس مجرد اشتغالہ بالضمیر فان عمل معنی الابتداء فیہ ورفعہ ایاہ ایضا مانعٌ عن ذلک وبتقیید النصب بالمفعولیۃ خرج خبر کان فی نحو زیداً کنت

(التسلیط بر کدام ستن برچیز ۱۲ — فعل ۱۲ — اسم ۱۲ — خبران ۱۲)

خارج ہوگیا اس لئے کہ اس جگہ زید میں ضربتہ کے عمل سے محض فعل کا اشتغال ضمیر اسم کے ساتھ ہی مانع نہیں بلکہ زید میں ابتدائیت اور اس کا رفع بھی فعل کے عمل کرنے سے مانع ہی اس لئے کہ زید میں دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ مبتدا واقع ہو رہا ہے اور اس وجہ سے مرفوع ہے لہذا ضربتُ فعل اس میں عمل نہیں کرسکتا دوسرے یہ کہ فعل ضمیر اسم کے ساتھ عمل میں مشغول ہے اور زید میں عمل سے فارغ ہے پس اگر زید پر فعل کو مسلط کرتے ہیں تو فعل اس کو نصب دیدیگا پس اس میں صرف اشتغال فعل بالضمیر ہی مانع نہیں رہا بلکہ زید کی ابتدائیت بھی فعل کے عمل سے اس میں مانع ہوگئی یہ اس تعریف سے خارج ہے اور قید نصب بالمفعولیۃ سے کان کی خبر خارج ہوگئی جیسے زیداً کنتُ ایاہ میں اسلئے کہ زیداً اگرچہ اس باب میں داخل ہی اسلئے کہ اس کی تقدیر کنتُ زیداً کنت ایاہ ہی لیکن چونکہ اس کا نصب مفعولیۃ کی بناپر نہیں بلکہ کان کی خبر ہونے کی بناپر ہے لہذا یہ تعریف سے خارج ہی واللہ اعلم

ایاہ وہہنا صور اربع احدہا اشتغال الفعل بالضمیر مع تقدیر تسلیطہ بعینہ والثانیۃ اشتغالہ بالضمیر مع تقدیر تسلیط ماینا سب الفعل علی الاسم بالترادف والثالثۃ اشتغال الفعل بالضمیر مع تقدیر تسلیط ماینا سب الفعل باللزوم و

(حاشیہ بین السطور: ای بسبب کونہ مرادفا للفعل المذکور ۱۲ ح)

مسلط کرتے ہیں تو غلام زید کی ضرب سے زید کی ضرب لازم آتی ہے مثلاً ہم نے کہا زیداً ضربتُ غلامہ تو اس جگہ اگر ضربتُ فعل کو بعینہ اسم زید پر مسلط کرتے ہیں تو عبارت یوں ہوگی ضربتُ زیداً ضربتُ غلامہ اور یہ ظاہر ہے کہ اس سے ضرب زید لازم آرہی ہے اور مقصود ہے غلام زید کی ضرب پس بعینہ کو اس وجہ سے مسلط نہیں کر سکتے اب رہا مناسب فعل میں مناسب مرادف تو غلام زید کا کوئی مرادف ہے نہیں جس کو اس پر مسلط کر سکیں اور اگر کرینگے بھی تو وہی اعتراض وارد ہوگا جو بعینہ میں ہے لہذا اب ایک صورت اس کی رہ گئی یعنی اس اسم پر فعل کے مناسب لازم کو مسلط کریں گے کما سیجیئ دو صورتیں اس میں سے منتفی ہوگئیں بعینہ یہی دو صورتیں شبہ فعل کی مثال میں نکلیں گی یعنی زیداً ضاربٌ غلامہ میں پس دو اس میں سے منتفی ہوجائیں گی تو بارہ میں چار خارج ہوکر آٹھ باقی رہ جائینگی جو حسب ذیل ہیں۔ (۱) فعل ضمیر اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اسم میں عمل نہ کرے اور بعینہ فعل کو اسم پر مسلط کیا جائے جیسے زیداً ضربتہٗ ای ضربتُ زیداً ضربتہٗ۔ (۲) بعینہ فعل کے بجائے اس کے مناسب مرادف کو مسلط کریں جیسے زیداً مررتُ بہ ای جاوزتُ زیداً مررتُ بہ۔ (۳) لازم مناسب فعل کو مسلط کیا جائے جیسے زیداً ضربتہٗ ای اہنتُ زیداً ضربتہٗ۔ (۴) شبہ فعل ضمیر اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرے اور بعینہ شبہ فعل کو اس اسم پر مسلط کیا جائے جیسے زیداً انا ضاربُہٗ ای انا ضاربٌ زیداً انا ضاربُہٗ۔ (۵) شبہ فعل مناسب مرادف کو اس اسم پر مسلط کریں جیسے زیداً انا مارٌّ بہ ای انا مجاوزٌ زیداً انا مارٌّ بہ۔ (۶) شبہ فعل مناسب لازم کو اس اسم پر مسلط کیا جائے جیسے زیداً انا مجلوسٌ علیہ ای انا ملابسٌ زیداً مجلوسٌ علیہ۔ (۷) فعل متعلق اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اسم میں عمل کرنے سے اعراض کرے اور مناسب لازم کو اس پر مسلط کیا جائے جیسے زیداً ضربتُ غلامہ (باقی بر صفحہ ۷۷)

قولہ وہہنا الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ مصنف کو اس قاعدہ کلیہ کی ایک مثال بیان کر دینا کافی تھا اس کی کیا وجہ ہے کہ متعدد امثلہ لائے ؟ شارح نے جواب دیا کہ اس جگہ چار صورتیں نکلتی ہیں اسلئے جدا جدا ہر ایک کی مثال بیان کر دی تاکہ ہر ایک صورت بخوبی ذہن نشین ہوسکے اس جگہ دراصل بارہ صورتیں نکلتی ہیں اسلئے کہ اوپر گذر چکا ہے کہ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر میں یہ شرط ہے کہ فعل یا شبہ فعل جو اس اسم کے بعد واقع ہے وہ اس اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرتا ہو اور یہ کہ جب اس فعل یا شبہ فعل یا اس کے مناسب کو اس اسم پر مسلط کریں تو وہ فعل اس اسم کو نصب دیدے پس اس جگہ خواہ فعل کو اس اسم پر مقدم کریں یا شبہ فعل کو یا اس کے مناسب کو تو عقلاً بارہ صورتیں نکلتی ہیں اسلئے کہ جب فعل ضمیر اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہیں کریگا تو اس صورت میں عین فعل کو مسلط کیا جائے گا یا اس کے مناسب مرادف کو یا اس کے مناسب لازم کو تو یہ تین صورتیں ہوئیں ایسے ہی جب شبہ فعل ضمیر اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کریگا تو اس میں بھی یہی تین صورتیں پیدا ہوتی ہیں یعنی عین شبہ فعل کو اس اسم پر مسلط کریں گے یا اس کے مناسب مرادف کو یا اس کے مناسب لازم کو اسی طرح جب فعل متعلق اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرے گا تو مذکورہ بالا تین صورتیں اس میں پیدا ہونگی یعنی اس اسم پر عین فعل کو مسلط کریں گے الخ علی ہذا القیاس جب شبہ فعل متعلق اسم میں عمل کریگا تو اس میں بھی تینوں صورتیں پیدا ہونگی پس یہ تمام ملاکر بارہ ہوجائیں گی لیکن ان میں سے چار صورتیں ایسی ہیں جو پائی نہیں جاتیں اس لئے کہ جب فعل یا شبہ فعل متعلق اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرے گا تو اس جگہ سوائے فعل یا شبہ فعل کے مناسب لازم کے مسلط کرنے کے اور کوئی صورت نہیں ہوگی اس لئے کہ اگر بعینہ فعل کو

والرابعة اشتغال الفعل بالمتعلق ولا يتصور حينئذ الا تقدير (اے حین اشتغال الفعل بالمتعلق ۱۲) تسليط الفعل المناسب باللزوم ولهذا اورد المصنف اربعة امثلة ثلثة منها للمشتغل بالضمير باقسامه الثلثة وواحد للمشتغل بالمتعلق والاحسن في ترتيبها تاخير مثال المشتغل بالمتعلق كما لا يخفى وجهه نحو زيداً ضربته مثال الفعل المشتغل بالضمير مع تقدير تسليطه بعينه وزيداً مررت به مثال الفعل المشتغل بالضمير مع تقدير تسليط ما يناسبه (لا بمناسبة ۱۲) بالترادف فان مررت بعد

آخر میں بیان کرتے یعنی چوتھے نمبر پر نہ یہ کہ تیسرے نمبر پر اس کو بیان کر دیا مگر اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ مصنف نے فعل معروف کو اس کے اصل ہونے کی بنا پر یکجا بیان کر دیا اور فعل مجہول کو بنا بر فرعیت سب سے آخر میں لائے فتامل واللہ اعلم ۲؎ قولہ نحو زیداً الخ مذکورہ تفصیل کے بعد اب ان امثلہ کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں البتہ دوسری مثال میں یہ سمجھ لیجئے کہ جب مررتُ کو بار کے ساتھ متعدی کیا جائے تو یہ جاوزتُ کے معنے میں ہوجاتا ہے اور جاوزت کو اگر اس اسم پر مسلط کریں گے تو یہ اسم کو نصب دیدیگا کما مر لیکن جب ہم اس جگہ بعینہ فعل مذکور کو مسلط کریں گے تو اس اسم پر نصب نہیں آئیگا اس لئے کہ فعل مذکور کو مسلط کرنے کی دو صورتیں ہیں بار کے ساتھ اس کو مسلط کریں گے یا بغیر بار کے اگر بار کے ساتھ مسلط کرینگے تو اسم پر بجائے نصب کے جر آئے گا جیسے مررتُ بزیدٍ اور اگر بغیر بار فعل کو مسلط کرتے ہیں تو فعل مذکور کو مفعول کی ضرورت نہیں ہوگی اسلئے کہ یہ اس وقت لازم ہوگا متعدی نہیں واللہ اعلم ۳؎ قولہ وزیداً الخ اس مثال میں فعل کا عمل غلام میں ہو رہا ہے جو کہ اسم زید کا باعتبار ملکیت کے متعلق ہے اس جگہ فعل کا مناسب لازم مسلط کیا جائیگا یعنی اہنتُ اسلئے کہ عرفاً ضرب غلام سے اہانت آقا لازم آتی ہے پھر یہاں اگر عین فعل کو مسلط کریں گے تو نصب نہیں آئے گا اسلئے کہ اگر فعل کو (باقی بر صفحہ)

(بقیہ ص ٧٦) ای اہنتُ زیداً ضربتُ غلامہ (٨) شبہ فعل متعلق اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اسم میں عمل کرنے سے فارغ ہو اور مناسب لازم کو اس پر مسلط کیا جائے جیسے زیداً انا ضاربٌ غلامہ ای انا مُہینٌ زیداً انا ضاربٌ غلامہ ان دونوں قسموں میں سے دو دو قسمیں خارج ہوگئیں کما مر پس ان میں سے شارح نے چار کو ذکر کر دیا اس لئے کہ مصنف نے چار ہی کی امثلہ بیان کی ہیں اور بقایا آٹھ کو ذہن متعلم پر چھوڑ دیا کہ وہ استنباط کرے جن کو مفصلاً میں نے بیان کر دیا ہے دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عمل میں فعل اصل ہے اس لئے اس سے متعلقہ صورتیں بیان کر دیں اور اس سے حاصل شدہ دو کو اس لئے بیان نہیں کیا کہ ان کا وجود ہی نہیں پس ان چار صورتوں میں ایک یہ ہے کہ فعل ضمیر اسم کے ساتھ مشغول ہو اور عمل فی الاسم سے فارغ ہو اور اسم پر بعینہ فعل کو مسلط کیا جائے (٢) فعل ضمیر کے ساتھ مشغول ہو حسب مذکور اور مناسب مرادف فعل کو اسم پر مسلط کیا جائے (٣) اشتغال فعل حسب مذکور ہو اور مناسب لازم فعل کو اسم پر مسلط کیا جائے یہ تینوں صورتیں بعینہ وہ ہیں جن کو میں نے نمبر (١) و (٢) و (٣) میں بیان کیا ہے (٤) فعل متعلق اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اسم سے اعراض کرے اور مناسب لازم فعل کو اسم پر مسلط کیا جائے یہ بعینہ میری بیان کردہ قسم نمبر (٧) ہے اب رہا قول شارح ولا یتصور حینئذٍ الخ تو اس کا مطلب پہلے ہی واضح کیا جا چکا ہے کہ اشتغال فعل بالمتعلق میں دو صورتیں منتفی ہوجائیں گی اور ایک ہی باقی رہے گی جو بیان کی گئی اسی واسطے مصنف نے صرف چار مثالیں ذکر کیں (٦) امثلہ بیان نہیں کیں شبہ فعل کی امثلہ کو انہیں پر قیاس کر لیا جائے واللہ اعلم

۱؎ قولہ والاحسن الخ اس سے دراصل مصنف پر اعتراض کرنا مقصود ہے کہ جس طرح ہم نے چاروں صورتوں کو جیسا کہ ان کا مقتضی تھا ترتیب وار بیان کیا ایسے ہی مصنف کو بھی چاہیئے تھا کہ مشتغل بالمتعلق کی مثال ترتیب کی بنا پر سب سے

(بقیہ صے۷) غلام کے ساتھ مقدم کرتے ہیں تو اسم مذکور مجرور ہوگا اور اگر بغیر ذکر غلام کے تسلط کیا جاتا ہے تو مقصود فوت ہوجائیگا اس لئے کہ اس سے مقصود غلام ہے نہ کہ اس کا آقا واللہ اعلم ۱۲ ۵ے قولہ وزیداً الخ یہ مثال ظاہر ہے کہ میری اور شارح کی بیان کردہ قسم ثالث سے تعلق رکھتی ہے پس اس میں مناسب باللزوم کی تسلیط کی یہ وجہ ہے کہ کسی شئے کو کسی شئے کے باعث محبوس کرنا اس چیز کو متلازم ہے کہ وہ شئے لازمی طور پر محبوس علیہ سے ملابس اور متعلق ہے یعنی کوئی شخص کسی کے جرم میں ماخوذ نہیں ہوا کرتا جب تک کہ مجرم اور اس شخص میں رفاقت یا اور کسی قسم کی ملابست اور علاقہ تعلق نہ ہو پس جلست کو لابست کو مستلزم ہے لہذا جلست کے بجائے لابست کو فعل پر مسلط کریں گے پھر یہاں بھی عین فعل کی تسلیط سے اسم کو نصب نہیں آسکتا اس لئے کہ اگر اس کو علی کے ساتھ مسلط کرینگے تو اسم مجرور ہوگا اور بغیر علی مسلط کرتے ہیں تو مفعول نہ ہوگا اسلئے کہ جلست کی ضمیر اس کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے واللہ اعلم ۱۲ ۵ے قولہ ینصب الخ ینصب کا نائب فاعل ضمیر ہو ہے جو زید کی طرف راجع ہے اس لئے شارح نے زید فی ہذہ الامثلۃ سے اس طرف اشارہ کردیا یعنی ان تمام مثالوں میں زید کو اس فعل مقدر کی وجہ سے نصب دیا جائے گا کہ جس کی تفسیر زید کا مابعد یعنی فعل کررہا ہے یعنی مثال اول میں ضربت کی وجہ سے زیداً منصوب ہوگا اس لئے کہ زیداً ضربتہ میں اس فعل مقدر کی تفسیر ضربتہ کررہا ہے اس لئے کہ اس کی اصل ضربت زیداً ضربتہ تھی

تعدیتہ بالباء مرادف لجاوزت وزیداً ضربت غلامہ مثال الفعل المشتغل بالمتعلق مع تقدیر تسلیط الفعل المناسب باللزوم وزیداً حُبِستُ علیہ مثال الفعل المشتغل بالضمیر مع تقدیر تسلیط ما یناسبہ باللزوم فان حبس الشئ علی الشئ تلزمہ ملابستہ للمحبوس علیہ ینصب زید فی ہذہ الامثلۃ بفعلٍ مضمرٍ یفسرہ ما بعدہ ای ضربت یعنی ان الفعل المفسر الناصب لزیداً فی زیداً ضربتہ ضربت المقدر فان الاصل فیہ ضربت زیداً ضربتہ اضمر ضربت الاول لوجود مفسرہ اعنی ضربت الثانی وعلی ہذا القیاس جاوزت فانہ مفسر بما یرادفہ اعنی مررت بہ واہنت فانہ مفسر بما یستلزمہ اعنی ضربت غلامہ فان ضرب الغلام یستلزم اہانۃ سیدہ ولابست فانہ مفسر بما یستلزمہ اعنی حبست علیہ ثم ان الاسم الواقع فی مظان الاضمار

اسلئے کہ ضرب غلام سے اس کے آقا کی توہین لازم آتی ہے پس زیداً آہنت کی وجہ سے منصوب ہوگا اور اسی پر لابست کو بھی قیاس کرلیا جائے اسلئے کہ یہ جلست علیہ مفسر کا مفسر واقع ہورہا ہے یعنی اس کی تفسیر جلست علیہ کررہا ہے واللہ اعلم ۱۲ ۵ے قولہ ثم ان الاسم الخ اس عبارت کو قول مصنف یختار الرفع الخ کے لئے تمہید بھی کیا جاسکتا ہے اور ایک سوال مقدر کا جواب بھی (باقی برصفحہ ۷۹)

ضربت اول کو پوشیدہ کردیا گیا کیونکہ اس کا مفسر اور اس پر دال موجود ہے یعنی ضربت ثانی علی ہذا القیاس جاوزت اپنے مرادف یعنی مررت بہ کے اس کی تفسیر کرنے سے پوشیدہ کردیا گیا اسی طرح آہنت مثال ثالث میں مقدر ہے اسلئے کہ یہ اس کا مفسر واقع ہورہا ہے کہ جو تفسیر کو مستلزم ہے یعنی زیداً ضربت غلامہ میں ضرب غلام تفسیر ہے اور اس کو مستلزم اہانتہ زید ہے

علی شریطۃ التفسیر اما المختار او الواجب فیہ الرفع او النصب او یستوی فیہ الامران والی ہذہ الصور الخمس اشار المصنف فقال

ویختار فی الاسم المذکور الرفع بالابتداء ای بکونہ مبتدأ لان تجردہ عن العوامل اللفظیۃ یصحح رفعہ بالابتداء ویرجح

عند عدم قرینۃ خلافہ ای قرینۃ ترجح خلاف الرفع یعنی النصب (ظرف یختار) لان قرینتی الصحۃ فیہما متساویتان لان وجود مالہ صلاحیۃ التفسیر قرینۃ مصححۃ للنصب فمتی لم ترجح النصب

کا بھی پس یہ دونوں صحت کے اعتبار سے متساوی ہونگے اس لئے کہ اس اسم کے بعد ایسے فعل یا شبہ فعل کا پایا جانا کہ جس میں تفسیر بننے کی صلاحیت موجود ہو وہ نصب کیلئے قرینۂ مصححہ ہے اور مبتدا ہونا رفع کیلئے قرینۂ مصححہ ہے لیکن جب کہ کسی دوسرے قرینہ سے نصب کو ترجیح حاصل نہ ہوسکے گی تو رفع کو ترجیح دی جائے گی اسلئے کہ رفع کی صورت میں حذف سے سلامتی پائی جاتی ہے یعنی کسی فعل کو حذف نہیں کرنا پڑتا بخلاف نصب کے کہ اس میں فعل مقدر ماننا پڑتا ہے پس یہ رفع کے لئے قرینۂ مرجحہ ہوگا اور زید کو مرفوع پڑھیں گے جیسے زیدٌ ضربتہ کہ اس میں دونوں قرینے موجود ہیں اور دونوں برابر ہیں اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ زید سے پہلے فعل محذوف ہو جس کی تفسیر ضربتہٗ کر رہا ہے اور ہوسکتا ہے کہ کچھ بھی محذوف نہ ہو بلکہ زید مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع ہو لیکن ترجیح نصب کیلئے اس جگہ کوئی قرینہ موجود نہیں اور رفع کے لئے موجود ہے یعنی اس میں محذوف نہیں ماننا پڑتا لہٰذا رفع مختار ہوگا - اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ شارح نے ابتدائیت کی شرح ای بکونہ مبتدأً الخ سے کیوں کی جبکہ دونوں کا حاصل ایک ہے جواب یہ ہے کہ اس سے ایک دخل مقدر کا دفعیہ مقصود ہے وہ یہ ہے کہ جب زید میں اول مرحلہ میں ہی ابتدائیت کو عامل تسلیم کرلیا گیا تو اب اس میں رفع کے اختیار کی کوئی وجہ ہی نہیں رہتی بلکہ رفع واجب ہوگا (باقی بر ص۸۰)

(بقیہ ص۷۸) تمہید ہونا تو طرز کلام سے ظاہر ہے البتہ سوال کی تقریر یہ ہے کہ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر منصوبات سے ہے اور ہم اس میں اسی جہت سے کلام کر رہے ہیں کہ مفاعیل سے ہے پس یہ کیسے صحیح ہے کہ اس میں رفع بھی واجب ہو اور اختیار رفع بھی اور دونوں امر مساوی بھی اس لئے کہ یہ مفعول بہ ہے اور مفعول بہ منصوب ہوتا ہے پس اس میں رفع جائز نہ ہونا چاہیے چہ جائیکہ رفع واجب ہو شارح نے کہا کہ وجوب نصب ان مواقع میں ہے جہاں یہ بات یقینی ہو کہ اسم ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر سے تعلق رکھتا ہے اور یہ وجوہ جواب بیان کی جائینگی نہ یقینی طور پر ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر سے متعلق ہیں اور نہ مبتدا سے کیونکہ اگر یہ مبتدا ہوتیں تو رفع واجب ہوتا اضمار کا کوئی سوال ہی نہیں تھا اور اگر منصوب ہوتیں تو نصب ضروری تھا پھر رفع کا سوال عبث تھا بلکہ یہ وجوہ اضمار علی شریطۃ التفسیر کے مظان اور گمان کی جگہیں واقع ہیں یعنی ان کے اسم پر ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کا گمان ہوسکتا ہے اس لئے ان میں علی حسب احوال المختلفہ پانچ صورتیں نکلتی ہیں - رفع مختار ہوگا یا نصب - رفع واجب ہوگا یا نصب - یا دونوں - امر یعنی رفع و نصب برابر ہونگے - پس پہلے مصنف اختیار رفع کو بیان کرتے ہیں اسلئے کہ اس میں حذف کا ارتکاب نہیں کرنا پڑتا پس یہ اس اعتبار سے نصب پر مقدم ہے پھر جاننا چاہئے کہ اختیار رفع کی دو صورتیں ہیں جن میں سے پہلی صورت یہ ہے کہ اسم مذکور (یعنی جو مظان اضمار میں واقع ہو نہ کہ حقیقۃً ما اضمر عاملہ سے تعلق رکھتا ہو) میں ابتدائیت یعنی اس اسم کے مبتدا ہونے کی وجہ سے رفع مختار ہوگا جبکہ رفع کے خلاف کوئی قرینۂ مرجحہ نہ پایا جائے اس لئے کہ اس صورت میں اس اسم کا عوامل لفظیہ سے خالی ہونا اس اسم کے مرفوع ہونے کو ابتدائیت کی بنا پر صحیح کردیگا اور پھر ترجیح اس طرح حاصل ہوگی کہ رفع کے خلاف نصب کا کوئی قرینہ مرجحہ نہ پایا جائے - تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ صحت کے قرینے اس میں دونوں موجود ہیں یعنی رفع کی صحت کا بھی اور نصب کی صحت

(بقیہ صفحہ ۷۹) اسلئے کہ عامل ابتداء کے وجود کے بعد رفع واجب ہو جاتا ہے شارح نے جواب دیا کہ ابتداء سے مراد اس جگہ مبتدا ہو سکنا ہے یعنی یہ کہ زید میں عوامل لفظیہ سے خالی ہونے کی صحت کا احتمال موجود ہو اور پھر ہم اس میں عامل ابتداء تسلیم کریں پس چونکہ دوسرا احتمال یعنی نصب کا بھی موجود ہے اسلئے اس میں اولاً ہی عامل ابتداء کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ رفع واجب قرار دیا جائے بلکہ احتمال کے مرتبہ میں ہم مبتدا قرار دیئے جا سکنے کی وجہ سے عامل ابتداء کو تسلیم کرینگے پس رفع واجب نہ ہوگا پھر عند عدم قرینۃ خلافہ پر اعتراض وارد ہوا کہ جب خلاف رفع کا قرینہ ہی منتفی ہے تو رفع واجب ہونا چاہیئے نہ کہ مختار اس کا جواب ای قرینۃ ترجح الخ سے شارح نے دیا کہ قرینہ سے مراد قرینہ مرجحہ ہے یعنی خلاف رفع کا قرینہ تو موجود ہے لیکن نصب کے لئے کوئی سبب ترجیح موجود نہیں جس کی بناء پر نصب کو راجح قرار دیا جائے اس لئے رفع واجب نہیں ہو سکتا بلکہ اس ترجیح کی بناء پر رفع مختار ہوگا واللہ اعلم ۔ ؎ قولہ او عند الخ یہ اختیار نصب کی دوسری صورت ہے کہ دونوں صورتیں رفع و نصب کی صحیح بھی ہوں اور ہر ایک کے لئے قرینہ مرجحہ بھی موجود ہو لیکن رفع کا قرینہ مرجحہ نصب کے قرینہ مرجحہ سے اقوی ہو تو رفع کو ترجیح دیجائیگی اور یہ دو جگہ میں ہوتا ہے ایک تو یہ کہ امّا اسم مذکور پر داخل ہو اور وہ اسم ایسے فعل کے ساتھ مقارن ہو کہ اس میں طلب کے معنے نہ پائے جائیں یعنی امر نہی ۔ دعا نہ ہوں وانشائیہ کی دوسری اقسام سے سروکار نہیں اگرچہ ان میں بھی طلب کے معنے موجود ہوتے ہیں اس لئے کہ استفہام وغیرہ صدر کلام کے مقتضی ہوتے ہیں لہٰذا ان میں تسلیط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا شارح کو ان کے اخراج کی ضرورت نہیں) مختصر یہ کہ جملہ انشائیہ نہ ہو جملہ خبریہ ہو جیسے لقیتُ القومَ واَمّا زیدٌ فاکرمتُہ کہ اس میں جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر نصب

قرینۃٌ اُخری یُرجح الرفع بسلامتہ عن الحذف نحو زید ضربتہ (الذی یخالف الاصل ۱۲ غف)

او عند وجود القرینۃ المرجحۃ من الجانبین ولکن تکون القرینۃ المرجحۃ للرفع اقوی منہا ای من تلک القرینۃ المرجحۃ للنصب کاَمّا الداخلۃ علی ذلک الاسم مع غیر الطلب ای بشرط ان لا یکون الفعل المشتغل عنہ طلبًا کالامر والنہی والدعاء نحو لقیت القوم واَمّا زید فاکرمتہ فالعطف علی الفعلیۃ قرینۃ النصب وکلمۃ اَمّا قرینۃ الرفع وہی اقوی (من قرینۃ النصب ۱۲) لانہا لا یقع بعدہا غالبًا الا المبتدا بخلاف عطف الاسمیۃ علی الفعلیۃ فانہ کثیر الوقوع فی کلامہم مع انہا تایدت (ای کلمۃ اما ۱۲) بالسلامۃ عن الحذف (وان اختار ج)

کا قرینہ ہے کیونکہ زید بھی قوم کا ایک فرد ہے اور قوم مفعولیت کی بناء پر منصوب ہے اور معطوف علیہ و معطوف کا حکم اعراب کے اعتبار سے ایک ہوتا ہے لہٰذا زید کو مثال مذکور میں منصوب ہونا چاہیئے اور اکرمتُ اس کا عامل ناصب مقدر ماننا چاہیئے بطریق ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر پس اس کی تقدیر عبارت یہ ہوگی لقیتُ القومَ واَمّا اکرمتُ زیدًا اکرمتُہ اور اگر اس بات کو دیکھا جائے کہ اس پر کلمہ اَمّا داخل ہے تو یہ اسبات کا قرینہ ہے کہ زید مرفوع ہو اس لئے کہ اَمّا کے بعد اکثر مبتدا ہی آیا کرتا ہے اور یہ قرینہ نصب سے اقوی ہے بخلاف عطف کے کہ وہ نصب کا اقوی قرینہ نہیں اسلئے کہ جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر بھی کلام عرب میں بکثرت پایا جاتا ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ زید مبتدا واقع ہو کر اپنی خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہو اور پھر اس کا عطف جملہ فعلیہ پر کیا جائے پھر یہ کہ رفع کی صورت میں حذف سے بھی سلامتی حاصل ہوتی ہے اسلئے بھی ترجیح رفع کی تائید ہوتی ہے لہٰذا رفع مختار ہوگا ۔ ۱۲

سلہ قولہ وانما قال الخ اس سے شارح مع غیر الطلب کی قید کا فائدہ بیان فرما رہے ہیں یعنی شارح نے یہاں غیر طلب کی قید اس وجہ سے لگائی ہے کہ اس سے وہ اسم خارج ہو جائے جو ایسے فعل سے مقارن ہو کہ جس میں طلب کے معنے پائے جائیں یعنی جملہ انشائیہ خارج ہو جائے جیسے لقیت القوم واما زیداً فاضربہ اس لئے کہ اس وقت اس میں نصب مختار ہوگا کیونکہ

ایضاً وانما قال[1] مع غیر الطلب احترازاً عما اذا کانت مع الطلب نحو اما زیداً فاضربہ فان المختار حینئذ ہو النصب فان الرفع یقتضی وقوع الطلب خبراً وہو لا یجوز الا بتاویل ومثل[2] اما مع غیر الطلب اذا الواقعۃ علی الاسم المذکور للمفاجاۃ فی کونہا من اقوی القرائن مثل خرجت فاذا زید یضربہ عمرو فان المختار فیہ الرفع فان اذا للمفاجاۃ لا تدخل الا علی الجملۃ الاسمیۃ غالباً وما وقع[3] فی بحث الظروف من ان اذا للمفاجاۃ تلزم بعدہا الاسمیۃ فالمراد بلزوم الاسمیۃ غلبۃ وقوعہا بعدہا فلا تناقض

اگر اسم کو مرفوع پڑھتے ہیں تو وہ طلب کو خبر بنانے کا مقتضی ہے اور طلب یعنی انشاء کو خبر بنایا نہیں جا سکتا جب تک کہ اس کی تاویل نہ کر لی جائے ای اما زید مقول فی حقہ اضربہ نیز یہ کہ جملہ طلبیہ اسمیہ بھی بہت ہی کم واقع ہوتا ہے اس لئے کہ طلب کا اختصاص فعل کے ساتھ ہے پس اس ارتکاب تاویل اور اس محذور سے بچنے کے لئے نصب ہی مختار ہوگا رفع کو ترجیح نہیں دی جائے گی واللہ اعلم ۱۲ سے قولہ ومثل اما الخ یہ قرینہ اقوی کا دوسرا موضع ہے کہ جہاں اسم مذکور کا رفع مختار ہے کہتے ہیں کہ اما مع غیر الطلب کی طرح اذا بھی ہے جو اسم مذکور پر مفاجات کے لئے واقع ہو یعنی جس سے اچانک اور یکلخت کے معنے کا اظہار ہو اور یہ اما کی مثل اس اعتبار سے ہے کہ دونوں رفع اسم کے لئے اقوی قرائن سے ہیں ورنہ لفظاً اور معناً ان میں کوئی مماثلت نہیں اس کی مثال جیسے خرجت فاذا زید یضربہ عمرو ہے زید کے رفع کے ساتھ اس لئے کہ اس میں رفع مختار ہے اس لئے کہ اذا مفاجاتیہ ہے اور یہ اکثر جملہ اسمیہ پر ہی داخل ہوا کرتا ہے پس اس کا جملہ اسمیہ

اسلئے کہ اس میں اذا مفاجاتیہ ہے اور اسم پر رفع واجب ہے مختار نہیں اور اختیار سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نصب بھی جائز ہے اور یہاں مطلقاً جائز نہیں شارح نے جواب دیا کہ اذا مفاجاتیہ سے وہ اذا مراد ہے جو اس اسم مذکور پر واقع ہو مطلقاً اذا مفاجاتیہ مراد نہیں اور یہاں ظاہر ہے کہ اس اسم مذکور کا نشان بھی نہیں چہ جائیکہ وہ موجود ہو واللہ اعلم ۱۲ سے قولہ وما وقع الخ اس عبارت سے شارح ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں جو مصنف پر وارد ہوتا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ مصنف نے بحث ظروف میں ذکر کیا ہے کہ اذا مفاجاتیہ کو جملہ اسمیہ مستلزم ہے یعنی اس کے بعد جملہ اسمیہ آنا ضروری ہے اور اس جگہ اس کے ذکر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جملہ اسمیہ اس کیلئے لازم نہیں بلکہ اکثر اور غالب کا حکم رکھتا ہے اور کبھی جملہ فعلیہ بھی آجاتا ہے پس اس عبارت اور اس عبارت میں تناقض پیدا ہو گیا اس کے دفعیہ کی کیا صورت ہے؟ شارح نے کہا کہ اذا مفاجاتیہ کیلئے جملہ اسمیہ لازم ہونے سے مراد جملہ اسمیہ کا غلبہ اور کثرت وقوع ہے اذا مفاجاتیہ کے بعد پس اب کوئی تناقض باقی نہیں رہا اسلئے کہ وہاں بھی (باقی بر صہ ۸۲)

پر داخل ہونا اس بات کا سبب ہے اقوی قرینہ ہے کہ اس میں رفع مختار ہے نیز یہ کہ اس میں سلامتی عن الحذف بھی ہے یہ مزید قرینہ ہوا لہذا رفع مختار قرار دیدیا جائے گا اب رہی یہ بات کہ شارح نے اذا کے بعد الواقعۃ علی الاسم المذکور کا کس لئے اضافہ کیا تو یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ یہ اختیار رفع خرجت فاذا السبع مثال سے منقوض ہے

(بقیہ صفحہ ۸۵) غلبۂ اسمیہ مراد ہے اور یہاں بھی حاصل یہ ہوا کہ لزوم سے مراد لزوم استعمال ہے یعنی غلبہ اور اکثریت کو لزوم کے لفظ کے ساتھ ذکر کردیتے ہیں لزوم حقیقی مراد نہیں واللہ اعلم ۱۲ ۸۵ قولہ ویختار النصب الخ اختیار رفع کی صورتوں سے فارغ ہوکر اب اختیار نصب کی صورتیں بیان فرماتے ہیں کہتے ہیں کہ جس جملہ میں وہ اسم مذکور موجود ہو اور اس کا عطف جملہ فعلیہ متقدمہ پر ہو رہا ہو تو اس صورت میں اسم مذکور پر نصب مختار ہے تاکہ جملہ معطوفہ اور جملہ معطوف علیہ میں فعلیہ ہونے کے اعتبار سے مناسبت پیدا ہوجائے جیسے خرجتُ فزیداً لقیتہ کہ اس میں جملہ ثانیہ کہ جس میں اسم مذکور یعنی زیداً موجود ہے اس کا عطف جملہ فعلیہ متقدمہ یعنی خرجتُ پر ہو رہا ہے تو اس میں نصب مختار ہوگا تاکہ دونوں جملے معطوف و معطوف علیہ فعلیہ ہوجائیں اور یہی رعایت تناسب اختیار نصب کی ترجیح کی دلیل ہے اگرچہ اس میں رفع بھی جائز ہے مگر وہ تناسب فوت ہوجائے گا۔ اس جگہ شارح نے بالعطف کی تفسیر ای بسبب الخ سے کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بالعطف میں باء سببیہ ہے اور الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی جملۃٍ کے پھر ہو فیہا کی قید سے شارح نے اس اسم کو خارج کردیا جو اس جملہ میں نہ ہو اور متقدمۃ کی قید اتفاقی ہے اور لرعایۃ التناسب الخ سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ للتناسب اس فعل کا مفعول لہ ہے کہ جس کے حصول کے لئے فعل مذکور کیا گیا ہے یعنی اختیار نصب اس لئے ہے کہ رعایت تناسب حاصل ہوجائے اور اس سے وہ مفعول لہ مراد نہیں کہ جس کے وجود کے سبب سے فعل مذکور کیا گیا ہو جیسے قعدتُ عن الحرب جبناً کہ یہاں جبن پہلے سے موجود ہے اور اس کے سبب سے قعود کیا گیا ہے اور خرجتُ فزیداً لقیتہٗ کی اصل بنا بر نصب کے یہ ہے خرجتُ فلقیتُ زیداً لقیتہٗ، واللہ اعلم ۱۲ ۸۵ قولہ وبعد حرف الخ یہ نصب کے مختار ہونے کا دوسرا موضع ہے یعنی اگر حرف نفی کے بعد اسم مذکور واقع ہو تو اس میں نصب مختار ہوگا اس لئے کہ حرف

ويختار النصب في الاسم المذكور بالعطف اي بسبب عطف جملة هو فيها على جملة فعلية متقدمة للتناسب اي لرعاية التناسب بين الجملة المعطوفة والجملة المعطوف عليها في كونهما فعليتين نحو خرجت فزيدا لقيته وبعد حرف النفي يعني ما ولا وان وليس ولم ولما ولن من هذه الجملة اذ هي عاملة في المضارع ولا يقدر معمولها لضعفها في

(خبر ليس ۱۲ — اي المضارع — في عدم تقدير معمولها بحث ۱۲ عفي)

ح نفی اگرچہ اسم پر بھی داخل ہوتا ہے مگر فعل پر اس کا دخول اکثر ہوتا ہے لہٰذا یہاں بھی بنا بر اکثر فعل کو ہی اس کا مدخول بنا کر اسم مذکور کو منصوب پڑھیں گے نیز یہ کہ نفی حقیقۃً میں مضمون فعل کی ہوتی ہے پس فعل کو اس چیز کے متصل کرنا اولیٰ ہوگا جو کہ مضمون فعل کی نفی کرتی ہے یعنی فعل کو حرف نفی کے متصل کرنا بہتر ہے پھر معلوم ہونا چاہیئے کہ حرف نفی سے مراد اس جگہ ما۔ لا اور ان ہیں لم ولما ولن اس جگہ مراد نہیں اس لئے کہ یہ تینوں فعل مضارع میں عمل کرتے ہیں اور ان کا معمول مقدر نہیں کیا جاتے گا کیونکہ یہ عمل میں ضعیف ہیں تفصیل مقام کی یہ ہے کہ یہ تینوں حروف لم ولما ولن فعل مضارع میں لفظاً عمل کرتے ہیں پس ان کے بعد لامحالہ فعل مضارع کو ذکر کرنا پڑیگا اور یہ تقدیراً عمل کرتے نہیں کہ پھر ان کے بعد اسم مذکور اضمار علی شریطۃ التفسیر کی بنا پر منصوب ہوسکے بخلاف ما ولا وان کے کہ یہ غیر عاملہ ہیں لہٰذا ان کے بعد اسم مذکور کو نصب دینے والا فعل مقدر مانا جائے گا پس ما زیداً ضربتہٗ تو کہہ سکتے ہیں لم زیداً اضربہٗ نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اسم کے بعد فعل مضارع کو ذکر کرنا ضروری ہے حذف جائز نہیں اور ضعف فی العمل کی یہ وجہ ہے کہ یہ صرف فعل مضارع میں ہی عمل کرتے ہیں کسی دوسرے فعل یا اسم میں نہیں لہٰذا یہ عمل میں ضعیف ہیں پس اسی ضعف کا تقاضا ہے کہ فعل مضارع کو مقدر نہ مانا جائے لہٰذا ما و لا اور ان کی تخصیص صحیح ہوگئی واللہ اعلم ۱۲

العمل نحو ما زیداً[1] ضربتہ ولا زیداً ضربتہ ولا عمراً وان زیداً ضربتہ
اشارۃ بالتنکیر الی انہ لو دخل علی المعرفۃ تکرر ۱۲ غفت
الا تادیباً وبعد حرف[2] الاستفہام نحو ازیداً ضربتہ وانما قال
باسقاط ہمزۃ الوصل ۱۲
حرف الاستفہام لانہ یختار الرفع فی اسم الاستفہام مثل
من اکرمتہ ولم یقل ہمزۃ الاستفہام لیشمل مثل ہل زیداً ضربتہ
فانہ یجوز وان استقبحہ النحاۃ لاقتضاء ہل لفظ الفعل لانہ بمعنی
ای ہل زیداً ضربتہ وان استقبحہ النحاۃ ۱۲ عب

ہے اور وہی استفہام جواب یہ ہے کہ یہ اس جہت سے اسم استفہام کے بعد واقع ہے کہ من اکرمتہ قوت میں ازیداً اکرمتہ ام عمراً کے ہے پس من سے اس امر کی طرف دلالت ہوئی ہے کہ اسم مذکور کے اسم استفہام کے بعد واقع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسم مذکور معنی استفہام کو متضمن ہو لہذا من اکرمتہ خارج ہو جائیگا بخلاف اس کے کہ اسم مذکور صراحۃً اسم استفہام کے بعد واقع ہو جیسے متی زیداً ضربتہ تو اس جگہ نصب مختار ہوگا کیونکہ اس کا حکم اس صورت میں ہل کا حکم ہوگا اختیار نصب میں۔ پھر رہا یہ سوال کہ حرف الاستفہام کیوں کہا ہمزہ استفہام کیوں نہ کہدیا اس کا جواب شارح ولم یقل الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ ہمزہ استفہام اس لئے نہیں کہا کہ ہل زیداً ضربتہ کو بھی یہ اختیار نصب شامل ہو جائے اسلئے کہ ہل کا حذف فعل کے ساتھ اسم پر داخل ہونا بھی جائز ہے اگرچہ بعض نحاۃ نے اس کو قبیح گردانا ہے اس واسطے کہ ہل فعل پر داخل ہوا کرتا ہے اور اس جگہ فعل موجود نہیں بلکہ حذف کردیا گیا ہے اور ہل لفظ فعل کو اس لئے چاہتا ہے کہ اپنی وضع کے اعتبار سے قد کے معنی میں ہے پھر استفہام کے معنی میں ہو گیا اور قد فعل پر داخل ہوا کرتا ہے اور فعل کو مقدر کرنا دخول قد کے بعد ممکن نہیں ہوتا لہذا ہل میں بھی تقدیر فعل کافی نہیں ہوگی کہ جس کے باعث اس کو ما اضمر عاملہ سے شمار کرلیا جائے اور یہ فعل پر ہل کا دخول اس وقت ضروری ہے جبکہ کلام میں لفظ فعل موجود ہو جیسا کہ ہل زیداً ضربتہ میں فعل موجود ہے پس یہاں ہل ضربت زیداً کہنا ضروری ہے ہل کے بعد فوراً ذکر فعل کے ساتھ اسلئے کہ تقدیر فعل جائز نہیں تصریح فعل ضروری ہے البتہ اگر کلام میں مطلقاً لفظ فعل موجود ہی نہ ہو تو اس کا دخول اسم پر جائز ہے جیسے ہل زیدٌ قائمٌ واللہ اعلم

[1] قولہ نحو ما زیداً الخ یہ اسم مذکور میں اختیار نصب کی امثلہ ہیں کہ جن میں اسم مذکور حرف نفی کے بعد واقع ہو رہا ہے ما کی مثال جیسے ما زیداً ضربتہ ای ما ضربت زیداً، لا کی مثال جیسے لا زیداً ضربتہ ولا عمراً ای لا ضربت زیداً ولا عمراً اس جگہ تکرار لا سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ لا اگر معرفہ پر داخل ہو تو تکرار لا ضروری ہوتا ہے اور ان کی مثال جیسے ان زیداً ضربتہ الا تادیباً ای ان ضربت زیداً الا تادیباً نہیں مارا میں نے زید کو مگر ادب دینے کے لئے (فائدہ) جب ان کے جواب میں الا حرف استثناء آتا ہے تو ان نافیہ مراد ہوتا ہے جیسا کہ اس جگہ ہے واللہ اعلم

[2] قولہ وبعد حرف الخ یہ نصب کے مختار ہونے کا تیسرا موضع ہے یعنی اگر اسم مذکور حرف استفہام کے بعد واقع ہو تو اس میں نصب مختار ہوگا اسلئے کہ حرف استفہام کا فعل پر داخل ہونا اولیٰ ہے کیونکہ استفہام درحقیقۃ مضمون فعل کا ہوتا ہے پس فعل کو حرف استفہام کے متصل کرنا اولیٰ ہے جیسے ازیداً ضربتہ ای اضربت زیداً (کیا تو نے زید کو مارا) اب رہی یہ بات کہ شارح نے حرف الاستفہام کیوں کہا اسم الاستفہام کیوں نہیں کہا؟ اس کا جواب شارح وانما قال الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اگر اسم الاستفہام کہتے (یعنی وہ اسم جو معنی استفہام کو متضمن ہو) تو رفع مختار ہونا جیسے من اکرمتہ ای اکرمت من اکرمتہ پس اس جگہ من جو کہ اسم ہے اور معنے استفہام کو متضمن ہے خارج ہو گیا کیونکہ اس میں ابتدائیت کی بنا پر رفع مختار ہے اور یہی قرینہ مرجحہ ہے اب سوال پیدا ہوا کہ حرف الاستفہام کا عطف حرف النفی پر ہے اور اس کے اوپر لفظ بعد داخل ہو رہا ہے اور معطوف و معطوف علیہ کا حکم یکساں ہوتا ہے لہذا یہاں بھی بعد مقدر مانا جائے گا پس جب حرف الاستفہام کہا گیا تو لامحالہ اسم الاستفہام کے متعلق بھی یہی کہنا پڑیگا کہ اسم مذکور اسم استفہام کے بعد واقع نہ ہو اور من اکرمتہ میں اسم مذکور اسم استفہام کے بعد واقع نہیں بلکہ وہی اسم

سے قولہ وبعد اذا الشرطیۃ الخ یعنی اختیار نصب کی چوتھی اور پانچویں جگہ یہ ہے کہ جب اسم مذکور اذا شرطیہ اور حیث کے بعد واقع
ہو تو ان دونوں صورتوں میں بھی نصب مختار ہو گا اسلئے کہ اذا شرطیہ مجازات زمانی یعنی نسبت فی الزمان پر دلالت کرتا ہے
اور حیث مجازات مکانی یعنی نسبت مکانی پر یعنی اذا زمانہ کو بتلاتا ہے اور حیث مکان کو اذا کی مثال جیسے اذا عبد اللہ تلقہ
فاکرمہ یعنی جس زمانہ میں تو عبد اللہ
سے ملاقات کرے اس کی تعظیم
کر۔ اور حیث کی مثال حیث
زیداً تجدہ فاکرمہ یعنی جس جگہ تو
زید کو پائے اس کی تعظیم بجا لا
پس اذا شرطیہ اور حیث کا دخول
فعل پر اولی ہے اسلئے کہ اذا میں شرط
کے معنے ہیں اور شرط کے لئے فعل
مقدر ہو گا اور جب فعل مقدر
ہوا تو نصب اولی ہو گا اور حیث
کے بعد اختیار نصب اس لئے
ہے کہ اس کی مشابہت جملہ پر
داخل ہونے اور شرط کے معنی
میں اذا شرطیہ کے ساتھ ہے
واللہ اعلم ۵۲ قولہ وفی ما قبل الخ
اختیار نصب کا چھٹا اور ساتواں
موضع ہے اس جگہ ایک سوال
پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ ما قبل
امر ونہی تمام اس اسم سے متعلق
ہیں جو مظان اضمار علی شریطۃ
التفسیر میں واقع ہوا اور امر و نہی از
قبیل افعال ہیں لہذا یہ کیسے ہو سکتا
ہے کہ ان میں بھی اضمار علی شریطۃ
التفسیر پایا جائے یا یہ کہہ لیا
جائے کہ فی الامر والنہی کا عطف
بعد حرف النفی پر ہے لہذا تقدیر
عبارت یوں ہو گی ویختار النصب
فی الامر والنہی اور یہ غلط ہے
اس کا جواب شارح نے ما قبل
کے اضافہ سے یہ دیا کہ الامر والنہی
سے پیشتر لفظ ما قبل محذوف
ہے ای فی ما قبل الامر والنہی پس اس صورت میں معنی یہ ہوں گے ویختار النصب فی الاسم الذی وقع قبل الامر
والنہی یعنی جو اسم امر اور نہی کے پہلے واقع ہو اس میں نصب مختار ہے لیکن پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس بنا پر حذف
موصول اپنے بعض صلہ کے ساتھ لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے بعض صلہ اسلئے کہ قبل مضاف ہے اور الامر والنہی اس کے

قد فی الاصل فلا یکفی فیہ تقدیر الفعل وبعد اذا الشرطیۃ
الدالۃ علی المجازاۃ فی الزمان نحو اذا عبد اللہ تلقہ فاکرمہ وبعد
حیث الدالۃ علی المجازاۃ فی المکان نحو حیث زیدا تجدہ
فاکرمہ وفی ما قبل الامر والنہی یعنی موضع وقوع الاسم المذکور
قبل الامر والنہی مثل زیدا اضربہ وزیدا لا تضربہ وانما اختیر فی
ہذہ المواضع ای ما بعد حرف الاستفہام والنفی واذا الشرطیۃ
وحیث وما قبل الامر والنہی النصب فی الاسم المذکور اذ ہی ای

(وہو جعل الشیء سببا او مسببا ۱۲)

مضاف الیہ اور مضاف مضاف الیہ سے مل کر صلہ ہو گا پس جبکہ قبل مضاف کو حذف کر دیا
تو بعض صلہ کا حذف لازم آیا اس کا جواب شارح نے یعنی موضع وقوع الاسم المذکور الخ سے یہ
دیا کہ ما قبل میں کلمہ ما موصوفہ ہے موصولہ نہیں اور موصوف کو اپنے بعض اجزاء صفت کے
ساتھ حذف کرنا جائز ہے یعنی ایسی جگہ میں کہ اسم مذکور امر و نہی سے پہلے واقع ہو نصب مختار
ہے جیسے زیداً اضربہ اور زیداً لا تضربہ ای اضرب زیداً ولا تضرب زیداً پس اس جگہ نصب
اس وجہ سے مختار ہے کہ اسم مذکور رفع کی صورت میں مبتدا ہو گا اور امر و نہی اس کی خبر
مگر چونکہ امر و نہی انشائیہ کی قسم سے ہیں اسلئے ان کے خبر ہونے میں تاویل کی ضرورت
ہو گی ای زید مقول فی حقہ اضربہ یا لا تضربہ اور ظاہر ہے کہ یہ تقدیر مستبعد ہے کہ سہولت
کو چھوڑ کر ارتکاب تکلف کرنا پڑتا ہے پس زید میں نصب مختار ہو گا واللہ اعلم ۵۳ قولہ و
انما اختیر الخ اس عبارت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ان تمام جگہوں میں نصب کس لئے
مختار ہے پس شارح کہتے ہیں کہ مذکورہ مواضع یعنی ما بعد حرف نفی، حرف استفہام اذا
شرطیہ اور حیث ہیں اور ما قبل امر و نہی میں اسم مذکور میں نصب اس لئے مختار قرار دیا گیا
کہ یہ مواضع مواقع فعل ہیں یعنی ان مواضع میں اکثر فعل ہی واقع ہوا کرتا ہے لہذا فعل کو ہی
مقدر مانا جائے گا تاکہ اسم مذکور کو نصب دیا جا سکے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے (باقی بر صفحہ ۸۵)

(بقیہ ص۸۴) کہ نصب ہی کی صورت میں تقدیر فعل کی کیا تخصیص ہے صورت رفع میں بھی مقدر مانا جاسکتا ہے کہ اسم مذکور کو
فعل مقدر رفع کرے کیونکہ فعل جیسے ناصب ہوتا ہے ایسے ہی رافع بھی ہوتا ہے اس کا جواب شارح نے فاذا نصب الخ سے
دیا کہ جب اسم مذکور نصب دیا جائے گا تو اس میں فعل تقدیراً واقع ہوگا ورنہ نہیں اسلئے کہ صورت رفع میں اس کے مبتدا
ہونے کا احتمال ہے کیونکہ ہم نے
سابق میں یہ کہا ہے کہ حرف
نفی و استفہام وغیرہ کے بعد
اگر فعل آیا کرتا ہے لہذا اس سے
یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسم ہی آسکتا
ہے پس اسم کی صورت میں ابتدائیت
کا احتمال غالب رہے گا اور
تقدیر فعل رافع جائز نہیں ہوگی
واللہ اعلم ۵ قولہ وکذلک الخ
یعنی اور ایسے ہی نصب مختار
ہے جبکہ اسم مذکور میں رفع پڑھنے
کے باعث صفۃ کے ساتھ مفسّر
کے التباس کا خوف ہو پس یہ
پتہ نہ چلے کہ مفسّر حالت رفع
میں اسم مذکور کی خبر واقع ہو رہا ہے
اپنے معنی مقصود کی موافقت کے
ساتھ یا مفسّر اسم مذکور کی
صفت بن رہا ہے اور معنے مقصود
کی مخالفت ہو رہی ہے یعنی
اگر مفسّر پر رفع خبر ہونے کی
حیثیت سے ہے اسم مذکور
مبتدا کی تو معنے مقصود بھی
موافق رہتے ہیں اور کسی قسم کا
محذور نہیں لازم آتا ہے اور اگر مفسّر
اسم مذکور سے صفت واقع ہونے
کی بنا پر مرفوع ہے اور موصوف
وصفت مل کر مبتدا ہوں اور
اس کی خبر ادر ہو تو اس صورت
میں معنی مقصود مخالف ہو جاتے
ہیں پس رفع کی صورت میں
در صورت ثانیہ مفسّر کا التباس

هذه المواضع مواقع الفعل اي[١] مواضع وقوع الفعل فيها اكثر فاذا
(مبتدأ ۱۲ الصفة مواضع ۱۲ خبر ۱۲)
نصب الاسم المذكور وقع فيها الفعل تقديرا والا فلا وكذلك
يختار النصب في الاسم المذكور عند[٢] خوف لبس المفسر اي
(عطف على قوله في الامر ۱۲)
التباس ما هو مفسر في حال النصب لكن لا من حيث هو
مفسر في هذه الحالة بل من حيث هو خبر في حال الرفع بالصفة
فلا يعلم انه خبر عن الاسم المذكور في حال الرفع مع موافقته
للمعنى المقصود او صفة[٤] له مع مخالفته للمعنى المقصود فالالتباس[٥]
انما هو بين[٣] خبرية ذات ما هو مفسر على تقدير النصب وصفيته

نہیں ہوتا بلکہ خبر کا صفت کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ مفسّر اسم مذکور کے مبتدا واقع ہونے
کے بعد اس کی خبر بنے گا اور مفسّر نہیں رہیگا کیونکہ مفسّر صرف حالت نصب کے لئے
تھا حالت رفع کیلئے نہیں اس کا جواب شارح ای التباس ما ہو الخ سے یہ دے رہے ہیں
کہ یہاں مفسّر سے مراد مجازاً ذات مفسّر ہے یعنی وہ حالت نصب میں تو مفسّر تھا
اگرچہ اس حالت میں مفسّر نہیں رہا بلکہ حالت رفع میں اس کو خبر ہونے کی حیثیت حاصل
ہوگئی پس حالت رفع میں اس پر مفسّر کا اطلاق کرنا باوجودیکہ یہ اس حالت میں مفسر نہیں
ہے بلکہ خبر ہے مجازاً ہوگا حقیقتاً نہیں کہ اعتراض لازم آئے لہذا اس مجاز کی بناء پر
مصنف کا عند لبس خوف المفسّر بالصفۃ کہنا صحیح ہے واللہ اعلم ۳ قولہ فالالتباس
الخ مذکورہ سابقہ بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ جب اسم مذکور کو رفع پڑھیں گے تو حالت
نصب میں جو مفسّر تھا وہ خبر ہو جائے گا مفسّر نہیں رہے گا لعدم ضرورۃ اور پھر یہی
خبر صفۃ بھی بن سکتی ہے تو خبر جو پہلے مفسّر تھا اس کا التباس صفۃ کے ساتھ لازم آئیگا
اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ خبریت کی صورت میں معنی مقصود حاصل ہو جاتے ہیں (باقی بر ص۸۶)

صفت کے ساتھ لازم آتا ہے اور معنی مقصود کی مخالفت لازم آتی ہے اور یہ خلاف مقصود ہے لہذا اس احتمال سے
بچنے کے لئے نصب کو مختار قرار دیں گے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے عند خوف لبس المفسّر بالصفۃ فرمایا کہ جس
کے یہ معنے ہیں کہ مفسّر کا صفت کے ساتھ التباس ہو حالانکہ یہ غلط ہے اسلئے کہ مفسّر کا صفت کے ساتھ التباس

لابینہ بوصف التفسیر وبین الصفۃ فان الترکیب لایحتملہما معًا

مثلہ قولہ تعالٰے اِنَّا کُلَّ شَیْئٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ بنصب کُلَّ علی الاضمار بشریطۃ التفسیر ولو رفع بالابتداء وجعل خلقناہ خبرا لہ کان موافقًا للنصب فی اداء المقصود ولکن خیف لبسہ بالصفۃ لاحتمال کون قولہ تعالٰے خلقناہ صفۃً لشیٔ وقولہ بقدرٍ خبرًا لہ وہو خلاف المقصود فان المقصود الحکم علی کل شیٔ بانہ مخلوق لنا بقدر لا الحکم علی کل شیٔ مخلوقٍ لنا انہ بقدر فانہ یوہم کون بعض الاشیاء الموجودۃ غیر مخلوقۃ اللہ تعالٰی کما ہو مذہب المعتزلۃ فی الافعال الاختیاریۃ للعباد

اس کی بقدر ہو پس خبر اور صفت میں التباس کا خوف پیدا ہو جائے گا اس لئے کہ دوسری ترکیب اس کی اس طرح ہو سکتی ہے کہ کُلَّ شَیْئٍ میں شیٔ موصوف اور خلقناہ اس کی صفت ہو پھر موصوف صفت سے مل کر مضاف الیہ ہو اور کُلّ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا ہو اور بقدرٍ اس کی خبر ہو اور یہ ترکیب خلاف مقصود ہے اسلئے کہ اس وقت معنی یہ ہیں کہ ہم نے جس چیز کو پیدا کیا وہ اندازے کے مطابق ہے پس اس سے یہ وہم باطل ہوتا ہے کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کو اللہ نے پیدا نہیں کیا جیسا کہ فرقہ ضالہ معتزلہ کا یہی عقیدہ ہے کہ بندوں کے افعال اختیاریہ اللہ تعالٰی کے پیدا کردہ نہیں ہیں (العیاذ باللہ) پس ہمارا مقصود تو یہ تھا کہ ہر شئے اللہ تعالٰے کی پیدا کردہ اور اندازے کے مطابق ہے اور اس سے حاصل ہوا کہ ہر وہ شئی جو اللہ تعالٰی کی پیدا کردہ ہے وہ اندازہ کے مطابق ہے لیکن جس کو اللہ تعالٰے نے پیدا نہیں کیا وہ اندازے کے مطابق نہیں نعوذ باللہ منہ اور یہ (باقی بر صفحہ ۸۷)

(بقیہ صفحہ ۸۵) اور صفۃ بننے کے باعث معنی مقصود فوت ہو جائیں گے اور مطلب غلط ہو جائے گا تو اب شارح کہتے ہیں کہ التباس اس خبریت کی ذات (کہ جو اسم مذکور پر نصب کی بنا پر مفسّر تھی) اور وصفیۃ کے درمیان ہے نہ کہ وصف تفسیر اور صفۃ کے درمیان اس لئے کہ ایک ہی ہیئت، وقت دو احتمال نہیں نکل سکتے ہیں اس لئے کہ اسم مذکور اگر مرفوع ہو گا تو تفسیر کا احتمال باطل ہو جائیگا اور منصوب ہو گا تو احتمال وصفیۃ ختم ہو جائے گا پس لامحالہ التباس خبر اور صفت کے درمیان ہو گا مفسّر اور وصفیۃ کے درمیان نہیں (یہ مسئلہ مثال سے بخوبی واضح ہو جائے گا) واللہ اعلم ۱۲

لہ قولہ مثلہ الخ جیسے قول باریتعالٰے اِنَّا کُلَّ شَیْئٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ (کُلَّ کے لام کے فتحہ کے ساتھ) اس لئے کہ یہاں نصب مختار ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے اِنَّا خلقنا کُلَّ شیٔ خلقناہ بقدر اور وجہ اختیار نصب کی یہ ہے کہ آیۂ کریمہ سے دو چیزیں مقصود ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالٰے تمام موجودات کا خالق ہے دوسری یہ کہ تمام چیزیں اندازہ کے ساتھ پیدا فرمائی گئی ہیں پس اگر کُلَّ شئے کو نصب دیں گے تو ترکیب اس طرح ہو گی کہ خلقنا فعل بافاعل اور کل شئی مفعول بہٖ اور بقدر اس کے متعلق پس اس صورت میں آیت کریمہ سے دونوں مقصود حاصل ہو جاتے ہیں اور یہ معنے ہوتے ہیں کہ ہم نے ہر چیز کو اندازہ کے ساتھ پیدا کیا یعنی اللہ تعالٰے کی خالقیت بھی معلوم ہو گئی اور ہر چیز کا اندازہ کے ساتھ پیدا کیا جانا بھی اور اگر کل شئی کو رفع دیتے ہیں تو اس وقت اس میں دو ترکیبوں کا احتمال ہے ایک یہ کہ کُلّ شئی مبتدا اور خلقناہ بقدر اس کی خبر ہو تو اس صورت میں اس کے معنے اداء مقصود میں نصب کے موافق رہتے ہیں اس لئے کہ اس وقت اس کے معنے یہ ہیں کہ ہم نے سب چیزوں کو اندازے کے ساتھ پیدا کیا اور ظاہر ہے کہ یہ معنے وہی ہیں جو صورت نصب میں بنتے لیکن خلقناہ میں یہ احتمال پیدا ہو جاتا ہے کہ شاید یہ صفۃ ہو اور خبر نہ ہو بلکہ خبر

(بقیہ ص۸۶) خلاف مقصود ہے پس رفع کی صورت میں چونکہ اندیشہ ہے کہ مفسّر کا صفت کے ساتھ التباس نہ ہو جائے لہٰذا بخوف التباس نصب کو اختیار کیا تاکہ کارخانۂ مقصود میں خلل اندازی کا وہم نہ پیدا ہو۔ (فائدہ) اب معلوم ہو گیا کہ اس جگہ خلقناہ میں دو حیثیتیں ہیں ایک اس کے حالت نصب میں مفسّر واقع ہونے کی دوسری اس کے خبر یا صفۃ واقع ہونے کی پس مصنف نے جو عند خوف لبس المفسّر

ویستوی الامران ای الرفع والنصب فللمتکلم ان یختار کل واحدٍ (فی الاختیار ۱۲ عف) منهما بلاتفاوت فی مثل زیدٌ قام وعمراً اکرمتہ ای عندہ او فی دارہ ونحو ذلک والّا لایصح العطف علی الصغری لعدم الضمیر (ای قام ۱۲) ای یستوی الامران فیما اذا عطفت الجملۃ التی وقع فیها الاسم المذکور علی جملۃ ذات وجهین ای جملۃ اسمیۃ خبرها جملۃ فعلیۃ (ہی زید قام فی المثال المضروب ۱۲) فیصح رفعہ بالابتداء ونصبہ بتقدیر الفعل والوجہان مستویان لحصول التناسب فیهما ففی الرفع تکون اسمیۃ فتعطف علی الجملۃ الکبری وہی اسمیۃ وفی النصب تکون فعلیۃ فتعطف (زید قام ۱۲)

کہا ہے وہ اگرچہ خبر اور صفۃ کے درمیان التباس ہے لیکن اس خبریت کو ما کان کے اعتبار سے مفسّر سے تعبیر کر دیا کما ہو تفصیلہ سابقاً واللہ اعلم ۱۲ قولہ ویستوی الخ جب اختیار رفع اور اختیار نصب سے فراغت حاصل ہو گئی تو اب دونوں میں تساوی کو بیان کرتے ہیں یعنی خواہ رفع پڑھ لیا جائے یا نصب دونوں جہتیں مساوی ہیں کہتے ہیں کہ زیدٌ قام وعمراً اکرمتہ اور اس جیسی مثال میں متکلم کو اختیار ہے کہ وہ عمراً میں خواہ نصب پڑھے یا رفع ترجیح کسی کو حاصل نہیں۔ اب اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عمرو کو نصب پڑھنا جائز نہیں اسلئے کہ اس صورت میں عمراً اکرمتہ کا عطف جملہ صغری یعنی قام پر ہو گا اور قام زیدٌ مبتدا کی خبر ہے تو یہ خبر ہو گا بنا بر عطف اور یہ خبریۃ درست نہیں اس لئے کہ جملہ جب خبر واقع ہوا کرتا ہے تو اس میں ایک عائد کا ہونا ضروری ہے جو مبتدا کی طرف راجع ہو اور معطوف میں اس جگہ کوئی عائد موجود نہیں لہٰذا اس کا خبر بننا صحیح نہیں ہوا اور جب خبر بننا صحیح نہ ہوا تو عمراً پر نصب جائز نہیں ہوا اس کا جواب شارح نے ای عندہ او فی دارہ سے یہ دیا کہ

کی اصطلاحات کو سمجھ لیجئے ایک ایسی مثال لیجئے کہ جس میں جملہ در جملہ موجود ہو جیسے زیدٌ قام کہ اس میں زیدٌ مبتدا ہے اور قام اس کی خبر لیکن قام خبر بننے سے پہلے جملہ ہو گا اس لئے کہ قام فعل ہے اور ضمیر ہو اس میں مستتر اس کا فاعل جو زید کی طرف راجع ہو گی پھر فعل فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ بنے گا پھر جملہ فعلیہ ہو کر مبتدا کی خبر واقع ہو گا پھر مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گا پس اس میں جو جملہ فعلیہ ہے وہ صغری کہلائیگا اور جملہ اسمیہ کبری اسی کو جملہ ذات وجہین سے بھی تعبیر کرتے ہیں جس کی مختصر توضیح شارح نے ای جملۃ اسمیۃ خبرها جملۃ فعلیۃ سے یہ کی ہے کہ ذات وجہین اس جملہ اسمیہ کو کہتے ہیں کہ جس کی خبر جملہ فعلیہ ہو پس آپ اس کو سمجھ گئے تو اب فی مثل کا مطلب سمجھ گئے۔ کہتے ہیں کہ اس جگہ مثل سے مراد ہر وہ ترکیب ہے کہ جس میں ما اضمر عاملہ یعنی اس جملہ کا کہ جس میں اسم مذکور موجود ہو عطف جملہ ذات الوجہین یعنی ایسے جملہ اسمیہ پر ہو کہ اس کی خبر جملہ فعلیہ ہے جیسے زیدٌ قام وعمراً اکرمتہ کہ اس میں عمراً اکرمتہ (کہ جس میں اسم مذکور یعنی عمرو موجود ہے) جملہ کا عطف جملہ ذات وجہین یعنی زیدٌ قام پر ہے پس یہاں اگر عمرو کو رفع دیکر عمرٌو اکرمتہ کہیں تو یہ جملہ اسمیہ (باقی ص۸۸)

اس مثال کے آخر میں عندہ یا فی دارہ کا اضافہ کر لیا جائے یا اسکے مثل دوسرے الفاظ کا تاکہ عطف درست ہو کہ عمراً کا نصب جائز ہو جائے گا ورنہ جملہ کا عطف صغری پر درست نہ ہو گا کیونکہ ضمیر موجود نہیں واللہ اعلم ۱۲ ۵۲ قولہ ای یستوی الخ اس سے شارح یہ ظاہر فرما رہے ہیں کہ قول مصنف فی مثل سے کیا مراد ہے اس کو سمجھنے کے لئے پہلے آپ جملہ کبری اور جملہ صغری

على الصغرى وهى فعلية فان قلت السلامة من الحذف مرجحة للرفع قلنا هى معارضة لقرب المعطوف عليه فان قلت لاتفاوت فى القرب والبعد بينهما اذا الكبرى ايضا قريبة غير مفصولة عنها قلنا هذا باعتبار المنتهى واما باعتبار المبدار فالصغرى اقرب ويجب النصب اى نصب الاسم المذكور بعد حرف الشرط والمراد به ههنا ان ولو فان اما وان كانت من حروف الشرط فحكمها ما سبق من اختيار الرفع مع غير الطلب واختيار النصب مع الطلب و

لیکن مبدار کے اعتبار سے صغریٰ قریب ہے اسلئے کہ صغری یعنی قام کا مبدأ کبریٰ کے مبدأ کے بعد ہے اسلئے کہ یہ کبریٰ کا جزء اخیر ہے پس صغری اپنے مبداء کے اعتبار سے معطوف کے زیادہ قریب ہوگا اور دونوں میں تفاوت قرب وبعد کا موجود ہے لہذا رفع کو ترجیح نہیں دیجاسکتی اس لئے دونوں امر مساوی ہوں گے واللہ اعلم ۵۲ قولہ یجب النصب الخ یہاں سے استوار امرین سے فراغت کے بعد وجوب نصب کے مواقع بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اسم مذکور کو حرف شرط کے بعد نصب دینا واجب ہے بناءً اضمار علی شریطۃ التفسیر اب اعتراض وارد ہوتا ہے کہ بعض حروف شرط ایسے بھی ہیں کہ جن میں اختیار نصب ہے وجوب نصب نہیں جیسا کہ اما بشرطیکہ یہ طلب کے لئے ہو کما مر اور جب طلب کے لئے نہ ہو تو اختیار رفع ہے لہذا یہ کہنا کیسے درست ہے اس کا جواب شارح نے والمراد به ههنا الخ سے یہ دیا کہ اس جگہ حروف شرط سے مراد ان اور لو ہیں اما کے مابین میں بیان کئے جانے کے قرینہ کی وجہ سے اسلئے کہ اما اگرچہ حروف شرط سے ہے لیکن اس کا حکم یہ نہیں بلکہ وہ ہے جو ما سبق میں مذکور ہوا لہذا اعتراض ساقط ہے واللہ اعلم ۱۲

(بقیہ صہ۸۷) ہو جائیگا اس لئے کہ عمرو مبتدا ہوگا اور اکرمتہ اس کی خبر اور اگر منصوب پڑھیں تو یہ جملہ فعلیہ ہوگا بتقدیر فعل ای اکرمت عمرا اکرمتہ اور دونوں وجہیں مساوی ہیں کیونکہ دونوں میں معطوف ومعطوف علیہ کے درمیان تناسب کی رعایت ہے اسلئے کہ صورت رفع میں عمرو اکرمتہ جملہ اسمیہ ہوگا اور اس کا عطف جملہ اسمیہ کبری یعنی زید قام پر کیا جائے گا پس معطوف ومعطوف علیہ دونوں جملہ اسمیہ ہونے کے اعتبار سے تناسب کی رعایت ہو جائے گی اور نصب کی صورت میں یہ جملہ فعلیہ ہوگا لہذا اس کا عطف جملہ فعلیہ صغری یعنی قام پر ہوگا اور اس میں بھی رعایت موجود ہے لہذا کسی ایک کو ترجیح نہ ہوگی اور رفع ونصب دونوں مساوی ہونگے واللہ اعلم ۵۱ قولہ فان قلت الخ یہاں سے کسی ایک کو ترجیح نہ دیئے جانے پر شارح ایک اعتراض کرکے اس کا جواب دے رہے ہیں کہتے ہیں کہ صورت رفع میں کسی حذف کا ارتکاب نہیں کرنا پڑتا لہذا اسلامتی عن الحذف کی وجہ سے رفع کو ترجیح ہونی چاہئے نہ یہ کہ دونوں جانب مساوی ہوں قلنا سے جواب دیا کہ یہ سلامتی عن الحذف قرب معطوف علیہ کے معارض ہے یعنی جب نصب کی صورت میں یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہوگا تو اس کا معطوف علیہ جملہ فعلیہ صغرٰی یعنی قام ہوگا اور ظاہر ہے کہ بہ نسبت زید قام کے قام اپنے معطوف سے قریب ہے لہذا سلامتی عن الحذف قابل قبول نہ ہوگی پھر معترض نے اعتراض کیا کہ ان دونوں کے درمیان قرب وبعد میں کوئی تفاوت نہیں اسلئے کہ کبریٰ بھی قریب ہے اور جملہ معطوف علیہ یعنی قام سے جدا نہیں اس کا جواب قلنا سے یہ دیا کہ یہ قرب وبعد کا تفاوت منتہی کے اعتبار سے معلوم نہیں ہوتا یعنی اس لئے پتہ نہیں چلتا کہ جملہ اولی یعنی زید اور قام اعراب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے اس قدر مربوط ہیں کہ زید کا اعراب بغیر قام کے ملائے تمام نہیں ہوسکتا اس لئے کہ قام اس کی خبر ہے اور مبتدا بغیر خبر کے بے فائدہ ہوتا ہے

كذا يجب نصبه بعد حرف التحضيض وهو هلّا والا ولولا ولوما وانما

وجب النصب بعدها لوجوب دخولها علے الفعل لفظًا او

تقديرًا نحو ان زيدًا ضربته ضربك مثال الحرف الشرط

والا زيدًا ضربته مثال لحرف التحضيض وليس مثل ازيد ذهب

به منه اى من باب الاضمار علے شريطة التفسير فان زيدا فيه

وان كان يظن فے بادى النظر انه مما اضمر عامله على شريطة

التفسير والمختار فيه النصب لوقوع الاسم المذكور فيه بعد حرف

الاستفهام لكن يظهر بعد تعمق النظر انه ليس منه فانه وان

صدق عليه انه اسم بعده فعل مشتغل عنه بضميره لكنه ليس

بحيث لو سلط عليه هو او مناسبه لنصبه لان ذهب به

متعلق اگرچہ اس مثال میں بادی النظر میں اس بات کا گمان ہوتا ہے کہ یہ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر سے ہے اور اس میں اسم مذکور کے حرف استفہام کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے نصب مختار ہو لیکن امعان نظر اور غور و فکر کے بعد یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ یہ باب اضمار سے نہیں ہے اسلئے کہ اگر اس اسم پر یہ امر صادق آرہا ہے کہ اس کے بعد فعل ہے اور وہ فعل اسم مذکور کی ضمیر میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم سے بے پرواہ ہے اور اس میں عمل نہیں کرتا لیکن جب اس فعل کو یا اس کے مناسب کو اس اسم پر نصب دینے کیلئے مسلط کرتے ہیں تو وہ فعل یا اس کا مناسب اس اسم کو مفعولیت کی بنا پر نصب نہیں دیتا اسلئے کہ ذہب بہ نصب کا عمل نہیں کرتا اور ایسے ہی اس کا مناسب یعنی اُذہب کما م تفصیلہ آنفًا واللہ اعلم ۱۲

لہ قولہ وکذا یجب الخ ایسے ہی حرف تحضیض کے بعد بھی نصب واجب ہے حروف تحضیض یہ ہیں ہَلّا - اَلّا - لولا - لوما اور ان میں وجوب نصب کی وجہ یہ ہے کہ ان کا فعل ملفوظی یا مقدر پر داخل ہونا واجب ہے یعنی اگر لفظوں میں فعل موجود نہ ہو تو مقدر ہونا چاہیئے پس ان حروف کے بعد جب اسم مذکور واقع ہوگا تو اس سے پہلے فعل مقدر مانا جائے گا تاکہ اسم کو نصب دے سکے اور ان کا فعل پر داخل ہونا اسلئے واجب ہے کہ حرف شرط تعلیق زمانی پر دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ زمانہ صرف فعل سے مستفاد ہوتا ہے اسم سے نہیں ایسے ہی حرف تحضیض ماضی میں تندیم اور توبیخ پر دلالت کرتے ہیں اور استقبال میں ترغیب انگیخت کے لئے ان کی وضع ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ زمانہ ماضی اور مستقبل بھی بجز فعل کے کسی اور سے نہیں سمجھے جاتے لہذا ان کا فعل پر دخول واجب ہوا واللہ اعلم ۱۲ ؎۲ قولہ نحو ان زیدا الخ حرف شرط کی مثال ان زیدًا ضربتہ ضربک ہے اس کی تقدیر عبارت یہ ہے اِن ضربت زیدًا ضربتہ ضربک (اگر تو نے زید کو مارا تو مجھ کو مار یگا) اور حرف تحضیض کی الّا زیدًا ضربتہ ای اَلّا ضربت زیدًا ضربتہ (ابھی تک تو نے زید کو نہیں مارا) واللہ اعلم ؎۳ قولہ ولیس مثل الخ مثل سے مراد اس جگہ ہر وہ اسم ہے کہ اس کے بعد فعل یا شبہ فعل اس حیثیت سے ہو کہ اس کو یا اس کے مناسب یعنی مناسب مرادف یا مناسب لازم کو اس اسم پر مسلط کریں تو وہ اس اسم کو مفعولیت کی بنا پر نصب نہ دے سکے جیسا کہ اس مثال میں ازید ذہب بہ کہ اگر عین فعل کو بار کے ساتھ مسلط کریں تو زید مجرور ہوگا اور اگر بغیر بار کے مسلط کرتے ہیں تو وہ مفعول ہو کر منصوب نہیں ہوگا بلکہ فعل مجہول کا نائب فاعل ہو جائے گا اسی طرح اگر اس کے مناسب مرادف یعنی اُذہب کو اس پر مسلط کرتے ہیں تب بھی اسم مذکور منصوب نہیں ہوگا بلکہ بنا بر نائب فاعل ہونے کے رفع آئے گا پس یہ باب اضمار علی شریطۃ التفسیر سے نہیں اس لئے کہ زید کے

لا يعمل النصب وكذا مناسبه اعني أذهب فان قلت لا نحصر المناسب في اذهب فليقدر مناسب آخر نصيبه مثل يلابس او اذهب على صيغة المعلوم فيكون تقديره زيدا يلابسه الذهاب (اى الذهاب) به او يلابسه احد بالذهاب به او اذهبه احد قلنا المراد بالمناسب ما يرادف الفعل المذكور او يلازمه مع اتحاد ما اسند اليه فالاتحاد فيما ذكرته مفقود واذا كان الامر كذلك فالرفع اى رفع زيد في المثال واجب بالابتداء ونصبه غير جائز بالمفعولية فليس من (المذكور) باب الاضمار على شريطة التفسير فكيف مما يختار فيه النصب و كذا اى مثل ازيد ذهب به قوله تعالى (يكون) كل شئ فعلوه في الزبر اى في صحائف اعمالهم فهو ليس من باب الاضمار على شريطة

نصب جائز نہیں پس جب نصب جائز نہیں ہوا تو باب اضمار علی شریطۃ التفسیر سے بھی نہیں ہوگا اور جب یہ اس باب سے نہیں ہوگا تو جن مواضع میں نصب مختار ہوتا ہے ان میں سے کیونکر ہو سکتا ہے اسلئے کہ اختیار نصب اس امر پر مبنی ہے کہ اسم مذکور میں ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کا احتمال ہو سکے اور اس میں سرے سے یہ احتمال ہی مفقود ہے لہٰذا زید پر رفع واجب ہوگا واللہ اعلم ۱۲ اسکے ۵ قولہ وکذا ای مثل الخ کذا میں کاف بمعنی مثل ہو کر مبتدا ہے اسلئے کہ کاف حرف ہے لہٰذا اس کے معنے مثل کیا گیا از قولہ تعالیٰ سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی کل شئ الخ نہیں ہے اسلئے کہ یہ جملہ ہے اور جملہ میں مبتدا کی طرف عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور یہاں موجود نہیں پس اس کی خبر قولہ تعالیٰ محذوف ہے کہتے ہیں کہ ایسے ہی یعنی (باقی بر صفحہ ۹۱)

له قوله فان قلت الخ یہ ایک اعتراض ہے جس کو بیان کر کے شارح اس کا جواب دیں گے اعتراض یہ ہے کہ ذہب بہ فعل کے مناسب کا انحصار اذہب میں ہی صحیح نہیں بلکہ اس کے مناسبات دوسرے بھی ہو سکتے ہیں کہ جن کے باعث اسم مذکور کو نصب آسکتا ہے پس مناسب آخر مقدر نکالنا چاہیئے تاکہ وہ اسم مذکور کو نصب دے سکے مثلاً یلابس یا اذہب صیغہ معروف کے ساتھ پس اس بنار پر تقدیر مناسب اس طرح ہوگی زیداً یلابسہ الذہاب بہ یا زیداً یلابسہ احدٌ بالذہاب بہ یا زیداً اذہبہ احدٌ اور ظاہر ہے کہ یہ معنی زید ذہب بہ کو لازم ہیں پس مناسب لازم یہاں موجود ہے کہ جس کی بنار پر اسم مذکور کو نصب آ سکتا ہے اور اس میں یلابسہ کی دو مثالیں اس لئے ذکر کی گئی ہیں کہ مثال اول میں ملابس بہ مصدر یعنی الذہاب بہ ہے جو کہ صلۂ بار کے بعد الاذہاب کے معنی میں ہے اور مثال ثانی میں افراد انسان میں سے کوئی ایک ملابس بہ ہے اور یہ دونوں صورتیں اس سے نکل سکتی ہیں اس لئے ان کو ذکر کر دیا واللہ اعلم
۵ے قولہ قلنا المراد الخ یہ اعتراض مذکور کا جواب ہے کہتے ہیں کہ فعل مذکور کے مناسب مرادف یا لازم سے مراد یہ ہے کہ فعل مقدر اور فعل مذکور کے فاعل میں اتحاد ہو یعنی دونوں فعلوں کا مسند الیہ ایک ہی ہونا چاہیئے جدا جدا نہ ہو اور ظاہر ہے کہ مناسب مرادف یا لازم کی جو صورت معترض نے ذکر کی ہے اس میں یہ اتحاد مفقود ہے اس لئے کہ اس میں فعل مناسب مرادف یا لازم کا یعنی مقدر کا جو فاعل ہے وہ الذہاب یا احدٌ ہے اور فعل مذکور کا فاعل زید اور ان دونوں میں اتحاد نہیں پس جب اتحاد نہیں پایا گیا تو یہ فعل مقدر مذکورہ اعتراض اس فعل مذکور کے مناسب بھی نہیں ہوگا کیونکہ شرط مفقود ہے یعنی اتحاد مسند الیہ لہٰذا اس کو باب اضمار سے شمار کرنا درست نہیں ہوگا واللہ اعلم ۱۲ اسکے ۵
قولہ واذا کان الخ پس جب بات اس طرح ہے تو مثال مذکورہ کے زید میں رفع واجب ہے ابتدائیت کی بنا پر اور مفعولیت کی بنا پر

(بقیہ صنہ۹) ازید ذہب بہ کی طرح کل شئ فعلوہ فی الزبر باب ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر سے نہیں ہے اور مراد اس سے ہر وہ اسم ہے کہ جو ما اضمر عاملہ کی صورت میں ہو اور اس کے بعد ایسا فعل واقع ہو کہ اگر اس کو اس اسم پر مسلط کریں نصب دینے کیلئے تو معنی فاسد ہو جائیں پس آیۃ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ چیز کہ جس کو بندوں نے کیا ہے ان کے اعمال ناموں میں مرقوم ہے چھوٹا یا بڑا کوئی فعل ایسا نہیں جو اس میں درج ہونے سے رہ گیا ہو ترکیب اس آیۃ کریمہ کی یہ ہے کل مضاف شئ مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ سے مل کر موصوف فعلوہ فعل اپنے فاعل ضمیر ہم مستتر اور ہ ضمیر مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت موصوف اپنی صفت سے مل کر مبتدا اور فی الزبر جار مجرور ظرف مستقر مرفوع محلاً خبر مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا پس کلُّ شئ کو رفع کی صورت میں پڑھا جاتا ہے اور یہ باب ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر سے نہیں ہے اس لئے کہ اگر اس کو اس باب سے بنائیں گے اور اسم مذکور یعنی کلّ کو نصب دینگے تو اس کی تقدیر فعلوا کلّ شئ فی الزبر ہوگی پس فی الزبر میں اب دو احتمال پیدا ہو جاتے ہیں ایک یہ کہ فی الزبر کو فعل کے متعلق قرار دیں تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ معنے فاسد ہو جائیں گے اسلئے کہ اس وقت یہ معنی ہیں کہ انھوں نے سب چیزوں کو نامہ اعمال میں کیا ہے یعنی اعمالنامے ان کے اعمال کا محل اور مقام ہیں حالانکہ صحائف اعمال بندوں کے افعال کا محل نہیں اس لئے کہ وہ اس میں کسی فعل کو بھی نہیں کرتے بلکہ کراماً کاتبین جو فرشتے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر ہیں وہ اُن صحائف میں ان کے اعمال کا اندراج بصورت کتابت کر دیتے ہیں دوسرا احتمال اس میں یہ ہے کہ فی الزبر کو شئ کی صفۃ قرار دیں باوجودیکہ یہ ظاہر آیت کے خلاف ہے تو اس صورت میں معنی مقصود فوت ہو جاتے ہیں اسلئے کہ مقصود تو یہ تھا کہ بندے کے جتنے افعال کرتے ہیں وہ سب نامہ اعمال

التفسیر لانہ لو جعل منہ لصار التقدیر فعلوا کل شئ فی الزبر فقولہ فی الزبر ان کان متعلقاً بفعلوا فسد المعنے لان صحائف اعمالھم لیست محلاً لفعلھم لانھم لم یوقعوا فیھا فعلاً بل الکرام الکاتبون (ای الکاتبون المکرمون وھم من الملائکۃ) اوقعوا فیھا کتابۃ افعالھم وان کان صفۃ لشئ مع انہ خلاف ظاہر الآیۃ فات المعنے المقصود اذ المقصود ان کل شئ ھو مفعول لھم (ای العباد) کائن فی الزبر مکتوب فیھا موافقاً لقولہ تعالیٰ وکل صغیر وکبیر مستطر لا ان کل شئ کائن فی صحائف اعمالھم مفعول لھم فالرفع لازم علی ان یکون کل شئ مبتدأ والجملۃ الفعلیۃ صفۃ لشئ والجار والمجرور فی محل الرفع علی انہ خبر المبتدا وتقدیرہ کل (ای قولہ فی الزبر)

میں درج ہوتے ہیں اور اسی معنی کی تائید قول تعالیٰ وکل صغیر وکبیر مستطر سے بھی ہوتی ہے لیکن اس صورت میں یہ معنی ہوتے ہیں کہ جو چیزیں نامۂ اعمال میں لکھی ہوئی ہیں ان سب کو بندوں نے کیا ہے پس اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ بندوں کے بعض اعمال ایسے بھی ممکن ہیں کہ جن کو صحائف اعمال میں درج نہیں کیا گیا اور یہ باطل ہے پس اسم مذکور میں اس بنا پر رفع واجب ہے کہ کل شئ کو مبتدا قرار دیں اور فعلوہ جملہ فعلیہ کو باعتبار رفع کے اس کی صفت یا باعتبار جر کے شئ کی صفت کہ شئ موصوف اپنی صفت سے مل کر مضاف الیہ ہوا پھر مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا اور جار مجرور یعنی فی الزبر محل رفع میں ہونے کے اعتبار سے مبتدا کی خبر ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے کل شئ ہو مفعول لھم ثابتٌ فی الزبر یعنی ہر وہ شئ کہ جو بندوں کی کی ہوئی ہے زبر میں ثابت و مرقوم ہے اس طور پر کہ نہ کوئی چھوٹا گناہ لکھنے سے چھوڑا گیا اور نہ کوئی بڑا گناہ۔ (باقی برصفحہ ۹۲)

(بقیہ صـ۹۱) زُبُر بضم الزار والبار زبور بفتح زار کی جمع ہے اور زبور معنی میں مزبور یعنی مکتوب کے ہے اسلئے کہ زبر کے معنی کتابت اور لکھنے کے آتے ہیں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ زبور اس کتاب کو کہتے ہیں کہ جس میں حکمۃ عقلیہ کی باتیں ہوں اور کتاب وہ ہے جو احکام شرعیہ کو متضمن ہو واللہ اعلم ۔ ۱۵ قولہ واعلم الخ ماتن کی آئندہ عبارت ونحو الزانیۃ الخ ایک سوال مقدر کا جواب ہے

شیٔ ہو مفعول لہم ثابت فی الزبر بحیث لایغادر صغیرۃً ولاکبیرۃً

واعلم انہ قد سبق ان الاسم المذکور اذا کان الفعل المشتغل عنہ

بضمیرہ او متعلقہ امرا او نہیا فالمختار فیہ النصب والظاہر ان

قولہ تعالٰے الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحدٍ منہما مائۃ جلدۃٍ

داخل تحت ہذہ القاعدۃ مع ان القراء اتفقوا فیہ علی الرفع

الا فی روایۃٍ شاذۃٍ عن بعضہم فاضطر النحاۃ الی ان تمحلوا الاخراجہ

عن القاعدۃ المذکورۃ لئلا یلزم اتفاق القراء علی غیر المختار

فاشار المصنف الی ما تمحلوا الاخراجہ عنہا فقال ونحو الزانیۃ

والزانی فاجلدوا کل واحدٍ منہما مائۃ جلدۃٍ الفاء فیہ مرتبطۃ

بمعنے الشرط عند المبرد لکون الالف واللام فی الزانیۃ والزانی

(حاشیہ: اس حیلہ کردند ۱۲ — ہو عیسٰی ابن عمر ۱۲ غف — ابی العباس ۱۲)

الزانیۃ والزانی میں الف لام موصولہ ہے اور اسم فاعل یعنی زانیۃ اور زانی اس کا صلہ پھر صلہ موصول سے مل کر مبتدا متضمن معنی شرط کو ہے اس لئے کہ جب مبتدا موصول ہوتی ہے اور فعل یا ظرف اس کا صلہ تو اس میں شرط کے معنی پائے جاتے ہیں اور فعل یا ظرف شرط کی مانند ہوتا ہے پس اس میں اسم فاعل جو اس کا صلہ ہے وہ شرط کی مانند ہے اس لئے کہ اس جگہ اسم فاعل فعل کے معنی میں ہے پس اس کی تقریر عبارت یوں ہوگی اَلَّتِی زَنَتْ وَالَّذِی زَنٰی فاجلدوا الخ میں مبتدا کی خبر یعنی فاجلدوا جزار کے مثل ہوگی اور جو فار کہ اس مبتدا کی خبر پر داخل ہوتی ہے وہ خبر کو شرط کے ساتھ ربط دینے کیلئے ہے اسلئے کہ وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ شرط جزار کا سبب ہے اور یہ امر مسلّم ہے کہ (باقی برصـ۹۳)

شارح اس سوال کی تشریح اعلم کے ساتھ فرمارہے ہیں کہتے ہیں کہ ماسبق میں بیان ہو چکا ہے کہ اسم مذکور سے جب فعل ضمیر اسم یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اعراض کرے اور وہ فعل صیغۂ امر یا نہی ہو تو اس میں نصب مختار ہوتا ہے تاکہ انشار میں تاویل کا ارتکاب نہ کرنا پڑے اور ظاہر یہ ہے کہ قول باری تعالیٰ الزانیۃ والزانی فاجلدوا الخ بھی اسی قاعدہ میں مندرج ہے اور اس میں نصب مختار ہونا چاہیے لیکن تمام قرار اسم مذکور کے رفع پر متفق ہیں مگر صرف ایک روایۃ شاذہ عیسی بن عمر کی نصب کی ہے جو شاذ ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں پس یہ حکم منقوض ہو گیا کہ امر و نہی سے پیشتر اگر اسم مذکور واقع ہو تو اس میں نصب مختار ہوتا ہے کیونکہ یہاں نصب مختار نہیں بلکہ رفع ہے پس اب دو ہی باتیں ہیں یا تو مصنف کا بیان کردہ قاعدہ غلط ہے یا اتفاق قرار صحیح نہیں لیکن قرار کا اتفاق غلط ہو نہیں سکتا اسلئے کہ قرار سبعہ نے جس پر اتفاق کر لیا ہے وہ قرآن منزل من اللہ اور شائبہ اغلاط سے محفوظ ہے پس نحاۃ اس آیت کو اس قاعدہ سے نکالنے کے لئے حیلے حوالے تراشنے لگے تاکہ قرار کا اتفاق غیر مختار پر لازم نہ آئے پس ان لوگوں نے جو کچھ حیلہ تراشی کی مصنف اس کو بیان فرماتے ہیں واللہ اعلم ۱۲ ۔ ۱۶ قولہ ونحو الزانیۃ الخ کہتے ہیں کہ مبرد اس آیت کے بارے میں کہتا ہے کہ فاجلدوا میں فار بمعنی شرط یعنی فار جزائیہ ہے جو کہ اپنے مدخول کو شرط سے ربط دینے کے لئے آتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ

(بقیہ صہ ۹۲) اس فار کا حیز یعنی مابعد اس کے ماقبل میں عمل نہیں کیا کرتا اسلئے کہ یہ فار اپنی جگہ میں واقع ہے لہذا اگر ایسا کریں گے تو شرط کی سببیت جزار کیلئے باقی نہیں رہیگی بخلاف اس فار کے جو زائدہ ہو یا اپنے موضع سے مغیرہ ہو کہ اس کا مابعد اس کے قبل میں عمل کرسکتا ہے جیسے وربک فکبر ای کبر ربک اور جیسے واما بنعمۃ ربک فحدث ای حدث نعمۃ ربک پس فعل مذکور کی تسلیط جو اسم کے بعد ہے وہ ماقبل یعنی اسم پر ممتنع ہوگئی اور جب تسلیط ممتنع ہوگئی تو آیت ما اُضمر عاملہ سے نہ ہوگی پس ابتدائیت کی بنا پر رفع متعین اور واجب ہوگا واللہ اعلم ۔ ۱؎ قولہ والآیۃ جملتان الخ سیبویہ کے نزدیک آیۃ کریمہ دو مستقل علیحدہ علیحدہ جملے ہیں اور اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ الزانیۃ مبتدا محذوف المضاف ہے یعنی اس سے پہلے اس کا مضاف محذوف ہے اور الزانی کا عطف الزانیۃُ پر ہے اور خبر مبتدا کی محذوف ہے پس تقدیر عبارت یوں ہوگی ای حکم الزانیۃ والزانی فیما یتلی علیکم بعد اور فار اس حکم موعود کو بیان کرنے کیلئے جملہ ثانیہ یعنی فاجلدوا میں لائی گئی اور فار ان کے نزدیک بھی سببیت کے لئے ہے اور جملہ ثانیہ کی تقدیر عبارت اس طرح ہے ای ان ثبت زناہما فاجلدوا اور بعض کہتے ہیں کہ فار زائدہ ہے اور اس امر کی تاکید کے لئے لائی گئی ہے کہ جملہ ثانیہ حکم موعود کے بیان کے لئے جملہ اولیٰ سے ملصق ہے یا تفسیر کے لئے ہے یعنی جس حکم کا دعویٰ کیا گیا تھا اس حکم کی تفسیر یہ ہے بہرحال آیۃ کریمہ مستقل دو جملے ہیں اور اس وقت تسلیط مذکور ممتنع ہوگی اسلئے کہ

مبتدا أو موصولا فيه معنى الشرط واسم الفاعل الذي هو صلته كالشرط فخبر المبتدأ كالجزاء والفاء الداخلة عليه مرتبطة بالشرط لدلالتها على سببية للجزاء ومثل هذه الفاء لا يعمل ما في حيزها في ماقبلها فامتنع تسليط الفعل المذكور بعدها على ماقبلها فتعين فيه الرفع والآية جملتان[1] مستقلتان عند سيبويه اذ الزانية مبتدأ محذوف المضاف والزاني عطف عليه والخبر محذوف اي حكم الزانية والزاني فيما يتلى عليكم بعد وقوله فاجلدوا جملة ثانية لبيان الحكم الموعود والفاء عنده ايضا للسببية اي ان ثبت زناهما فاجلدوا وقيل زائدة او للتفسير وجزء الجملة لا يعمل في جزء جملة اخرى فيمتنع التسليط فلا تدخل في الضابطة فتعين الرفع والا[2] اي ان لم تكن الفاء بمعنى الشرط ولم تكن الآية جملتين ايضا فهي تكون داخلة تحت الضابطة فالمختار حينئذ فيها النصب....

نہ ہوں تو یہ آیۃ ضابطہ کے تحت میں داخل ہوجائیگی یعنی پھر اس کا شمار باب ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر سے ہوگا اور اس وقت میں حسب ضابطہ مذکورہ نصب مختار ہوگا لیکن چونکہ قرار کا اتفاق نصب پر نہیں رفع پر ہے اس لئے نصب باطل ہوگا پس اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو فار کو جواب شرط قرار دیا جائے یا آیۃ کو مستقل دو جملے تسلیم کئے جائیں تاکہ رفع متعین ہوجائے

ایک جملہ کا جزء دوسرے جملہ کے جزء میں عمل نہیں کیا کرتا پس جب تسلیط مذکور ممتنع ہوگئی تو اب یہ آیت باب ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر میں داخل نہیں ہوگی پس ابتدائیت کی بنا پر اسم مذکور میں رفع ممتنع ہوگیا اور قرار کا اتفاق علی الرفع اور ضابطہ مذکورہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح اور درست ہوگئے واللہ اعلم ۔ ۲؎ قولہ والا الخ اور اگر فار شرط کے لئے نہ ہو یا آیۃ کریمہ مستقل دو جملے

واختیارُ النصب باطل لاتفاق القرار علی الرفع فلابد من جعل الفاء بمعنی الشرط او جعل الآیة جملتین لیتعین الرفع الرابع من تلک المواضع التی وجب حذف الناصب للمفعول بہ فیہا

التحذیر وانما وجب حذف الفعل فیہ لضیق الوقت عن ذکرہ
اے المحذر والمحذر منہ باقامۃ المصدر مقام المفعول ۱۲
وہو فی اللغۃ تخویف شیٔ عن شیٔ وتبعیدہ منہ وفی اصطلاح

النحاۃ معمول ای اسمٌ عُمِل فیہ النصب بالمفعولیۃ بتقدیر اتق تحذیراً ای حذر ذلک المعمول تحذیراً فیکون مفعولاً مطلقاً او ذکر تحذیراً فیکون مفعولاً لہ مما بعدہ ای مما بعد ذلک المعمول

او ذکر المحذر منہ مکرراً علی صیغۃ المجہول عطف علی حُذِّرَ او
ای الذی حذر منہ ۱۲ — وہو المعمول ۱۲
ذُکِر المقدر فان قلت فعلی ہذا لابد من ضمیر فی المعطوف کما
یرجع الی قولہ معمول ۱۲
فی المعطوف علیہ قلنا نعم لکنہ وضع فی المعطوف المظہر موضع المضمر اذ التقدیر الکلام او معمول بتقدیر اتق ذکر مکرراً الا انہ وضع المحذر

بہر حال خواہ محذر یعنی مخاطب کو معمول بنایا جائے یا محذر منہ کو دونوں قسمیں اس امر میں شریک ہیں کہ دونوں اتق یا بعد مقدر کے باعث منصوب ہوتی ہیں اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب ذُکِر کو ماقبل پر معطوف قرار دیا گیا ہے تو جس طرح معطوف علیہ میں ضمیر موجود ہے جو معمولؔ کی طرف راجع ہے اسی طرح معطوف میں بھی (باقی بر صفحہ ۹۵)

لہ قولہ الرابع الخ یعنی ان مواضع میں سے کہ جن میں مفعول بہ کے فعل ناصب کو حذف کرنا واجب ہے چوتھا موضع تحذیر ہے اس میں حذف فعل اس وجہ سے واجب ہے کہ وقت تنگ اور قلت فرصت فعل کے ذکر کا موقع نہیں دیتی کیونکہ اگر فعل کو ذکر کیا جائیگا تو ممکن ہے کہ جس شخص کو ڈرایا گیا ہے وہ محذر منہ کا شکار ہو جائے تحذیر کے معنی لغت میں کسی شئے کو کسی شئے سے ڈرانے اور اس سے دور کرنے کے آتے ہیں اور اصطلاح نحاۃ میں اسم کو کہتے ہیں جو بر بنا مفعولیۃ اتق یا بعد مقدر وغیرہ کا معمول منصوب بنے تاکہ مخاطب کو مابعد سے ڈرایا جائے اب جاننا چاہیے کہ شارح نے وہو کے بعد فی اللغۃ الخ کہہ کر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ماتن کی بیان کردہ تعریف اصطلاحی ہے لغوی نہیں اور لغوی وہ ہے جو شارح نے بیان کی ہے اور ای اسمٌ عُمِل فیہ النصب بالمفعولیۃ سے ایک سوال مقدر کا جواب دینا مقصود ہے سوال یہ ہے کہ ایاک والاسد میں ایاک معمول فیہ ہے نہ کہ معمول اسلئے کہ معمول نصب ہے اور وہ تحذیر نہیں لہذا تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں رہی جواب یہ دیا کہ معمول سے مراد معمول فیہ ہے یعنی وہ اسم کہ جس میں مفعولیت کی بنا پر نصب کا عمل کیا گیا ہو اب رہا ای حُذِّر ذلک المعمول الخ کا اضافہ تو اس سے شارح نے یہ بتایا ہے کہ تحذیراً یا تو مفعول مطلق ہے ای حُذِّر ذلک المعمول تحذیراً یا بتقدیر ذُکِر، ای ذُکِر ذلک المعمول تحذیراً مفعول لہ ہے واللہ اعلم

لہ قولہ او ذکر الخ او ذکر المحذر منہ الخ کا عطف تحذیراً سے پیشتر حُذِّر فعل مقدر یا ذُکِر مقدر پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اتق مقدر کا معمول محذر منہ کو قرار دیکر محذر منہ کو مکرر ذکر کر دیا جائے تاکہ اس تکرار محذر منہ سے متنبہ ہو کر محذر محذر منہ سے اجتناب کرے حاصل یہ ہوا کہ معمول تحذیر کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ وہ معمول اتق مابعد مقدر کی وجہ سے منصوب ہو اور اس معمول کو مابعد سے ڈرایا جائے دوسرے یہ کہ محذر منہ کو مکرر لاکر اتق فعل مقدر کا معمول قرار دیا جائے

(بقیہ ص۹۴) عائد ہونا چاہیئے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ قول مصنف تحذیراً مما بعدہٗ اپنے فعل مقدر یعنی حُذِّر یا ذُکِّر سے مل کر معمول کی صفت ہے اور فعل مقدر میں ایک ضمیر مستتر یعنی ہو موجود ہے جو معمول موصوف کی طرف راجع ہوتی ہے اسلئے کہ جملہ جب صفت ہوتا ہے تو صفت میں ایک عائد کا لانا ضروری ہوتا ہے جو کہ موصوف کی طرف راجع ہو تاکہ صفت اور موصوف کے درمیان ارتباط حاصل ہو جائے پھر یہ کہ اس صفت کو کہ جس میں عائد موجود ہے معطوف علیہ قرار دیا گیا ہے اور اذ ذُکِرَ المحذَّرُ منہ مکرراً کو معطوف پس جب معطوف علیہ میں ضمیر موجود ہوئی تو معطوف میں بھی لامحالہ ایک ضمیر ہونی چاہیئے جو موصوف کی طرف راجع ہو تاکہ معطوف علیہ اور معطوف میں تناسب قائم رہے اور دونوں کا ایک حکم ہو لیکن یہاں ایسا نہیں اس لئے کہ معطوف یعنی اذ ذکر المحذر منہ مکرراً میں کوئی ایسی ضمیر نہیں جو معمول موصوف کی طرف راجع ہو پس معطوف علیہ اور معطوف میں رعایت تناسب باقی نہیں رہی اور دونوں کا حکم ایک نہ ہوا لہذا عطف کیونکر صحیح ہو گا شارح نے قلنا سے جواب دیا کہ یہ اعتراض تسلیم ہے لیکن عائد کا فقط ضمیر میں منحصر ہونا ہم کو تسلیم نہیں بلکہ مضمر کے موقع میں مظہر کا آنا بھی عائد ہے اور یہ ظاہر ہے کہ المحذر منہ مظہر ضمیر ہو مستتر کے موقع میں ہے اس لئے کہ معطوف علیہ کے فعل حُذِّر یا ذُکِّر میں ضمیر ہو ہی معطوف کی طرف راجع تھی پس موصوف مذکور عائد سے خالی نہیں کہ عطف مذکور صحیح نہ ہو پس تقدیر عبارت اس طرح ہے او معمول بتقدیر اتقِ ذُکِرَ مکرراً پس اس صورت میں ذکر میں ضمیر ہو جائیگی جو کہ معمول موصوف کی طرف راجع ہو گی پھر اعتراض وارد ہوا کہ مظہر کو مضمر کی جگہ میں رکھنے سے کیا فائدہ ہے جبکہ مضمر سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور عبارت میں اصل کے مطابق ایجاز و اختصار بھی رہتا ہے اس کا جواب شارح الا انہ وضع الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ محذر منہ

منہ موضع المضمر العائد الی المعمول اشعاراً بانہ محذَّرٌ منہ لا محذَّرٌ مثل ایّاک والاسَدَ و ایّاک وان تحذف ہذان مثالان لاول نوعی التحذیر و معناہما بعّدْ نفسک من الاسد والاسد من نفسک و بعّدْ نفسک عن حذف الارنب وہو ضربہ بالعصا و بعّدْ حذف الارنب عن نفسک وعلی التقدیرین المحذر منہ ہو الاسد والحذف فان المراد من تبعید الاسد والحذف من نفسک تحذیرہا منہما لا تحذیرہما

کو معمول کی طرف لوٹنے والی ضمیر کی جگہ میں رکھنے سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ معمول محذر منہ ہے محذر نہیں جیسا کہ معطوف علیہ میں محذر معمول ہے واللہ اعلم ؎ قولہ مثل ایاک الخ یہ تحذیر کی نوع اول یعنی تحذیراً مما بعدہٗ کی مثالیں ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ مثال اول میں محذر منہ تحقیقی ہے اور مثال ثانی میں تاویلی ایاک والاسد اصل میں بعد نفسک من الاسد والاسد من نفسک تھا اول لفظ کو زائد کیا گیا تاکہ ضمیر فاعل اور ضمیر مفعول کا انصال معاً فعل کے ساتھ نہ ہو اسلئے کہ جب کہ فاعل و مفعول دونوں سے مراد شئے واحد ہو تو اتصال جائز نہیں اور ظاہر ہے کہ یہاں ضمیر انت اور کاف سے مراد ایک ہی ہے یعنی محذر پس جب تنگی وقت اور قلت فرصت کے باعث فعل کو حذف کیا گیا تو فاعل کو بھی اس کے ساتھ حذف کرنا پڑا اور پھر لفظ نفس کی ضرورت نہیں رہی لہذا اس کو بھی ساقط کیا پھر ضمیر متصل کو منفصل سے بدل دیا ایاک والاسد ہو گیا پھر اس مثال میں چونکہ دو لفظ آئے ہیں ایاک اور الاسد اور دونوں منصوب ہیں لہذا دونوں کی اصل نکالی جائے گی ای بعّد نفسک من الاسد یعنی دور کرے اپنے نفس کو شیر سے اور بعّد الاسد من نفسک دور کر دے شیر کو اپنے نفس سے بہر صورت مآل ایک ہی نکلتا ہے یعنی یہ کہ اسد محذر منہ ہے اب رہا ایاک وان تحذف۔ (باقی بر ص۹۶)

(بقیہ صـ ۹۵) تو اس کے متعلق یہ ہے کہ حذف لاٹھی سے خرگوش مارنے کو کہتے ہیں پس اس کی اصل بھی حسب مذکور بعدّ نفسک عن حذف الارنب اور بعد حذف الارنب عن نفسک ہوگی یعنی تو اپنے نفس کو خرگوش کو لاٹھی سے مارنے سے بچا اور لاٹھی سے خرگوش کے مارنے کو اپنے آپ سے بچا اس مثال میں ان تخذف بتاویل مصدر ہو کر محذر منہ اسم تاویلی ہے بخلاف مثال

منہا والطریق[۱] الطریق مثال لثانی نوعیہ ای اتق الطریق

الطریق[۲] ولا[۳] یخفی علیک ان تقدیر اتق فی اول النوعین غیر صحیح
(وکذا فی تہیم الصبی الصبی والجدار الجدار ۱۲)

لانہ لایقال اتقیت زیداً من الاسد فینبغی ان یقدر فیہ مثل

بعد و نحّ و تقدیر[۴] بعد فی مثال النوع الثانی غیر

مناسب لان المعنے علی الاتقاء عن الطریق لا علی تبعیدہ
(من التنحیۃ بمعنی برگردانیدن ادمن التنحیۃ بمعنی رہانیدن و پاک داشتن ۱۲)

فالصواب[۵] ان یقال بتقدیر بعد او اتق و نحوہما فیقدر مثل

بعد فی جمیع افراد النوع الاول و فی بعض افراد النوع

الثانی مثل نفسک نفسک فان[۶] المعنے علی بعد

نفسک مما یوذیک کالاسد و نحوہ و یقدر مثل اتق فی بعضہا

اول کے کہ اس میں محذر منہ اسم تحقیقی ہے اس میں بھی اس کی اصل خواہ کچھ نکالی جائے محذر منہ سابق کی طرح اسم تاویلی یعنی حذف ہی ہوگا اسلئے کہ اسد اور حذف سے اپنے نفس کو دور کرنے سے مراد نفس کو ان دونوں سے ڈرانا ہے نہ یہ کہ اسد اور حذف کو نفس سے ڈرایا جائے۔ حذف ارنب کی مثال مجرم کے لئے بولی جاتی ہے واللہ اعلم سلہ قولہ الطریق الخ یہ تحذیر کی نوع ثانی یعنی اوذکر المحذر منہ مکرراً کی مثال ہے اس میں الطریق محذر منہ مکرر ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے ای اتق الطریق الطریق یعنی تو اس راستہ سے بچ کہ جس میں آفت ہے اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کو ولا یخفی علیک الخ سے شارح بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ نوع اول کی دونوں امثلہ میں اتق مقدر نکالنا صحیح نہیں اسلئے کہ اتق فعل لازم ہے اور لازم کے لئے مفعول کی ضرورت نہیں ہوا کرتی اور اتقیتُ زیداً من الاسد نہیں کہا جاتا (میں نے زید کو شیر سے بچا دیا) اسلئے کہ اتقاء کے معنی پرہیز کرنے یعنی بچنے کے ہیں پرہیز کرانے (بچانے) کے نہیں پس مناسب یہ ہے کہ قسم اول کی دونوں امثلہ میں اتق کے بجائے بعّد یا نحّ مقدر نکالا جائے نحّ تنحیہ سے مشتق ہے جس کے معنی علیحدہ اور ایک طرف کر دینے کے آتے ہیں اور بعّد کی تقدیر نوع ثانی میں غیر مناسب ہے اس لئے کہ اس کے معنی راستہ سے مخاطب کے بچنے کی بنا پر مقصود ہیں مخاطب کو راستہ سے دور کر دینے کی بنا پر ملحوظ نہیں واللہ اعلم سے قولہ فالصواب الخ اس سے شارح اعتراض مذکور کے جواب

کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پس مصنف کو چاہیئے تھا کہ وہ بتقدیر بعّد او اتق و نحوہما کہتے پس نوع اول کی تمام امثلہ اور نوع ثانی کے بعض افراد مثلاً نفسک نفسک میں بعّد مقدر نکال لیا جاتا اس لئے کہ نفسک نفسک کے معنی بعّد نفسک بما یوذیک کالاسد ونحوہ کے ہیں یعنی اپنے نفس کو اس چیز سے دور کرے جو تجھ کو ایذا پہنچائے مثلاً شیر وغیرہ اور بعض افراد میں نوع ثانی کے اتق مقدر نکال لیا جاتا جیسا کہ مثال مذکور میں ہے ای اتق الطریق الطریق پس صواب سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مصنف کی عبارت بحذف معطوف ہے ای بتقدیر اتق او بعد اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتق فعل لازم ہے یہ کسی مثال میں بھی کس طرح مقدر نکالا جا سکتا ہے جبکہ اس کو مفعول کی ہی حاجت نہیں ہوتی جواب یہ ہے کہ یہاں عبارت بحذف صلہ ہے یعنی اتق عن الطریق الطریق پس حرف جر کو حذف کر کے الطریق کو منصوب بنزع الخافض بنا دیا گیا واللہ اعلم

كالمثال المذكور قيل[۵۱] (القائل الفاضل الهندي ۱۲) لفظ الاسد في اياك والاسد خارج عن النوعين فينبغي ان لا يكون تحذيرا وليس كذلك فانه ايضا تحذير واجيب بانه تابع للتحذير والتوابع خارجة عن المحدود بدليل ذكرها فيما بعد وتقول[۵۲] في قسمي النوع الاول اياك من الاسد كما كنت تقول اياك والاسد ومن ان تحذف كما كنت تقول اياك وان تحذف وتقول في المثال الاخير اياك ان (اي بعد نفسك من ان تحذف ۱۲) تحذف بتقدير من اي اياك من ان تحذف لان حذف

[۵۱] قولہ قیل لفظ الاسد الخ اس سے شارح ایک اعتراض کر کے اس کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ ایاک والاسد میں اسد تحذیر کی دونوں قسموں سے خارج ہے اسلئے کہ یہ نہ محذر ہے جیساکہ قسم اول میں ہے اسلئے کہ محذر ایاک ہے اور نہ محذر منہ جیساکہ قسم ثانی میں ہے اس لئے کہ مکرر نہیں پس الاسد کو تحذیر میں شمار کر کے اس کو منصوب قرار دینا درست نہیں لہذا مناسب یہ ہے کہ اس کو تحذیر میں شمار نہ کیا جائے حالانکہ ایسا نہیں اسلئے کہ یہ بھی تحذیر ہے کیونکہ قسم اول میں تحذیر بغیر محذر منہ کے مکمل نہیں ہوتی اور لفظ اسد اس میں محذر منہ ہے پس یہ نوع اول میں داخل ہوگا واجیب سے جواب یہ دیا کہ یہ تسلیم ہے کہ یہ تحذیر نہیں مگر تابع تحذیر ضرور ہے اسلئے کہ معطوف ہے اور توابع تمام تعریفات سے خارج اور اس پر دلیل یہ ہے کہ مصنف نے توابع کو مستقل طور پر علیحدہ ذکر کیا ہے پس یہ تحذیر سے خارج ہے البتہ تابع ہونے کی وجہ سے اسی کے حکم میں ہے پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسد کو بھی تحذیر میں شمار کرتے ہوئے اعتراض وارد کر دیا جائے واللہ اعلم [۵۲] قولہ وتقول الخ اس کی تشریح سے پیشتر جاننا چاہیے کہ محذر منہ کے استعمال میں قیاس عقلی اس امر کو مقتضی ہے کہ آٹھ صورتوں پر ہو اسلئے کہ محذر منہ دو حال سے خالی نہیں اسم تحقیقی ہوگا یا تاویلی پھر ان کا استعمال مِن کے ساتھ ہوگا یا واو کے ساتھ پس یہ چار صورتیں ہوئیں پھر ہر ایک کی دو دو صورتیں ہیں اس لئے کہ واو اور مِن دو حال سے خالی نہیں مذکور ہونگے یا محذوف پس جب ان دو صورتوں کو مذکورہ بالا چار اقسام میں ضرب دیا تو آٹھ صورتیں پیدا ہوگئیں لیکن ان میں سے تین صورتیں ایسی ہیں کہ جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں اس لئے کہ محذر منہ سے واو کبھی محذوف نہیں ہوگا خواہ محذر منہ اسم تحقیقی ہو یا تاویلی یہ دو صورتیں خارج ہوگئیں ایسے ہی جبکہ محذر منہ اسم تحقیقی ہو تو اس سے مِن کا حذف کبھی جائز نہ ہوگا یہ تیسری صورت

خارج ہوگئی بخلاف اسم تاویلی کے کہ اس سے مِن کا حذف جائز ہے پس مصنف نے وتقول الخ سے اسی تفصیل کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی جس طرح تحذیر کی نوع اول کی دو قسموں (تحقیقی اور تاویلی) میں محذر منہ کو واو مذکور کے ساتھ استعمال کرنا جائز ہے اسی طرح مِن مذکور کے ساتھ بھی استعمال جائز ہے حاصل یہ ہوا کہ مندرجہ ذیل پانچ صورتیں محذر منہ میں جائز ہیں (۱) محذر منہ اسم تحقیقی ہو اور اس کا استعمال ذکر مِن کے ساتھ ہو (۲) محذر منہ اسم تاویلی ہو اور مِن مذکور کے ساتھ استعمال ہو (۳) محذر منہ اسم تحقیقی واو مذکور کے ساتھ مستعمل ہو (۴) اسم تاویلی واو مذکور کے ساتھ مستعمل ہو (۵) اسم تاویلی مِن محذوف کے ساتھ استعمال کیا جائے پس کہتے ہیں کہ نوع اول کی دونوں قسمیں جس طرح واو مذکور کے ساتھ مستعمل ہوتی ہیں اسی طرح مِن مذکور کے ساتھ بھی دونوں کو استعمال کرتے ہوئے ایاک مِن الاسد اور ایاک مِن ان تحذف کہنا جائز ہے (بجائے ایاک والاسد و ایاک وان تحذف کے) اور نوع اول کی مثال اخیر میں بجائے واو مذکور کے حذف مِن کے ساتھ ایاک ان تحذف کہہ سکتے ہیں ای ایاک مِن ان تحذف اب رہی یہ وجہ کہ اس میں حذف مِن کیوں جائز ہے اس کا جواب شارح لان حذف حرف الجر الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اَن اور اِنّ سے حرف جر کو حذف کر دینا قیاس کے مطابق ہے اس لئے کہ اَن اور اِنّ جملہ پر داخل ہو کر (باقی بر صفحہ ۹۸)

حرف الجر عن اَن واَنَّ قیاس ولا تقول فی المثال الاول
ایاک الاسد لامتناع تقدیر مِن وشذوذه مع غیر اَن و
اَنَّ فان قلت فلیکن بتقدیر العاطف قلنا حذف العاطف
اشذ شذوذا لان حذف حرف الجر قیاس مع اَن واَنَّ وشاذ
کثیر فی غیرہما واما حذف العاطف فلم یثبت الا نادرا المفعول
فیه ہو ما فُعِل فیه فعلٌ ای حدثٌ مذکورٌ تضمنا فی ضمن
الفعل الملفوظ او المقدر او شبهه کاک او مطابقة اذا کان

ای لامتناع حذف حرف الجر من الاسماء الصریحة ١٢ — مطرد ا ١٢ — ای الواو ١٢ — ای ملفوظا او مقدرا ١٢

یعنی صراحۃً ہو اور یہ اس وقت ہو گا جبکہ عامل مصدر ہو جیسے اعجبنی جلوسک امام زید کہ اس میں جلوس مصدر عامل ہے اور صریح ہے کہ کسی کے ضمن میں نہیں پایا جاتا پس امام زید مفعول فیہ ہو گا اب رہا یہ امر کہ شارح نے التزاماً کیوں نہیں کہا حالانکہ التزاماً بھی ہو سکتا ہے یعنی کوئی عامل ایسا پایا جائے جو حدث پر دلالت کرے اس کا جواب یہ ہے کہ شارح کے مدنظر تضمناً اور مطابقۃً سے یہ ہے کہ تضمناً سے مراد غیر صریح ہے اور مطابقۃً سے صریح اور یہ ظاہر ہے کہ غیر صریح میں تضمناً بھی داخل ہے اور التزاماً بھی اسلئے کہ التزاماً بھی غیر صریح ہوتا ہے لہٰذا اس کو علیحدہ ذکر نہیں کیا اس جگہ شارح نے ای حدثٌ کہہ کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ یہ تعریف مفعول فیہ پر صادق نہیں آتی اسلئے کہ فعل سے مراد فعل اصطلاحی ہے جیسا کہ کلام سے ظاہر و متبادر ہے اور فعل اصطلاحی میں تین چیزیں پائی جاتی ہیں۔ نسبتہ۔ زمانہ۔ حدث یعنی کام اور مفعول فیہ میں سوائے حدث کے نسبتہ اور زمان کئے نہیں جاتے جیسے صمت یوم الجمعۃ کہ یوم جمعہ میں صرف فعل صوم کیا گیا ہے نسبتہ الی فاعل ما اور زمانہ کا یوم جمعہ میں کوئی تحقق نہیں اسلئے کہ (میں نے روزہ رکھا) اس میں فعل کی نسبت فاعل یعنی متکلم کی طرف ہے اور زمانہ ماضی ہے پس صرف جمعہ کے دن اس فعل صوم کا تحقق ہوا ہے (باقی بر ص ٩٩)

(بقیہ ص ٩٧) بتاویل مصدر اسم واحد کرتے ہیں پس جبکہ وہ لفظ جو درحقیقت اسم واحد ہے جملہ ہونے کی وجہ سے طویل ہو جاتا ہے تو اس میں حذف حرف جر کے ساتھ تخفیف کو جائز قرار دیدیتے ہیں واللہ اعلم سلہ قولہ ولا تقول الخ یہاں سے امتناع تقدیر من کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ مثال اول میں تقدیر یعنی حذف مِن کے ساتھ ایاک الاسد کہنا جائز نہیں اس لئے کہ تقدیر من ممتنع ہے نیز اگر کہیں اَن اور اَنَّ کے غیر میں پائی بھی گئی تو یہ شاذ ہے پس شذوذ بھی تقدیر من کو مانع ہے اس لئے کہ شاذ کالمعدوم ہوا کرتا ہے اور اس امتناع کی وجہ یہ ہے کہ اسماء صریحہ سے حرف جر کا حذف کرنا جائز نہیں اور ظاہر ہے کہ الاسد اسم صریح ہے اب اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کو شارح فان قلت سے بیان کر رہے ہیں یعنی اگر تم کہنے لگو کہ اس مثال میں ہم من کو مقدر نہیں مانتے بلکہ واو عاطفہ مقدر نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اصل میں ایاک والاسد تھا پس اس صورت میں ایاک الاسد کہنا درست ہو گا قلنا سے جواب دیا کہ واو عاطفہ کا حذف اور بھی قبیح اور نیز اشذ شذوذ ہے اس لئے کہ حذف حرف جر تو اَنْ اور اَنَّ میں قیاساً اور ان کے غیر میں بطور شذوذ کے خلاف قیاس بکثرت ثابت بھی ہے لیکن حذف عاطف تو کہیں بھی ثابت نہیں الا نادراً پس یہ شذوذ سے بھی بڑھکر اشذ شذوذ ہو گا اس لئے حذف واو جائز نہیں یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محذر منہ سے حذف واو کی تین قسمیں کیوں خارج ہیں موجود نہیں واللہ اعلم ١٢ سلہ قولہ المفعول فیہ الخ مفاعیل خمسہ میں سے یہ تیسرا مفعول ہے مصنف کہتے ہیں کہ مفعول فیہ اس کو کہتے ہیں جس میں فعل یعنی حدث مذکور کیا گیا ہو پھر مذکور میں تعمیم ہے کہ تضمناً ہو یعنی فعل ملفوظ یا مقدر کے ضمن میں واقع ہو یا شبہ فعل ملفوظ یا مقدر کے ضمن میں جیسا کہ صمتُ یوم الجمعۃ میں صوم تضمناً صمتُ میں مذکور ہے اور یہ فعل مذکور یعنی صوم یوم الجمعۃ میں پایا جا رہا ہے پس یوم الجمعۃ مفعول فیہ ہو گا یا مذکور مطابقۃً

العامل مصدراً فقولہ مافعل فیہ فعل شامل لاسماء الزمان والمکان کلہا فانہ لایخ زمان او مکان عن ان یفعل فیہما فعل سواء ذکر الفعل الذی فُعِل فیہما اولا وقولہ مذکور خرج بہ مالا یذکر فعل فُعِل فیہ نحو یوم الجمعة یوم طیب فانہ وان کان فُعِل فیہ فعل لامحالة لکنہ لیس بمذکور لکن یبقی مثل شہدت یوم الجمعة داخلاً فیہ فان یوم الجمعة یصدق علیہ انہ فُعِل فیہ فعل مذکور فان شہودی یوم الجمعة لایکون الا فی یوم الجمعة فلو اعتبر فی التعریف قید الحیثیة ای المفعول فیہ مافعل فیہ فعل مذکور من حیث انہ فعل فیہ فعل مذکور لخرج مثل ہذا المثال منہ فان ذکر

یوم الجمعة مفعول بہ ہے لیکن اس پر مفعول فیہ کی تعریف صادق آرہی ہے یعنی یہ کہ جس میں فعل مذکور کیا گیا ہو اس لئے کہ شہود نہیں ہوگا مگر یوم جمعہ میں اس کا جواب فلو اعتبر الخ سے شارح نے یہ دیا کہ اگر تعریف میں قید حیثیت کا اعتبار کر لیا جائے یعنی مفعول فیہ وہ ہے کہ جس میں وہ فعل مذکور اس حیثیت سے کیا گیا ہو کہ اس میں فعل مذکور کیا گیا ہو تو یہ مثال اس سے خارج ہو جائے گی اس لئے کہ اس میں یوم جمعہ کا ذکر اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس میں فعل مذکور کیا گیا ہو بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس پر فعل مذکور یعنی شہود واقع ہے پس شہدت یوم الجمعة کے معنے یہ ہیں کہ میں حاضر ہوا اور میں نے روز جمعہ کو پایا نہ یہ کہ میں نے شہود کو روز جمعہ میں پایا پس جب اس میں قید حیثیت کا اعتبار کر لیا گیا تو مثال مذکور تعریف مفعول فیہ سے خارج ہو جائیگی اور قید حیثیت اکثر تعریفات میں معتبر ہوتی ہی رہتی ہے لہذا اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

(بقیہ ص ۹۸) جواب یہ ہے کہ فعل سے مراد اصطلاحی نہیں لغوی ہے یعنی صرف حدث (کام) لہذا اب کوئی اعتراض نہیں پھر وہ فعل لغوی خواہ فعل مذکور کے ضمن میں پایا جائے یا وہ فعل صراحۃً موجود ہو کیونکہ مراد شبہہ سے شبہ فعل کو بھی اس میں داخل کرنا مقصود ہے جیسے انا صائم یوم الجمعۃ اور فعل کا ملفوظ ہونا تو ظاہر ہے رہا مقدر ہونا تو یہ بھی اسی میں داخل ہے جیسے کوئی شخص کہے متی صمت (تو نے کب روزہ رکھا) اور مخاطب جواب دے یوم الجمعہ (جمعہ کے دن) تو یہ بھی اسی میں داخل ہے اس لئے کہ اس جگہ اگرچہ فعل لفظوں میں نہیں ہے لیکن مقدر ضرور ہے ای صمت یوم الجمعۃ اور قرینہ اس کی تقدیر سوال سائل ہے واللہ اعلم لہ قولہ فقولہ الخ یہاں سے شارح فوائد قیود بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ قول مصنف ما فعل فیہ فعل اسماء زمان اور مکان سب کو شامل ہے اس لئے کہ کوئی زمان یا مکان ایسا نہیں کہ جس میں کوئی نہ کوئی فعل نہ کیا گیا ہو خواہ وہ فعل جو ان دونوں میں کیا گیا ہے مذکور ہو یا نہ ہو یعنی اس کی طرف کسی قسم کا التفات نہ کیا گیا ہو پھر جب مصنف نے مذکور کہا تو اس سے وہ زمان یا مکان خارج ہو جاتا ہے کہ جس میں وہ فعل جو ذکر کیا گیا ہو مذکور نہ ہو جیسے یوم الجمعۃ یوم طیب کہ اس میں اگرچہ کوئی نہ کوئی فعل تو ضرور کیا گیا ہے لیکن وہ فعل مذکور نہیں لفظاً تو ظاہر ہے اور معناً اس وجہ سے نہیں کہ جب یوم اول کو ابتدائیت اور یوم ثانی کو خبریت کی بنا پر رفع دیدیا گیا تو ان دونوں میں عامل معنوی ہو گیا لہذا تقدیر عامل کی اب کوئی احتیاج باقی نہیں رہی پس اس میں کوئی عامل مقدر بھی نہیں نکالا جائے گا واللہ اعلم ۵۲ قولہ لکن یبقی الخ یہ ایک اعتراض ہے جس کو بیان کر کے شارح آگے چل کر اس کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اسلئے کہ اس میں مفعول بہ بھی داخل ہو جاتا ہے جیسے شہدت یوم الجمعة میں

۵۰ قوله ولا یخفی الخ یہ ایک سوال ہے جو قید حیثیت کے اعتبار کرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے سوال یہ ہے کہ جب تعریف میں قید حیثیت
اعتبار ہے تو قول مصنف مذکورٌ کی ضرورت باقی نہیں رہتی اسلئے کہ مذکورٌ سے یوم الجمعۃ یومٌ طیبٌ کو خارج کیا گیا ہے
ر یہ قید حیثیت سے بھی خارج ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس میں فعل مذکور کیا تو گیا ہے مگر من حیث انہ فُعِلَ فیہ فعلٌ نہیں بلکہ

یوم الجمعۃ فیہ لیس من حیث انہ فُعِلَ فیہ فعل مذکورٌ بل من حیث انہ
وقع علیہ فعل مذکور ولا یخفی انہ علےٰ تقدیر اعتبار قید الحیثیۃ لا
حاجۃ الی قولہ مذکورٌ الا لزیادۃ تصویر المعرف وقولہ من زمانٍ
او مکانٍ بیان لما الموصولۃ او الموصوفۃ اشارۃً الی قسمی المفعول
فیہ وتمہید البیان حکم کل منہما وہو ای المفعول فیہ ضربان
مایظہر فیہ فی وہو مجرور بہا ومایقدر فیہ فی وہو منصوب
بتقدیرہا وہذا خلاف اصطلاح القوم فانہم لایطلقون
المفعول فیہ الا علی المنصوب بتقدیر فی واما المجرور
بہا فہو مفعول بہ بواسطۃ حرف الجر لا مفعول فیہ وخالفہم
المصؒ حیث جعل المجرور ایضا مفعولاً فیہ ولذلک قال وشرط
نصبہ ای شرط نصب المفعول فیہ تقدیر فی اذ التلفظ بہا

مفعول فیہ کا اطلاق اسی اسم پر کرتے ہیں جو تقدیر فی منصوب ہو لیکن جس میں ذکر فی کے باعث
جر آئے وہ بواسطہ حرف جر مفعول بہ ہوتا ہے مفعول فیہ نہیں پس معلوم ہوا کہ مصنف
نے مجرور مدخول فی کو بھی مفعول فیہ میں شامل کرکے جمہور نحاۃ کی مخالفت کی ہے اسی وجہ سے
انھوں نے مفعول کے نصب کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس کے نصب کے لئے شرط
یہ ہے کہ اسم سے پیشتر فی مقدر ہو اسلئے کہ اگر فی ملفوظ ہو گا تو اس سے جر واجب ہو گا
اور مفعول فیہ پر نصب نہیں آسکتا (فائدہ) جاننا چاہیئے کہ تقدیر فی کی۔ (باقی بر صفحہ ۱۰۱)

حیثیت سے کہ یوم الجمعۃ پر
طیبٌ محمول ہے لہٰذا شارح
منشا اس اعتراض سے یہ
ہے کہ مصنف کو قید مذکورٌ کے
اضافہ کی ضرورت نہیں اور
اختصار بھی اسی کا مقتضی ہے
اس کو ذکر نہ کیا جائے اس کا
جواب الا لزیادۃ الخ سے خود
دے رہے ہیں کہ شاید یہ قید
اس وجہ سے مصنف نے زائد
کردی ہے کہ مفعول فیہ کی تعریف
زیادہ واضح اور صاف ہو کر سامنے
آجائے لہٰذا اب کوئی اعتراض
نہیں واللہ اعلم ۵۲ قولہ
من زمان الخ ماتن نے تعریف
مفعول فیہ میں جو ما فُعِلَ فیہ الخ
کہا ہے اس میں ما موصولہ یا موصوفہ
ہے اسی کو من زمانٍ او مکانٍ کر
کے مصنف بیان فرما رہے ہیں شارح
کہتے ہیں کہ قول مصنف من زمانٍ
او مکانٍ ما موصولہ یا موصوفہ کا
بیان ہے اور اس سے اس امر
کی طرف اشارہ ہے کہ مفعول فیہ
کی دو قسمیں ہیں یعنی زمان و مکان
اور ان دونوں قسموں کے احکام
جدا جدا بیان کرنے کے لئے بطور
تمہید کے ہے پھر قول مصنف
وشرط نصبہ الخ سے یہ معلوم ہوتا
ہے کہ مفعول فیہ کی دو قسمیں زمان
و مکان کے علاوہ اور ہیں یعنی
تقدیر فی اور ذکر فی کے اعتبار
سے پس شارح کہتے ہیں کہ مفعول فیہ دو قسم پر ہے ایک وہ کہ اس میں فی حرف جر ظاہر ہو اور وہ اسم فی کی وجہ سے مجرور
ہو اور دوسری قسم وہ ہے کہ فی ملفوظ نہ ہو مقدر رہے اور مفعول فیہ تقدیر فی کے باعث منصوب ہو اس پر شارح وہذا خلاف
اصطلاح القوم الخ سے اعتراض کرتے ہیں کہ مفعول فیہ کا دو قسموں پر ہونا اصطلاح قوم کے خلاف ہے اس لئے کہ جمہور نحاۃ

(بقیہ صفحہ ۱۰۱) دو صورتیں ہیں تقدیر من حیث العمل اور تقدیر من حیث المعنے اگر اول ہو تو اس کے تقدیر کے باوجود اسم پر جر آئے گا کیونکہ اس کا عمل باقی رہے گا اسی لئے اس کو مقدر من حیث العمل کہتے ہیں اور اگر ثانی ہو تو جر نہیں آئے گا یہی اس جگہ مراد ہے پھر یہ کہ جلستُ یا لمسجد جلستُ فی المسجد کے معنے میں ہے لہٰذا یہ بھی مفعول فیہ میں داخل ہے واللہ اعلم ۵۱ قولہ ظروف الزمان

يوجب الجر وظروف الزمان كلّها مبهمًا كان الزمان او محدودًا تقبل ذلك اي تقدير في لان المبهم منها جزء مفهوم الفعل فيصح انتصابه بلا واسطة كالمصدر والمحدود منها محمول عليه اي على المبهم لاشتراكهما (حرف الجر ۱۲) في الزمانية نحو صمتُ دهرًا (من المبهم ۱۲) وافطرتُ اليوم وظروف المكان ان كان المكان مبهمًا (من المحدود ۱۲) قبل ذلك اي تقدير في حملًا على الزمان المبهم لاشتراكهما في الابهام نحو جلست خلفك (او النصب بتقدير في ۱۲) والّا اي وان لم يكن مبهمًا بل يكون محدودًا فلا يقبل تقدير في اذ لم يمكن حمله على الزمان المبهم لاختلافهما ذاتًا وصفةً نحو جلست في المسجد

بنا براس کے کہ اس کو زمان مبہم پر محمول کیا جائے اسلئے کہ دونوں وصف ابہام میں مشترک ہیں جیسے جلستُ خلفک کہ اس میں خلف (پیچھے) لا محدود و غیر معین مبہم ہے یعنی اس کا اطلاق مخاطب کی تمام پیچھے کی جگہ تک پر آسکتا ہے روئے زمین کے اختتام تک اور اگر ظرف مکان مبہم نہ ہو محدود ہو تو اس وقت یہ تقدیر فی کو قبول نہیں کریگا اور اس کو نصب نہیں دیا جائے گا اس لئے کہ اس کا حمل زمان مبہم پر ممکن نہیں کیونکہ دونوں میں ذات اور وصف دونوں کے اعتبار سے اختلاف ہے۔ اختلاف ذاتی تو یہ ہے کہ ذات دل یعنی زمان مکان کے مغایر ہے اور اختلاف فی الوصف یہ ہے کہ زمان مبہم ہوگا کیونکہ تقدیر فی مبہم میں ہی ہوتی ہے اور مکان محدود پس محدود کا حمل مبہم پر نہیں کیا جائے گا بلکہ اپنی حالت اصلیہ پر برقرار رہے گا یعنی حرف جر کا واسطہ آئے گا جیسے جلستُ فی المسجد واللہ اعلم ۱۲

الخ ظروف زمان کل کے کل خواہ مبہم ہوں یا محدود تقدیر فی کو قبول کرتے ہیں مبہم کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ کی کوئی حد متعین نہ ہو جیسے حین۔ وقت وغیرہ اور محدود وہ زمانہ ہے کہ جس میں عدد نہایت کا اعتبار ہو جیسے دن۔ رات۔ مہینہ سال وغیرہ۔ بہرحال یہ تقدیر فی کو اس وجہ سے قبول کرتے ہیں کہ زمان مبہم مفہوم فعل کا جزو ہوتا ہے یعنی جو زمانہ مفہوم فعل کا جز ہوتا ہے وہ مبہم ہوتا ہے عام ازیں کہ فعل ماضی ہو یا حال یا استقبال یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر زمان مبہم مفہوم فعل کا جز ہوتا ہے اسلئے کہ بہت سے مبہم زمانے کسی بھی فعل کا جز نہیں ہوتے پس جبکہ یہ مفہوم فعل کا جزو ہے تو اس کو بلا واسطہ حرف جر کے تقدیر فی کے ساتھ نصب دینا صحیح ہے اس لئے کہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب جز فعل کو علیحدہ مستقل طور پر ذکر کرتے ہیں تو وہ بلا واسطہ حرف جر کے منصوب ہوتا ہے جیسے مصدر یعنی مفعول مطلق اور یہ بھی جزو ہے از فعل سے علیحدہ مذکور ہے مستقل طور پر لہٰذا اس کو بھی نصب دینا صحیح ہوگا۔ اب رہا محدود کا منصوب ہونا تو اس کو زمان مبہم پر حمل کرتے ہیں اسلئے کہ دونوں زمانیت میں شریک ہیں ظرف زمان مبہم کی مثال جیسے صمتُ دہراً ایک زمانہ تک میں نے روزہ رکھا اس میں زمانہ کی کوئی تعیین نہیں زمان محدود کی مثال جیسے افطرتُ الیومَ میں نے آج افطار کیا اس میں آج کی تخصیص و تحدید ہوگئی واللہ اعلم ۵۲ قولہ ظروف المکان الخ ظروف مکان کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر مکان مبہم لا محدود ہو تو ظرف مکان بھی تقدیر فی کو قبول کرے گا اور منصوب ہوگا

ؐ قولہ وفسر المبہم الخ جب مکان مبہم کا مصنف نے تذکرہ کیا کہ اس کو بتقدیر فی نصب دیا جاتا ہے تو اب اس کی تشریح کو بیان فرما رہے ہیں تاکہ مبتدی کسی الجھن میں مبتلا نہ ہوں کہتے ہیں کہ مکان مبہم کی تفسیر جہات ستہ کے ساتھ کی جاتی ہے یعنی جہات ستہ تمام مکان مبہم ہیں جہات ستہ یہ ہیں قدام - خلف - یمین - یسار - فوق - تحت - آگے - پیچھے - دائیں - بائیں
اوپر - نیچے - اور جو اس کے معنی میں ہوں وہ بھی مکان مبہم میں داخل ہونگے اور ان کے مبہم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مثلاً امام زید (زید کے آگے) ہر اس چیز کو شامل ہے جو زید کے چہرہ کے مقابل ہوگی روئے زمین کے اختتام وانقطاع تک پس جب لامحدودیت پائی گئی تو لامحالہ ابہام موجود ہوا واللہ اعلم ؐ قولہ ولما لم یتناول الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ مکان مبہم کی تفسیر جہات ستہ کے ساتھ کی گئی ہے حالانکہ بعض ظروف مکان ان کے علاوہ بھی تقدیر فی کو قبول کرتے ہوئے منصوب ہوتے ہیں پس یہ تحدید کس طرح درست ہے؟ جواب یہ ہے کہ اعتراض تسلیم ہے اسی لئے جبکہ جہات ستہ بعض ظروف مکانیہ کو شامل نہیں تھے کہ جن میں تقدیر فی نصب جائز ہے تو مصنف نے کہا کہ تحدید تو جہات ستہ میں ہی ہے البتہ دوسری بعض ظروف مکانیہ کو جو منصوب ہوتے ہیں انپر حمل کیا جائیگا یعنی اس مکان مبہم پر کہ جس کی تفسیر جہات ستہ کے ساتھ کی گئی ہے لہذا اب کوئی اعتراض کی بات نہیں اور وہ بعض ظروف یہ ہیں - عند - لدی اور ان کے
مشابہ جیسے دون سوی وغیرہ اور ان کے حمل کی وجہ یہ ہے کہ عند اور لدیٰ مبہم ہیں اس لئے کہ عند کے معنے اطراف و جوانب کے ہیں پس جب جلستُ عندکَ کہا جائے گا تو اس میں مخاطب کے تمام اطراف وجوانب شامل ہوں گے پس ابہام پایا جائے گا اور اسی ابہام کی وجہ سے ان کو جہات ستہ پر حمل کیا گیا ہے نہ یہ کہ ان میں بھی جہات ستہ

عہ وفسّر ؐ المبهم من المكان بالجهات الستّ وهى امامٌ وخلفٌ ويمينٌ وشمالٌ وفوقٌ وتحتٌ وما فى معناها (کالوراء والقبل والدبر ۱۲) فان امام زيد مثلاً يتناول جميع ما يقابل وجهه الى انقطاع الارض فيكون مبهما ولمّا ؐ لم يتناول هذا التفسير لبعض الظروف المكانية الجائز نصبها قال وحمل عليه اى على المبهم المفسّر بالجهات الست عند ولدى (لفظ ۱۲) وشبههما (لفظ ۱۲) نحو دون وسوى عہ لابهامهما اى لابهام عند ولدى عہ ولم يذكر وجه حمل شبههما عليه (جواب سوال مقدر ۱۲) لان حكمه حكمهما عہ وفى بعض النسخ لابهامها كما هو الظاهر ؐ وكذا حمل على المبهم من المكان عہ لفظ مكان (منصوب ۱۲) وان كان معينا نحو جلست مكانك لكثرته فى الاستعمال مثل الجهات الست (الا ای ابہام ای مبہم ۱۲) لالابهامه

میں سے کوئی جہت موجود ہے اب رہی یہ وجہ کہ مصنف نے عند اور لدیٰ کے حمل کی وجہ تو بیان کردی ان کے مشابہات کی وجہ بیان نہیں کی تو اس کا جواب شارح ولم یذکر الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ ان کی وجہ اس لئے بیان نہیں کی کہ مشابہت کی وجہ سے جو حکم مشبہ بہ یعنی عند وغیرہ کا ہے وہی مشبہ کا بھی ہے اور کافیہ کے بعض نسخوں میں لابہامہا کے بجائے ولابہامہما موجود ہے اور یہی ظاہر بھی ہے تاکہ تمام کو شامل ہوجائے اور کسی قسم کا اعتراض وارد نہ ہو واللہ اعلم ؐ قولہ وکذا حمل الخ ایسے ہی لفظ مکان کو بھی مکان مبہم پر محمول کیا جاتا ہے اگرچہ یہ معین ومحدود ہے جیسے جلستُ مکانکَ (میں تیری جگہ بیٹھا) اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا استعمال بکثرت ہوتا ہے جیسا کہ جہات ستہ بکثرت مستعمل ہوتی ہیں پس یہ حمل (باقی بر صفحہ ۱۰۳)

(بقیہ صـ۱۰۲) کثرت استعمال کے باعث ہے ابہام کے سبب سے نہیں اسلئے کہ کثرت مقتضی ہے تخفیف کو اور تخفیف اس میں ہے کہ فی کو حذف کرکے بتقدیر فی منصوب پڑھیں لہٰذا لفظ مکان کو بھی منصوب پڑھیں گے واللہ اعلم ۔ ۱ قولہ وکذا حمل علیہ الخ ایسے ہی کثرت استعمال کے باعث دخلتُ کے مابعد کو بھی اصح مذہب کی بنا پر مکان مبہم پر حمل کرتے ہیں اگرچہ یہ معین ہوتا ہے جیسے دخلتُ الدار اس کا حمل بھی ابہام کے باعث نہیں بلکہ کثرت استعمال اس کا سبب ہے اس جگہ علی الاصح کہنے کی یہ ضرورت پیش آگئی کہ بعض نحاۃ اس طرف گئے ہیں کہ یہ مفعول بہ ہے مفعول فیہ نہیں لیکن اصح یہی ہے کہ یہ مفعول فیہ ہے اور اصل استعمال اس کا حرف جر کے ساتھ تھا لیکن اسکو کثرت استعمال کے باعث حذف کردیا گیا واللہ اعلم ۔ ۲ قولہ وہذا محل الخ یہ ایک اعتراض ہے جو مذہب اصح پر وارد ہوتا ہے یعنی دخلت الدار میں دار کو مفعول فیہ بنانا درست نہیں بلکہ یہ مفعول بہ ہے اس لئے کہ فعل متعدی جس طرح مفعول بہ کو ملائے بغیر تمام نہیں ہوتا اسی طرح دخول کے معنے بھی دار کو ملائے بغیر تمام نہیں ہوتے اور مفعول فیہ کی حاجت و طلب فعل کو اس وقت ہوتی ہے جبکہ فعل کے معنے تمام ہوجاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس جگہ معنے تمام نہیں ہوتے بلکہ جب دخلتُ کے معنے دار کے انضمام سے تمام ہوجائیں گے تب فعل مفعول فیہ کو طلب کریگا جیسا کہ مثلاً دخلتُ الدار فی البلد الفلانی میں ہے پس معلوم یہ ہوا اور ظاہر یہی ہے کہ الدار مفعول بہ ہے مفعول فیہ نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جو مصدر فعول کے وزن پر ہوتا ہے وہ اکثر لازم ہوتا ہے پس دخول بھی

وکذا[۱] حمل علیہ[ع] ما بعد دخلتُ وان کان معینا نحو دخلت الدار لکثرتہ فی الاستعمال لا لابہامہ علی الاصح ای علی المذہب الاصح فانہ[ع] ذہب بعض النحاۃ الی انہ مفعول بہ لکن الاصح انہ مفعول فیہ والاصل استعمالہ بحرف الجر لکنہ حذف لکثرۃ استعمالہ وہذا[۲] محل تامل فان الفعل لا یطلب المفعول فیہ الا بعد تمام معناہ ولا شک ان معنے الدخول لا یتم بدون الدار وبعد تمام معناہ بہا یطلب المفعول فیہ کما اذا قلت دخلت الدار فی البلد الفلانی فالظاہر انہ مفعول بہ لا مفعول فیہ ومما[۳] یؤید ذلک ان کل فعل نسب الی مکان خاص بوقوعہ فیہ یصح ان ینسب الی مکان شامل لہ

اس اعتبار سے کہ وہ فعل اس مکان خاص مثلاً دار میں واقع ہے اسی طرح اس میں یہ بھی صحیح ہوتا ہے کہ اس فعل کی نسبت ایسے مکان کی طرف کرسکیں جو اس مکان خاص مثلاً دار کو شامل ہو یا اس مکان کا غیر ہو اس لئے کہ جب کوئی شخص یہ کہے ضربتُ زیداً فی الدار التی ہی جزء من البلد تو اس کے بجائے جس طرح ضربتُ زیداً فی الدار کہنا صحیح ہے اسی طرح ضربتہ فی البلد بھی کہنا صحیح ہے مطلب یہ ہے کہ دار شہر کا ایک حصہ ہے اور فعل کی نسبت اس مکان خاص یعنی دار کی طرف کی گئی ہے تو جس طرح ہم ضربتُ زیداً فی الدار کہہ سکتے ہیں فعل کو دار کی طرف نسبت کرکے اسی طرح اس کے بجائے فعل کی نسبت ایسے مکان کی طرف بھی کی جاسکتی ہے جو اس مکان خاص یعنی دار کو شامل ہو یا اس کا غیر ہو ۔ (باقی بر صـ۱۰۸)

لازم ہوگا اور اس کے لئے مفعول بہ کی ضرورت نہیں ہوگی پس الدار مفعول بہ نہیں ہوسکتا مفعول فیہ ہوگا واللہ اعلم ۔ ۳ قولہ ومما یؤید الخ یہ مذکورہ بالا اعتراض کی مزید تائید و توثیق ہے اور اس سے مذہب اصح کا رد مقصود ہے کہتے ہیں کہ الدار کو مثال مذکور میں مفعول فیہ بنانا کیسے درست ہے اسلئے کہ مفعول فیہ کی علامت یہ ہے کہ جس طرح ہر فعل کو مکان خاص کی طرف منسوب کیا جاتا ہے

(بقیہ صفحہ ۱۰۳) جیسے ضربتُ زیداً فی البلد کہ اس میں فعل کی نسبت بلد کی طرف ہے اور بلد مکان خاص کا غیر ہے لیکن مکان خاص چونکہ بلد میں واقع ہے اور مکان بلد کو لازم ہے اس لئے اس کی طرف فعل کی نسبت صحیح ہے اور فعل دخول کی نسبت جب دار کی طرف کی جاتی ہے تو یہ ایسا نہیں کہ اس کی نسبت ایسے مکان کی طرف بھی ہو سکے جو دار کو شامل یا اس کا غیر ہو اس لئے کہ جب کوئی شخص شہر میں موجود رہتے ہوئے یہ کہے گا کہ دخلتُ الدار تو اس کے بجائے دخلتُ البلد نہیں کہہ سکتے اسلئے کہ اس وقت قائل کا دخول شہر میں نہیں پایا جاتا اسلئے کہ وہ پہلے سے داخل ہے البتہ دخول فی الدار اب پایا گیا ہے پہلے نہیں تھا پس دخول کی نسبت دار کیطرف ایسی نہیں جیسی کہ دیگر افعال کی نسبت ان کے امکنہ کی طرف ہے کہ وہ فعل ان خاص امکنہ میں کئے گئے ہیں اور دوسری مکانوں کو بھی شامل ہیں مثلاً ضرب زید فی الدار کہ یہ ضرب زید فی البلد کو بھی شامل ہے پس دخلت الدار میں الدار مفعول فیہ نہیں ہو سکتا مفعول بہ ہو گا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں اکثر یہ ہے اس لئے کہ مثلاً بیت دار کو مشتمل ہوتا ہے پس جب کوئی شخص بیت کے تمام اجزاء میں قعود اختیار کرے اور بیت دار کا ایک جزء ہے تو قعود کی نسبت بیت کے تمام اجزاء کی طرف درست ہو گی کیونکہ بیت کے تمام اجزاء مکان خاص ہیں لیکن قعود کی نسبت دار کی طرف کر کے یہ نہیں کہہ سکتے کہ قعدتُ فی جمیع اجزاء الدار اسلئے کہ یہ غلط ہو جائے گا کیونکہ دار کے تمام اجزاء میں قعود متحقق نہیں بلکہ دار کے بعض اجزاء یعنی بیت کے تمام اجزاء میں قعود متحقق ہے پس اسی طرح یہاں بھی کہہ سکتے ہیں کہ دخلت الدار بھی اسی قبیل سے ہے کہ دخلت الدار کے بجائے دخلتُ البلد نہیں کہہ سکتے کیونکہ دخول بلد دخول دار پر صادق نہیں آتا اس لئے کہ دخول کے معنے خارج سے داخل کی طرف منتقل ہونے کے ہیں اور وہ

ولغیرہٖ فانہ اذا قلت ضربتُ زیداً فی الدار التی ہی جزء من البلد فکما یصح ان تقول ضربت زیداً فی الدار وکذلک یصح ان تقول ضربتہ فی البلد وفعلُ الدخول بالنسبۃ الی الدار لیس کذلک فانہ اذا قال الداخل فی البلد وخلت الدار[۱۲ اوا المحلۃ] لا یصح ان یقول دخلت البلد فنسبۃ الدخول الی الدار لیست کنسبۃ الافعال الی امکنتھا التی فُعلت فیھا فلا یکون الدار مفعولاً فیہ بل مفعولا بہ وقیل[ل] معناہ علی الاستعمال الاصح فیکون اشارۃً الی ان استعمال دخلت مع فی نحو دخلت فی الدار صحیح لکن الاصح استعمالہ بدون فی[۱۲ لفظ] ونقل عن سیبویہ ان

خارج نہیں بلکہ داخل ہے لہذا یہ مفعول فیہ ہو گا مفعول بہ نہیں ہو گا۔ واللہ اعلم لہ قولہ وقیل معناہ الخ یہ قول مصنف علی الاصح کی دوسری توضیح ہے پہلی توضیح شارح اعتراضات سے پیشتر بیان فرما چکے ہیں کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے الاصح کا موصوف بجائے المذہب کے الاستعمال ظاہر کیا ہے ای علی الاستعمال الاصح پس اس صورت میں اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہو گا کہ دخلت کا استعمال فی کے ساتھ صحیح اور درست ہے جیسے دخلتُ فی الدار لیکن اصح استعمال اس کا فی کے بغیر تقدیر فے کے ساتھ ہوتا ہے پس اندریں صورت اس میں کوئی اختلاف نہیں ہو گا یعنی چونکہ اس کا اصح استعمال یہ ہے کہ اس میں فی مقدر ہو لہذا اس کو بھی مکان مبہم پر محمول کریں گے اس سے بحث نہیں کہ یہ مذہب صحیح بھی ہے یا نہیں اور اصح استعمال امر کا بتقدیر فی سب کے نزدیک متفق علیہ ہے اسی وجہ سے سیبویہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ دخلت کا استعمال فی کے ۱۲ م

لہ [illegible]

استعماله لفي شاذ ونصب[51] اي المفعول فيه بعامل مضمر بلا شريطة التفسير نحو يوم الجمعة في جواب من قال متى سرت اي سرت يوم الجمعة وبعامل[52] مضمر على شريطة التفسير نحو يوم الجمعة صمت فيه والتفصيل فيه بعينه كما مر في المفعول به المفعول[53] له هو ما فعل لاجله اي

اي اسم ما فعل وقدم تفسيله ۱۲ احمد — يعني نحو فيه خمسة اوجه كما يجوز في المفعول به ۱۲

لقصد تحصيله او بسبب وجوده وخرج به سائر المفاعيل مما فعل مطلقا

مثل ضربت تاديبا ۱۲ — بمعنے باقي ۱۲ — بلا نيته ۱۲

او به او فيه او معه فعل اي حدث مذكور اي ملفوظ حقيقة او حكما فلا يخرج عنه ما كان فعله مقدرا كما اذا قلت تاديبا في جواب من قال

---

[51] قولہ ونصب الخ یہاں سے مصنف رحمہ اللہ مفعول فیہ کے عامل مضمر سے منصوب ہونے کو بیان فرمارہے ہیں کہتے ہیں کہ مفعول فیہ عامل مضمر سے بلا شریطۃ التفسیر منصوب ہوتا ہے یعنی وہ عامل اس وجہ سے مضمر نہیں ہوتا کہ اس کی تفسیر مذکور ہو جیسے کوئی شخص متی سرت کہے اور اس کے جواب میں یوم الجمعۃ کہا جائے ای سرت یوم الجمعۃ پس اس جگہ یوم الجمعۃ میں عامل مضمر کی کوئی تفسیر موجود نہیں اور یوم الجمعۃ عامل مضمر یعنی سرت کی وجہ سے منصوب ہے واللہ اعلم [52] قولہ وبعامل مضمر الخ اس جگہ قول مصنف علی شریطۃ التفسیر بلا شریطۃ التفسیر پر معطوف ہے اور معطوف علیہ یعنی بلا شریطۃ التفسیر بقرینۂ مقام محذوف ہے پس تقدیر عبارت یوں ہے و ینصب بعامل مضمر علی شریطۃ التفسیر اسی عطف کی درستگی کے لئے شارح نے قول مصنف بعامل مضمر کے بعد بلا شریطۃ التفسیر کا اضافہ کیا ہے بہرحال مطلب یہ ہے کہ مفعول فیہ عامل مضمر سے شریطۃ التفسیر کی بنا پر بھی منصوب ہوتا ہے جیسے یوم الجمعۃ صمت فیہ ای صمت یوم الجمعۃ صمت فیہ اور اس کی تفصیل بھی بعینہ وہی ہے جو مفعول بہ میں بعنوان ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر گذر چکی مختصراً یہ کہ یہاں بھی وہی پانچ صورتیں متصور ہوتی ہیں یعنی (۱) اختیار رفع جیسے یوم الجمعۃ صمت فیہ (۲) اختیار نصب جیسے ایوم الجمعۃ صمت فیہ (۳) وجوب رفع جیسے ایوم الجمعۃ صیم فیہ (۴) وجوب نصب جیسے ان یوم الجمعۃ صمت فیہ صمت فیہ (اگر جمعہ کے دن تو نے روزہ رکھا میں بھی روزہ رکھونگا) (۵) تساوی طرفین یعنی رفع و نصب برابر جیسے زید صام و یوم الجمعۃ صمت فیہ واللہ اعلم [53] قولہ المفعول لہ الخ مفاعیل خمسہ میں سے چوتھا مفعول لہ ہے مفعول لہ وہ اسم ہے کہ جس کے حاصل کرنے یا اس کے پائے جانیکے سبب سے فعل مذکور کیا گیا ہو اس جگہ لاجلہ کی شرح ای لقصد تحصیلہ الخ سے کرکے شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں اسلئے کہ اس سے تادیبا خارج ہو جاتا ہے جو کہ ضربت تادیبا میں ہے کیونکہ قول مصنف لاجلہ سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ وہ فعل مذکور اس اسم کے موجود ہونے کے سبب سے کیا گیا ہو اور تادیب

موجود نہیں ہوتی بلکہ اس کے حصول کیلئے فعل کیا جاتا ہے ورنہ اگر تادیب موجود ہو تو ضرب کی حاجت ہی نہ رہے جواب یہ ہے کہ لاجلہ میں تعمیم ہے یعنی انصرام فعل سے خواہ اس اسم کے حصول کا ارادہ ہو جیسے ضربت تادیبا میں تادیب کا حصول مدنظر ہے یا وہ فعل اسم کے وجود کے سبب سے کیا گیا ہو جیسے قعدت عن الحرب جبنا (بزدلی کے باعث میں جنگ سے بیٹھ گیا) پھر لاجلہ کی قید سے باقی مفاعیل یعنی مفعول مطلق ۔ بہ ۔ فیہ ۔ معہ سب خارج ہو گئے اسلئے کہ ان میں قید لاجلہ ملحوظ نہیں ہوتی پھر اسجگہ بھی فعل کے بعد حدث کہنے کا باعث بھی وہی ہے جو مفعول فیہ میں گذرا یعنی سوال مقدر اور اس کا جواب ملفوظ کے اضافہ کی وجہ ابھی آتی ہے حقیقۃ او حکما سے تعریف میں تعمیم مقصود ہے تاکہ یہ اس مفعول لہ کو بھی شامل ہو جائے جس کا فعل مقدر ہو جیسے کوئی شخص لم ضربت زیداً کہے تو اس کے جواب میں تادیبا کہدیا جائے پس یہ بھی مفعول لہ ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے ای ضربت زیداً تادیبا پھر قول مصنف مذکور کی شرح ملفوظ کے ساتھ کرکے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مذکور ذکر بکسر الذال مصدر سے ہے ذکر بضم الذال سے نہیں کیونکہ ذکر کا تعلق تعقل اور قلب سے ہے پس اس سے اعجبنی التادیب خارج ہو جائیگا اس لئے کہ اس کا فعل یعنی وہ ضرب جو تحصیل تادیب کے لئے کی گئی ہے متعقل ہے لفظوں میں نہیں ہے نہ حقیقۃ نہ حکما اس لئے کہ اعجبنی التادیب اس وقت کہا گیا ہے جبکہ ضربت زیداً تادیبا کہدیا گیا پس اس ضرب کی وجہ سے

۵۰ قوله فان قلت الخ اب اگر کوئی کہے کہ قید مذکورٌ کے ذریعہ اعجبنی التادیب سے احتراز کیونکر ہو سکتا ہے اس لئے کہ وہ فعل جو اسم کے حصول کے ارادہ سے کیا گیا ہے فی الجملہ یعنی کسی نہ کسی ترکیب میں مذکور ہے جیسا کہ ضربتُ زیداً میں فعل مذکور ہے لہذا اس کے ذکر کے بعد اعجبنی التادیب کہدیا گیا پس یہ مثال مذکورٌ حکماً سے تعلق رکھتی ہے اور مفعول لہٗ میں داخل ہے جواب یہ ہے کہ مذکور سے مراد معہٗ ہے یعنی وہ فعل اسم کے ساتھ مذکور ہو اور اس میں اسم کے ساتھ مذکور نہیں لہذا یہ مثال تعریف سے خارج ہے پھر اعتراض وارد ہوا کہ معہٗ مذکور ہے جیسا کہ ضربت زیداً تادیباً میں ہے لہذا پھر مثال اعجبنی التادیب اس میں داخل ہوگئی جواب یہ ہے کہ مذکور معہٗ سے اس ترکیب میں مذکور معہٗ مراد ہے کہ جس ترکیب میں وہ اسم پایا جائے اور ظاہر ہے کہ اعجبنی التادیبُ میں وہ فعل اس اسم کے ساتھ اس ترکیب میں مذکور نہیں بلکہ دوسری ترکیب میں مذکور ہے لیکن اس وقت پھر اعتراض وارد ہوا کہ اعجبنی التادیب الذی ضربت لاجلہ میں اسم کے ساتھ فعل مذکور بھی ہے اور اسی ترکیب میں بھی ہے لہذا یہ اس میں داخل ہے اس کا جواب اللّٰھم الا ان یراد الخ سے شارح نے یہ دیا کہ اب آخری جواب یہی ہے کہ وہ فعل اس اسم کے لئے اس لئے لایا جائے کہ وہ اس میں عمل بھی کرے کہ مثال مذکور میں جو فعل مذکور ہے وہ تادیب میں عمل نہیں کر رہا بلکہ فعل مذکور موصول کا صلہ ہو کر اس مذکور کی صفت واقع ہو رہا ہے لہذا یہ اس سے خارج ہے واللہ اعلم ۱۲ ۵۲ قوله مثل ضربتہٗ جیسے ضربتہٗ تادیباً یہ اس مفعول لہٗ کی مثال ہے جس کے حصول کے قصد کے لئے فعل کیا گیا ہے یعنی ضرب اس لئے کہ تادیب ضرب سے حاصل ہوتی ہے اور تادیب اسی پر مترتب ہوتا ہے واللہ اعلم ۱۲ ۵۳ قوله وقعدت الخ یہ اس مفعول لہٗ کی مثال ہے کہ جس کے وجود کے باعث فعل مذکور کیا گیا ہے یعنی قعود اسلئے کہ قعود جبن و بزدلی کی وجہ سے متکلم سے سرزد ہوا ہے واللہ اعلم ۵۴ قوله والقائل الخ اس سے شارح نے یہ بتلایا ہے کہ خلافاً یخالف کا مفعول مطلق ہے اور یخالف جملہ ہو کر القائل بکون المفعول لہٗ الخ کی خبر ہے اور ظاہراً سے یہ واضح کر دیا کہ خلافاً مفعول مطلق نوع کے

لم ضربت زیداً فقولہ مذکورٌ[۵۱] احتراز عن مثل اعجبنی التادیب فان[۵۰] قلت کیف یصح الاحتراز بہٖ عنہ وہو ای الفعل الذی فعل لاجلہ مذکور فی الجملۃ کما فی ضربتُ زیداً قلنا[عص] المراد مذکور معہ فان قلت ہو مذکور معہ کما فی ضربتہ تادیباً قلنا المراد مذکور معہ فی الترکیب الذی ہو فیہ

ای فی ترکیب من التراکیب ۱۲ رحمن

ویردج نحو اعجبنی التادیب الذی ضربت لاجلہ اللّٰھم[عص] الا ان یراد بذکرہ مع ایرادہ معہ للعمل فیہ مثل[عص][۵۲] ضربتہ تادیباً مثال لما فعل لقصد تحصیلہ فعلٌ وہو الضرب فان التادیب انما یحصل بالضرب ویترتب علیہ وقعدتُ[۵۳] عن الحرب جُبناً مثال لما فعل بسبب وجودہ فعل وہو القعود فان القعود انما وقع بسبب الجبن والقائل[۵۴]

وہو الخوف ۱۲

بکون المفعول لہ معمولاً مستقلاً غیر داخل فی المفعول المطلق یخالف[عص]

مبتدا ۱۲ — خبر ۱۲

خلافاً ظاہراً للزجاج فانہٗ ای المفعول لہ عندہ ای عند الزجاج مصدر من غیر لفظ فعلہ فالمعنی عندہٗ فی المثالین المذکورین ادبتہ بالضرب

والاظہر اسناد المخالفۃ الی الزجاج ۱۲

لئے ہے اسلئے کہ خلاف کی دو قسمیں ہیں ظاہر اور خفی اور اسجگہ اول مراد ہے بہر حال کہتے ہیں کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ مفعول لہٗ معمول مستقل ہے اور مفعول مطلق میں داخل نہیں وہ لوگ زجاج کا خلاف کرتے ہیں اسلئے کہ زجاج کے نزدیک مفعول لہٗ معمول مستقل نہیں بلکہ بغیر لفظ فعل کا مفعول مطلق ہے یعنی اس مصدر کا فعل اسی جیسا ذکر نہیں کیا جاتا جیسے ضرباً کیلئے ضربتُ بلکہ اس کیلئے۔ (باقی بر صفحہ ۱۰۷)

(بقیہ صفحہ ۱۰۶) دوسرا نعل آتا ہے پس زجاج کے نزدیک دونوں مذکورہ مثالوں کے معنی اَدَّبتہ بالضرب تادیبًا اور جبنت فی القعود عن الحرب جبنًا کے ہیں یا ضربتہ، ضرب تادیب اور قعدت قعود جبن کے لیکن یہ قول مردود ہے اس لئے کہ ایک نوع کی دوسری نوع کے ساتھ تاویل اگر صحیح ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ نوع اول نوع آخر کی حقیقۃ میں داخل ہو کر عین آخر بن جائے ورنہ تاویل کے ذریعہ حال کو بھی مفعول فیہ بتا سکتے ہیں اس لئے کہ مثلاً جاءَ زیدٌ راکبًا کو تاویل کرکے جاء زیدٌ وقت الرکوب کے معنی میں کہہ سکتے ہیں اور یہ تاویل اس امر کے بغیر صحیح ہو جاتی ہے کہ حال اپنی حقیقۃ سے خارج ہو یعنی حال بھی اپنی حقیقت سے خارج نہیں ہوتا اور تاویل بھی صحیح ہو جاتی ہے پس زجاج کا قول قابل اعتبار نہیں (اسجگہ خلاف کی نسبت جمہور نحاۃ کی طرف کرکے مصنف نے غلطی کی ہے اس لئے کہ نحاۃ اصل ہیں زجاج فرع لہذا فرع کی طرف نسبت کرنی چاہیے تھی واللہ اعلم سلہ قولہ وشرط نصبہ الخ یعنی مفعول لہ کے نصب حاصل کرنے کی شرط یہ ہے کہ لام مقدر ہو یہ مطلب نہیں کہ اسم کے مفعول لہ ہونے کی شرط تقدیر لام ہے اسلئے کہ اگر یہ معنی لیتے ہیں تو اعتراض وارد ہوتا ہے کہ عبارت میں اصل ایجاز واختصار ہے لہذا مصنف کو وشرط نصبہ کے بجائے وشرطہ کہنا چاہیئے تھا اس کے جواب کیلئے شارح نے لاشرط کون الاسم الخ کا اضافہ کیا کہ اگر مصنف عبارت میں اختصار کردیتے تو اس سے وہم ہو سکتا تھا کہ یہ شرط مفعول لہ کے منصوب ہونے کے لئے نہیں بلکہ اسم کے مفعول لہ بننے کے لئے ہے اور یہ خلاف مقصود ہے پس لام اگر مقدر ہوگا تو مفعول لہ پر نصب آئے گا ورنہ ذکر لام کے باعث مجرور ہوگا مصنف کے اس بیان اور شارح کی اس اضافہ لاشرط کون الخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک مفعول لہ اس اسم کا نام ہے جس کیلئے فعل مذکور کیا گیا ہو خواہ اس پر لام مذکور ہو یا مقدر البتہ اس کے منصوب ہونے کی شرط یہ ہے کہ لام مقدر ہو پس اس تعمیم کی بنا پر مصنف کے نزدیک السمن اور اکرام جو کہ مثال مندرجہ ذیل میں مذکور ہیں مفعول لہ میں داخل ہیں ۔

تادیبًا وجبنتُ فی القعود عن الحرب جبنًا او ضربتہ ضرب تادیبٍ وقعدت قعود جبن وَرُدَّ قول الزجاج بان صحۃ تاویل نوع بنوع لا تدخلہ فی حقیقۃ الاترٰی ان صحۃ تاویل الحال بالظرف من حیث ان معنی جاءَ زیدٌ راکبًا جاء زید وقت الرکوب مِن غیر ان تخرج عن حقیقتہا وشرط نصبہ ای شرط انتصاب المفعول لہ لاشرط کون الاسم مفعولًا فالسمن والاکرام فی قولک جئتک للسمن وللاکرامک لزائر عندہ مفعول لہ علی مایدل علیہ حدہ وہٰذا کما قال فی المفعول فیہ ان شرط نصبہ تقدیر فی وہٰذا ایضًا خلاف اصطلاح القوم تقدیر اللام لانہا اذا ظہرت لزم الجر وخص اللام بالذکر لانہا الغالب فی تعلیلات الافعال فلا یقدر غیرہا من مِن او الباء او فی مع انہا من دواخل

(جیسے جئتک للسمن ولاکرامک لزائر (آیا میں تیرے پاس گھی کے حصول اور تیرے زیارت کرنے والے کا اکرام وعزت کرنے کے سبب سے) یعنی تو اپنے زیارت کرنے والے کی عزت وتکریم کرتا ہے اس وجہ سے اور گھی کے حاصل کرنے کی وجہ سے میں تیرے پاس آیا) اور یہ بھی اسی طرح اصطلاح قوم کے خلاف ہے جس طرح کہ مصنف نے مفعول فیہ میں اصطلاح قوم کا خلاف کیا ہے یعنی کہ اس کے نصب کی شرط تقدیر فی ہے اور خود فی مقدر ہو یا ملفوظ بہرحال مفعول فیہ ہے اور یہ اصطلاح قوم کے اس وجہ سے خلاف ہے کہ ان کے نزدیک مذکور اللام کو مفعول لہ نہیں کہتے واللہ اعلم سلہ قولہ وخص اللام الخ اس عبارت سے شارح ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ مفعول لہ جس طرح لام کے ساتھ آتا ہے اسی طرح مِن ۔ باء اور فی کے ساتھ بھی آتا ہے جیسا کہ ابھی (باقی بر صفحہ ۱۰۸)

مثالوں میں معلوم ہوگا پس تقدیر لام ہی کی کیا خصوصیت ہے؟ جواب یہ ہے کہ لام کی تخصیص تعلیلات افعال میں اس کے کثرت استعمال کے باعث ہے یعنی اکثر تعلیلات افعال میں لام ہی کو ذکر کرتے ہیں اس لئے کہ لام کی وضع جن معانی کے لئے ہوئی ہے ان میں سے ایک تعلیل بھی ہے پس غیر لام من۔ با۔ اور فی کو مقدر نہیں کیا جائے گا اگرچہ یہ بھی مفعول لہ پر داخل ہوتے ہیں جیسے قول باری تعالیٰ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللہ ای لاجل خشیۃ اللہ اور فبظلم ای لاجل ظلم من الذین ہادوا حرمنا اور قول نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم انّ امرأۃً دخلت النار فی ہرۃٍ ای لاجلہا کہ ان مثالوں میں من خشیۃ اللہ بظلم فی ہرۃٍ مفعول لہ ہیں اور تینوں پر بجائے لام کے من۔ با۔ اور فی داخل ہیں حدیث کا ترجمہ یہ ہے ایک عورت بلی کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوگئی یعنی ایک ظالمہ عورت نے بلی کو بھوکا باندھے رکھا اور اسی بھوک پیاس کی حالت میں مر گئی جب اس عورت کا انتقال ہوا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا حدیث بیان فرمائی واللہ اعلم ١٢ ١ قولہ ولما کان الخ یہ عبارت یا تو سوال مقدر کا جواب ہے یا قول مصنف وانما یجوز حذفہا کی تمہید ہے تمہید ہونا تو ظاہر ہے البتہ تقریر سوال یہ ہے کہ عبارت میں اصل ایجاز واختصار ہے پس مصنف کو بجائے وانما یجوز حذفہا کے وانما یجوز کہہ دینا کافی تھا یجوز کی ضمیر تقدیر لام کی طرف راجع ہو جاتی اور اختصار بھی حاصل ہو جاتا جواب یہ ہے کہ تقدیر لام کا مطلب یہ ہے کہ لفظاً حذف کر دیا جائے اور نیۃً یعنی دل میں باقی رہے یعنی حذف فی اللفظ اور بقاء فی النیۃ کے مجموعہ سے تقدیر لام عبارت ہے حالانکہ اصل یہ ہے کہ وہ لفظ اور نیۃ دونوں میں باقی ہو اور جب تقدیر ہوئی تو لفظاً ہوئی نی النیۃ نہیں ہوئی تو اس سے ابقاء فی النیۃ خود بخود معلوم ہوگیا پس اس کے وجود کے لئے تو کسی قسم کی شرط کی ضرورت نہیں البتہ حذف من اللفظ کیلئے شرط کی ضرورت ہے اسلئے مصنف نے عبارت کو طول دیا پس اگر یجوز کہکر ارجاع ضمیر پر اکتفا کیا جاتا تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ بقاء فی النیۃ کیلئے بھی کسی شرط کی ضرورت ہے کیونکہ

المفعول له كقوله تعالى خاشعاً متصدعاً من خشية الله وقوله تعالى فبظلم من الذين هادوا حرمنا وقوله عليه السلام ان امرأة دخلت النار في هرة اي لاجلها ولما كان[1] تقدير اللام عبارة عن حذفها عن اللفظ وابقائها في النية وكان الاصل ابقاءها في اللفظ والنية (لانه يوافق الاصل بخلاف الحذف من اللفظ ١٢ عب) فلا حاجة في ابقائها في النية الى شرط بل الحاجة اليه (جواب لما ١٢) انما يكون في حذفها من اللفظ ولذا قال وانما يجوز حذفها ولم يكتف بارجاع ضمير الفاعل الى تقدير اللام فيجوز[2] حذفها كما يجوز ذكرها اذا كان المفعول له فعلاً احترازاً عما اذا كان عيناً نحو جئتك للسمن لفاعل

ضمیر حذف فی اللفظ اور بقاء فی النیۃ دونوں کے مجموعہ کی طرف راجع ہوتی حالانکہ ایسا نہیں بلکہ شرط کی ضرورت لفظوں سے حذف کر دینے کی صورت میں پڑتی ہے ابقاء فی النیۃ میں نہیں کیونکہ ابقاء فی النیۃ اصل ہے اور اصل میں کسی شرط کی ضرورت نہیں ہوا کرتی پس عبارت یوں ہوگی وانما یجوز حذف اللام لفظاً اذا کان الخ اور اختصار کی صورت میں عبارت اس طرح ہو جاتی ہے وانما یجوز تقدیر اللام لفظاً وابقاؤہا فی النیۃ اذا کان الخ پس نیتۃً بھی شرط کے ساتھ مشروط ہو جاتا لہٰذا مصنف نے وانما یجوز حذفہا کہا اور ضمیر فاعل کو تقدیر لام کی طرف لوٹانے پر اکتفا نہیں کیا واللہ اعلم ١٢ ٢ قولہ فیجوز حذفہا الخ پس جس طرح ذکر لام جائز ہے حذف لام بھی جائز ہے بشرطیکہ مندرجہ ذیل دونوں شرطیں پائی جائیں ایک یہ کہ مفعول لہ فعل معلل بہ کے فاعل کا اثر ہو یعنی وہ فعل جس کی علت مفعول کے ساتھ بیان کی گئی ہے اس کا فاعل اور مفعول لہ کا فاعل دونوں ایک شئے ہوں دوسرے یہ کہ مفعول لہ فعل معلل بہ کا وجود میں مقارن ہو یعنی فعل معلل بہ کے وجود کا زمانہ اور مفعول لہ کا زمانہ دونوں متحد ہوں اب فوائد قیود ملاحظہ فرمایئے اذا کان فعلاً کی تفسیر اذا کان اثراً ہے پس فعلاً یعنی اثراً کہنے سے وہ چیز خارج ہوگئی جو کہ اثر نہیں (باقی بر صفحہ ١٠٩)

(بقیہ صفحہ ۱۱۱) بلکہ عین یعنی موجود خارجی ہے جیسے جئتک للسمن کہ اس میں اگرچہ سمن بظاہر مجئ کا باعث اور اس کی علت ہے مگر یہ کہ سمن قائم بذاتہ ہے قائم بالغیر یعنی فعل کا اثر نہیں جیسا کہ ضربتہ تادیبا میں تادیب فعل معلل بہ کا اثر اور نتیجہ ہے اور سمن مجئ کا نتیجہ نہیں لہذا مجئ کے تحت داخل نہیں ہوگا پس ذکر لام ضروری ہے اور جس وقت لفاعل الفعل المعلل بہ کہا یعنی مفعول لہ اور اس کے عامل یعنی وہ فعل کہ جس کی علت اس اسم کے ساتھ لائی گئی ہے دونوں کا فاعل متحد ہو تو اس سے وہ شے خارج ہو گئی جو کہ فعل معلل بہ کے فاعل کا اثر نہیں بلکہ غیر فاعل فعل معلل بہ کا اثر ہے یعنی دونوں کا فاعل متحد نہیں جیسے جئتک لمجیئک ایای اس لئے کہ یہاں مجئ اول کا فاعل متکلم اور مجئ ثانی کا مخاطب ہے پس دونوں کا فاعل متحد نہیں ہوا لہذا ذکر لام ضروری ہے بخلاف ضربتہ تادیبا کے کہ اس میں قیام ضرب اور تادیب دونوں کا فاعل متکلم ہے یعنی ضرب بھی متکلم سے سرزد ہوئی ہے اور ادب دینا بھی لہذا اس میں لام مقدر ہوگا اور جب مقارنا فی الوجود کہا تو اس سے وہ مفعول لہ خارج ہو جائے گا جو کہ فعل معلل بہ کے ساتھ زمانہ میں شریک نہیں جیسے اکرمتک الیوم لوعدی بذلک امس میں آج تیرا اکرام کروں گا کیونکہ کل میں نے اس کا وعدہ کیا تھا، اور یہ اس لئے خارج ہے زمانہ فعل معلل بہ یعنی اکرمت کا آج کا دن اور زمانہ مفعول لہ یعنی... لوعدی کا کل گذشتہ ہی پس دونوں کا زمانہ متحد نہیں لہذا ذکر لام ضروری ہے واللہ اعلم ۱۲ اسلئے قولہ بان یتحد الخ اس سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فعل معلل بہ اور مفعول لہ کا اشتراک فی الزمان تین قسم پر ہے (۱) فعل اور مفعول لہ دونوں کا زمانہ ایک ہو جیسے ضربتہ تادیبا کہ اس میں ضرب اور تادیب دونوں کا زمانہ ایک ہے اور دونوں کے درمیان حقیقت میں تغایر نہیں اگرچہ تغایر اعتباری موجود ہے یعنی یہ کہ زمان ضرب زمانہ تادیب پر مقدم ہے نیز فعل فاعل سے صادر ہوا ہے وہ باعتبار درد و تکلیف کے ضرب ہے اور باعتبار اس کے کہ اس سے اخلاق حسنہ پیدا ہوتے ہیں اس کا نام تادیب ہے مگر یہ فرق اعتباری ہے اس لئے قابل اعتراض نہیں (۲) فعل معلل بہ کا کل زمانہ مفعول لہ

الفعل المعلّل به ای اتحد فاعله وفاعل عامله احتراز عما اذا کان فعلا لغیره نحو جئتک لمجیئک ایای ومقارنا له ای للفعل المذکور فی الوجود بان یتحد زمان وجودهما نحو ضربته تادیبا اذ زمان الضرب والتادیب واحد اذ لا مغایرة بینهما الا بالاعتبار او یکون زمان وجود احدهما بعضا من زمان وجود الآخر نحو قعدت عن الحرب جبنا فان زمان الفعل اعنی القعود عن الحرب بعض زمان المفعول له اعنی الجبن ونحو شهدت الحرب ایقاعا للصلح بین الفریقین فان زمان المفعول له اعنی ایقاع الصلح بعض زمان الفعل اعنی

ہ کے بعض زمانہ کے ساتھ متحد ہو یعنی اول کا زمانہ وجود دوسرے کے زمانۂ وجود کا بعض اور جز ہو بایں طور کہ ایک کا زمانۂ وجود دوسرے کے زمانۂ وجود کو شامل ہو جیسے قعدت عن الحرب جبنا کہ اس میں زمانۂ فعل یعنی قعود عن الحرب زمان مفعول لہ یعنی جبن کا بعض ہے اسلئے کہ زمانۂ جبن زمانۂ قعود پر مقدم ہے اور قعود بعض زمانۂ جبن میں ہوگا کیونکہ جبن کا بعض زمانہ قعود عن الحرب سے پہلے ہی گذر چکا ہے پس زمانۂ جبن محیط ہے کہ اس نے قعود عن الحرب کا احاطہ کر رکھا ہے اور قعود عن الحرب محاذا کہ یہ زمانۂ جبن کے لحاظ میں گیا ہوا ہے پس زمانۂ قعود عن الحرب زمانۂ جبن کا جز ہوا (۳) اس کا عکس ہو یعنی مفعول لہ کا کل زمانہ فعل معلل بہ کے بعض زمانہ کے ساتھ متحد ہو یعنی دوسرے کا زمانہ وجود اول کے زمانۂ وجود کا جز ہو جیسے شهدت الحرب ایقاعا للصلح بین الفریقین کہ اس میں مفعول لہ یعنی ایقاع صلح کا کل زمانہ زمانۂ فعل یعنی لڑائی میں حاضر ہونے کے زمانہ کا جزو ہے پس اتحاد زمان کی ان تینوں قسموں میں لام کو مقدر کیا جائے گا کیونکہ شرط موجود ہے اسکے بعد قول شارح واحترز بذلک القید کا مطلب گذشتہ نمبر میں گذر چکا واللہ اعلم

[1] قوله وانما اشترط الخ یہاں سے شارح تقدیر لام کے لئے ان شرائط کے اضافہ کی وجہ بیان فرما رہے ہیں جو دراصل ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسم کو نصب اس اعتبار سے دیا جاتا ہے کہ وہ فعل کا جزء ہو یا فعل سے کوئی علاقہ رکھتا ہو اور یہاں ایسا نہیں اسلئے کہ مفعول لہ نہ فعل کا جزء ہے اور نہ اس کا فعل سے کوئی علاقہ ہے اس کا جواب دیتے ہوئے شارح کہتے ہیں کہ یہ

شهود الحرب واحترز بذلك القيد عما اذا لم يكن مقارنا له في الوجود

(ای المقارنة ۱۲)

نحو اكرمتك اليوم لوعدي بذلك امس وانما اشترط[1] هذه الشرائط لانه

(ای بالاکرام ۱۲)

بهذه الشرائط يشبه المصدر فيتعلق بالفعل بلا واسطة تعلق

المصدرية بخلاف ما اذا اختل شئ منها المفعول[2] معه اي الذي فعل

لمصاحبته بان تكون الفاعل مصاحبا له في صدور الفعل عنه

(بیان لقوله الذی فعل ۱۲)

او المفعول به في وقوع الفعل عليه فقوله معه مفعول ما لم يسم فاعله اسند

اليه المفعول كما اسند الى الجار والمجرور في المفعول به وفيه وله والضمير

المجرور راجع الى اللام واعتذر عن نصبه بما جوزه بعض النحاة

(ای فی مع لانه مضاف الیه ۱۲)

من اسناد الفعل الى لازم النصب وتركه منصوبا جاريا على ما هو عليه

(بيانية ۱۲)

في الاكثر واليه ذهب في قوله تعالى لقد تقطع بينكم على قراءة النصب

(ای الی الاعتذار المذکور ذهب آه ۱۲)

اور ان کا رفع محلی ہے اور مع کا لفظی ہوگا اس لئے اس کے بیان کی ضرورت پیش آئی پھر معہ کی ضمیر مجرور الف لام کی طرف راجع ہے جو کہ الذی کے معنی میں ہے اب اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب معہ فُعِلَ فعل مجہول کا مفعول ما لم یسم فاعلہ ہے تو اس کو مرفوع ہونا چاہیے یعنی المفعول معہٗ نہ کہ منصوب اس کا جواب شارح واعتذر عن نصبہ الخ سے دے رہے ہیں کہتے ہیں کہ اس کے متعلق بعض نحاۃ نے اس امر کے جواز کے ساتھ عذر پیش کیا ہے کہ جب فعل کی اسناد لازم النصب کی طرف کی جائے تو اس کو منصوب ہی باقی رکھا جائے تاکہ اکثر احوال کے ساتھ اس کی موافقت ہو جائے مطلب یہ ہے کہ مع کا استعمال اکثر دو ہی طریقوں پر ہوتا ہے ظرفیۃ کی بنا پر یا حالیۃ کی بنا پر اور دونوں کو نصب لازم ہے پس اس استعمال اکثری (باقی برص ۱۱۱)

دو شرطیں اس وجہ سے لگائی گئی ہیں تاکہ مفعول لہ مفعول مطلق کے مشابہ ہو جائے پس جس طرح مفعول لہٗ کا تعلق بلا واسطہ فعل کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح مفعول لہٗ کا تعلق بھی بلا واسطہ فعل کے ساتھ ہو جائے اور اس تعلق کی وجہ یہ ہے کہ مفعول مطلق میں بھی ان شرائط کا لحاظ ہے پس جب مفعول لہٗ مفعول مطلق کی طرح فعل سے متعلق ہو جائے گا تو فعل اپنے جزء کو بلا واسطہ نصب دیگا بخلاف اس کے کہ جب ان شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس تعلق میں خلل واقع ہو جائے گا پس فعل بھی بلا واسطہ مفعول لہٗ کو نصب نہیں دیگا واللہ اعلم [2] قولہ المفعول معہ الخ مفعول معہ مفاعیل خمسہ میں سے پانچواں اور آخری مفعول ہے مفعول معہ اس اسم کو کہتے ہیں جس کی مصاحبت سے فعل بایں طور کیا گیا ہو کہ فاعل سے صدور فعل میں فاعل اس اسم کا مصاحب ہو یا اس کا مصاحب مفعول بہ پر وقوع فعل میں مفعول بہ ہو مطلب یہ ہے کہ مفعول معہ کا مصاحب عام ہے خواہ فعل کا فاعل ہو یا مفعول بہ مصاحبت بالفاعل کی مثال جیسے جئتُ وزیداً اور مفعول بہ کی مثال جیسے کفاک وزیداً درہم کہ دونوں امثلہ میں زید مفعول معہٗ ہے اس جگہ شارح کی تفسیر ای الذی سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ المفعول میں الف لام بمعنی الذی ہے اور مفعول بمعنی فعل ماضی مجہول، پس قول مصنف معہٗ فُعِلَ کا مفعول ما لم یسم فاعلہ ہوگا اور لفظ مفعول کی اسناد معہٗ کی طرف اس جگہ ایسی ہی ہے جیسی کہ مفعول بہ۔ فیہ اور لہٗ میں جار مجرور کی طرف مفعول کی اسناد ہوتی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ مع معرب ہے اور ضمیر بہ۔ فیہ وغیرہ مبنی

وفی بعض الحواشی ان ہذا الرائے شریف جداً وقیل[a] الوجہ ان یجعل
من قبیل ع وقد حیل بین العیر والنزوان ÷ فان مفعول مالم یسم
فاعلہ فیہ الضمیر الراجع الی مصدرہ ای حیل الحیلولۃ لان بین للزوم
ظرفیتہ لایقام مقام الفاعل فعلی ہذا یکون معناہ الذی فعل
فعل بمصاحبتہ علی ان یکون مفعول مالم یسم فاعلہ ضمیراً راجعاً الی
مصدرہ والضمیر المجرور للموصول ہو مذکور بعد الواو احتراز عن المذکور
بعد غیرہ کالفاء لمصاحبتہ معمول فعل اللام متعلق بمذکور ای یکون
ذکرہ بعد الواو لاجل مصاحبتہ معمول فعل وافادتہ ایاہا سواء کان

(حواشی بین السطور: فی الترکیب ۱۲ — الوثوب ۱۲ — الحمار ۱۲ — بر جستن ۱۲ — لفظ ۱۲ — التوجیہ ۱۲ — ای معنی المفعول ۱۲ — فی معہ ۱۲ — بالاضافۃ ۱۲ — ہو الالف واللام ۱۲ — اشارۃ الی ان اللام للاجل ۱۲ — ای المصاحبتہ ۱۲)

کے ہیں باب نصر سے اور اس کا صلہ بار کے ساتھ آتا ہے اور امر خیر سے اپنا قتل مراد لے رہا ہے اور [illegible] بو سے اظہار تمنا مقصود ہے حیل حیلولۃ سے اس کے معنی دو چیزوں کے درمیان فاصل آجانے کے ہیں عیر بفتح العین حمار وحشی کو کہتے ہیں اور نزوان کے معنی ہیں جست لگانا کودنا، ترجمہ شعر کا یہ ہے میں ایک امر خیر کا ارادہ رکھتا ہوں کاش کہ مجھ میں اس کو پورا کرنے کی طاقت پیدا ہو جائے اور حال یہ ہے کہ حمار وحشی اور اس کے کودنے کے درمیان حائل کھڑا کر دیا گیا ہے یعنی مجھ میں عدم استطاعت اس ارادہ کے پورا کرنے میں حائل کر دیگئی پھر یہ شعر ضرب المثل بن گیا اور ایسے مواقع پر بولا جانے لگا کہ کوئی شخص قوی ہو لیکن اس کو عجز لاحق ہو جانے کے باعث اپنے ارادہ پر قسم میں حاصل نہ ہو سکے واللہ اعلم ۔ ۲ قولہ ہو مذکور الخ یعنی مفعول معہ بوجہ مصاحبت معمول فعل کے واو بمعنی مع کے بعد مذکور ہوتا ہے پس اسجگہ بعد الواو کی قید سے اس مذکور سے احتراز ہو گیا جو غیر واو کے بعد مذکور ہو مثلاً فا ریا اس کے مثل کے بعد جیسے مثلاً لفظ مع کے بعد جیسے جئت مع زید پس اس صورت میں زید مفعول معہ نہیں ہوگا کیونکہ اسم زید واو بمعنے مع کے بعد مذکور نہیں لمصاحبتہ میں لام جارہ مذکور کے متعلق ہے اور عبارت اس طرح ہے ای یکون ذکرہ الخ رباقی بر ص ۱۱۱)

(بقیہ ص ۱۱۱) ہوا قعت پر اس کو جاری کرتے ہوئے منصوب ہی رکھیں سے مرفوع نہیں پڑھیں گے اور بعض قراء نے قول باری تعالیٰ لقد تقطع بینکم میں بینکم کو بفتح النون پڑھا ہے وہ اسی اعتذار مذکور کی طرف گئے ہیں اور بعض حواشی میں اس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ یہ رائے نہایت شریف عمدہ اور بہت زیادہ مقبول ہے۔ شریف تو اس وجہ سے ہے کہ قول باری تعالیٰ سے اس کی مطابقت ہوتی ہے اور جداً اس وجہ سے کہ اس میں کسی قسم کا تکلف نہیں کرنا پڑتا پس معہ کو منصوب پڑھنا بہ نسبت مرفوع پڑھنے کے زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم [a] قولہ وقیل الخ یہ لفظ معہ کے منصوب پڑھے جانے کی دوسری توجیہ ہے بعض نحاۃ کہتے ہیں کہ اس کو از قبیل ع وقد حیل بین العیر والنزوان قرار دیا جائے کہ حیل کا مفعول مالم یسم فاعلہ اس میں ضمیر ہے جو فعل کے مصدر کی طرف راجع ہے ای حیل الحیلولۃ اس لئے کہ بین لزوم ظرفیۃ کی بناء پر فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتا پس لامحالہ الضمیر مستتر ماننی پڑیگی پس ایسے ہی المفعول معہ میں مفعول مالم یسم فاعلہ کے لئے ضمیر مستتر مانی جائے جو فعل مصدر کی طرف راجع ہو ای فعل الفعل اور معہ کو بنا بر ظرفیت منصوب قرار دیا جائے پس اس صورت میں معنی یہ ہوں گے ای الذی فعل فعل بمصاحبتہ اور یہ معنی اسی وقت ہوں گے جبکہ مفعول مالم یسم فاعلہ ضمیر مستتر کو قرار دیا جائے جو کہ مصدر کی طرف راجع ہو اور معہ کی ضمیر مجرور اس میں ہی موصول یعنی الذی ہی کی طرف لوٹائی جائے گی۔

فائدہ۔ اس مصرعہ کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ صخر بن عمر ایک سال سے ایک زخم کے باعث مریض تھا جو اس کو کسی جنگ میں لگا تھا تو اس کی عورت نے کہا کہ نہ تو یہ زندہ ہی ہے کہ کچھ امید رکھی جائے اور نہ مردہ کہ مرثیہ کہدیا جائے یہ سن کر صخر نے تلوار اٹھا کر اپنے قتل کا ارادہ کیا لیکن شدت ضعف کی وجہ سے اپنے قتل پر قادر نہ ہو سکا پس یہ شعر کہا اور اس میں اپنے قتل کے لئے استطاعت اور طاقت کی تمنا کی یہ پورا شعر اس طرح ہے شعر ۔ اھم بامر الخیر لو استطیعہ ÷ وقد حیل بین العیر والنزوان - ہم کے معنی قصد وارادہ

(بقیہ ص۱۱۱) یعنی مفعول معہ کا ذکر واو کے بعد بوجہ مصاحبت معمول فعل اور اس واو کے مصاحبۃ کا فائدہ دینے کے لئے ہونا چاہیے پھر اس میں تعمیم ہے کہ معمول فعل خواہ فاعل ہو جیسے استوی الماء والخشبۃ کہ اس میں الماء فاعل فعل کا معمول ہے اور وہ واو اس کی مصاحبۃ کا فائدہ دے رہا ہے یعنی پانی لکڑی کے ساتھ بلندی میں برابر ہو گیا یا وہ معمول مفعول ہو جیسے کفاک وزیداً درہم کہ اس میں کاف مفعول بہ ہے اور زیداً میں واو اس کی مصاحبت کا فائدہ دے رہا ہے یعنی کافی ہے تجھکو زید کے ساتھ ایک درہم) واللہ اعلم ۱۲ لہ قولہ وسواء کان الخ اس کی فعل کی عمومیت بیان کرنا مقصود ہے اور مزید اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ لفظاً اور معنیً کان کی خبر ہونے کی بنا پر منصوب ہیں پھر لفظیاً سے صحت حمل کی طرف اشارہ ہے تاکہ خبر کان کا حمل اسم کان پر بحذف یا نسبۃ صحیح ہو جائے یا لفظاً بمعنی ملفوظاً ہے اسی پر معنیً کو بھی قیاس کرنا چاہیے پس کہتے ہیں کہ جس طرح معمول میں تعمیم ہے کہ وہ فاعل ہو یا مفعول اسی طرح فعل عامل میں بھی تعمیم ہے عام ازیں کہ وہ لفظی ہو جیسے دونوں مذکورہ بالا مثالوں میں یا معنوی ہو جیسے مالک وزیداً کہ مالک اگرچہ فعل نہیں ہے مگر اس سے ایک فعل ضرور سمجھ میں آتا ہے یعنی تصنع ای ما تصنع وزیداً تو زید کے ساتھ کیا کر رہا ہے، واللہ اعلم ۲ے قولہ والمراد الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال کی تقریر فلا ینتقض الخ سے شارح نے خود بیان کردی ہے کہتے ہیں کہ معمول فعل سے مفعول معہ کے مصاحب ہونے سے مراد یہ ہے کہ مفعول معہ، معمول فعل کے ساتھ زمانہ واحد میں شریک ہو یعنی کسی ایک کا زمانہ آخر سے علیحدہ نہ ہو سکے جیسے سرت وزیداً کہ اس میں متکلم یعنی معمول فعل اور زید مفعول معہ کی سیر کا زمانہ ایک ہے یا اگر دونوں زمان میں مشارکت نہ ہو تو مکان واحد میں مشارکۃ ہونی چاہیے جیسے لو ترکت الناقۃ وفصیلہا لرضعہا اگر اونٹنی اپنے بچہ کے ساتھ چھوڑ دی جاتی تو اونٹنی بچہ کو دودھ پلا دیتی، پس اس مثال میں مکان واحد ہے ۔ فائدہ جس طرح مثال اول میں دونوں کا زمانہ ایک

ذلک المعمول فاعلاً نحو استوی الماء والخشبۃ او مفعولاً نحو کفاک وزیداً درہم وسواء کان ذلک الفعل لفظاً ای لفظیاً کالمثالین المذکورین او معنیً ای معنویا نحو مالک وزیداً ای ما تصنع والمراد بمصاحبتہ لمعمول الفعل مشارکتہ لہ فی ذلک الفعل فی زمان واحد نحو سرت وزیداً او مکان واحد نحو لو ترکت الناقۃ وفصیلہا لرضعہا فلا ینتقض بالمذکور بعد الواو العاطفۃ نحو جاءنی زید وعمرو فانہا لا تدل الا علی المشارکۃ فی اصل الفعل دون المصاحبۃ واللہ اعلم

---

۵ ہے اسی طرح مکان بھی واحد ہے اسلئے کہ مثلاً جب زید اور عمرو دونوں ساتھ چلیں گے تو لامحالہ دونوں کا مکان بھی ایک ہوگا یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک جائے دہلی کو اور دوسرا جائے لاہور کو تو کہدیا جائے سار زید و عمرو کہ زید عمرو کے ساتھ چلا علی ہذا القیاس مثال ثانی میں جہاں مکان واحد پایا جاتا ہے وہیں ایک زمانہ بھی دونوں میں موجود ہے کیونکہ دونوں کا ایک جگہ میں ہونا ایک زمانہ میں ہونے کو مستلزم ہے مگر شارح نے جو علیحدہ امثلہ بیان کی ہیں وہ قصد کے اعتبار سے ہیں یعنی مثال اول میں زمان واحد مقصود ہے مکان نہیں اور ثانی میں مکان واحد مد نظر ہے زمان نہیں ۱۲ پس جب مذکورہ بالا تفصیل مراد ہوئی تو اب تعریف مفعول معہ پر یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ واو عاطفہ کے بعد جو اسم مذکور ہوتا ہے وہ بھی تو مصاحبت کا فائدہ دیتا ہے جیسے جاءنی زید و عمرو میرے پاس زید اور عمرو آئے یعنی دونوں ساتھ آئے پس عدم ورود نقض کی وجہ یہ ہے کہ واو عاطفہ اصل فعل میں مشارکۃ پر دلالت کرتا ہے مصاحبۃ پر نہیں اسلئے کہ جاءنی زید و عمرو کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں زمان واحد میں آئے ہوں اسلئے کہ ان دونوں کا اجتماع فی المجئی مراد ہے خواہ آگے پیچھے ہی کیوں نہ ہو لہذا یہ اعتراض غلط ہے واللہ اعلم ۳ے قولہ واعلم ان الخ اس سے اس امر کی تحقیق مقصود ہے کہ مفعول معہ میں عامل کون ہے اس میں بعض نحاۃ مثلاً (باقی برص ۱۱۳)

(بقیہ صفحہ ۱۱۲) شیخ عبد القاہر جرجانی کا مذہب یہ ہے کہ مفعول معہٗ میں واو عامل ہے یعنی واو کی وجہ سے مفعول معہٗ منصوب ہوتا ہے اس پر رد کرتے ہوئے شارح کہتے ہیں کہ جمہور نحاۃ کا مذہب یہ ہے کہ مفعول معہٗ میں عامل فعل یا معنی فعل ہیں اور واو بمعنی مع صرف ایک واسطہ ہے اور واو کو مع کی جگہ میں اس لئے وضع کیا گیا ہے کہ واو مع سے اخصر اور واو جزء ہے اب رہی یہ بات کہ واو کی کیا خصوصیت ہے دوسرا کوئی اور حرف اس کے لئے وضع کر لیا جاتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ واو کی اصل عطف ہے اور عطف میں جمعیۃ کے معنے پائے جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مصاحبۃ اور جمعیۃ میں اک گونہ مناسبت ہے اس لئے کہ مصاحبۃ کو جمعیۃ لازم ہے پس واو کو مع کی جگہ مقرر کر لیا گیا واللہ اعلم

۱۲ سلہ قولہ فان کان الخ پس اگر فعل لفظی ہو اور واو کے مابعد کا عطف واو کے ماقبل پر جائز ہو تو مفعول معہٗ میں عطف اور بنا بر مفعولیت کے نصب دونوں جائز ہیں جیسے جئتُ انا و زیدٌ پس اس میں عطف تو اسلئے جائز ہے کہ ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ لائی گئی ہے اس لئے واو کے مابعد کا ماقبل پر عطف ہو سکتا ہے اور بنا بر عطف کے زید کو مرفوع پڑھیں گے اور زید چونکہ مفعول معہٗ ہے اس لئے اس کو نصب دینا بھی جائز ہے جیسے جئتُ انا و زیداً پس اس صورت میں عطف نہیں ہوگا۔ اب جاننا چاہیئے کہ کان کی تفسیر وجد کے ساتھ کر کے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کان اس جگہ تامہ ہے اس کو خبر کی ضرورت نہیں اور لفظاً بمعنے ملفوظاً ہو کر حالیۃ یا تمیز کی بنا پر منصوب ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کان ناقصہ ہو اور لفظاً بمعنے ملفوظاً کر کے اس کی خبر بنایا جائے تاکہ حمل صحیح ہو جائے اور ای مایدل علی الحدث کہکر شارح نے سوال مقدر کا جواب دیا ہے کہ جواز وجہین جس طرح اس مفعول معہٗ میں ہے جو فعل کے ساتھ واقع ہو اسی طرح اس مفعول معہٗ میں بھی دونوں وجہیں جائز ہیں جو شبہ فعل یعنی اسم فاعل و اسم مفعول وغیرہ کے ساتھ ذکر کیا جائے پس فعل کے ہی ساتھ تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ فعل سے مراد وہ فعل ہے

مذہب الجمہور النحاۃ ان العامل فی المفعول معہ الفعل او معناہ بتوسط الواو التی بمعنے مع وانما وضعوا الواو موضع مع لکونہا اخصر واصلہا واو العطف[عہ] التی فیہا معنے الجمع فناسب معنے المعیۃ فان[سلہ] کان ای وجد الفعل ای مایدل علے الحدث فیعم الفعل واسمی الفاعل والمفعول والصفۃ المشبہۃ وغیرہا لفظاً[عہ] وجاز[عہ] ای لم یجب العطف ولم یمتنع فلا ینتقض بمثل ضربت زیداً وعمراً لوجوب العطف فیہ فالوجہان[عہ] ای العطف والنصبُ علی المفعولیۃ جائزان

لانہ الاصل ۱۲ — لانہ فیہ یکثر الفائدۃ ۱۲

جو معنی حدثی پر دلالت کرے یعنی فعل لغوی پس اس میں فعل اصطلاحی۔ اسم فاعل۔ اسم مفعول اور صفۃ مشبہ وغیرہ سب پر داخل ہو جائیں گے اسلئے معنی حدثی سب میں پائے جاتے ہیں لہذا اعتراض کی کوئی وجہ نہیں اور ای لم یجب العطف و لم یمتنع سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جواز بمعنے الامکان الخاص ہے یعنی وجوب اور امتناع دونوں سے سلب ضرورت ہو کہ عطف جائز ہو لیکن نہ واجب ہو اور نہ ممتنع پس اگر واجب یا ممتنع ہوگا تو اس میں مذکورہ بالا دونوں وجہیں جائز نہیں ہونگی جیسے ضربت زیداً و عمراً کہ اس میں عطف واجب ہے اس لئے عمراً کو مرفوع نہیں پڑھ سکتے منصوب پر معطوف ہونے کے باعث منصوب ہی پڑھیں گے اور جیسے جئتُ و زیداً کہ اس میں عطف ممتنع ہے اسلئے کہ ضمیر متصل پر عطف جائز نہیں ہوا کرتا لہذا اس میں بھی صرف ایک وجہ یعنی نصب بنا بر مفعولیت کے جائز ہے اور بنا بر عطف رفع نہیں پڑھ سکتے۔

فائدہ۔ اگر جواز کی تفسیر امکان خاص کے ساتھ نہ کی جاتی تو امکان عام مقید بجانب الوجود مراد ہوتا یعنی حکم کی جانب مخالف سے سلب ضرورت ہو اور جانب موافق ضروری ہو یا نہ ہو تو اس صورت میں وجوب عطف بھی اس میں داخل ہو جاتا کیونکہ یہ جانب موافق ہے اور امتناع عطف خارج ہو جاتا ہی اسلئے کہ یہ جانب مخالف ہے پس ضربتُ زیداً و عمراً کو لیکر معترض اعتراض کر سکتا تھا کہ اس میں صرف ایک ہی وجہ جائز ہے دونوں وجہوں کا جواز ممکن نہیں لہذا ۱۲

صرف ایک ہی وجہ جائز ہے واللہ اعلم

نحو جئت انا و زیدٌ بالرفع علی العطف و زیداً بالنصب علی المفعولیۃ

والا ای وان لم یجز العطف بل یمتنع تعیّن النصب مثل جئت وزیداً فان العطف فیہ ممتنع لعدم الفاصلۃ لا بالتاکید المتصل بالمنفصل ولا بغیرہ وان کان الفعل معنیً ای امرا معنویا مستنبطًا من اللفظ وجاز ای لم یمتنع العطف تعین العطف حیث لا یحمل علی عمل العامل المعنوی بلا حاجۃٍ مع جواز وجہٍ آخر وھو العطف نحو مالزیدٍ وعمروٍ

لہ قولہ والا ای وان لم یجز الخ یہ جواز عطف سے استثناء ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر عطف جائز نہ ہو بلکہ ممتنع ہو تو نصب متعین ہوگا جیسے جئتُ وزیداً اس لئے کہ اس میں عطف فاصلہ نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں یعنی نہ تو ضمیر متصل اور اس کے درمیان ضمیر منفصل سے فاصلہ ہے اور نہ ظرف وغیرہ سے اب رہی یہ بات کہ شارح نے بل یمتنع کیوں کہا تو اس سے اس اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ لم یجز میں جواز سے مراد امکان عام مقید بجانب العدم ہے یعنی حکم کی جانب موافق سے سلب ضرورت یعنی عطف کا وجود ضروری نہیں عام ازیں کہ عطف ممتنع ہو یا جائز پس لم یجز کے معنے یہ ہوئے کہ اگر عطف ضروری نہ ہو تو نصب متعین ہوگا پس یہ ضابطہ جئتُ انا وزیداً سے منقوض ہے اسلئے کہ اس میں وجود عطف ضروری نہیں بلکہ اختیاری ہے کریں یا نہ کریں لہذا یہ ضابطہ غلط ہے پس شارح نے بل یمتنع کہکر اس امر کی طرف اشارہ کردیا کہ عدم عطف ضروری ہے یعنی عطف ممتنع ہے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں اس لئے کہ جئتُ انا وزیداً اس سے خارج ہوجائے گا۔ حاصل یہ ہوا کہ ہم کو یہ تسلیم نہیں کہ جواز سے مراد امکان عام مقید بجانب العدم ہے اسلئے کہ لفظ الا سے امکان خاص کی نفی ہے جیسا کہ گذرا کہ جواز سے مراد امکان خاص تھا امکان عام نہیں اور امکان خاص کی نفی میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ جانب مخالف کا ثبوت ضروری ہو یعنی عطف ممتنع ہو دوسرے یہ کہ جانب موافق کا اثبات ضروری ہو یعنی عطف واجب ہو پس اگر اس نفی سے وجوب عطف مراد لیتے ہیں تو جزا شرط پر مرتب نہیں ہوتی اسلئے کہ جزا تعین النصب ہے اور جب عطف واجب ہوگا تو نصب متعین نہ ہوگا بلکہ واجب ہوگا پس لامحالہ کہنا پڑیگا کہ لفظ الا سے جو عدم جواز مفہوم ہوتا ہے اس سے مراد امتناع ہے تاکہ مذکورہ بالا اعتراض لازم نہ آئے واللہ اعلم

لہ قولہ وان کان الخ اور اگر فعل معنوی یعنی ایسا امر ہو کہ جو لفظ سے مستنبط ہوتا ہے اور عطف جائز ہو یعنی ممتنع نہ ہو تو عطف متعین ہوگا کیونکہ کلام کو عامل معنوی کے عمل پر بلا حاجۃ محمول نہیں کیا جائے گا جبکہ دوسری وجہ بھی اس میں جائز ہے یعنی عطف مطلب یہ ہے کہ عامل معنوی پر کلام کو محمول کرنے کی کوئی خاص ضرورت، داعیہ ہو اور عطف بھی ہو سکتا ہو تو عطف متعین ہوگا جیسے لزیدٍ وعمروٍ کہ اس میں اگرچہ عامل معنوی یعنی فعل نکل سکتا ہے جیسا کہ مالک وزیداً میں نکالا گیا تھا اور اس عامل معنوی کے باعث عمرٍو کو عمراً بھی پڑھ سکتے ہیں واو کو مع کے معنے میں لیکر لیکن یہ امر خفی ہے اور کلام کو اس پر محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور عطف امر ظاہر ہے پس یہ نہ ہوگا کہ امر ظاہر کو چھوڑ کر امر ضعیف خفی کو اختیار کریں لہذا عطف متعین ہوگا۔ اس جگہ شارح نے معنےً کی تفسیر ای امرا معنویا الخ سے کرکے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ بقول شارح کان تامہ ہے بمعنی وجد اور فعل اس کا فاعل ہے جو کہ ذوالحال ہے اور معنےً حال اور حال اپنے ذوالحال پر محمول ہوا کرتا ہے لیکن اس جگہ حمل صحیح نہیں اس لئے کہ معنےً مصدر ہے وہ اپنے افراد پر ہی محمول ہو سکتا ہے اور فعل اس کے افراد میں سے نہیں لہذا حمل کیسے صحیح ہوگا جواب یہ ہے کہ معنےً اپنے موصوف محذوف یعنی امراً کے اعتبار سے حال ہے اور معنےً اس کی صفت ہے پھر چونکہ صفت بھی اپنے موصوف پر محمول ہوا کرتی ہے لہذا معنےً معنویًا کے معنی میں ہے اور مستنبطًا معنویًا کا عطف تفسیری ہے اور جاز کے بعد ای لم یمتنع سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں جواز بمعنی امکان عام ہے مقید بجانب الوجود ہی یعنی عدم عطف ضروری نہیں وجود ضروری ہو یا نہ ہو یعنی خواہ عطف واجب ہو یا نہ ہو ممتنع نہ ہونا چاہیے واللہ اعلم

والا اي وان لم يجز العطف بل امتنع تعين النصب حيث لا وجه

سواه نحو مالك وزيداً وما شانك وعمراً فانه امتنع العطف فيهما

لان العطف على الضمير المجرور بلا اعادة الجار غير جائز ولم يجز

واعادة الجار بان يقال مالك ولزيد ١٢ الرحمٰن

عطف عمراً على الشان اذ السؤال عن شانهما لا عن شان احدهما

ونفس الآخر وانما حكمنا بمعنوية الفعل في هذه الامثلة لان المعنى ما

وانما اورده بصورة دليل المصنف ١٢ الرحمٰن

تصنع وما يماثله فمعنى ما شانك وزيداً ما تصنع وزيداً ومعنى مالك

وزيداً ما تصنع وزيداً ومعنى مالزيد وعمرو وما تصنع زيدٌ وعمرو والحال لما

فرغ من المفاعيل شرع في الملحقات بها وهو ما يبين هيأة

الفاعل والمفعول به اي من حيث هو فاعل او مفعول به كما هو لفظاً

فبذكر الهيأة يخرج ما يبين الذات كالتميز وباضافتها الى الفاعل

او المفعول به يخرج ما يبين هيأة غير الفاعل او المفعول به كصفة المبتدأ

الفاعل الخ بمنزلہ فصل کے پس جب مصنف نے ہیئۃ کا ذکر کیا تو اس سے تمیز خارج ہو گئی اسلئے کہ وہ ذات کو بیان کرتی ہے ہیئت وصفیت کو نہیں جیسے اعطیتہ عشرین درہما کہ اس جگہ درہم بعینہ عشرین ہے یعنی درہم سے عشرین کی ذات کا بیان ہو رہا ہے اور ہیئۃ کی فاعل یا مفعول کی طرف اضافت کر دینے سے وہ چیز خارج ہو جاتی ہے جو غیر فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت کو بیان کرے مثلاً مبتدا کی صفت مبتدا کی ہیئت بتلائے جیسے زیدٌ من العالم اخوک کہ اس میں العالم زیدٌ مبتدا کی صفت ہے اور اسی کی ہیئت کو بیان کرتی ہے نہ کہ فاعل اور مفعول بہ کی ہیئت کو (باقی برصفحہ ۱۲)

۵۱ قولہ والا ای وان لم یجز الخ اور اگر عطف جائز نہ ہو بلکہ ممتنع ہو تو نصب متعین ہو جائیگا کیونکہ اس کے سوا اور کوئی وجہ ہی نہیں جو اختیار کی جا سکے جیسے مالک وزیداً و ما شانک وعمراً کہ ان دونوں مثالوں میں عطف ممتنع ہے اسلئے کہ ضمیر مجرور پر بغیر اعادہ جار کے عطف جائز نہیں اور اس جگہ اعادہ جار ہے نہیں اسی طرح عمراً کا عطف شان پر درست نہیں اس لئے کہ اس وقت خلاف مقصود لازم آئے گا کیونکہ مقصود دونوں کی شان سے سوال کرنا ہے نہ کہ ایک کی شان اور دوسرے کی ذات سے کیونکہ صورت عطف میں ترجمہ یہ ہوگا کیا ہے تیری شان اور عمرو کی ذات یعنی اس کا نفس اور یہ خلاف مقصود ہے لہذا نصب متعین ہوگا واللہ اعلم ۵۲ قولہ وانما حکمنا الخ یہاں سے امثلہ مذکورہ میں فعل کے معنوی ہونے کی دلیل بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ ہم نے ان امثلہ میں معنویۃ فعل کا اس لئے حکم کیا ہے کہ ان کے معنے ما تصنع کے ہیں یا جو اس کے مماثل ہو مثلاً ملابس وغیرہ پس ما شانک وعمراً کے معنے ما تصنع وعمراً کے ہیں اور مالک وزیداً کے معنے ما تصنع وزیداً کے اور مالزید وعمرو کے ما یصنع زیدٌ وعمروٌ کے معنے ہیں واللہ اعلم ۵۳ قولہ الحال الخ جب مصنف رحمہ اللہ مفاعیل خمسہ کے بیان احوال سے فارغ ہو گئے تو اب اس کے ملحقات شروع کرتے ہیں جن میں سے پہلا حال ہے حال کے معنے لغت میں گشتن اور تبدلی قبول کرنے کے آتے ہیں اور حال اصطلاحی کو بھی اسی لئے حال کہتے ہیں کہ وہ بسا اوقات تغیر و تبدل سے خالی نہیں ہوتا پس حال اصطلاحی وہ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی وہ ہیئت بیان کرے جو صدور یا وقوع فعل کے وقت پائی جاتی ہے پھر فاعل ومفعول بہ میں تعمیم ہے خواہ وہ لفظی ہوں یا معنوی پھر فاعل اور مفعول بہ میں قید حیثیت معتبر ہوگی یعنی وہ فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت کو اس حیثیت سے بیان کرے کہ وہ فاعل یا مفعول بہ ہیں اس کا فائدہ عنقریب آجائے گا اب فوائد قیود ملاحظہ فرمایئے اس تعریف میں لفظ ما بمنزلہ جنس کے ہے کہ تمام اسماء کو شامل ہے اور ہیئۃ

(بقیہ صفحہ ۱۱۵) پس اس قید سے مبتدا کی صفت سے احتراز ہو جائے گا اور قید حیثیت سے فاعل اور مفعول بہ کی صفت خارج ہو جائیگی اسلئے کہ صفت فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت پر مطلقاً دلالت کرتی ہے اس حیثیت سے دلالت نہیں کرتی کہ وہ فاعل ہے یا مفعول بہ اور وجہ یہ ہے کہ صفت ہمیشہ اسی معنی پر دلالت کرتی ہے جو اس کے موصوف میں پائے جاتے ہیں اس میں یہ حیثیت ملحوظ نہیں ہوتی کہ وہ موصوف فاعل ہے یا مفعول بہ اور یہی وجہ ہے کہ جاءنی زید ن العاقل میں زید کی صفت عاقل کے ساتھ ہر حالت میں اتصاف ہے خواہ جاء کو ذکر کریں یا نہ کریں بخلاف حال کے کہ وہ فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت پر مطلقاً دلالت نہیں کرتا بلکہ اس میں فاعلیتہ یا مفعولیتہ کی حیثیت معتبر ہوتی ہے یعنی حال کے لئے فعل کا ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ ذکر فعل کے بعد فاعل یا مفعول سے حال واقع ہو پس اگر فعل ذکر نہیں کیا جائے گا تو فاعل یا مفعول بہ بھی نہیں پائے جائینگے لہذا حال کا بھی تحقق نہیں ہو سکتا۔ اب رہا یہ اعتراض کہ شارح نے اپنی جانب سے قید حیثیت کا کیوں اضافہ کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ قید حیثیت عموماً ہر تعریف میں معتبر ہوتی ہے لہذا شہرت پر اعتماد کر کے مصنف نے اس کو ترک کر دیا اور شارح نے اس کو ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا اب رہا یہ اعتراض کہ تعریف حال میں لفظ او سے مترشح ہوتا ہے کہ حال فاعل یا مفعول بہ سے ہی فرداً فرداً ہو سکتا ہے دونوں کے مجموعہ سے نہیں ہو سکتا حالانکہ حال کبھی کبھی دونوں کے مجموعہ سے بھی ہوتا ہے جیسے ضرب زید عمراً راکبین کہ اس میں زید فاعل اور عمراً مفعول بہ ہے اور راکبین دونوں کے مجموعہ کی ہیئت

نحو زيد ن العالم اخوك وتقييد الحيثية تخرج صفة الفاعل والمفعول فانها تدل على هيأة الفاعل او المفعول به مطلقا لا من حيث هو فاعل او مفعول وهذا الترديد على سبيل منع الخلو لا الجمع فلا يخرج عنه مثل ضرب زيد عمرا راكبين لفظا اى سواء كان الفاعل او المفعول الذى وقع الحال عنه لفظا اى لفظيا بان يكون فاعلية الفاعل او مفعولية المفعول باعتبار لفظ الكلام ومنطوقه من غير اعتبار معنى خارج عنه يفهم من فحوى الكلام سواء كانا ملفوظين حقيقة او حكما او معنى اى معنويا

ہو کر کان محذوف کی خبر ہے یعنی برابر ہے کہ وہ فاعل یا مفعول کہ جس سے حال واقع ہو رہا ہو لفظی ہوں یعنی بایں طور کہ فاعلیت فاعل اور مفعولیتہ مفعول لفظ کلام اور اس کے منطوق سے ظاہر ہو اور اس میں کسی ایسے معنی کا اعتبار نہ کیا جائے جو کلام سے خارج ہو کر سیاق و سباق کلام سے سمجھ میں آ رہی ہو جیسے جاءنی زید راکباً زید فاعل ہے اور اس کی فاعلیت لفظ کلام سے ظاہر ہو رہی ہے اور اس میں کسی ایسے معنی کا اعتبار نہیں جو لفظ کلام سے خارج ہوں پھر اس میں تعمیم ہے کہ وہ فاعل یا مفعول بہ حقیقۃً ملفوظ ہوں جیسے مثال مذکور میں یا حکماً لہذا اب یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ زیدٌ فی الدار قائماً میں ظرف کی ضمیر مستکن سے حال ہے اور مستکن کی فاعلیتہ ملفوظ نہیں پس یہ اگرچہ حقیقۃً ملفوظ نہیں مگر حکماً ضرور ملفوظ ہے اور اس کی فاعلیت باعتبار لفظ کلام یعنی فی الدار کے ہی اس لئے کہ فی الدار ثابتٌ کے متعلق ہوگا اور ثابت شبہ فعل ہے جس کو فاعل کی ضرورت ہوتی ہی پس اس میں ضمیر مستتر ہوگی جس سے قائماً حال واقع ہے پس ضمیر مستتر کا فاعل ہونا لفظ کلام سے ظاہر ہو گیا کیونکہ ثابتٌ متعلق کا ہونا فی الدار جار مجرور کے لئے ضروری ہے پس گویا کہ ثابتٌ فی الدار کے ساتھ ہی ذکر کیا گیا ہے واللہ اعلم ۔ ۲ قولہ او معنی الخ معنےً کی تفسیر معنویاً کے ساتھ ظاہر ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ فاعل یا مفعول معنوی ہوں یعنی فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت لفظ کلام اور اس کے ظاہر کے اعتبار سے نہ ہو بلکہ ایسے معنی کے اعتبار سے ہو جو سیاق و سباق کلام سے

(باقی برصفحہ ۱۱۷)

بیان کر رہا ہے نہ کہ فرداً فرداً کی تو اس کا جواب وہذا الترديد الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ یہ تردید على سبيل منع الخلو ہے على سبيل منع الجمع نہیں یعنی مطلب یہ ہے کہ حال ہیئۃ فاعل و مفعول بہ کے بیان سے خالی نہ ہوگا خواہ ایک کی ہیئۃ بتائے یا دونوں کی پس اس تعریف کے مذکور سے ضرب زید عمراً راکبین خارج نہ ہوگا واللہ اعلم ۔ ۵ قولہ ای سواء کان الخ اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ لفظاً لفظیاً کے معنی میں

(بقیہ ص ۱۱۶) سمجھ میں آ ئے جیسے ہذا زیدٌ قائماً کہ اس میں زید کی مفعولیت لفظ کلام کے اعتبار سے نہیں بلکہ کلام سے جو معنے سمجھ میں آرہے ہیں اس کے اعتبار سے ہے یعنی اسیر و زیداً قائماً یا انبہ زیداً قائماً کہ لفظ ہذا سے اُشیر اور اُنبّہ سمجھ میں آرہا ہے پس اس فہم کی بنا پر قائماً مفعول سے حال واقع ہوگا واللہ اعلم سلہ قولہ والمراد بالفاعل الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ حال کبھی مفعول معہ سے بھی واقع

بان تكون فاعلية الفاعل او مفعولية المفعول باعتبار معنىً يفهم من فحوى الكلام لا باعتبار لفظه و منطوقه والمراد[۱] بالفاعل او المفعول به اعم من ان يكون حقيقة او حكماً فيدخل فيه الحال عن المفعول معه لكونه فى معنى الفاعل او المفعول به وكذا المفعول[۲] المطلق مثل ضربت الضرب شديداً فانه بمعنى احدثت الضرب شديدا و كذا يدخل[۳] فيه الحال عن المضاف اليه كما اذا كان المضاف فاعلا او مفعولا يصح حذفه وقيام المضاف اليه مقامه فكانه الفاعل او المفعول نحو بل نتبع ملة ابراهيم حنيفا و ان يّاكل لحم اخيه ميتاً فانه يصح ان تقول بل نتبع ابراهيم مقام بل نتبع ملة ابراهيم و ان ياكل اخاه مقام ان ياكل لحم اخيه او كان[۴] المضاف فاعلاً او مفعولا و هو جزء المضاف اليه فكان[۵] الحال عن المضاف اليه هو الحال

(حاشیہ: اللفظی والمعنوی ۱۲ — بالفارسیۃ مائل شوندہ براہ حق ۱۲ عب — حال ۱۲ — لان الداخل فی الذات فی حکم الذات ۱۲ غف)

ہیں پس اس جگہ ابراہیم اور اخیہ سے مضاف الیہ سے حنیفاً اور میتاً کو حال قرار دینا صحیح ہے واللہ اعلم سکہ قولہ او کان المضاف الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال یہ ہے کہ قول باری تعالیٰ اَنّ دابر ہٰؤلاء مقطوع مصبحین میں مصبحین ہٰؤلاء سے حال واقع ہے اور ہٰؤلاء دابر کا مضاف الیہ ہے لیکن دابر نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بہ بلکہ وہ اَنّ کا اسم ہے اور اس کو حذف کرکے ہٰؤلاء کو اس کا قائم مقام بنانا جائز نہیں حالانکہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ مضاف الیہ سے حال واقع ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ مضاف فاعل یا مفعول بہ ہو اور اسکو حذف کرکے (باقی بر ص ۱۱۸)

ہوتا ہے جیسے جئت انا و زیداً راکباً لہٰذا فاعل یا مفعول بہ کی تخصیص کیسے درست ہے؟ جواب یہ ہے کہ فاعل یا مفعول بہ سے مراد عام ہے خواہ ہر ایک حقیقۃً ہو یا حکماً پس اس میں حال عن المفعول معہ بھی داخل ہو جائے گا کیونکہ مفعول معہ فاعل یا مفعول بہ کے معنے میں ہوتا ہے کیونکہ یہ فاعل سے صدور فعل میں فاعل کا مصاحب ہوتا ہے اور مفعول بہ پر وقوع فعل میں مفعول بہ کا مصاحب واللہ اعلم سکہ قولہ وکذا المفعول المطلق الخ ایسے ہی مفعول مطلق بھی چونکہ مفعول بہ کے معنے میں ہوتا ہے لہٰذا اس سے بھی حال واقع ہوسکتا ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مفعول مطلق معرفہ ہو اس لئے کہ ذوالحال کیلئے معرفہ ہونا ضروری ہے جیسے ضربت الضرب شدیداً کہ یہ احدثت الضرب شدیداً کے معنے میں ہے لہٰذا الضرب مفعول مطلق احدثت کا مفعول بہ ہے اور الضرب معرف باللام ہے پس مفعول مطلق حکماً مفعول بہ ہوگا واللہ اعلم سکہ قولہ وکذا یدخل الخ فاعل مفعول بہ میں جو تعمیم کی گئی ہے اور اس میں جس طرح مفعول معہ اور مفعول مطلق داخل ہو جاتے ہیں اسی طرح جو حال مضاف الیہ سے واقع ہو وہ بھی داخل ہو جائے گا اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ مضاف فاعل یا مفعول بہ ہو اور مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کرنا درست ہو پس اس وقت مضاف الیہ نیابت مضاف کے باعث گویا کہ فاعل یا مفعول بہ ہو جائے گا جیسے قول باری تعالیٰ بل نتبع ملۃ ابراہیم حنیفاً اور ان یاکل لحم اخیہ میتاً کہ ان دونوں مثالوں میں حذف مضاف کے ساتھ بل نتبع ملۃ ابراہیم حنیفاً کے بجائے بل نتبع ابراہیم اور ان یاکل لحم اخیہ میتاً کے بجائے ان یاکل اخاہ میتاً کہہ سکتے

(بقیہ صـ ۱۱۷) مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کرنا درست ہو اور یہاں ایسا نہیں شارح جواباً کہتے ہیں کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ دابر فاعل نہیں بلکہ وہ فاعل حکمی ہے اس لئے کہ دابر مقطوع کی ضمیر مستکن کا مرجع ہے اور ضمیر مستکن مفعول مالم یسم فاعلہ ہے لہذا جو حکم راجع کا ہوگا وہی مرجع کا بھی ہوگا پس اس سے قاعدہ یہ نکلے گا کہ مضاف فاعل یا مفعول بہ ہو اور مضاف الیہ کا جز ہو پس گویا کہ جو حال مضاف الیہ سے واقع ہو گا وہ علاقۂ جزئیت کی بنا پر مضاف سے واقع ہوگا اگرچہ مضاف الیہ کا مضاف کے قائم مقام کرنا صحیح نہ ہو پس مثال مذکور میں مصبحین ہؤلاء سے اس اعتبار سے حال واقع ہے کہ دابر اپنے خبر یعنی ہؤلاء کی طرف مضاف ہے اس لئے کہ دابر شے کے معنی اصل شے اور جز کے آتے ہیں اور اصل شے شی کا جز ہوتی ہے پس دابر ہؤلاء کا جز ہوا پھر دابر مقطوع میں ضمیر مستکن کے اعتبار سے مفعول مالم یسم فاعلہ ہے پس گویا کہ مصبحین ہؤلاء سے حال واقع نہیں بلکہ دابر مفعول مالم یسم فاعلہ سے حال واقع ہے لہذا اب کسی اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی واللہ اعلم

۵ ؎ قولہ ولو قرئ تبین الخ اور اگر تبیّن کو باب تفعل سے تبیّن صیغہ ماضی معروف کے ساتھ یا تبیّن باب تفعیل سے صیغہ مضارع مجہول کے ساتھ پڑھا جائے اور بہ جار مجرور کو اس کے متعلق کردیا جائے بجائے مفعول کے تو اس تعریف میں مفعول معہ اور مفعول مطلق سے جو حال واقع ہوتا ہے وہ بھی داخل ہو جائیگا کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حال وہ اسم ہے جس کے ذریعہ فاعل یا مفعول کی حالت معلوم ہو جس کے ذریعہ فاعل یا مفعول کی ہیئۃ کو بیان کیا جائے اور اس صورت میں مفعول کسی قید کے ساتھ مقید نہیں ہوتا بلکہ مطلقاً ہے لہذا جن مفاعیل سے حال واقع ہونا جائز ہے وہ اس میں داخل ہو جائیں گے اور فاعل میں کسی تعمیم کی ضرورت نہیں ہو گی لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ مفعول لہٗ مفعول فیہ بھی داخل ہو جاتے ہیں حالانکہ ان سے وقوع حال صحیح نہیں پھر یہ کہ مضاف الیہ سے جو حال واقع ہوتا ہے اس کے ادخال کے لئے تعمیم کی ضرورت

عن المضاف وان لم يصح (متصلة ۱۲) قيامه مقامه (ای المضاف الیہ ۱۲) كما في قوله تعالىٰ ان دابر هؤلاء مقطوع مصبحين (ای داخلین فی الصباح ۱۲) فقوله مصبحين حال عن هؤلاء باعتبار ان الدابر المضاف اليه جزؤه فان دابر الشئ اصله (واصل الشئ یکون جزءہ ۱۲) والدابر مفعول مالم يسم فاعله باعتبار الضمير المستكن في المقطوع فكانه حال عن مفعول مالم يسم فاعله ولو قرئ تَبَيَّنَ على صيغة الماضي المعلوم من باب التفعّل او تُبَيَّنُ على صيغة المضارع المجهول من باب التفعيل وجعل الجار والمجرور متعلقا به لا بالمفعول دخل فيه الحال من المفعول معه او المفعول المطلق من غير حاجة الى تعميم الفاعل والمفعول الا الدخول ما وقع حالا عن المضاف اليه مثل ضربتُ زيدا قائما مثال للفظي الملفوظ حقيقة فان فاعلية تاء المتكلم ومفعولية زيدا انما هي باعتبار لفظ هذا الكلام ومنطوقه من غير اعتبار معنىً خارج عنه وهما ملفوظان حقيقة

پیش آتی ہے لہذا یہ تعمیم ہی مناسب ہے واللہ اعلم ۶ ؎ قولہ مثل ضربت الخ لفظاً کی تفسیر کے ضمن میں بیان کیا گیا تھا کہ لفظی میں تعمیم ہے کہ وہ ملفوظ حقیقۃً ہو یا حکماً پس یہ مثال اس لفظی کی ہے جو حقیقۃً ملفوظ ہے اسلیئے کہ تاءِ متکلم کی فاعلیت اور زیداً کی مفعولیت دونوں لفظ کلام اور اس کے منطوق کے اعتبار سے ہیں خارج از لفظ کلام کسی امر کے اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں (باقی بر صـ ۱۱۹)

(بقیہ حاشیہ ۱۱) پس فاعل اور مفعول دونوں حقیقۃً ملفوظ ہیں۔ اب جاننا چاہیئے کہ یہ مثال فاعل لفظی یعنی ضمیر متکلم اور مفعول لفظی یعنی زیداً دونوں سے علی سبیل البدلیۃ حال واقع ہوسکتی ہے پس اگر قائماً کو ضمیر متکلم سے حال قرار دیں تو یہ فاعل لفظی سے حال ہوجائیگا اور معنیٰ یہ ہوں گے میں نے زید کو اپنے قیام کی حالت میں مارا اور اگر زیداً سے قائماً کو حال بناتے ہیں تو یہ مفعول لفظی سے حال ہوجائے گا اور معنی یہ ہونگے کہ میں نے زید کو اس کے قیام کی حالت میں مارا پھر اس مثال میں قائماً بیک وقت دونوں سے اس لئے حال واقع نہیں ہوسکتا کہ حال کو ذوالحال کے مطابق کرنا پڑتا ہے یعنی قائمین اور یہاں صرف صیغہ واحد ہے لہذا علی سبیل البدلیۃ ہی حال بن سکتا ہے واللہ اعلم

(۵) قولہ وزیدٌ الخ یہ لفظی ملفوظ حکماً کی مثال ہے یعنی فرق یہ ہے کہ پہلی مثال لفظی ملفوظ حقیقی کی ہے اور یہ لفظی ملفوظ حکمی کی اس لئے کہ ظرف یعنی جار مجرور میں جو ضمیر مستتر ہے اس کا فاعل ہونا باعتبار لفظ کلام اور اس کے منطوق یعنی ظاہر کے ہے نہ باعتبار خارج از لفظ کے اور ضمیر مستکن حکماً ملفوظ ہے لہذا یہ بھی لفظی میں داخل ہے اس کی مکمل تشریح قولہ لفظاً ای سواءٌ کان الخ کے ضمن میں گذر چکی وہاں دیکھ لیا جائے واللہ اعلم

(۶) قولہ وہذا زیدٌ الخ یہ مفعول بہ معنوی سے حال واقع ہونے کی مثال ہے اس لئے کہ زید کی مفعولیت لفظ کلام اور اس کے منطوق کے اعتبار سے نہیں بلکہ باعتبار معنے اشارہ اور تنبیہ کے مفہوم ہوتی ہے جو کہ لفظ ہذا سے سمجھے جاتے ہیں پس اس وقت تقدیر عبارت یوں ہو گی اُشیرُ زیداً قائماً یا اُنبہُ زیداً قائماً اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ ہذا زیدٌ قائماً میں ہذا مبتدا ہے اور زیداس کی خبر اور زید کی مفعولیۃ باعتبار معنیٔ اشارہ اور تنبیہ کے ہی جو کہ لفظ ہذا سے سمجھ میں آتے ہیں اس لئے کہ اس کے معنی اُنبہُ وزیداً یا اُشیر زیداً کے ہیں پس اس وقت اُشیر اور ابنہ نظم کلام میں مقدر ہوں گے پس جب ایسا ہوگا تو مفعول معنوی نہیں ہوگا اس لئے کہ اس کی مفعولیت لفظ ہذا سے جو کہ منطوق کلام ہے سمجھ میں آتی ہے پس یہ کیسے صحیح ہوگا کہ زید کی مفعولیت

وزیدٌ[عہ] فی الدار قائما مثال للفظی الملفوظ حکما فان فاعلیة الضمیر المستکن[عہ] فی الظرف انما ہی باعتبار لفظ ہذا الکلام ومنطوقہ من غیر اعتبار معنی خارج عنہ والضمیر المستکن ملفوظ حکما وہذا[عہ] زیدٌ قائماً مثال للمعنوی لان[عہ] مفعولیة زید لیس باعتبار لفظ ہذا الکلام ومنطوقہ بل باعتبار معنے الاشارة والتنبیہ المفہومین من لفظ ہذا والاشکال انہما لیسا مما یقصد المتکلم الاخبار بہما عن نفسہ حتی یقدر فی نظم الکلام اُشیرُ او اُنبہُ ویصیر زیدٌ مفعولاً بہ لفظیا بل مفعولیتہ انما ہی باعتبار معنی اُشیر او اُنبہ[عہ] الخارج عن منطوق الکلام المعتبر

لفظ کلام اور اس کے منطوق کے اعتبار سے نہیں اس کا جواب شارح والاشکال انہما الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ متکلم کا جو قصد و ارادہ ہے وہ اشارہ اور تنبیہ ہے مطلقاً نہ یہ کہ وہ اشارہ اور تنبیہ جس کو متکلم اپنی ذات سے منسوب کر کے کہتا ہے یعنی اُشیر (میں اشارہ کرتا ہوں) یعنی لفظ ہذا کے اشارہ میں ذات متکلم کو دخل نہیں کہ جس کی بنا پر اُشیر یا ابنہُ مقدر کئے جائیں اور زید کو مفعول بہ بتایا جائے بلکہ زید کی مفعولیت اس اعتبار سے ہے کہ یہ ہذا کے مصداق یعنی اشیرُ اور ابنہُ سمجھ میں آ رہی ہے اور یہ اُشیر اور ابنہُ کے معنی منطوق کلام سے خارج ہیں کہ جن کا اعتبار قائماً کو حال قرار دینے کی صحت کیلئے کیا گیا تھا پس یہ اشارہ اور تنبیہ جو کہ متکلم کی طرف منسوب ہے مصداق کلام ہی سے مفہوم ہوتی ہے الفاظ کلام اور اس کے منطوق سے نہیں لہذا زید کی مفعولیت معنوی ہی ہے لفظی نہیں حاصل یہ ہوا کہ اُشیر اور ابنہُ نظم کلام میں مقدر نہیں کہ زید کو مفعول ملفوظ حکمی کی مثال بنا سکیں اس لئے کہ جب ہم زید کی طرف ہذا سے اشارہ کرتے ہیں تو یہ اشارہ اور تنبیہ مقصود بالافادہ نہیں ہوتی بلکہ اُشیر اور ابنہُ نظم کلام تب ہی مقدر ہوتے ہیں جبکہ اشارہ اور تنبیہ مقصود بالافادہ ہو واللہ اعلم ۱۲

۱؎ قولہ وعاملہا الخ حال کا عامل کبھی تو فعل ہوتا ہے خواہ وہ فعل ملفوظ حقیقۃً ہو یا تقدیر کے اعتبار سے ملفوظ حکمی ہو، تفصیل ہر ایک کی گزر چکی ہے، جیسے ضربت زیداً قائماً کہ اس میں فعل حقیقۃً ملفوظ ہے اور جیسے زیدٌ فی الدار قائماً کہ اس میں اگر فی الدار جار مجرور کا متعلق فعل محذوف ثبت ما حصل وغیرہ نکالیں تو یہ باعتبار متعلق کے ملفوظ حکمی ہوگا اور کبھی شبہ فعل عامل ہوتا ہے شبہ فعل اس کو کہتے ہیں جو فعل جیسا عمل کرتا ہو مگر فعل نہ ہو البتہ ترکیب یعنی مادہ کے اعتبار سے فعل میں مشترک ہو مثلاً اسم فاعل جیسے زیدٌ ذاہبٌ راکباً ذہب زیدٌ راکباً کی جگہ میں کہیں اور جیسے زیدٌ فی الدار قاعداً بشرطیکہ جار مجرور کا متعلق مقدر اسم فاعل نکالا جائے مثلاً ثابتٌ وغیرہ پس ان دونوں مثالوں میں راکباً اور قاعداً دونوں کا عامل اسم فاعل یعنی ذاہبٌ اور ثابتٌ ہیں یا شبہ فعل مثلاً اسم مفعول ہو جیسے زیدٌ مضروبٌ قائماً یا صفۃ مشبہ ہو جیسے زیدٌ حسنٌ ضاحکاً کہ ان دونوں مثالوں میں مضروبٌ اور حسنٌ دونوں شبہ فعل قائماً اور ضاحکاً میں عامل ہیں واللہ اعلم ۱۲

۲؎ قولہ او معناہ الخ یعنی اگر لفظ فعل اور شبہ فعل حال میں عامل نہ ہوں تو ان کے معنے عامل ہوتے ہیں بغیر تصریح و تقدیر فعل کے بلکہ محض مصداق کلام سے مفہوم ہوتے ہوں جیسے مثلاً اشارہ اور تنبیہ ہذا زیدٌ قائماً میں کما مر اور مثلاً ندا، تمنی، ترجی اور تشبیہ مندرجہ ذیل امثلہ میں جیسے یا زیدٌ قائماً کہ اس میں معنی فعل یعنی ادعوا عامل ہیں اور لیتک عندنا مقیماً (کاش کہ تو ہمارے پاس مقیم ہو جائے) کہ اس میں معنی فعل جو لیت حرف تمنی سے مفہوم ہو رہے ہیں عامل ہے اور لعلہ فی الدار قائماً کہ اس میں معنی فعل جو لعل حرف ترجی سے مفہوم ہے قائماً میں عامل ہے اور کانہ اسدٌ صائلاً (گویا کہ وہ شیر ہے حملہ کرنے والا) کہ اس جگہ صائلاً میں معنی تشبیہ عامل ہیں جو کہ کان سے سمجھ میں آتے ہیں پس ان تمام امثلہ میں معنی فعل کہ حسب پر ندا، تمنی۔ ترجی اور تشبیہ دلالت کرتی ہیں عامل ہیں ۳؎ قولہ وشرطہا الخ حال کی شرط یہ ہے کہ نکرہ ہو اسلئے کلام میں تنکیر اصل ہے کیونکہ یہ عوارض سے خالی ہوتا ہے نیز غرض بھی تنکیر کی ہی حاصل ہوتی ہے یعنی یہ

لصحة وقوع القائم حالاً فهي معنوية لا لفظية وعاملها اي عامل
الحال اما الفعل الملفوظ او المقدر نحو ضربت زيداً قائماً وزيدٌ في
الدار قائماً ان كان الظرف مقدراً بالفعل او شبهه وهو
ما يعمل عمل الفعل وهو من تركيبه كاسم الفاعل نحو زيد ذاهبٌ راكباً و
زيد في الدار قاعداً (اي من ضيغة ١٢ غف) ان كان الظرف مقدراً باسم الفاعل و
كاسم المفعول نحو زيد مضروب قائماً والصفة المشبهة نحو زيد
حسنٌ ضاحكاً او معناه المستنبط من فحوى الكلام من غير التصريح
به او تقديره كالاشارة والتنبيه في نحو هذا زيد قائماً كما مر والنداء
والتمني والترجي والتشبيه في نحو يا زيدٌ قائماً وليتك عندنا
مقيماً ولعله في الدار قائماً وكانه اسدٌ صائلاً (بالفارسية حملہ کنندہ ١٢) وشرطها اي شرط
الحال ان تكون نكرة لان النكرة اصل والغرض (مبتدا ١٢) وهو تقييد الحدث

معنی حدثی جو ذو الحال کی طرف منسوب ہوتے ہیں مقید ہیں اور حال اس کی قید اور معرفہ ہونا غرض پر زیادتی ہے اس لئے کہ اس صورت میں قید کی فوقیت مقید پر لازم آئے گی۔ تفصیل مقام کی یہ ہے کہ معنی حدثی کے مقید ہونے کا یہ مطلب ہے کہ مثلاً جب ذو الحال فاعل ہو تو معنے حدثی صدور فعل کے اعتبار سے ذو الحال میں مقید اور منحصر ہو جائیں گے اور حال اس کے لئے بمنزلہ قید کے ہوگا جیسے ذہب زیدٌ راکباً کہ اس میں ذو الحال فاعل ہے پس معنی حدثی یعنی فعل ذہاب (جانا) وہ ذو الحال میں مقید ہو گئے اور حال اس کیلئے قید ہے پس حاصل یہ ہوگا کہ فعل ذہاب (باقی بر صفحہ ۱۲)

(بقیہ صنہ ۱۲۰) جو کہ زید میں مقید ہے قید رکوب کے ساتھ ہے پس یہ غرض اسی تنکیر سے حاصل ہو گی بخلاف تعریف کے کہ چونکہ اس میں تجرد عن
العوارض نہیں پایا جاتا بلکہ نکرہ پر قید زائد کر کے اس کو معرفہ بنایا جاتا ہے اس لئے زیادتی قید کے باعث غرض پر بھی زیادتی لازم آئیگی اور
یہ کہ ذوالحال معرفہ ہونے کے باعث اعلی مرتبہ میں تھا اور حال تنکیر کے سبب سے ادنی مرتبہ میں پس جب حالی بھی معرفہ ہو جائیگا تو مقصود

المنسوب الی صاحبہا یحصل بہا والتعریف زائد^(ع) علی الغرض
وان یکون صاحبہا معرفۃ^(خبر ۱۲) لانہ محکوم علیہ فی المعنی فکان الاصل
فیہ التعریف غالبًا ای لیس اشتراطہا بکون صاحبہا معرفۃً فی
جمیع موادہا بل فی غالب موادہا ای اکثرہا وبیان ذلک ان
موادّ وقوع الحال^(ای اشلۃ الحال ۱۲ محرم) علی قسمین احدہما ما یکون ذوالحال فیہ نکرۃ
موصوفۃ نحو جاءنی رجل من بنی تمیم فارسًا ومغنیۃ غناء
المعرفۃ لاستغراقہا نحو قولہ تعالٰی فیہا یفرق کل امرٍ حکیمٍ امرًا
من عندنا ان جعلت امرًا حالًا من کل امرٍ او واقعۃ فی حیز الاستفہام

میں شرط ہے پس اب کوئی تناقض نہیں رہیگا (فائدہ) اگر وصاحبہا معرفۃً کا عطف بجائے
ان تکون کی ضمیر مستتر پر کرنے کے شرطہا ان تکون نکرۃً پر کریں تو اس صورت میں غالبًا کا
تعلق معرفۃً سے بھی ہو جائیگا اور کوئی اعتراض بھی وارد نہ ہوگا اس لئے کہ اس وقت کلام
کے یہ معنی ہوں گے کہ حال کے لئے نکرہ ہونا شرط ہے اور ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہی مگر اس
وقت معرفۃٌ کو بنا بر خبریۃ مبتدا مرفوع پڑھنا ہوگا واللہ اعلم ۵۲ قولہ وبیان ذلک الخ اس جگہ
سے شارح حال کے مواد وقوع کو بیان فرما رہے ہیں کہ اس کا ذوالحال کہاں نکرہ ہوتا ہے
اور کہاں معرفہ۔ کہتے ہیں کہ اس کا بیان یہ ہے کہ وقوع حال کے مواد کی دو قسمیں ہیں ایک
یہ ہے کہ اس کا ذوالحال کلام میں نکرہ موصوفہ واقع ہو پس اس توصیف کے باعث نکرہ
میں تخصیص پیدا ہو جائیگی اور نکرہ کا ذوالحال واقع ہو جانا صحیح ہو جائیگا جیسے جاءنی رجل
من بنی تمیم فارسًا کہ اس میں رجل نکرہ ہے مگر چونکہ اس کی صفت من بنی تمیم لائی گئی ہے
جس سے اس کی تخصیص کی طرف اشارہ ہے کہ بنی تمیم کا مرد میرے پاس آیا اور کسی خاندان
کا نہیں پس رجل کا ذوالحال واقع ہو جانا درست ہے یا نکرہ تخصیص سے ایسا (باقی برصفحہ ۱۲۲)

اصلی فوت ہو جائیگا اور قید یعنی حال
کی فوقیت مقید یعنی ذوالحال پر
لازم آئیگی اسلئے کہ ذوالحال کبھی
بھی ہوتا ہے پس وہ حال کی تعریف
کے باعث اس سے ادنی مرتبہ
ہو جائیگا اور یہی خلاف مقصود ہے
واللہ اعلم ۵۱ قولہ وان یکون الخ
کا عطف ان تکون کی ضمیر مرفوع
اور مطلب یہ ہے کہ حال کے لئے
بھی شرط ہے کہ ذوالحال معرفہ ہو
ہے اس لئے کہ ذوالحال معنی میں مح
علیہ کے ہوتا ہے اور اصل محکوم علیہ
میں تعریف ہے تاکہ اس پر حال
صحت کا حکم لگا سکیں اور اس
محکوم علیہ ہونے کی وجہ یہ ہے
کہ ذوالحال اور حال مبتدا و خبر کے
معنے میں ہوتے ہیں پس جاءنی
زید راکبًا کے معنی ہیں زیدٌ راکبٌ
وقت المجیٔ اور ظاہر ہے کہ اس
صورت میں زید مبتدا اور راکبٌ
خبر ہے اور مبتدا معرفہ ہوا کرتی ہے
لہذا ذوالحال بھی معرفہ ہوتا ہے
لیکن کبھی نکرہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ
قول مصنف غالبًا سے معلوم ہوتا
ہے پھر قول مصنف غالبًا معرفہ
سے متعلق نہیں اس لئے کہ اگر اس
کا معرفۃً سے مانیں گے تو کلام
مصنف میں تناقض پیدا ہو جائیگا
اس لئے کہ شرط کا اقتضاء تو یہ
ہے کہ ذوالحال ہر جگہ معرفہ ہو اور
قولہ غالبًا اس امر کا مقتضی ہے

کہ ہر جگہ معرفہ نہ ہو بلکہ اکثر جگہ معرفہ اور بعض جگہ نکرہ ہو اور ظاہر کیا بلکہ مظہر ہے کہ یہ معنی شرطیت کے منافی ہیں لہذا اس منافات سے
بچنے کے لئے غالبًا کو اشتراط کے متعلق کریں گے اسی کی طرف شارح ای لیس اشتراطہا الخ سے اشارہ کر رہے ہیں پس اس صورت میں معنی
یہ ہونگے کہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط اکثر مواد میں ہے نہ کہ بعض مواد میں یعنی ذوالحال کے تمام مواد میں معرفہ ہونا شرط نہیں بلکہ اکثر

نحو ہل اتاک رجل راکبًا او بعد الا نقضًا للنفی نحو ما جاءنی رجل الا راکبًا او مقدمًا علیہ الحال نحو ما جاءنی راکبًا رجل وثانیہما ما یکون ذو الحال فیہ غیر ہذہ الامور و غالب مواد وقوع الحال واکثرہا ہو ہذا القسم ووقوع الحال فی ہذا القسم مشروط بکون صاحبہا معرفۃً فقولہ غالبًا قید لاشتراط کون صاحبہا معرفۃً لا لکون صاحبہا معرفۃً حتی یقال ان غالبیۃ کون صاحبہا معرفۃً المنبئۃ عن تخلفہ فی بعض المواد تنافی الشرطیۃ ویحتاج الی ان یصرف الکلام عن ظاہرہ

(حواشی: عطف علی قولہ نکرۃ ۱۲ عب — عطف تفسیری ۱۲ — صفۃ غالبیۃ ۱۲ — جزاء ان ۱۲ عب — عطف علی قولہ یقال ۱۲)

بعد الا کا بھی معمول ہے یعنی ظرف کا فاعل ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے او وقع بعد الا الحال نقضًا للنفی اور مقدمًا علیہ الحال پس اس صورت میں یہ باب تنازع سے ہوگا اس میں فعل ثانی کو عمل دیکر الحال کو اس کا مفعول مالم یسم فاعلہ بنا دیا گیا اب سوال یہ باقی رہا کہ ظرف آیا فاعل میں عمل بھی کرتا ہے یا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ظرف اپنے متعلق کے اعتبار سے فاعل میں عامل ہوگا یعنی ظرف فاعل میں مجازاً عامل ہوتا ہے حقیقۃً نہیں واللہ اعلم لے قولہ وثانیہما الخ دوسری قسم یہ ہے کہ ذو الحال اس میں ان امور مذکورہ کا غیر ہو یعنی ان پانچوں قسموں کے علاوہ کہ جن میں ذو الحال نکرہ ہوتا ہے بقیہ تمام مواد میں ذو الحال معرفہ ہوگا اور اکثر مواد وقوع حال ہے جو قسم مراد ہے وہ یہی ہے اور اس قسم میں وقوع حال کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا ذو الحال معرفہ ہو پس قول مصنف غالبًا اشتراط کون صاحبہا معرفۃً کی قید ہے یعنی ذو الحال کے معرفہ ہونے کی شرط اکثر مواد میں ہے نہ کہ بعض مواد میں ذو الحال کے معرفہ ہونے کی قید نہیں کہ یہ سمجھا جائے کہ ذو الحال اکثر معرفہ ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ہم غالبًا کو اشتراط کی قید نہ بنائیں بلکہ ذو الحال کے معرفہ ہونے کی قید قرار دیں تو اس سے وہی مذکورہ سابق اعتراض واقع ہوگا کہ کلام مصنف میں تناقض ہے اسلئے کہ اشتراط کا اقتضاء یہ ہے کہ ذو الحال ہر جگہ معرفہ ہو اور غالبًا اس امر کو مقتضی ہے کہ ہر جگہ معرفہ نہ ہو بلکہ اکثر جگہ معرفہ ہو (باقی بر ص۱۲۳)

(بقیہ ص۱۲۱) بے نیاز ہو جیسے معرفہ ہوتا ہے کہ خود بخود اس میں تخصیص موجود ہوتی ہے یعنی نکرہ تعریف کا فائدہ اپنے ہر ہر فرد کے احاطہ کر لینے کے سبب سے یعنی نکرہ اپنے تمام افراد کو محیط ہو اور کوئی فرد احاطہ سے باہر نہ ہو تو یہ تعریف کا فائدہ دیگا کیونکہ یہ اس صورت میں استغراق افراد کے باعث بمنزلہ معرفہ کے ہو جائیگا جیسے قولہ تعالیٰ فیہا یفرق کل امر حکیم امرًا من عندنا کہ اس میں جب امرًا کو کلّ امر سے حال قرار دیں گے تو کلّ امر ذو الحال اگر نکرہ ہے مگر اپنے ہر ہر فرد کو محیط ہے اس لئے معرفہ کے حکم میں ہوگا اور کسی تخصیص کی ضرورت نہیں ہوگی اس جگہ شارح کو ان جعلت امرًا حالاً الخ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آگئی کہ بعض نے اس کو حکیم میں ضمیر مستتر سے حال قرار دیا ہے لیکن یہ ہماری بحث سے خارج ہے اس لئے کہ یہاں کلام ذو الحال کی نکارت میں ہو رہا ہے تعریف میں نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ حکیم کی ضمیر سے حال واقع ہونے کی صورت میں ذو الحال معرفہ ہوگا اس لئے کہ تمام ضمائر معرفہ ہوتی ہیں یا نکرہ استفہام کے تحت میں واقع ہو جیسے ہل اتاک رجلٌ راکبًا کہ اس میں رجلٌ ذو الحال نکرہ ہے مگر چونکہ یہ استفہام کے تحت میں واقع ہے لہذا اس میں استغراق اور تعیین پیدا ہو جائے گی پس اس کو ذو الحال بنانا درست ہوگا حال الا کے بعد نفی کو ختم کرنے کے لئے واقع ہو جیسے ما جاءنی رجلٌ الا راکبًا یا حال ذو الحال نکرہ پر مقدم ہو جیسے جاءنی راکبًا رجلٌ پس چونکہ ان میں تخصیص پیدا ہو جائیگی اس لئے نکرہ کا ذو الحال واقع ہونا درست ہو جائیگا اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ او بعد الا کا عطف فی خبر الاستفہام پر ہے پس اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ الا کے بعد ذو الحال واقع ہو حالانکہ ما جاءنی رجلٌ الا راکبًا میں الا کے بعد حال واقع ہے ذو الحال نہیں پس مثال ممثل کے مطابق نہیں جواب یہ ہے کہ قول شارح او مقدمًا علیہ الحال میں الحال مقدمًا کا معمول ہے یعنی الحال مقدمًا کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے اور یہی حال ظرف یعنی

(بقیہ صـ۱۲۲) اور بعض جگہ نکرہ اور یہ معنی یعنی بعض جگہ میں اس کا نکرہ ہونا شرطیۃ کے منافی ہے پس اس لئے احتیاج واقع ہوئی کہ کلام کو
ظاہر سے پھیر دیا جائے اور معرفۃً کو بجائے منصوب پڑھنے کے مرفوع پڑھیں بایں طور وصاحبہا معرفۃٌ غالبًا یعنی صاحبہا معرفۃٌ کو مبتدا
وخبر قرار دیجئے قول مصنف شرطہا ان تکون نکرۃً پر معطوف قرار دیں واللہ اعلم ؎ قولہ وارسلہا العراک الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب

ویجعل قولہ وصاحبہا معرفۃٌ مبتدأ وخبرًا معطوفًا علی قولہ وشرطہا ان

عطف علی قولہ یحتاج او علی قولہ تعالی ۱۲ عب

تکون نکرۃً وارسلہا العراک ولم یذدہا ۞ ولم یُشفق علی نغص الدخال +

بالذال المعجمۃ ۱۲ — بمراد تمام نارسیدن ۱۲

البیت للبید یصف حمار الوحش والاُتُن یقول ارسل حمارُ الوحش

جمع الاتان بالفارسیۃ خرمادہ ۱۲

الاُتُنَ وکان المراد بالارسال البعث والتخلیۃ بین المرسل وما یرید

برانگیختن ۱۲ — رہا کردن ۱۲ — ای الاتن ۱۲

ای ارسلہا معترکۃً متزاحمۃً ولم یذدہا ای ولم یمنعہا عن العراک ولم

قال قدس سرہ فی الحاشیۃ الذود المنع ۱۲ عب

یشفق ای ولم یخف علی نغص الدخال ای علی انہ لم یتم شرب

نتر سیدہ ۱۲

بعضہا للماء بالدخال والدِخال ہو ان یشرب البعیر ثم یردّ من

العطن الی الحوض ویدخل بین بعیرین عطشانین لیشرب منہ

محرکۃ خوابگاہ شتران بر حوض ۱۲

ما عساہ لم یکن شرب منہ ولعل المراد بہ ہہنا نفس مداخلۃ

فی المرۃ الاولی ۱۲

بعضہا فی بعض او المعنے علی نغص مثل نغص الدخال

بان کان تنبیہا بتقدیر المضاف وہو المثل ۱۲ عب

۱؎ اور متزاحمۃً سے عراک کے معنی کی طرف اشارہ ہے ذود بالذال کے معنی منع کرنے کے آتے ہیں
اس لئے ولم یذدہا کے معنی اولم یمنعہا کے ہیں ای لم یمنعہا عن العراک ای عن التزاحم اور ذود
کے معنے زیادتی کے بھی آتے ہیں وہ اس جگہ مراد نہیں ایسے ہی لم یُشفق اشفاق سے ماخوذ
ہے اور اس کے معنی بھی دو آتے ہیں مہربانی کرنا اور ڈرنا پس اس جگہ اس کے معنی ڈرنا مراد ہیں
ای لم یخف نغص کے معنی سیراب نہ ہونے کے آتے ہیں اور دِخال کے معنے یہ ہیں کہ اونٹ
پانی پیئے اور پھر اپنے بندھنے کی جگہ سے حوض کی طرف جائے اور دو پیاسے اونٹ جو پانی
پی رہے ہوں ان میں داخل ہو جائے تاکہ وہ حوض میں سے اپنے قریب کا پانی پی لے
جو اس میں سے پیا نہیں تھا اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ دخال پیاسے اونٹوں کے دبانی بڑھتا (۱۲)

ہے جو حال کے نکرہ ہونے کی شرطیۃ
پر وارد ہوتا ہے تقریر سوال کی یہ
کہ سابق میں معلوم ہو چکا ہے کہ حال
کیلئے نکرہ ہونا شرط ہے پس شرط
مذکور کا تقاضہ یہ ہے کہ حال کبھی
معرفہ نہ ہو حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ
بعض مواقع میں حال معرفہ واقع ہے
منجملہ ان کے دو مواقع یہ ہیں وارسلہا
العراک اور مررت بہ وحدہٗ پس
حال کے نکرہ ہونے کی شرط
کیسے درست ہو گی اس کا جواب
مصنف نے متاوّل ہے دلیل
جس کو عنقریب بیان کیا جائیگا
قولہ ارسلہا العراک ایک شعر کا ٹکڑا
یہ پورا شعر اس طرح ہے ؎
ارسلہا العراک ولم یذدہا ۞ ولم
یُشفق علی نغص الدِخال۔ اور یہ شعر
شعراء اسلام میں سے لبید شاعر کا
اس نے ایک دن پہاڑ پر سے حمار
وحشی کے نر اور مادینوں کو دیکھا کہ حمار
وحشی نے اپنی مادینوں کو پانی پینے
کے لئے چھوڑا اور خود ایک طرف
کھڑا ہو کر ان کی نگہبانی کرنے لگا
تاکہ کوئی شکاری ان کا شکار نہ کرے
پس یہ دیکھکر لبید نے یہ شعر کہا
جس میں حمار وحشی اور اس کی مادینوں
کی تعریف و توصیف کرتا ہے کہتا ہے
کہ حمار وحشی نے اپنی مادینوں کو حالت
تزاحم میں یعنی ایک ساتھ چھوڑ دیا
اور ان کو متزاحم یعنی جمع ہونے سے
نہ روکا اور نہ اس امر کا خوف کیا
کہ وہ اجتماع و ازدحام کے باعث پوری طرح سیراب نہ ہو سکیں گی اس جگہ کان المراد سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے
کہ ارسال ذوی العقول کی صفت لایا جاتا ہے اور حمار وحشی ذوی العقول سے ہے نہیں لہذا ارسال سے مراد برانگیختہ کرنا اور اپنے
اور اپنی مادینوں کے درمیان تخلیہ پیدا کرنا ہے یعنی ان کو چھوڑ دینا تاکہ وہ چلی جائیں اور العراک معترکۃً کے معنی میں ہو کر حال واقع۔

وَمَرَرْتُ بِهِ وَحْدَهُ وَنَحْوُهُ مِثْلُ فَعَلْتُهُ جُهْدَكَ مُتَأَوَّلٌ بِالنَّكِرَةِ فَلَا يَرِدُ نَقْضًا عَلٰی قَاعِدَةِ اشْتِرَاطِ كَوْنِهَا نَكِرَةً وَتَأْوِيلُهَا عَلٰی وَجْهَيْنِ أَحَدُهُمَا أَنَّهَا مَصَادِرُ لِأَفْعَالٍ مَحْذُوفَةٍ أَيْ تَعْتَرِكُ الْعِرَاكَ وَيَنْفَرِدُ وَحْدَهُ أَيْ انْفِرَادَهُ وَتَجْتَهِدُ جُهْدَكَ فَهٰذِهِ الْجُمَلُ الْفِعْلِيَّةُ وَقَعَتْ حَالًا وَهٰذِهِ الْمَصَادِرُ مَنْصُوبَةٌ عَلٰی الْمَصْدَرِيَّةِ وَثَانِيهِمَا أَنَّهَا مَعَارِفُ مَوْضُوعَةٌ مَوْضِعَ النَّكِرَاتِ أَيْ مُعْتَرِكَةً وَمُنْفَرِدًا وَمُجْتَهِدًا فَالصُّورَةُ وَإِنْ كَانَتْ مَعْرِفَةً فَهِيَ فِي التَّقْدِيرِ نَكِرَةٌ كَمَا أَنَّ حَسَنَ الْوَجْهِ فِي صُورَةِ الْمَعْرِفَةِ وَهِيَ فِي الْمَعْنٰی نَكِرَةٌ فَإِنْ كَانَ صَاحِبُهَا أَيْ صَاحِبُ

کا مفعول مطلق ہے کیونکہ وحدہٗ اور ینفرد دونوں ایک مصدر سے نہیں بلکہ معنیً ایک ہیں واللہ اعلم ۴ قولہ وثانیہما الخ دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ معارف نکرات کی جگہ پر وضع کئے گئے ہیں یعنی اگرچہ ان کی صورتیں معرفہ کی ہیں مگر درحقیقت یہ نکرات ہیں جیساکہ حسن الوجہ صورۃً معرفہ ہے لیکن معنی میں نکرہ کے ہے تفصیل مقام کی یہ ہے کہ العراک میں الف لام زائد ہے اور العراک معترکۃ کے معنی میں ہے ایسے ہی وحدہٗ منفرداً کے معنے میں اور جہدک مجتہداً کے معنی میں پس ظاہر ہے کہ اس صورت میں نکرہ ہیں معرفہ نہیں لہٰذا یہ درحقیقت نکرہ ہی ہیں تعریف کا ان کو جامہ پہنا دیا گیا ہے جو قابل اعتبار نہیں اب رہی یہ بات کہ حَسَنَ الوجہ صورۃً معرفہ اور معنےً نکرہ کیوں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حسن نکرہ کی اضافت چونکہ معرفہ کی طرف ہو رہی ہے اس لئے یہ حکماً معرفہ ہے اور نکرہ معنیً اس وجہ سے ہے کہ یہ انفصال کو قبول کر لیتا ہے یعنی مضاف اپنے مضاف الیہ سے جدا ہو جاتا ہے جیسے حَسَنٌ وجہہٗ لہٰذا یہ پھر نکرہ کا نکرہ ہی رہیگا واللہ اعلم ۵ قولہ فان کان الخ پس اگر ذوالحال نکرہ محضہ ہو کہ اس میں سوائے تقدیم کے تخصیص کا شائبہ بھی نہ ہو اور حال نکرہ اور معرفہ کے درمیان مشترک بھی نہ ہو مثلاً اس صورت میں (باقی بر صفحہ ۱۲۵)

(بقیہ صفحہ ۱۲۳) درمیان کسی اونٹ کے داخل ہوجانے سے عبارت ہے نہ کہ حمار وحش سے لہٰذا اس شعر میں اس کا ذکر کیونکر درست ہے اس کا جواب وجعل المراد بہ الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ شاید شاعر نے اس سے نفس مداخلت مراد لیا ہے کہ بعض بعض میں داخل ہوجائے پس اس معنی کے اعتبار سے حمار وحش میں بھی دخال کا ذکر کیا جا سکتا ہے یا دوسرا جواب یہ ہے کہ مشبہ بہ سے مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے اور مشبہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا پس اصل عبارت اس طرح ہے ولو یشفق علے نغض مثل نغض الدخال اور مطلب یہ ہے کہ حمار وحش نے ان میں سے بعض کے سیراب نہ ہونے کا خوف نہیں کیا جیسا کہ اونٹ اس ازدحام کے باعث خوف کرتا ہے واللہ اعلم ۱ قولہ ومررت بہ الخ یہ وارد شدہ اعتراض میں پیش کردہ دوسری مثال ہے یعنی اس میں قابل اعتراض یہ چیز ہے کہ وحدہٗ حال ہے لیکن یہ نکرہ نہیں معرفہ ہے واللہ اعلم ۲ قولہ ونحوہ الخ یعنی مذکورہ مثالوں کے علاوہ اور بھی امثلہ ہیں مثلاً فعلتہ جُہدک کہ اس میں جہدک حال نکرہ نہیں معرفہ ہے پس اس اعتراض کے جواب میں مصنف کہتے ہیں کہ قاعدہ اپنی جگہ پر بالکل درست ہے کہ حال کے لئے نکرہ ہونا شرط ہے اور یہ امثلہ جو بیان کی گئی ہیں سب نکرہ کی تاویل میں ہیں پس قاعدہ مذکورہ پر اب کوئی نقص وارد نہیں ہوتا واللہ اعلم ۳ قولہ وتاویلہا الخ اب ان کی تاویل ملاحظہ فرمائیے ان کی تاویل دو طریقوں پر ہے ایک یہ کہ یہ افعال محذوفہ کے مصادر ہیں کہ جن کو سماعی طور پر وجوباً حذف کر دیا گیا اور عبارت اس طرح ہے ای تعترک العراک وینفرد وحدہٗ ای انفرادہٗ وتجتہد جہدک پس اس صورت میں یہ فعلیہ جملے حال واقع ہوں گے اور یہ مصادر یعنی العراک۔ وحدہٗ اور جہدک مصدریۃ کی بنا پر منصوب ہوں گے یعنی اپنے فعل کے مفعول مطلق ہونگے اس جگہ شارح نے ینفرد وحدہٗ کی تفسیر ای انفرادہٗ سے کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وحدہٗ انفرادہٗ کے معنے میں ہو کر ینفرد

(بقیہ صہ ۱۲۴) کہ ذوالحال متعدد ہو جس میں سے ایک نکرہ اور دوسرا معرفہ ہو تو حال میں بھی اسی اعتبار سے اشتراک آجائیگا یعنی حال نکرہ سے
ہی ہوگا اور معرفہ سے بھی جیسے جاءنی رجلٌ وزیدٌ راکبین۔ پس جب یہ اشتراک بھی نہ ہو تو حال کی تقدیم ذوالحال پر واجب ہے تاکہ ذوالحال
نکرہ میں اپنی تقدیم کے باعث تخصیص پیدا ہو جائے یعنی تاکہ حال تخصیص کا فائدہ دے اس لئے کہ حال بمنزلہ ظرف کے ہوتا ہے پس حال
کی تقدیم ذوالحال پر ایسی ہوگی جیسی خبر ظرف کی تقدیم مبتدا پر پس جیسا کہ تقدیم خبر ظرف سے مبتدا نکرہ میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح ذوالحال نکرہ اس تقدیم کے باعث مخصصہ ہو جائیگا کیونکہ ذوالحال اور حال مبتدا و خبر کا ہی حکم رکھتے ہیں اس لئے کہ یہ بھی درحقیقت محکوم علیہ اور محکوم بہ ہوتے ہیں نیز یہ کہ اگر ذوالحال منصوب ہوگا تو اس کے مقدم رکھنے کی صورت میں صفت کے ساتھ التباس لازم آئے گا جیسے ضربت رجلاً راکباً اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ راکباً رجلاً کی صفت ہو اور ہوسکتا ہے کہ راکباً رجلاً سے حال واقع ہو پس جب حال کو ذوالحال پر مقدم کردیں گے تو اب سوائے اس احتمال کے کہ راکباً رجلاً سے حال واقع ہے اور کوئی احتمال باقی نہیں رہے گا پھر ذوالحال کے منصوب ہونے کی حالت میں جب بخوف التباس حال کو ذوالحال پر مقدم کیا گیا تو دیگر مواضع میں بھی طرداً للباب مقدم کیا جائے گا یعنی جہاں جہاں ذوالحال نکرہ ہوگا اس پر حال کو مقدم کردیں گے اگرچہ اس میں کسی قسم کا التباس لازم نہ آتا ہو اب رہی یہ بات کہ شارح نے محضۃً لم تکن الخ کا اضافہ کیوں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مثل جاءنی رجلٌ من بنی تمیم کو خارج کرنا مقصود
ہے کیونکہ اس میں اگرچہ رجل نکرہ ہے لیکن محضہ نہیں بلکہ موصوفہ ہے ایسے ہی معترض اعتراض کرسکتا ہے کہ جب ذوالحال پر حال مقدم ہو جائیگا
تو اس میں تخصیص پیدا ہو جائیگی پس نکرہ محضہ نہیں رہیگا اس کا جواب یہ ہے کہ اس تقدیم کے علاوہ اور کسی تخصیص کا شائبہ بھی نہ ہونا چاہیئے
اور یہ تقدیم تو مقصود ہی ہے پھر اگر حال مشترک ہوگا نکرہ اور معرفہ کے درمیان تو چونکہ اس میں بھی من وجہٍ ذوالحال میں پہلے سے تخصیص موجود

الحال نکرۃً محضۃً لم تکن فیہا شائبۃ تخصیص بما سوی التقدیم[عہ] و
لم تکن الحال مشترکۃً بینہا وبین معرفۃ نحو جاءنی رجلٌ وزیدٌ راکبین و
وجب تقدیمہا ای تقدیم الحال علی صاحبہا لیتخصّص النکرۃ بتقدیمہا
لانہما[عہ] فی المعنی مبتداء وخبر ولئلا تلتبس بالصفۃ فی النصب فی
مثل قولنا ضربت رجلاً راکباً ثم قدمت فی سائر المواضع وان لم
تلتبس[متصلۃ] طرداً للباب ولا تتقدم[عہ] ای الحال فیما عداً مثل زید قائماً کعمرٍو
وقاعداً علی[بالصفۃ ۱۲] العامل المعنوی قد عرفت[عہ] فیما قبل العامل المعنوی و

ہے لہذا حال کو ذوالحال پر مقدم نہیں کریں گے اور یہ نکرہ محضہ بھی نہیں ہے کہ اس میں حال کو ذوالحال
پر مقدم کرسکیں واللہ اعلم ۱۲ قولہ ولا تتقدم الخ اور حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا بخلاف ظرف
کے کہ اس پر حال مقدم ہوسکتا ہے۔ اس جگہ شارح نے ای الحال فیما عداہ الخ سے ایک سوال مقدر
کا جواب دیا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ عامل کے معنوی پر حال کی عدم تقدیم کا قاعدہ زیدٌ
قائماً کعمرٍو قاعداً سے منقوض ہے اس لئے کہ اس میں قائماً زید سے حال ہے اور عامل معنوی پر
مقدم ہے کیونکہ اس میں عامل معنوی معنے تشبیہ ہیں جو کہ کاف تشبیہ سے مستفاد ہوتے ہیں پس
اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے زیدٌ قائماً مثل عمرٍو قاعداً جواب یہ ہے کہ یہ تقدیم ایک قاعدہ
کلیہ پر مبنی ہے لہذا یہ اس سے مستثنیٰ ہے وہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب دو حال شیئین مختلفین یا
شیئ واحد سے باعتبارین مختلفین واقع ہوں تو یہ ضروری ہے کہ ہر حال اپنے متعلق یعنی ذوالحال
کے متصل واقع ہو اور اس جگہ ایسا ہی ہے اس لئے کہ قائماً زید سے حال ہے اس اعتبار سے
کہ وہ مشبہ ہے اور قاعداً عمرٍو سے حال ہے اس اعتبار سے کہ وہ مشبہ بہ ہے پس دونوں میں
دو مختلف اعتبار ہوئے تو ضروری ہوا کہ قائماً کو زید کے متصل ذکر کریں اور قاعداً کو عمرو
کے تاکہ ایک دوسرے کا حال آخر سے ملتبس نہ ہو جائے واللہ اعلم ۱۲ قولہ قد عرفت الخ یہ عبارت
ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال کی یہ ہے کہ جب مصنف نے ولا یتقدم (باقی بر صہ ۱۲۶)

وانّ ما هو مقدر بالفعل او اسم الفاعل مثل الظرف وما شبهه اعني
(اے وقد عرفت ان ما هو آه ١٢ عب)
الجار والمجرور خارج عنه داخل في الفعل او شبهه فعلى هذا معنى
الكلام ان الحال لا يتقدم على العامل المعنوي اتفاقا بخلاف[۵ل]
الظرف اي بخلاف ما اذا كان العامل ظرفا او شبهه فان فيه
خلافا فسيبويه لا يجوزه (اي الحال ١٢) اصلا نظرا الى ضعف الظرف في العمل
وجوزه الاخفش بشرط تقديم المبتدأ على الحال نحو زيد قائما في الدار
فاما مع تاخر المبتدأ عن الحال فانه وافق سيبويه في المنع فلا يجوز
قائما زيد في الدار ولا قائما في الدار زيد اتفاقا ويحتمل[٦ل] ان يكون
معناه ان الحال وان كانت مشابهة للظرف لما فيها من معنى
الظرفية الا ان الظرف يتقدم على عامله المعنوي لتوسعهم في الظرف
والحال لا يتقدم عليه هذا اذا لم يكن الظرف داخلا في العامل
المعنوي واما اذا جعلته داخلا في العامل المعنوي كما هو الظ

(بقیہ ص١٢٥) الحال علی العامل المعنوی کہا تو عامل معنوی کو کیوں نہیں بیان کر دیا جواب یہ ہے کہ ماقبل میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ عامل معنوی
کس کو کہتے ہیں نیز یہ کہ جو فعل یا اسم فاعل وغیرہ مقدر ہوتا ہے مثلاً ظرف زمان و مکان یا اس کے مشابہ ظرف مستقر یعنی جار مجرور میں وہ
عامل معنوی سے خارج ہے اور فعل یا شبہ فعل میں داخل ہے لہٰذا اب یہاں اس کے ذکر کی ضرورت نہیں پس اس بناء پر کلام کے
معنے یہ ہیں کہ حال عامل معنوی پر
اتفاقاً مقدم نہیں ہوتا اس کے کہنے
کی یہ ضرورت پیش آئی کہ بعض لوگ
جو ظرف کو بھی عامل معنوی میں شمار
کرتے ہیں اور ظرف پر بھی عدم تقدیم
کے قائل ہیں ان کا بھی اس صورت
میں عدم تقدیم حال پر اتفاق ہے
کیونکہ جب ان بعض کے نزدیک
ظرف پر حال مقدم نہیں ہو سکتا
تو جہاں ظرف وغیرہ موجود نہ ہوں
وہاں بدرجہ اولی مقدم نہیں ہوگا
واللہ اعلم ۵ل قولہ بخلاف الظرف الخ
بخلاف ظرف کے یعنی جبکہ عامل ظرف
یا مشابہ ظرف ہو مثلاً جار مجرور تو
اس میں اختلاف ہے پس سیبویہ
تو ظرف میں تقدیم حال کو بالکل جائز
ہی قرار نہیں دیتے کیونکہ اس کی
نظر ظرف کے ضعف فی العمل پر ہے
اس لیے کہ ظرف کا عامل چونکہ فحوائے
کلام سے سمجھا جاتا ہے اور یہ عامل
معنوی اور عامل معنوی عمل میں
ضعیف ہوتا ہے لہٰذا تقدیم حال
کی صورت میں حال میں عمل نہیں کریگا
اور اخفش اس کو اس شرط کے ساتھ
جائز قرار دیتے ہیں کہ مبتدا کو حال
پر مقدم کر دیا جائے کیونکہ اس
صورت میں جبکہ حال مبتدا کہ جس
کی طرف ذوالحال راجع ہے متاخر
ہو جائیگا تو گویا کہ حال اس عامل سے
متاخر ہو گیا جو ذوالحال میں بھی
عامل ہے جیسے زیدٌ قائماً فی
الدار کہ اس میں مبتدا سے متاخر ہے اور فی الدار ظرف مستقر ثبت وغیرہ کے متعلق ہوگا اور ثبت کی ضمیر ذوالحال بھی ہے اور زید
کی طرف راجع بھی اور زید سے حال متاخر ہے پس گویا کہ حال اس عامل سے متاخر ہو گیا جو ذوالحال میں بھی عامل ہے یعنی ظرف مستقر
یا ثبت فعل محذوف اس کا متعلق لیکن جب مبتدا حال سے متاخر ہو گیا تو اخفش بھی سیبویہ کے موافق ہیں کہ حال کی تقدیم اس
عامل ظرف یعنی ذوالحال پر نہیں ہوگی پس قائماً زیدٌ فی الدار اور قائماً فی الدار زیدٌ کہنا اتفاقاً جائز نہیں
ہوگا اسلئے کہ اس صورت میں قائماً کی ضمیر بہر حال زید کی طرف راجع ہوگی لہٰذا اضمار قبل الذکر لازم آئیگا
اور یہ ممتنع ہے واللہ اعلم ٦ل قولہ ویحتمل الخ یہ بخلاف الظرف میں دوسرا احتمال ہے کہتے ہیں کہ اس میں
یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے معنے یہ ہوں کہ حال اگرچہ ظرف کے مشابہ ہے اسلئے کہ اسمیں (دباقی برص١٢٦)

(بقیہ ص ۱۲۶) ظرفیۃ کے معنے پائے جاتے ہیں لیکن ظرف میں چونکہ وسعت ہے اسلئے وہ عامل معنوی پر مقدم ہو سکتا ہے اور حال جو ظرف کے مشابہ ہے عامل معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا کیونکہ عامل معنوی عامل ضعیف ہے پس وہ اپنے ضعیف عمل کے باعث اپنے ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا پھر جاننا چاہیئے کہ یہ دونوں احتمال اس صورت میں ہیں جبکہ ظرف عامل معنوی میں داخل نہ ہو بلکہ ظرف فعل یا شبہ فعل میں داخل ہو لیکن جب کہ ظرف کو عامل معنوی میں داخل شمار کیا جائیگا جیسا کہ غیر مصنف کا مذہب ہے اور ان کے کلام سے ظاہر ہے کہ عامل ظرف فحوائے کلام اور مصداق کلام سے معلوم ہوتا ہے پس اس صورت میں احتمال ثانی ہی مراد ہوگا نہ کہ غیر (یعنی ظرف عامل معنوی پر مقدم ہو سکتا ہے بخلاف حال کے) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر احتمال اول مراد لیتے ہیں تو مصنف کے قول میں تناقض لازم آتا ہے اس لئے کہ جبکہ ظرف عامل معنوی میں داخل ہوگا تو بخلاف الظرف کے کوئی معنی ہی نہ ہوں گے کیونکہ جب یہ کہدیا گیا کہ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا تو ظرف پر بھی مقدم نہیں ہوگا اور اگر ظرف پر مقدم ہو سکتا ہے تو استثناء کی ضرورت نہیں آئیگی یعنی یہ کہا جائے کہ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا مگر عامل معنوی کی ایک قسم ظرف پر مقدم ہو سکتا ہے اور اگرچہ بخلاف الظرف سے بھی استثناء کے معنے حاصل ہو سکتے ہیں مگر یہ متعارف کے خلاف ہے واللہ اعلم

ل قولہ وکما لا تتقدم الخ اور جس طرح حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا اسی طرح ذو الحال اگر مجرور ہو تب بھی مقدم نہیں ہوگا خواہ مجرور بحرف جر ہو یا مجرور بالاضافۃ پس اگر مجرور بالاضافۃ ہوگا تو اس میں بالاتفاق تقدیم حال ناجائز ہے جیسے جاءتنی مجرداً عن الثیاب ضاربۃ زید کہ اس میں زید اضافۃ کی وجہ سے مجرور ذو الحال واقع ہے اور مجرداً اس سے حال ہے پس یہ تقدیم جائز نہیں اس لئے کہ حال وجود میں ذو الحال کا تابع اور فرع ہوتا ہے پس جس طرح کہ مضاف الیہ اپنے مضاف پر مقدم نہیں ہو سکتا اسی طرح مضاف الیہ کا تابع بھی مضاف پر مقدم نہیں ہو سکتا اور اگر

من کلامهم فالمراد هو الاحتمال الثانی لا غیر (ع) کما لا تتقدم (ل) الحال علے العامل المعنوی کذلک لا تتقدم علے ذی الحال المجرور سواء کان مجروراً بالاضافة او بحرف الجر فان کان مجروراً بالاضافة (ع) لم تتقدم الحال علیه اتفاقا نحو جاءتنی مجرداً عن الثیاب ضاربة زید (ذی الحال ۱۲) و ذلک لان الحال تابع و فرع لذی الحال والمضاف الیه (لانها صفة والصفة تابعة لموصوفها ۱۲ رحمن) لا یتقدم علے المضاف فلا یتقدم تابعه ایضا وان کان مجروراً بحرف الجر ففیه خلاف فسیبویه و اکثر البصریة یمنعون تقدیمها علیه للعلة المذکورة و هو المختار عند المص ولهذا قال (بان المجرور لا یتقدم علے الجار فکذا تابعه ۱۲ عب) علے الاصح ونقل عن بعضهم الجواز استدلالا بقوله تعالے

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ

حال کو حرف مضاف الیہ پر مقدم کرتے ہیں تو مضاف و مضاف الیہ کے درمیان فصل لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے اور اگر ذو الحال مجرور بحرف جر ہو تو اس پر تقدیم حال میں اختلاف ہے پس سیبویہ اور اکثر نحاۃ بصرہ تو اس کی تقدیم کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور امتناع وہی ہے کہ جو مذکور ہوئی کہ جس طرح مجرور اپنے جار پر مقدم نہیں ہو سکتا اسی طرح اس کا تابع بھی حرف جر پر مقدم نہیں ہو سکتا اور یہی مذہب مصنف کا بھی مختار ہے اسی وجہ سے مصنف نے علی الاصح کہا ہے اور بعض نحاۃ اس کے جواز کے قائل ہیں اور ان سے جواز منقول ہے اور وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ قول باری تعالیٰ وما ارسلناک الا کافۃ للناس میں کافۃ مجرور سے حال واقع ہے اور اس پر مقدم ہے پس تقدیم مذکور ناجائز نہ ہوگی واللہ اعلم ۱۲

لہ قولہ ولعل الفرق الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال کی یہ ہے کہ جن بعض سے جواز تقدیم مجرور بحرف جر میں منقول ہے توان کے نزدیک مجرور بالاضافہ اور مجرور بحرف جر میں وجہ فرق کیا چیز ہے جواب یہ ہے کہ شاید ان کے نزدیک حرف جر اور اضافہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ حرف جر تعدیہ یعنی فعل لازم کو متعدی کرنے میں عین تفعیل اور ہمزہ افعال کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے یعنی جس طرح ہر باب تفعیل میں عین کی تضعیف (یعنی عین کا تکرار جیسے صرف کہ اس میں را مشدد ہونے کے اعتبار سے مکرر ہے) اور باب افعال میں ہمزہ کبھی تعدیہ کے لئے آتا ہے اسی طرح حرف جر سے بھی کبھی فعل لازم کو متعدی کیا جاتا ہے پس گویا حرف جر تمام فعل اور اس کے بعض حروف سے ہے پس اس اعتبار سے جب ذہبتُ راکبۃً کہا جائیگا تو گویا کہ اذہبتُ راکبۃً ہنداً کہا گیا یعنی ذہبت راکبۃً بہندٍ اذہبت راکبۃً ہنداً کے مرادف ہے پس مجرور حقیقت کے اعتبار سے مجرور نہیں لہٰذا حال کی تقدیم ذوالحال پر جائز ہوگی واللہ اعلم ۵ہ قولہ واجاب بعضہم الخ پس جن لوگوں کے نزدیک مجرور بحرف جر کے حال کی تقدیم ذوالحال پر ناجائز نہیں انکی جانب سے قول باری تعالیٰ وما ارسلناک الخ بطور ایک اعتراض کے ہوگا لہٰذا اس کا جواب عدم جواز کے قائلین دے رہے ہیں بعض نحاۃ (زجاج) نے تو یہ جواب دیا ہے کہ کافۃً مجرور بحرف جر یعنی الناس سے حال نہیں ارسلناک میں جو کاف خطاب ہے اس سے حال واقع ہے پس اس صورت میں کافۃً مانعاً کے معنی میں ہو جائیگا اور عبارت کے معنے یہ ہوں گے وما ارسلناک الاحال کونک مانعاً للناس عن المناہی نیز اس صورت میں چونکہ حال مذکر سے واقع ہے لہٰذا حال بھی مذکر ہوگا لہٰذا کافۃً کی تا تانیث کیلئے نہیں ہوگی بلکہ مبالغہ کیلئے ہوگی یعنی آپ کو اے پیغمبر صلعم اس لئے ہم نے بھیجا ہے کہ آپ لوگوں کو بری باتوں سے روکنے میں مبالغہ اور زجر عن الشرک سے کام لیں اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ سرے سے حال ہی نہیں بلکہ مصدر موصوف محذوف کے اعتبار سے مفعول مطلق ہے یعنی وما ارسلناک یا محمدؐ الا کافۃً ای ارسالۃً کافۃً للناس مانعۃ

ولعلّ[لہ] الفرق بین حرف الجر والاضافۃ ان حرف الجر معدٍّ للفعل کالہمزۃ والتضعیف فکأنہ من تمام الفعل وبعض حروفہ فاذا قلت ذہبت راکبۃً بہند فکانک قلت اذہبتُ راکبۃً ہنداً فالمجرور بحسب الحقیقۃ لیس مجروراً واجاب[۵ہ] بعضہم عن ہذا الاستدلال بجعل کافۃً حالاً عن الکاف والتاء للمبالغۃ وبعضہم بجعلہا صفۃ المصدر ای ارسالۃً کافۃً وبعضہم بجعلہا مصدراً کالکاذبۃ والعافیۃ والکل تکلّفٌ وتعسّفٌ وکل ما[۲ہ] دلّ علی ہیأۃٍ ای صفۃٍ سواء کان الدال مشتقاً او جامداً صحّ ان یقع حالاً من غیر ان یؤوّل الجامد

(حواشی بین السطور: ای بہما الہمزۃ / متعدی کنندہ ۱۲ / وہو الزجاج ۱۲ حق / وہو قول الزمخشری ۱۲ / ای تکف کفا والجملۃ تقررۃ الحال ۱۲ غف)

عن الشرک وغیرہ اور بعض نے اس کو کف کے معنی میں لیکر تکفُّ فعل کا مفعول مطلق قرار دیا ہے جیسا کہ کاذبۃ اور عافیۃ کذب اور عفۃ کے معنی میں ہیں پھر تکف کفاً جملہ حال واقع ہوگا نیز ہو سکتا ہے کہ کافۃً کفاً کے معنی میں ہوکر مفعول لہٗ ہونے کی بنا پر منصوب ہو اور معنی یہ ہوں وما ارسلناک یا محمد لشئی من الاشیاء الا لتکف الناس، بہر حال خواہ کوئی سا جواب اختیار کیا جائے للناس جار مجرور کافۃً کے متعلق ہوگا ذوالحال نہیں ہوگا لیکن شارح کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ جوابات دیئے جا سکتے ہیں مگر سب تکلف اور تعسّف کے درجہ میں ہیں واللہ اعلم ۱۲ ۲ہ قولہ وکل ما دل الخ اور جو اسم ہیئت یعنی صفت پر دلالت کرے خواہ وہ مشتق ہو یا جامد اس کا حال واقع ہونا بغیر اس تاویل کے صحیح ہے کہ اگر جامد ہو تو اس کو مشتق سے مؤوّل کیا جائے اس لئے کہ حال سے مقصود بیان ہیئۃ ہے اور وہ جامد سے بھی حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ جامد کو مشتق سے مؤوّل کیا پس اس سے مصنف کا مقصود جمہور نحاۃ پر رد کرنا ہے اسلئے کہ انھوں نے حال کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ حال کا مشتق ہونا ضروری ہے اور یہ تکلف کیا ہے کہ اگر جامد حال واقع ہو تو اسکو مشتق سے مؤوّل کر لیا جائے لیکن اگرچہ حال جامد واقع ہو سکتا ہے مگر حال میں اغلب و اکثر دباقی برصفحہ ۱۲۹

بالمشتق لانَّ المقصود من الحال بیان الھیأۃ و ھو حاصل بہٖ و ہذا

رد علی جمہور النحاۃ حیث شرطوا اشتقاق الحال و تکلفوا فی تاویل

الجوامد بالمشتق و مع ہذا فلا شک ان الاغلب فی الحال الاشتقاق

مثل بُسراً و رطباً فی قولھم ہذا بُسراً و ھو ما یبقے فیہ حموضۃ اَطیبُ منہ

رُطَباً و ھو ما فیہ حلاوۃٌ صرفۃٌ فہما مع کونہما جامدین حالان لدلالتہما

علی صفۃ البسریۃ والرطبیۃ و لا حاجۃ الی ان یؤوّل البُسر بالمُبسر

والرطب بالمرطِب من اَبسَرَ النخلُ اذا صار ما علیہ بسراً و ارطب

اذا صار ما علیہ رُطباً والعامل فی رطباً اطیب باتفاق النحاۃ

و فی بسراً ایضاً عند محققیھم و تقدم بسراً علی اسم التفضیل

مع ضعفہ فی العمل لانہ اذا تعلق بشیٔ واحد حالان باعتبارین

ان دونوں میں عامل کا سوال تو کہتے ہیں کہ رطباً میں تو باتفاق نحاۃ ارطبُ عامل ہے لیکن بسراً میں
قدرے اختلاف ہے پس محققین تو یہی کہتے ہیں کہ اس میں بھی الرطب عامل ہے اب اس پر یہ اعتراض
وارد ہوتا ہے کہ اسم تفضیل عامل ضعیف ہے اس پر اس کا معمول کیسے مقدم ہو سکتا ہے پس کیا
وجہ ہے کہ بسراً کو اس کے عامل پر مقدم کیا گیا ہے اس کا جواب و تقدم بسراً الخ سے شارح
یہ دے رہے ہیں کہ بسراً کو اسم تفضیل پر باوجودیکہ وہ عامل ضعیف ہے اس لئے مقدم کیا گیا ہے
کہ نحویوں کے نزدیک یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب شئے واحد سے دو حال دو مختلف اعتبارات
سے متعلق ہوں تو ہر حال کو اس کے متعلق کے ساتھ متصل کرنا ضروری ہے تاکہ دونوں اعتباروں
میں تقدم و تاخر سے اشتباہ پیدا نہ ہو جائے اور بسریہ چونکہ مشارٌ الیہ ہٰذا کے ساتھ (باقی برصـ ۱۳۰)

(بقیہ صـ ۱۲۸) یہی ہے کہ وہ مشتق واقع ہو اب رہی یہ بات کہ جامد کو مشتق سے مؤول کرنے والوں کی کیا دلیل ہے؟ تو ان کی دلیل یہ ہے کہ حال معنے
خبر ہے یا صفۃ اور خبر و صفت دونوں مشتق ہوتی ہیں یا اگر مشتق نہ ہوں تو مشتق کے معنی میں ہوتی ہیں لہٰذا حال کا بھی مشتق ہونا ضروری
ہے مگر مصنف اس دلیل کو نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ دیکھنا یہ ہے کہ حال کے جامد ہونے کی صورت میں مقصود حاصل ہو جاتا ہے یا نہیں
یعنی بیان ہیئۃ اور یہ ظاہر ہے کہ
مقصود حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا
ارتکاب تکلف کی کیا ضرورت ؟
واللہ اعلم ــــله قولہ مثل بسراً الخ یہ
جامد کے حال واقع ہونے کی مثال
ہے جیسے ہذا بسراً اطیب منہ رطباً
بسر اس کو کہتے ہیں جو نیم پختہ ہو
رطب پختہ کو کہتے ہیں کہ جس میں صرف
میٹھاس یعنی حلاوت ہو۔ بسر کو گدر
بھی کہتے ہیں پس یہ دونوں باوجود
جامد ہیں لیکن حال ہیں کیونکہ دونوں
صفۃ بسریت (گدرا پن) اور رطبیت
(پختہ پن) پر دلالت کرتے ہیں پس
اس جگہ بُسر کو مُبسر اور رطب کو
مُرطب سے مؤول کرنے کی کوئی
حاجت نہیں حاجت اس وقت
جبکہ یہ دونوں صفتیہ پر دلالت
کرتے اس مثال کے معنے یہ ہیں " یہ
گدرا ہونے کے وقت زیادہ نافع
عمدہ ہے پختہ ہونے کے وقت
یعنی اس کے نیم پخت حالت میں
منفعت زیادہ ہے بہ نسبت پختہ
ہونے کے۔ اب یہ بیان کرتے ہیں
کہ مُبسر اور مرطِب کے ساتھ اگر تاویل
کی جائے تو ان کا ماخذ کیا ہے کہتے
ہیں کہ مُبسر اَبسَرَ النخل اور مُرطِب
اَرطَبَ النخل سے ماخوذ ہے یعنی یہ
کہ مُبسر اور مرطب بسر سے مشتق
ہیں جو کہ ثلاثی مجرد سے ہیں اب رہ
یہ بات کہ جب یہ ثلاثی مجرد سے ہیں
تو شارح نے ابسر اور ارطب ثلاثی
مزید سے کیوں درج کئے اور نیز یہ کہ ہمزہ افعال تعدیہ کے لئے آتا ہے اور وہ اس جگہ درست نہیں اس کا جواب خود ہی اذا صار ما علیہ بسراً
اذا صار ما علیہ رطباً سے یہ دے رہے ہیں کہ ہمزہ افعال اس جگہ صیرورۃ کے لئے ہے تعدیہ کے لئے نہیں یعنی ابسر النخل اس وقت بو
ہیں جبکہ وہ چیز جو درخت پر ہی گدرا ہو جائے اور ارطب النخل اس وقت جبکہ پھل پختہ ہو جائے واللہ اعلم ــــ۲ قولہ والعامل الخ اب

(بقیہ ص ۱۲۹) اس حیثیت سے متعلق ہے کہ وہ مفضل ہے لہٰذا ضروری ہے کہ بسراً کو ہذا کے متصل ذکر کریں تاکہ وہ من تفضیلی پر مقدم ہو جائے اسلئے کہ مفضل من تفضیلی پر مقدم ہوتا ہے اور مفضل علیہ مؤخر جیسے الشمس انور من القمر میں الشمس مفضل مقدم ہے اور القمر مفضل علیہ مؤخر واللہ اعلم
لے قولہ وہذہ الحیثیۃ الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ بسریت مشار الیہ بہذا کے ساتھ مفضل ہونے کی حیثیت سے اسی وقت معتبر ہوگی جبکہ اطیب میں اس کی ضمیر لائی جائیگی اس سے پہلے اس کو مفضل کہنا باطل ہے اس لئے کہ مفضل اسم تفضیل کا مدخول ہے نہ کہ کچھ اور لہٰذا مناسب یہ ہے کہ بسراً کو اطیب سے موخر ذکر کریں کیونکہ یہ اطیب کی ضمیر سے حال ہوگا شارح جواب دیتے ہیں کہ یہ حیثیۃ اگرچہ اسی وقت معتبر ہوگی جبکہ اطیب میں ضمیر لائی جائے لیکن چونکہ ضمیر بہ نسبت اسم مظہر کالعدم ہے لہٰذا اسم ظاہر کو ضمیر کا قائم مقام کرکے اسم ظاہر کے ساتھ مفضل کے اتصال کو واجب کر دیا گیا پس بسراً کا اتصال ہذا کے ساتھ ہوگا اور من تفضیلی پر اس کا مقدم ہوگا اور رطبیت مشار الیہ ہذا کے ساتھ اس حیثیت سے متعلق ہے کہ وہ مفضل علیہ ہے اور چونکہ مفضل علیہ من تفضیلی سے مؤخر ہوتا ہے لہٰذا اس کا مفضل علیہ ہونا باعتبار ضمیر منہ کے ہوگا پس لامحالہ مفضل علیہ یعنی رطباً کا اتصال ضمیر منہ کے ساتھ واجب ہوگا پھر شارح قال الرضی سے مضمر کو بہ نسبت مظہر کے کالعدم قرار دینے کے متعلق رضی کی عبارت نقل فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ رضی نے کہا ہے کہ اگرچہ افعل میں ضمیر مستتر مفضل ہوتی ہے لیکن جبکہ ظاہر نہیں ہوتی یعنی حقیقۃً ملفوظ نہیں ہوتی تو کالعدم ہے معدوم لیس لشئ ہوتا ہے پس اسم اشارہ "ہذا" مفضل ہو جائیگا کیونکہ یہ ضمیر کے قائم مقام ہے اسی اعتبار سے کہ اسم تفضیل کی ضمیر اس کی طرف راجع ہوتی ہے اور بسریت ہذا کے ساتھ مفضل ہونے کی حیثیت سے متعلق ہے لہٰذا بسراً کو ہذا کے ساتھ متصلاً ذکر کیا جائیگا اس کے باوجود کہ ضمیر بہ نسبت اسم مظہر کے کالعدم ہوتی ہے میں اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتا کہ زیدٌ احسنُ قائماً منہ قاعداً کہا جائے

مختلفين يلزم ان يلي كلٌّ منهما متعلَّقه والبسرية تعلقت بالمشار اليه
(وهو ذو الحال ۱۲)
بهذا من حيث انه مفضلٌ وهذه[1] الحيثية وان لم تكن معتبرةً فيه
(متصلة ۱۲) (المستتر ۱۲)
الا بعد اضماره في اطيب لكنه لما كان الضمير بالنسبة الى المظهر
(فكان الصواب ان يقع هذا اطيب بسراً منه رطبا لكنه ۱۲)
كالعدم اقيم المظهر مقامه واوجبوا ان يليه والرطبية تعلقت به من
(من الايجاب ۱۲)
حيث انه مفضل عليه وهو ضمير منه فيجب ان يليه قال الرضي واما
الضمير المستكن في افعل فانه وان كان مفضلا لكنه لما لم يظهر كان كالعدم
(متصلة ۱۲)
ومع هذا فلا ارى باسًا بان يقال وان لم يسمع زيدٌ احسن قائما منه
(اى ومع قيام المظهر مقام المضمر ۱۲) (متصلة ۱۲)
قاعدا وذهب[2] بعضهم الى ان العامل في بسرا اسم الاشارة
(وهو ابو علي الفارسي ۱۲)

اگرچہ یہ ترکیب سنی نہیں گئی اس سے درحقیقت مصنف پر اعتراض مقصود ہے کہ ضمیر مظہر کی بہ نسبت کالعدم ہوتی ہے حالانکہ اس مثال میں کالعدم نہیں بلکہ قابل اعتبار اور ذوالحال واقع ہے یعنی احسنُ کی ضمیر زید کی طرف راجع اور ذوالحال ہے اور قائماً اس سے حال پس اگر اس کا کالعدم ہونا ضروری ہوتا تو احسن کی ضمیر ذوالحال واقع نہیں ہو سکتی تھی بلکہ اسم مظہر کو اس کے بجائے لانا پڑتا واللہ اعلم ۱۲

۲ قولہ وذہب بعضہم الخ اور بعض لوگ ان تکلفات سے بچنے کے لئے اس طرف گئے ہیں کہ بسراً میں عامل اسم اشارہ ہے (اسم تفضیل نہیں) اور تقدیر عبارت اس طرح ہے ہذا بسراً ای اشیر الیہ حال کونہ بسراً مگر یہ صحیح نہیں اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہ اشارہ اس وقت ہو جبکہ مشار الیہ تمر یابس (خشک کھجور) ہو گدر نہ ہو پس یہ اشارہ حالۃ بسریت کے ساتھ مقید نہ ہوگا اور یہ خلاف مقصود ہے اس لئے کہ ہماری مراد یہ ہے کہ تمر حالت بسریت میں حالت رطبیت سے عمدہ ہے عام ازیں کہ اشارہ اور تکلم اس وقت ہو جبکہ وہ گدر ہو یا اس وقت جبکہ پختہ ہو یا اس وقت جبکہ وہ خشک ہو کر چھوارہ بن جائے نیز یہ مذہب اس لئے بھی صحیح نہیں ہے کہ اطیب اس وقت بھی علیل ہو سکتا ہے جبکہ اسم اشارہ کی جگہ میں ایسا اسم واقع ہو کہ اس اسم کا (باقی بر ص ۱۳۱)

ای اشیر الیہ حال کونہ بسرا وہذا لیس بصحیح لانہ یمکن ان یکون المشار الیہ الثمر الیابس فلا تقیید الاشارۃ بحالۃ البسریۃ ولانہ یصح حیث وقع موقع اسم الاشارۃ اسمٌ لایصح اعمالہ فیہ نحو تمرۃ نخلی بسراً اطیبُ منہ رطبًا وقد تکون ای الحال جملۃ لدلالتہا علی الہیأۃ کالمفردات فیصح ان تقع حالاً مثلہا ولکن یجب ان تکون الجملۃ الحالیۃ خبریۃً محتملۃً للصدق والکذب لان الحال بمنزلۃ الخبر عن ذی الحال واجراہا علیہ فی قوۃ الحکم بہا علیہ والجملۃ الانشائیۃ لاتصلح ان یحکم بہا علی شئی ولما کانت الجملۃ مستقلۃً فی الافادۃ لاتقتضی ارتباطہا بغیرہا والحال مرتبطۃ بغیرہا فاذا وقعت الجملۃ حالاً لابدّ لہا من رابطۃ تربطہا الی صاحبہا وہی الضمیر والواو والجملۃ الخبریۃ اما اسمیۃ او فعلیۃٌ

لہٰذا جملہ خبریہ حال واقع ہو سکتا ہے پھر جملہ چونکہ افادہ میں مستقل ہوتا ہے لہٰذا وہ دوسری شئے کے ساتھ ارتباط کو مقتضی نہیں ہوتا اور حال ذو الحال کے ساتھ مرتبط ہوتا ہے لہٰذا جب حال جملہ ہوگا تو اس کیلئے لامحالہ ایک رابطہ کی ضرورت پیش آئیگی جو اس کو ذو الحال سے مرتبط کردے پس وہ رابطہ ضمیر اور واو ہے واللہ اعلم ۲؎ قولہ والجملۃ الخبریۃ الخ یہ عبارت قولہ فالاسمیۃ کے لئے بطور دلیل حصر کے ہے کہ تاکہ فالاسمیۃ اس پر متفرع ہو سکے پس جملہ خبریہ دو حال سے خالی نہیں اسمیہ ہوگا یا فعلیہ اور فعلیہ اگر ہے تو اس کا فعل مضارع مثبت ہوگا یا منفی یا ماضی مثبت ہوگا یا منفی (باقی بر صفحہ ۱۳۶)

(بقیہ صفحہ ۱۳۴) حال میں عمل کرنا صحیح نہ ہو مثلاً ہذا کی جگہ پر تمر کو ذکر کردیں تو یہ اسم جامد ہے اور یہ حال میں عمل نہیں کر سکتا پس ہذا میں تو انھوں نے کہدیا کہ یہ اُشیر بسراً میں عامل ہے لیکن اس مثال میں وہ سوائے اطیب کے اور کس کو عامل قرار دیں گے کہ جس میں ہذا کے بجائے اسم جامد ہو جیسے تمرۃ نخلی بسراً اطیب منہ رطباً پس لامحالہ کہنا پڑیگا کہ پہلا مذہب ہی حق ہے۔ (فائدہ) شرح جامی کے بعض نسخوں میں لانہ یصح حیث الخ کے بجائے لانہ لایصح حیث الخ ہے لہٰذا اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اسم اشارہ کا بسراً میں عامل ہونا صحیح نہیں اس لئے کہ جب ہذا کے بجائے ایسا اسم آجائے کہ جس کا حال میں عمل کرنا صحیح نہ ہو تو اس اسم کا حال میں عمل کرنا صحیح نہ ہوگا جو کہ اسم اشارہ کی بجائے مذکور ہے پس جب ایسا ہے تو ضروری ہے کہ اس میں عامل اطیب کو مانیں نہ کہ اشیر کو واللہ اعلم ۱؎ قولہ وقد تکون الخ اور کبھی حال جملہ بھی ہوتا ہے کیونکہ جملہ بھی مفردات کی طرح ہیئت پر دلالت کرتا ہے اور حال سے مقصود ہیئت پر دلالت ہی ہے خواہ کسی طرح حاصل ہو پس جملہ کا بھی مفردات کی طرح حال واقع ہونا صحیح ہے اس جگہ قد حرف تقلیل ہے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حال جملہ کبھی کبھی ہوتا ہے ورنہ اصل یہی ہے کہ حال مفرد ہو اس لئے کہ حال مبتدا کی خبر کے مانند ہوتا ہے اور خبر میں اصل افراد ہے لہٰذا حال میں بھی اصل افراد ہوگا البتہ بطور تقلیل کے حال جملہ واقع ہوجاتا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ جملہ خبریہ ہو کہ جس میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہو اس لئے کہ حال ذو الحال سے بمنزلہ خبر کے ہوتا ہے نیز حال کا ذو الحال پر جاری ہونا ذو الحال کے لئے محکوم بہ کی قوت میں ہے یعنی جس طرح خبر محکوم بہ ہوتی ہے اور مبتدا محکوم علیہ اسی طرح ذو الحال بمنزلہ محکوم علیہ کے ہوگا اور حال بمنزلہ محکوم بہ کے اور جملہ انشائیہ میں محکوم بہ بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی اس لئے کہ اس کا نفس الامر میں کوئی ثبوت نہیں ہوتا پس جب جملہ انشائیہ محکوم بہ نہیں بن سکتا تو حال بھی واقع نہیں ہو سکتا بخلاف خبر کے کہ اس کا نفس الامر میں ثبوت ہوتا ہے مثلاً زیدٌ قائمٌ میں قیام کا ثبوت ہے

(بقیہ صفحہ ۱۳۱) پس یہ پانچ جملے ہیں پس جملہ اسمیہ حالیہ جو کہ واؤ اور ضمیر کے ساتھ معاً متلبس ہو اسلئے کہ جملہ اسمیہ استقلال میں قوی تر ہے اور استقلال کی وجہ یہ ہے کہ دو اسموں سے مرکب ہوتا ہے بخلاف فعل کے کہ وہ ایک اسم اور ایک فعل کی ترکیب سے بنتا ہے اس لئے جملہ اسمیہ قوی ہوا جملہ فعلیہ سے پس مناسب یہ ہے کہ قوی میں رابطہ بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے جو قوی تر ہو پس جب واؤ اور ضمیر دونوں ایک ساتھ رابطہ بنیں گے اور یہ ظاہر ہے کہ ایک سے دو قوی ہوتے ہیں جیسے جئت وانا راکبٌ اس میں انا راکبٌ جملہ اسمیہ ہو کر جئت کی ضمیر انا سے حال ہے اور دو رابطے موجود ہیں اور واو اور ضمیر انا اور جیسے جئت وانت راکبٌ اور جاءنی زیدٌ وہو راکبٌ دونوں میں واو اور ضمیر موجود ہیں واللہ اعلم

والفعلیۃ اما ان یکون فعلها مضارعاً مثبتاً او مضارعاً منفیاً او ماضیاً مثبتاً او ماضیاً منفیاً فهٰذه خمس جملٍ فالاسمیۃ ای الجملۃ الاسمیۃ الحالیۃ متلبسۃٌ بالواو والضمیر معاً لقوة الاسمیۃ فی الاستقلال فناسب ان تکون الرابطۃ فیها فی غایۃ القوة نحو جئت وانا راکبٌ وجئت وانت راکبٌ وجاءنی زیدٌ وهو راکبٌ او بالواو[1] وحدها لانها تدل علی الربط فی اول الامر فاکتفی بها مثل قوله علیه السلام کنت نبیاً وآدم بین الماء والطین وهٰذا ای الربط بالواو وحدها او بها مع الضمیر انما یکون فی الحال المنتقلۃ واما فی الحال المؤکدة فلا تجوز الواو تقول هو الحق لا شک فیه وذٰلک لان الواو لا تدخل بین المؤکَّد والمؤکِّد لشدة الاتصال بینهما او بالضمیر[2] وحده علی ضعف لان الضمیر لا یجب ان یقع فی الابتداء فلا یدل علی الربط

حالیۃ ۱۲ — جملۃ حالیۃ ۱۲ — کالواو ۱۲

[1] قولہ او بالواو الخ یا رابطہ صرف واو کو لایا جائیگا اس لئے کہ یہ اول امر میں رابطہ پر دلالت کرتا ہے پس اسی پر اکتفاء کیا جائیگا اور یہ اول امر پر اس لئے دلالت کرتا ہے کہ مثلاً جب واو کے بعد جملہ کو ذکر کیا جائیگا تو فوراً معلوم ہو جائیگا کہ جملۂ مابعد ماقبل سے مرتبط ہے اس لئے کہ واو کی اصل وضع جمع کے لئے ہے جیسے قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کنت نبیا وآدم بین الماء والطین کہ اس میں آدم الخ جملہ اسمیہ حالیہ ہے اور واو رابطہ۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حال اور ذوالحال کے درمیان رابطہ لانا ضروری ہے خواہ وہ ایک ہی حرف کے ساتھ آئے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسی بھی بعض امثلہ موجود ہیں جن میں کسی ایک کے ساتھ بھی رابطہ نہیں نہ واو کے ساتھ اور نہ ضمیر کے ساتھ جیسے ہو الحق لا شک فیہ کہ اس میں لا شک فیہ جملہ اسمیہ حال واقع ہے اور اس میں کوئی رابطہ نہیں اس کا جواب وہٰذا ای الربط بالواو الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ یہ ربط بالواو تنہا یا ربط واو اور ضمیر کے ساتھ معاً حال منتقلہ میں ہوتا ہے لیکن حال مؤکدہ میں ربط بالواو جائز نہیں جیسے ہو الحق لا شک فیہ کہ اس میں لا شک فیہ اگرچہ جملہ اسمیہ حال ہے مگر یہ تاکید کے لئے ہے پس اگر اس میں بھی ربط بالواو آجائیگا مؤکد اور تاکید کے درمیان فصل لازم آئیگا اور یہ ناجائز ہے اس لئے کہ ان دونوں کے درمیان شدت اتصال ہے کیونکہ ثانی عین اول ہوتا ہے اگرچہ لفظاً کچھ فرق ہو اور حال منتقلہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ذوالحال سے نقل وانفکاک کو قبول کر لیتا ہے مثلاً قائماً ضربت زیدٌ قائماً میں کہ زید کی حالت قیام علیحدہ بھی ہو سکتی ہے مثلاً یہ کہ زید بیٹھا ہوا ہو یا متکلم حالت قعود میں مارے بخلاف حال مؤکدہ کے کہ وہ اپنے ذوالحال سے جدا نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ عین اول ہوتا ہے واللہ اعلم

[2] قولہ او بالضمیر الخ یا جملہ اسمیہ حالیہ میں رابطہ حرف ضمیر کے ساتھ لایا جائیگا لیکن یہ ضعیف ہے اس لئے کہ ضمیر کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ واو کی طرح ابتداء میں واقع ہو (باقی برصفحہ ۱۳۳)

(بقیہ صـ۱۳۲) اور اول امر میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ جملہ ماقبل سے مرتبط ہے پس ضمیر اول امر میں ربط پر دلالت نہیں کریگی جیسے کلمتہٗ فوہ الی فیّ کہ اس میں فوہ مضاف مضاف الیہ سے ملکر مبتدا اور الی فی جار مجرور ظرف مستقر مرفوع محلاً اس کی خبر ہے اور جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر ضمیر متکلم سے حال واقع ہو رہا ہے پس اس میں فیّ کی ضمیر متکلم رابط ہے اور اگر فوہ الخ کو کلمتہ کی ضمیر مفعول بہ سے حال قرار دیں تو فوہ کی ضمیرہٗ رابطہ واقع ہوگی یعنی متکلم کے لئے ضمیر متکلم اور غائب کے لئے ضمیر غائب اس کا ترجمہ یہ ہے میں نے اس سے بات چیت کی درانحالیکہ اس کا منہ میرے منہ کیطرف تھا پس چونکہ یہ اول امر میں رابطہ پر دلالت نہیں کرتی اس لئے صحیح یہ ہے کہ واو رابطہ لایا جانا ضروری ہے واللہ اعلم ۱۲ ؁ قولہ والمضارع الخ اور جملہ فعلیہ میں اگر مضارع مثبت حال واقع ہو تو اس وقت ربط کے لئے صرف ضمیر ہی کافی ہوگی اس لئے کہ مضارع لفظاً اور معنیً اسم فاعل کے مشابہ ہے اور اسم فاعل واو سے مستغنی ہوتا ہے پس جو حکم مشبہ بہ کا ہوگا وہی مشبہ کا بھی ہوگا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اسم فاعل میں ربط کے لئے ضمیر کافی ہوتی ہے یعنی مثلاً قائماً میں ضمیر مستتر ہو اسی طرح فعل مضارع میں بھی ضمیر کافی ہوگی واو کی ضرورت نہیں ہوگی بوجہ مشابہت کے۔ مشابہت لفظیہ تو یہ ہے کہ اسم فاعل اور مضارع کے حرکات وسکنات اور عدد حروف برابر ہیں اور مشابہت معنویہ یہ ہے کہ اسم فاعل کے مضارع کے موقعہ میں واقع ہو سکتا ہے اس لئے کہ مضارع سارع کے معنی میں ہے پس اس کی مثال یہ ہے جیسے جاءنی زیدٌ یسرع واللہ اعلم ؁ قولہ وماسواهما الخ اور جملہ اسمیہ وفعلیہ کہ جس میں مضارع مثبت حال واقع ہو ان دونوں کے سوا ان جمل فعلیہ میں کہ جن میں فعل مضارع منفی یا ماضی مثبت یا منفی واقع ہو رابطہ واو اور ضمیر کے ساتھ ایک ساتھ بھی لایا جا سکتا ہے اور واو یا ضمیر کو علیحدہ علیحدہ بھی اور رابطہ ضمیر کے ساتھ لانے کی صورت میں کسی قسم کا ضعف بھی نہیں ہوگا جیسا کہ جملہ اسمیہ میں رابطہ بالضمیر لانا ضعیف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تینوں جملوں میں سے کسی میں بھی اس درجہ قوۃ استقلال موجود نہیں

في اول الامر نحو كلمته فوه الى فيّ فلا بد من الواو وعلى الصحيح والمضارع المثبت (وهو قليل ۱۲ شرح المصـ) اي الجملة الفعلية التي يكون الفعل فيها مضارعاً مثبتاً متلبسةٌ بالضمير وحده لمشابهته لفظاً ومعنىً لاسم الفاعل المستغني عن الواو نحو جاءني زيد يسرع وماسواهما اي ماسوى الجملة الاسمية والفعلية المشتملة على المضارع المثبت من الجمل المشتملة على (بيان لماسواهما ۱۲) المضارع المنفي او الماضي المثبت او المنفي بالواو والضمير معاً او باحدهما وحده من غير ضعفٍ عند الاكتفاء بالضمير لعدم قوة استقلالها كالاسمية فالمضارع المنفيّ نحو جاءني زيد وما يتكلم غلامه (فيكفي فيه اوني ربط ۱۲ رحمن) او جاءني زيد ما يتكلم غلامه او جاءني زيد وما يتكلم عمروٌ والماضي المثبت نحو جاءني زيد وقد خرج غلامه او جاءني زيد وقد خرج غلامه او جاءني

جیسی کہ جملہ اسمیہ میں تھی پس جب وہ قوت استقلال ہی موجود نہیں تو اکتفاء بالضمیر میں کوئی حرج نہیں مضارع منفی کی مثالیں جیسے جاءنی زیدٌ وما یتکلم غلامہٗ کہ اس میں واو اور ضمیر دونوں رابطے موجود نہیں جاءنی زیدٌ ما یتکلم غلامہٗ اس میں صرف غلامہٗ کی ضمیر رابطہ ہے جاءنی زیدٌ وما یتکلم عمروٌ اس میں ضمیر نہیں صرف واو رابطہ ہے ماضی مثبت کی مثالیں جیسے جاءنی زیدٌ وقد خرج غلامہٗ (واو اور ضمیر دونوں رابطے موجود ہیں) جاءنی زیدٌ قد خرج غلامہٗ (صرف ضمیر غلامہٗ رابطہ ہے واو نہیں ہے) جاءنی زید وقد خرج عمروٌ (صرف واو رابطہ ہے ضمیر موجود نہیں) علی ہذا القیاس ماضی منفی کی مثالیں جیسے جاءنی زیدٌ وما خرج غلامہٗ الخ واللہ اعلم ۱۲

زیدٌ وقد خرج عمروٌ والماضی المنفی نحو جاءنی زیدٌ وما خرج غلامہ او جاءنی زید ما خرج غلامہ او جاءنی زیدٌ وما خرج عمروٌ ولابدّ[1] فی الماضی المثبت لا المنفی من دخول لفظۃ قد المقربۃ زمان الماضی الی الحال لغۃً علی الماضی المثبت الواقع حالاً لیدلّ بہا علی قرب زمانہ الی زمان (اے وضعاً ۱۲) صدور الفعل من ذی الحال او وقوعہ علیہ تجوّزاً لان المتبادر من الماضی المثبت اذا وقع حالاً ان مضیّہ انما ہو بالنسبۃ الی زمان العامل فلابد من قد حتی تقرّبہ الیہ (اے زمان الحال ۱۲) فیقارنہ وہٰذا[2] بخلاف مذہب الکوفیین فانہم لایوجبون قد

(جوکہ تکلم کا زمانہ ہے) نزدیک کرتا ہے یہ بات نہیں کہ وہ زمانہ حال اصطلاحی کے قریب کرے جوکہ فاعل یا مفعول یا دونوں کی ہیئۃ کو بیان کرتا ہے کیونکہ یہ اس کی اصل وضع کے خلاف ہے مثلاً جب جاءنی زیدٌ قد رکب کہا گیا تو لفظ قد حال پر داخل ہوا ہے تاکہ حال کے زمانہ کو زید کے صدور فعل مجیئ کے زمانہ سے قریب کردے (نہ یہ کہ عامل کی ہیئت بیان کرے) پس جب دونوں کے زمانہ میں قرب ہوجائے گا تو رکوب مجیئ کے مقارن ہوجائیں گے اور رکوب و مجیئ دونوں ایک زمانہ میں ہونگے بخلاف اس کے کہ اگر اس پر قد نہ داخل کیا جائے تو زمانہ رکوب اور زمانہ مجیئ دونوں متحد نہ ہوتے بلکہ زمانۂ رکوب مقدم ہوتا اور زمانۂ مجیئ موخر کما مر واللہ اعلم ۱۲ [2] قولہ وہٰذا الخ اس سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ دخول قد کا لزوم نحاۃ بصرہ کے نزدیک ہے نحاۃ کوفہ اس کے خلاف ہیں ان کے نزدیک نہ قد ظاہرۃً لازم ہے اور نہ باعتبار تقدیر کے پس فعل ماضی اس کے بغیر ہی مقارنۃ زمان کا فائدہ دیگی اس لئے کہ جس طرح اسم فاعل تجدد وحدوث پر دلالت کرتا ہے اسی طرح فعل بھی خواہ وہ ماضی مثبت ہی کیوں نہ ہو تجدد وحدوث پر دلالت کرتا ہے اور یہی مشابہتہ فعل کی (باقی بر صفحہ ۱۳۵)

[1] قولہ ولابد فی الماضی الخ یعنی جب جملہ فعلیہ ماضی مثبت کو حال بنائیں گے تو ماضی پر دخول قد ضروری ہے جوکہ زمانۂ ماضی کو حال لغوی سے قریب کردیتا ہے اس لئے کہ ماضی زمانۂ گذشتہ پر دلالت کرتی ہے اور حال وہ ہے جو زمانۂ موجودہ پر دلالت کرے پس لامحالہ ماضی مثبت پر جبکہ وہ حال واقع ہو قد کو داخل کرنا ضروری ہوگا تاکہ مجازاً قد کے ذریعہ سے اس بات پر دلالت کی جائے کہ ماضی کا زمانہ ذوالحال سے صدور فعل یا اس پر وقوع فعل کے زمانہ سے قریب ہے اس لئے کہ ماضی مثبت جبکہ حال واقع ہو تو اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ اس کا گذرنا زمانہ عامل کی نسبت سے ہے نہ کہ عامل سے صدور فعل کی نسبت سے مثلاً جاءنی زیدٌ رکب میں زمانہ رکوب کی مضی زمانۂ مجیئ (جوکہ اس میں عامل ہے) کی نسبت سے ہے یعنی زمانۂ رکوب زمانۂ مجیئ پر سابق ہے پس اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مجیئ بعد رکوب ہے اور رکوب پہلے ہوچکا ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ رکوب کے ساتھ ہے پس ضروری ہوا کہ قد لایا جائے تاکہ وہ ماضی کو زمانہ حال سے قریب کردے اور زمانۂ حال زمانۂ عامل سے مقارن ہوجائے۔ اب رہی یہ بات کہ ماضی منفی پر جبکہ وہ حال ہو تو اس پر قد کیوں نہیں داخل ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ منفی کے لئے صدارت کلام ضروری ہے اور دخول قد سے وہ مفقود ہوجاتی ہے نیز یہ کہ اس کی کوئی حاجت ہی نہیں اس لئے کہ جب فعل ماضی کی نفی کی جائیگی تو یہ نفی انتفاء کے وقت سے تاعل صدور فعل یا مفعول پر وقوع فعل کے وقت تک مستمر رہیگی پس زمانۂ حال زمانۂ عامل کے مقارن ہوکر دونوں میں اتحاد پیدا ہوجائے گا مثلاً جب ما رکب کہا جائیگا تو عدم رکوب مستمر رہیگا اس لئے کہ نفی تمام زمانۂ عدم رکوب کو مستوعب ہوجائیگی اور اس کا احاطہ کرے گی پس زمانۂ حال اور زمانۂ ذوالحال دونوں مقارن ہوجائیں گے پس اس پر دخول قد کی احتیاج نہیں ہوگی۔ (فائدہ) دخول قد سے ماضی کا حال کے قریب ہوجانا مجازاً اس لئے ہے کہ قد حقیقۃ میں اصل وضع کے اعتبار سے زمانۂ ماضی کو زمانۂ حال لغوی کے

ظاہرۃً ولا مقدرۃً سواءٌ کانت ظاہرۃً فی اللفظ نحو جاءنی زیدٌ قد رکب غلامہ او مقدرۃً منویۃً نحو قولہ تعالیٰ جاءُوکم حَصِرَتْ صدورھم ای قد حصرت وھذا بخلاف مذھب سیبویہ والمبرد فانھما لا یجوزان حذف قد فسیبویہ یؤوّل قولہ تعالیٰ حصرت صدورھم بقوماً حصرت صدورھم فتکون جملۃ حَصِرَتْ صدورھم صفۃ موصوفٍ محذوف وھو الحال والمبرد یجعلہ جملۃً دعائیۃً وانما لم یشترط ذلک (ای دخول قد) فی المنفی لاستمرار النفی بلا قاطع فیشمل زمان الفعل ویجوز حذف (ای مجوز ولہ ۱۲) العامل فی الحال لقیام قرینۃٍ حالیۃٍ کقولک للمسافر ای الشارع فی السفر او المتھیٔ لہ راشداً مھدیاً ای سِر راشداً مھدیاً بقرینۃ (آمادہ ۱۲)

(بقیہ صفحہ ۱۳۴) اسم فاعل کے ساتھ کافی ہے لہٰذا ادخال قد کی ضرورت نہیں نیز ان کی دلیل قول باری تعالیٰ اذ جاءُوکم حصرتْ صدورھم بھی ہے کہ اس میں لفظ قد کا ذکر نہیں نیز اس کے علاوہ دیگر امثلہ بھی ہیں جو قرآن میں وارد ہوئی ہیں مثلاً ہٰذہ بضاعتنا رُدَّتْ الینا اور وکیف تکفرون باللہ وکنتم امواتاً کہ ان میں ردت الینا اور وکنتم امواتاً حال ہیں اور ماضی مگر کسی پر بھی قد داخل نہیں واللہ اعلم **۱۵۱** قولہ سواءٌ کانت الخ اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ظاہرۃً اور مقدرۃً دونوں خبریت کان کی بنا پر منصوب ہیں مطلب یہ ہے کہ دخول قد میں فعل ماضی مثبت پر جبکہ وہ حال واقع ہو تعمیم ہے یعنی دخول قد خواہ لفظاً یعنی ظاہر ہو یا مقدر یعنی پوشیدہ ہو پس ظاہر کی مثال یہ ہے جیسے جاءنی زیدٌ قد رکب غلامُہ اور قد منویہ کی مثال یہ ہے جیسے قول باری تعالیٰ جاءُوکم حصرت صدورھم کہ اس میں حصرت سے قبل لفظ قد محذوف ہے ای قد حصرت صدورھم مگر یہ سیبویہ اور مبرد کے مذہب کے خلاف ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک حذف قد جائز نہیں اس لئے کہ قد حرف ہے اور حرف کا کوئی اثر نہیں ہوا کرتا جبکہ اس کو حذف کر دیا جائے پس یہ دونوں حضرات قول باری تعالیٰ جاءُوکم حصرت صدورھم میں تاویل کرتے ہیں اور اس کے حال ہونے سے منکر ہیں پس سیبویہ تو یہ کہتے ہیں کہ اس جگہ حصرت حال نہیں بلکہ اس کا موصوف محذوف ہے وہ حال ہے یعنی قوماً پس تقدیر عبارت یہ ہوگی جاءُوکم قوماً حصرت صدورھم پس جملہ فعلیہ موصوف محذوف کی صفۃ ہو کر حال واقع ہوگا اور مبرد یہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ بددعا کے لئے ہے پس حال ہونے کی صورت میں ترجمہ آیت کا یہ ہوگا وہ لوگ تمہارے قتل کے لئے اس حال میں آئے کہ ان کے دل تنگ ہو گئے تھے اور بددعا ہونے کی صورت میں یہ ترجمہ ہے وہ لوگ تمہارے قتل کے لئے آئے (خدا کرے) اس قوم کے دل تنگ ہو جائیں واللہ اعلم ۱۲ **۱۵۲** قولہ وانما لم یشترط الخ اس کی پوری تفصیل قولہ ولا بد فی الماضی الخ کے ضمن میں گذر چکی واللہ اعلم ۱۲ **۱۵۳** قولہ ویجوز الخ یہاں الحال کے عامل ذوالحال کے جواز حذف کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ جبکہ کوئی قرینہ حالیہ یا مقالیہ ایسا موجود ہو جو حذف ذوالحال پر دلالت کر سکے تو ذوالحال کو حذف کرنا جائز ہے قرینہ حالیہ کی مثال جیسے کوئی شخص رخت سفر باندھے یا سفر شروع کر چکا ہو تو اس کو کہا جائے راشداً مھدیاً یعنی سِر راشداً مھدیاً پس اس میں بقرینہ حال مخاطب ذوالحال یعنی سر محذوف ہے پھر قول مصنف مھدیاً یا تو راشداً کی صفت ہے یا حال بعد حال ہے ای سر حال کونک راشداً وحال کونک مھدیاً ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ راشد خود بخود راستہ جاننے والے کو کہتے ہیں اور مھدیا جس کو راستہ بتایا جائے خود نہ جانے اور قرینہ مقالیہ یہ ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ کیف جئت تو تم جواباً کہو راکباً ای جئت راکباً پس راکباً میں بقرینہ سوال ذوالحال کو حذف کرنا جائز ہے اور اسی سے قول باری تعالیٰ ایحسب الانسان اَن لَّن نَّجمع عظامہ بلیٰ قادرین بھی ہے کہ اس میں قادرین حال واقع ہے اور اس کا ذوالحال نجمعھا بقرینہ سوال محذوف ہے ترجمہ یہ ہے کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ کسی وقت ہم (باقی بر صفحہ ۱۳۶)

(بقیہ صہ ۱۳۵) ان کی ہڈیوں کو جمع نہیں کیا جائیگا دیہ گمان ان کا صحیح نہیں) یقیناً ہم ان کی ہڈیوں کو جمع کردیں گے دراںحالیکہ ہم قادر ہیں کہ ان کی انگلیوں کو برابر کردیں واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ ویجب الخ اور بعض احوال مؤکدہ میں ذوالحال کا حذف کرنا واجب ہے اور حال مؤکدہ اس حال کو کہتے ہیں جو اپنے ذوالحال سے جب تک کہ وہ موجود ہو غالباً جدا نہ ہو سکے اور اگر اس سے جدا بھی ہو گا تو ندرت کے طور پر ہوگا مثلاً باپ سے بیٹے کے حق میں مہربانی ہمیشہ رہتی ہے اور بہت کم شاذونادر ہی باپ اپنے بیٹے کے حق میں نامہربان ہوتا ہے بخلاف حال منتقلہ کے کہ وہ اپنے ذوالحال سے ذوالحال کی موجودگی میں جدا ہو سکتا ہے مثلاً ضربت زیداً قائماً میں قائماً اپنے ذوالحال کے ہوتے ہوئے اس سے جدا ہو سکتا ہے یعنی یہ کہ حالت قیام نہ ہو بلکہ حالت قعود ہو اب رہی یہ بات کہ شارح نے فی بعض الاحوال کیوں کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حال مؤکدہ کے بعض احوال ایسے بھی ہیں جن میں حذف واجب نہیں پس حال مؤکدہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو مضمون جملہ فعلیہ کی تاکید کے لئے آئے اور دوسری وہ جو جملہ اسمیہ کی تاکید بیان کرے پس ثانی یعنی جملہ اسمیہ کی تاکید میں حذف ذوالحال واجب ہے اور مطلقاً سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ تعریف مطلقاً حال مؤکدہ کی ہے خواہ عامل کا حذف ہوا ہو یا نہ پھر شارح والمنتقلۃ الخ سے حال مؤکدہ اور منتقلہ میں فرق بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ حال منتقلہ عامل کے لئے بمنزلہ قید کے ہوتا ہے اس لئے کہ اس سے اس حدث کی تقیید مقصود ہوتی ہے جو کہ ذوالحال کی طرف اسناداً یا ایقاعاً منسوب ہو اور یہی حدث حال میں عامل ہوتا ہے پس حال اس کے

حال المخاطب وقولہ مهدیًا اما صفۃٌ لراشداً او حال بعد حال او مقالیۃ کقولک راکباً لمن یقول کیف جئت ای جئت راکباً بقرینۃ السؤال ومنہ قولہ تعالٰی اَیَحسَبُ الانسانُ اَن لَّن نَّجمعَ عظامَہٗ بلٰی قادرین ای بلی نجمعہا قادرین ویجب حذف العامل فی بعض الاحوال المؤکدۃ وہی ای الحال المؤکدۃ مطلقاً ہی التی لاتنتقل من صاحبہا مادام موجوداً غالباً بخلاف المنتقلۃ والمنتقلۃ قید للعامل بخلاف المؤکدۃ مثل زیدٌ ابوک عطوفاً فان العطوفیۃ لاتنتقل عن الاب فی غالب الامر ای اُحِقُّہٗ بفتح الہمزۃ او ضمہا من حققت الامر بمعنی تحققتہ وصرت منہ علی یقین او من

(حواشی بین السطور: ہی الشروع فی السفر ۱۲ — سواء کان واجب الحذف او لا ۱۲ — علی تقدیر فتح الہمزۃ ۱۲)

اکثر اوقات جدا نہیں ہوتی الا شاذونادر پس اس میں ذوالحال کو اس لئے حذف کرنا واجب ہوا کہ ابوۃ عطوفت ومہربانی کو مستلزم ہے لہٰذا عامل کو ذکر کر کے تصریح کی ضرورت نہیں پس اس میں اُحِقُّہٗ عامل ہے جس کو وجوباً حذف کردیا گیا اس کو بفتح الہمزہ بھی پڑھ سکتے ہیں اس بنا پر کہ یہ باب ضرب سے مضارع متکلم ہے فریفر کے وزن پر یعنی حَقَّ یَحِقُّ اور بضم الہمزۃ بھی پڑھنا درست ہے پس اس صورت میں یہ اگرچہ رہیگا تو مضارع واحد متکلم ہی مگر باب افعال سے ہوگا ای اَحَقَّ یُحِقُّ اور احقاق مصدر ہوگا پھر اگر بفتح الہمزہ پڑھتے ہیں تو یہ حققت الامر سے ماخوذ ہوگا جو کہ تحققتہٗ کے معنی میں ہے یعنی میں نے اس کی تحقیق کرلی اور میں اس سے یقین کے مرتبہ کو پہنچ گیا یعنی مجھ کو علم الیقین حاصل ہوگیا پس اس صورت میں عطوفاً ہیئۃ مفعول کے بیان کے لئے ہوگا اور اگر بضم الہمزہ پڑھتے ہیں تو احققتُ الامر سے ماخوذ ہوگا اور معنی بعینہٖ یہی ہوں گے یا اثبتہٗ کے معنی میں ہوگا یعنی میں نے تیرے لئے ابوۃ کی تحقیق کرلی اور مجھکو علم الیقین حاصل ہوگیا (باقی بر صہ ۱۳۷)

لئے قید ہوگا بخلاف حال مؤکدہ کے کہ وہ قید نہیں ہوتا اس لئے کہ اس سے ذوالحال کی ہیئۃ خلقیہ کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے جو پہلے سے اس میں موجود ہوتی ہے یہ نہیں کہ خارج سے اس میں کوئی قید اضافہ کردی جائے پس یہ تقیید کے لئے نہیں ہوگا تاکید کے لئے ہوگا واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ مثل زیدٌ الخ یہ حال مؤکدہ کی مثال ہے کہ جس میں عامل کا حذف وجوباً کیا گیا ہے اس لئے کہ عطوفت اور مہربانی باپ سے

(بقیہ صـ۱۳۶) یا میں نے تیرے لئے ابوۃ کا اثبات کر دیا اس حال میں کہ تیرا باپ مہربان ہے اب جاننا چاہیئے کہ اس جگہ شارح نے حققت الامر کو بمعنی تحققہٗ کہکر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ یہ مقام مبالغہ کا ہے پس ایسا صیغہ ذکر کرنا چاہیئے جس سے مبالغہ معلوم ہو جائے اور احقہٗ سے نفس ثبوت تو معلوم ہو رہا ہے مگر مبالغہ کا بالکل پتہ نہیں چلتا جواب یہ ہے کہ یہ تحققہٗ کے معنی میں ہے اور ظاہر ہے کہ تحققہٗ مبالغہ کیلئے ہے اس لئے کہ باب تفعل کی خاصیت مبالغہ بھی ہے پھر وصرت منہ الخ کو عطف تفسیری کہہ لیجئے یا سوال مقدر کا جواب سوال یہ ہے کہ زید کی ابوۃ کا اثبات مخاطب کے لئے ولادت کے اعتبار سے ہوگا نہ کہ متکلم کے کہنے سے لہذا زیدٌ ابوک کہنا کس طرح درست ہوگا جواب یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ ولادت کی وجہ سے ابوۃ کا اثبات ہوگا مگر یہاں اس سے علم بالابوۃ مراد ہے اثبات ابوۃ مقصود نہیں پھر ای تحققتُ کے بعد ابوۃ لک کہنے کا منشا یہ ہے کہ تحققتُ اور اثبتہٗ دونوں کا تعلق ابوۃ کے ساتھ من حیث ہو ابٌ ہے ذات اب کے اعتبار سے یہ تعلق مراد نہیں اس لئے کہ ذاتیۃ اب کے تیقن اور اثبات کے کوئی معنی ہی نہیں واللہ اعلم

سلہ قولہ وقال صاحب الخ اس عبارت سے مصنف پر اعتراض کرتے ہوئے عطوفاً کے لئے دوسرا عامل ذوالحال بیان کرنا مقصود ہے جو وجوباً حذف کر دیا گیا صاحب مفتاح العلوم یعنی سکاکی جو عمدۃ النحاۃ ہیں کہتے ہیں کہ میرے نزدیک تقدیرات میں زیادہ محقق یہ ہے کہ یحنی عامل محذوف نکالا جائے ای یحنی عطوفاً حنی یحنی باب ضرب سے آتا ہے اور اس کے معنی مائل ہونے کے آتے ہیں یعنی زید تیرا باپ ہے مائل ہوتا ہے وہ اس حال میں کہ مہربان ہے اور اس کو احق التقدیرات کہنے کا منشا یہ ہے کہ مصنف نے جو تقدیر مراد لی ہے اس پر مذکورہ بالا اعتراض وارد ہوتا ہے بخلاف اس کے کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں اقول اس پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے عطوفاً یحنی سے حال واقع نہ ہو بلکہ اس کا مفعول لہٗ ہو سکے اس لئے اس کا حذف واجب نہیں واللہ اعلم

احققت الامر بہذا المعنی بعینہ او بمعنی اثبتہ ای تحققت [عص] ابوتہ لک وصرت منہا علی یقین [علی تقدیر ضمہا ۱۲] او اثبتہا لک عطوفاً وقال [سلہ] صاحب المفتاح [۲ ای السکاکی ۱۲] احقُّ التقدیرات عندی ان یقدر یحنی عطوفاً و شرطہا ای شرط وجوب حذف عاملہا ان [عص] تکون مقررۃً ای مؤکدۃ لمضمون جملۃ [ای تؤکید مضمون جملۃ ۱۲] احترز بہ عما یؤکد بعض اجزائہا کالعامل فی [والمراد ہو محصل مضمون الجملۃ ۱۲ عب] قولہ تعالٰے انا ارسلناک للناس رسولاً فانہ لایجب حذفہ اسمیۃ احترز بہا عما اذا کانت فعلیۃً فانہ لایجب حذف عاملہا کما [ای الحال المؤکدۃ ۱۲]

پس اس صورت میں یہ ما نحن فیہ سے خارج ہو جائیگا اس لئے مصنف نے اس کو بیان نہیں کیا واللہ اعلم ٢ قولہ شرطہا الخ عامل ذوالحال کے وجوب حذف کے لئے شرط یہ ہے کہ حال مضمون جملہ اسمیہ کی تقریر و تاکید کرتا ہو یعنی حال جملہ اسمیہ کے مضمون کا اثبات کرنے والا ہو پس جب مصنف نے مضمون جملۃ کہا تو اس سے وہ حال خارج ہو گیا جو بعض اجزاء جملہ کی تاکید کرے جیسے قول باری تعالیٰ انا ارسلناک للناس رسولاً میں رسول صرف رسالۃ کی تاکید کر رہا ہے پورے جملہ کے مضمون کی تاکید نہیں کر رہا اس لئے کہ پورا جملہ مضمون جملہ ارسال اللہ تعالیٰ ہے اس لئے کہ کسی شخص کا رسول ہونا محض ارسال کا مقتضی ہوتا ہے ارسال اللہ تعالیٰ کا نہیں رسالۃ اجزاء جملہ میں سے بعض ہے لہذا اس میں حذف عامل واجب نہ ہوگا پھر جب اسمیۃ کی قید کا اضافہ کیا تو اس سے وہ حال خارج ہو گیا جو جملہ فعلیہ کی... کے مضمون کی تاکید کرتا ہو اس لئے کہ اس صورت میں حذف عامل واجب نہیں جیسا کہ صاحب کشاف نے کہا ہے کہ قول باری تعالیٰ شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ہو والملئکۃ واولوا العلم قائماً بالقسط میں قائماً شہد کے فاعل اللہ سے حال مؤکدہ ہے اور ظاہر ہے کہ شہد اللہ جملہ فعلیہ ہے جس کے مضمون کی تاکید قائماً کر رہا ہے اور اس میں عدم وجوب حذف عامل کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ اگر عامل کو حذف کر دیا جائے تو اس کا کوئی قائم مقام نہیں پایا جائیگا جو حذف پر دلالت کرے

قال صاحب الکشاف فی قولہ تعالیٰ قائماً بالقسط انہ حال مؤکدۃ من فاعل شہد (العدل ۱۲) ولابد[1] ہہنا من قید آخر وہو ان یکون عقد تلک الاسمیۃ من اسمین لا یصلحان للعمل فیہا والا لکان عاملہا مذکوراً فکیف یکون حذفہ واجباً نحو اللہ شاہد قائماً بالقسط التمییز[2] ما ای الاسم الذی یرفع الابہام واحترز بہ عن البدل فان المبدل منہ فی حکم التنحیۃ فہو لیس یرفع الابہام عن شیٔ بل ہو ترک مبہم وایراد معین المستقر[3] ای الثابت الراسخ

اور نکرہ معرفہ کی صفت واقع نہیں ہوا کرتا لہٰذا اس کی صفت محذوف ہے یعنی الذی۔ اب فوائد قیود ملاحظہ فرمایئے تعریف مذکور میں قول مصنف ما جنس ہے اور تمام اسماء کو شامل ہے اور یرفع الابہام الخ فصل ہے پس جب مصنف نے یرفع الابہام کہا تو اس سے بدل خارج ہو گیا اس لئے کہ مبدل منہ ترک کے حکم میں ہوتا ہے یعنی جب بدل کو ذکر کر دیا گیا تو مبدل منہ کا اب کوئی ذکر ہی نہیں رہا معنےً اسلئے کہ مثلاً جب ہم نے کہا جاءنی زیدٌ عمروٌ تو اس سے بدل یعنی عمرو مقصود ہے زید معنیً کالمعدوم ہو گیا اگرچہ لفظوں میں موجود ہے پس بدل کسی شے سے ابہام کو دور نہیں کرتا بلکہ وہ ترک مبہم اور ایراد معین پر دلالت کرتا ہے یعنی مبدل منہ کو ترک کر دینا اور بدل کو مراد لینا واللہ اعلم ۔ ۳ قولہ ای الثابت الخ اس سے شارح کا مقصود ہر چند سوالات مقدر کا جواب دینا ہے یا یوں کہہ لیجیئے کہ المستقر کی قید کا فائدہ بیان کرنا ہے پس سوالات یہ ہیں کہ یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ اس میں جاریۃً اور الرجل عمرو داخل ہو جاتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل مثالوں میں واقع ہیں جیسے رأیت عیناً جاریۃً ہذا الرجل قائمٌ اور ابو حفص عمرو۔ اس لئے کہ جاریۃً عیناً کی صفت ہے اور اس سے ابہام کو دور کر رہی ہے اور رجل ہذا کی صفت کہ ہذا سے رفع ابہام کر رہی ہے اور عمرو ابو حفص کی عطف بیان ہے کہ ابو حفص سے رفع ابہام ہے مگر اس کے باوجود (باقی بر ص ۱۴۹)

۱ قولہ ولابد ہہنا الخ اس سے شارح کا مقصود مصنف پر اعتراض کرنا ہے اعتراض یہ ہے کہ مصنف کو اس جگہ ایک قید کا اور اضافہ کرنا چاہیئے تھا یعنی یہ کہ جملہ اسمیہ ایسے دو اسموں سے مرکب نہ ہو کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی حال میں عمل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو ورنہ اگر کوئی نہ کوئی اسم بھی ایسا ہو جس میں عمل کرنے کی صلاحیت ہو گی تو وہ مذکور ہو کر عمل کریگا یعنی عامل مذکور ہو گا اور اس کا حذف واجب نہ ہو گا جیسے اللہ شاہدٌ قائماً بالقسط میں شاہدٌ جملہ اسمیہ کا دوسرا اسم ایسا ہے کہ اس میں عمل کرنے کی صلاحیت موجود ہے اس لئے کہ یہ شبہ فعل ہے پس یہ قائماً میں عامل ہو گا اور عامل محذوف نہیں مانا جائیگا یعنی اُحقہ اس لئے کہ اس صورت میں اشتراک لازم آتا ہے کہ ایک عامل موجود بھی ہے اور پھر محذوف نکالا جا رہا ہے بہرحال جب شرط مذکور متحقق ہو جائیگی تو حال مؤکدہ کے عامل کا حذف کرنا واجب ہو گا اور یہ اس لئے کہ جملۂ سابقہ عامل محذوف پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ مثلاً زیدٌ ابوک عطوفاً میں متکلم کا مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ مجھے اس بات کا علم ہے کہ زید مخاطب کا باپ ہے اور اس پر مہربانی کرنے والا ہے مخاطب کو صرف ابوۃ زید کی خبر دینا مقصود نہیں یعنی زید کے متعلق ذاتیۃ اب کا یقین و اثبات مقصود متکلم نہیں بلکہ من حیث ہو ابٌ اس کی مہربانی کو بیان کرنا ہے پس معلوم ہوا کہ یہ جملۂ سابقہ اُحقہٗ پر دلالت کرتا ہے لہٰذا اس کو وجوباً حذف کر دیا گیا کیونکہ اس پر دلالت کرنے والا موجود ہے واللہ اعلم ۱۲ ۲ قولہ التمییز الخ یہ منصوبات کی چھٹی قسم ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ تمیز اس اسم کو کہتے ہیں جو ذات مذکورہ یا مقدرہ سے اس ابہام کو دور کر دے جو اس کے معنی موضوع لہا میں راسخ ہو چکا ہے اس جگہ شارح نے ای الاسم الذی سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ جب اسم ہے پس اس سے اسم ہی مراد ہو سکتا ہے لہٰذا جو فعل ابہام کو دور کر دے گا وہ تمیز نہیں کہلا سکتا پھر الذی سے یہ ظاہر کر دیا کہ الاسم معرفہ ہے اور یرفع جملہ ہو کر نکرہ کی قوت میں ہے ۴

(بقیہ صد ۱۴۲) ان کو کوئی بھی تمیز نہیں کہتا جواب یہ ہے کہ المستقر کے یہ معنی ہیں کہ وہ ابہام معنی موضوع لہ میں اس حیثیت سے کہ وہ موضوع لہ ہے راسخ اور برقرار ہو گیا ہو اور یہ معنی اس لئے ہیں کہ مستقر اگرچہ لغت کے اعتبار سے مطلق ثابت کے معنی میں ہے خواہ قید موضوع لہ کی حیثیت ملحوظ و معتبر ہو یا نہ ہو لیکن وہ مطلق ہے اور مطلق فرد کامل کی طرف منصرف ہوتا ہے یعنی مطلق سے فرد کامل مراد ہوتا ہے اور فرد کامل ابہام وضعی ہے پس وہی مراد ہوگا لہٰذا اس سے جاریۃً وغیرہ خارج ہو گئے واللہ اعلم ۔ ۵ قولہ واحترز بہ الخ اس سے جاریۃ تو اس لئے خارج ہو گیا کہ یہ عیناً سے رفع ابہام کرتا ہے لیکن یہ وضع کے اعتبار سے غیر مستقر ہے اس لئے کہ اس کے استعمال میں تعدد موضوع لہ کے اعتبار سے ابہام پیدا ہوا ہے یعنی اس کے متعدد معنے موضوع لہ ہیں مثلاً چشمہ آنکھ سونا (زر) وغیرہ وغیرہ پس ان میں سے ایک معنی متعین کرنے کے لئے جاریۃ کو لایا گیا واللہ اعلم ۔ ۲ قولہ وکذا یقع الخ اسی طرح اس سے اوصاف مبہمات بھی خارج ہو جائیں گے جیسے ہذا الرجل قائم میں اس لئے کہ ہذا مثلاً یا تو مفہوم کلی کے لئے وضع کیا گیا ہے بشرط استعمالہ فی الجزئیات یا مفہوم کلی کے تحت جتنی جزئیات ہیں ان میں سے ہر ہر جزئی کے لئے وضع کیا گیا ہے پس اگر اول یعنی مفہوم کلی مراد لیتے ہیں تو اس وقت ظاہر ہے کہ مفہوم کلی میں من حیث انہ مفہوم کلی کوئی ابہام نہیں اس لئے کہ اس کا مفہوم کلی واحد ہے یعنی مشار الیہ اور اگر ثانی مراد لیتے ہیں تو ہر ہر جزئی کے اعتبار سے بھی

فی المعنی الموضوع لہ من حیث انہ موضوع لہ فان المستقر وان کان بحسب اللغۃ ہو الثابت مطلقاً لکن المطلق منصرف الی الکامل وہو الوضعی واحترز بہ عن نحو رأیت عیناً جاریۃً فان قولہ جاریۃً یرفع الابہام عن قولہ عیناً لکنہ غیر مستقر بحسب الوضع بل نشأ فی الاستعمال باعتبار تعدد الموضوع لہ وکذا یقع بہ الاحتراز عن اوصاف المبہمات نحو ہذا الرجل فان ہذا مثلاً اما موضوع لمفہوم کلی بشرط استعمالہ فی جزئیاتہ او لکل جزئی جزئی منہ ولا ابہام فی ہذا المفہوم الکلی ولا فی واحد واحد من جزئیاتہ بل الابہام انما نشأ من تعدد الموضوع لہ او المستعمل فیہ فتوصیفہ

(مذہب العلامۃ التفتازانی ۱۲ — کما ذہب الیہ المتقدمون ۱۲ — مذہب الجمہور ۱۲ — کما ذہب الیہ المحققون من المتأخرین ۱۲ — عند المتأخرین ۱۲ — عند المتقدمین ۱۲)

۳ پیدا ہوا ہے اس لئے کہ جب ہم نے ہذا کا استعمال کیا تو اس میں ابہام پیدا ہو گیا کہ ہذا سے کیا مراد ہے پس جب الرجل کہہ دیا گیا تو اس کا ابہام دور ہو گیا لہٰذا یہ تمیز سے خارج ہے (فائدہ) لفظ ہذا میں اختلاف ہے کہ یہ مفہوم کلی کے لئے وضع کیا گیا ہے یا مفہوم کلی کی ہر ہر جزئی کیلئے۔ پس جن لوگوں نے اس بات کا خیال کیا کہ ہر چیز میں اصل یہ ہے کہ اس کا موضوع لہ منضبط اور منحصر ہو تو انہوں نے کہہ دیا کہ اس کی وضع مفہوم کلی کے لئے ہے لیکن چونکہ مفہوم کلی میں اس کا استعمال علی یا نہیں جاتا لہٰذا انھوں نے بشرط استعمالہ فی الجزئیات کا اور اضافہ کر دیا یعنی اس کی وضع ہے تو مفہوم کلی ہی کے لئے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کا استعمال جزئیات میں ہو اور جنھوں نے یہ دیکھا کہ اس کا استعمال جزئیات کے علاوہ اور کسی طرح ہوتا ہی نہیں تو انھوں نے یہ کہہ دیا کہ اس کی وضع مفہوم کلی کی ہر ہر جزئی کے لئے ہے اس لئے کہ مقصود افراد ہے نہ کہ غیر پھر رہی یہ بات کہ اس کا مفہوم کلی کیا اور مفہوم کلی کی جزئیات کیا ہیں؟ تو ظاہر ہے کہ اس کا (باقی بر صد ۱۴۴)

اس میں کوئی ابہام نہیں پایا جاتا اس لئے کہ جس کی طرف ہذا سے اشارہ کیا گیا ہے وہ غیر مبہم ہے پس یہ ابہام تعدد موضوع لہ یا مستعمل فیہ کے اعتبار سے پیدا ہوا ہے پس ہذا کی صفت الرجل ہذا کے اسی ابہام کو دور کرے گی نہ کہ اس ابہام کو جو موضوع لہ من حیث ہو موضوع لہ میں واقع ہے حاصل یہ ہوا کہ یہ ابہام وضعی نہیں بلکہ مستعمل فیہ یا تعدد موضوع لہ کے اعتبار سے ص

(بقیہ صد ۱۳۹) مفہوم کلی مشار الیہ ہوگا یعنی جس میں اس کی طرف ہذا سے اشارہ کرنے کی صلاحیت موجود ہو (نوٹ) اس کی مفصل بحث دیباچہ میں فہذہ فوائد وافیہ کے ذیل میں گذر چکی وہاں دیکھ لینا چاہیئے واللہ اعلم ۱۲ قولہ وکذا یقع الخ علی ہذا القیاس اس سے عطف بیان بھی خارج ہو جائیگا جیساکہ ابو حفص عمر میں عمر ابو حفص کا عطف بیان ہے پس یہ اس لئے خارج ہو جائیگا کہ ابو حفص اور عمر شخص معین ہی کے نام ہیں اور شخص معین میں کوئی ابہام نہیں لیکن چونکہ ابو حفص کی بہ نسبت عمر زیادہ مشہور ہے اس لئے اس کے ذکر سے وہ خفاء دور ہو جائیگا جو کہ ابو حفص کی عدم شہرت کے باعث ابو حفص میں پیدا ہوگیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ابہام وضعی نہیں پس عمر عطف بیان ہے نہ کہ تمیز اس لئے کہ تمیز کے لئے ممیز میں ابہام وضعی ہونا چاہیئے اور یہ ابہام وضعی نہیں لہذا یہ تعریف تمیز سے خارج ہے واللہ اعلم ۱۲ ۲ قولہ ولا من وصف الخ یعنی قول مصنف عن ذات بھی قید احترازی ہے جس سے ایسے ابہام کو خارج کرنا مقصود ہے جو وصف مستقر میں ہوتا ہے پس اس قید سے نعت اور حال خارج ہو جائیں گے اس لئے کہ یہ دونوں ایسے ابہام مستقر کو دور کرتے ہیں جو کہ وصف میں ہوتا ہے ابہام ذات کو دور نہیں کرتے اس لئے کہ مثلاً جب جاءنی رجل کہا گیا تو رجل میں یہ احتمال ہے کہ ممکن ہے اس کی صفت عالم لائی جائے یا جاہل پس اس کے وصف میں ابہام پیدا ہوگیا پس جب جاءنی رجل عالم کہا گیا تو موصوف میں جو ابہام پیدا ہوگیا تھا وہ زائل ہوگیا علی ہذا القیاس حال بھی ذوالحال کے لئے بمنزلہ صفت کے ہے لہذا یہ دونوں تمیز سے خارج ہیں واللہ اعلم ۱۲

بالرجل یرفع ہذا الابہام لا الابہام الواقع فے الموضوع لہ من حیث انہ موضوع لہ وکذا یقع بہ (اے الابہام الناشے ۱۲) الاحتراز عن عطف البیان فی مثل قولک ابو حفص عمر فان کل واحد من ابی حفص وعمر موضوع لشخص معین لا ابہام فیہ لکن لما کان عمر اشہر زال بذکرہ الخفاء الواقع فے ابی حفص لعدم الاشتہار لا الابہام الوضعی عن ذات لا عن وصف واحترز بہ عن النعت والحال فانہما یرفعان الابہام المستقر الواقع فے الوصف لا فے الذات وتحقیق ذلک ان الواضع لما وضع الرطل مثلاً لنصف من فلا شک ان الموضوع لہ معنی معین متمیز عما ہو اقل من النصف کالربع وعما ہو اکثر منہ کمن ومنین ولا ابہام فیہ الا من حیث ذاتہ ای جنسہ فانہ لا یعلم منہ بحسب الوضع انہ من جنس العسل او الخل او غیرہما والا

نصف سیر سے زائد سے بھی متمیز ہیں مثلاً سیر دو سیر سے پس رطل کے معنی میں کوئی ابہام نہیں مگر یہ کہ اس کی ذات یعنی اس کی جنس کہ جس کو اس کے ساتھ تولا جاتا ہے) کے اعتبار سے ابہام ہے پس مطلقاً رطل کہنے سے یہ معلوم نہیں ہوگا کہ یہ رطل شہد کی جنس سے ہے یا سرکہ کی یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور جنس سے پس یہ ابہام ذاتی ہوا کہ اس کی ذات کی جنس کیا ہے نیز اس میں وصفیت کی حیثیت سے بھی ابہام ہے کہ اس کی وصفیت کیا ہے پس یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ رطل بغدادی ہے یا مکی پس جب اس میں ابہام وضعی کا ارادہ کیا جائیگا جو کہ باعتبار وضع کے اس میں رہا تھی (بقیہ ۱۴۱)

۳ قولہ وتحقیق ذلک الخ یہاں سے شارح اس بات کی تحقیق بیان کر رہے ہیں کہ تمیز ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے اور نعت وحال ابہام عن الوصف کو دفع کرتے ہیں کہتے ہیں کہ واضع نے جبکہ رطل کو مثلاً نصف سیر کے لئے وضع کیا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ موضوع لہ معنے معین ہیں اور نصف سیر سے کم سے متمیز مثلاً ربع سیر سے متمیز ہیں اس لئے کہ نصف سیر کی تخصیص ہے اور یہ معنے موضوع لہ

(بقیہ صفحہ ۱۴۰) ثابت ہے تو اس کے بعد یا تو صفت کو ذکر کیا جائیگا یا حال کو پس صفت میں تو عندی رطلٌ بغدادیٌ یا مکیٌّ کہا جائیگا
اور حال میں عندی رطلاً بغدادیاً یا مکیاً اور جب ابہام ذاتی کا رفع کرنا مقصود ہوگا تو عندی رطلٌ زیتاً کہیں گے پس زیتاً اس ابہام
کو دور کر دیگا جو کہ ذات رطل میں مستقر ہے نعت اور حال اس ابہام کو دور نہیں کریں گے اس لئے کہ یہ دونوں وصف سے رفع ابہام
کرتے ہیں واللہ اعلم ۱۲

من حیثُ وصفہ فانہ لا یعلم منہ بحسب الوضع انہ بغدادیٌّ او مکیٌّ
فاذا ارید رفع الابہام الوصفیّ الثابت فیہ بحسب الوضع اُتبع (اصل ۱۲)
بصفۃٍ او حالٍ فیقال رطلٌ بغدادیٌّ واذا ارید رفع الابہام (اصل ۱۲)
(ہذا یقال فی الصفۃ وفی الحال عندی رطلاً بغدادیاً ۱۲ عب)
الذاتی قیل زیتاً فزیتاً یرفع الابہام المستقر عن الذات لا النعت
(او عسلاً او خلاً او غیرہما ۱۲ رحمن)
والحال فانہما یرفعان الابہام عن الوصف مذکورۃٍ او مقدرۃٍ
صفتان للذات اشارۃ الی تقسیم التمییز فالمذکورۃ نحو رطلٌ زیتاً
والمقدرۃ نحو طاب زیدٌ نفساً فانہ فی قوۃ قولنا طاب شیٌٔ منسوبٌ
الی زیدٍ ونفساً یرفع الابہام عن ذلک الشیٔ المقدر فیہ فالاول
ای القسم الاول من التمییز وہو ما یرفع الابہام عن ذاتٍ مذکورۃٍ
یرفعہ عن مفردٍ یعنی بہ ما یقابل الجملۃ وشبہہا والمضاف مقدارٍ صفۃ
(جعل کلمۃ عن صلۃ للرفع ۱۲ رحمن)
لمفرد وہو ما یقدر بہ الشیٔ ای یعرف بہ قدرہ ویبین غالباً ای
(ای یبین قدرہ ۱۲)
فی غالب المواد واکثرہا ای رفع الابہام مطلقاً یتحقق فی

لے قولہ مذکورۃ الخ مذکورۃ او مقدرۃ دونوں عن ذات میں ذات کی صفت ہیں اور اس سے مصنف کا مقصود تمیز کی تقسیم کرنا ہے یعنی تمیز کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ ذات مذکورہ سے ابہام مستقر کو دور کرے جیسے رطلٌ زیتاً اور دوسری یہ کہ ذات مقدرہ سے ابہام مستقر کو دور کرے جیسے طاب زیدٌ نفساً کہ یہ قول طاب شیٌ منسوبٌ الی زیدٍ کی قوت میں ہے اور وہ شئے غیر معلوم ہے پس نفساً نے اس شے سے رفع ابہام کر دیا جو طاب زیدٌ میں مقدر ہے واللہ اعلم

لے قولہ فالاول الخ اس کی تفسیر ای القسم الاول کے ساتھ کرنے سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ الاول موصوف محذوف کی صفت ہے یعنی تمیز کی قسم اول جو کہ ذات مذکورہ سے ابہام کو دور کرتی ہے وہ اکثر مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے اس جگہ یرفعہ کے ذکر سے شارح نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ عن مفردٍ الخ کا متعلق یرفعہ ہے اور پھر یہ جملہ فعلیہ ہو کر الاول مبتدا کی خبر ہے پھر یعنی بہ الخ سے یہ بتایا ہے کہ مفرد سے مراد جملہ اور شبہ جملہ اور مضاف کا مقابل ہے یعنی جملہ۔ شبہ جملہ اور وہ مضاف نہ ہو کہ جس میں نسبت اضافی ملحوظ ہو جیسے غلام زیدٍ میں اس لئے کہ یہ جملہ کی قسم ثانی میں داخل ہوگا یعنی شبہ جملہ ہوگا تثنیہ یا جمع یا وہ مضاف ہو کہ جو مضاف الیہ کے ساتھ اس شرط کے ساتھ تمام ہو کہ مضاف میں ابہام پایا جائے لہذا اب یہ اعتراض واقع نہیں ہو سکتا کہ عشرون درہماً میں درہماً جمع سے ابہام کو دور کر رہا ہے اور مقدار اس چیز کو کہتے ہیں جس سے اشیاء کا اندازہ کیا جائے جیسے عدد۔ کیل۔ وزن۔ گز وغیرہ

اور غالباً کے بعد فی غالب المواد الخ کہنا اس امر کی طرف مشیر ہے کہ قولہ غالباً ظرفیۃ کی بناء پر منصوب ہے واللہ اعلم ۵ قولہ ای رفع الابہام الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ قولہ عن مفردٍ خبر ہے اور مبتدا و خبر میں اصل یہ ہے کہ خبر کا مفہوم مبتدا کے مفہوم سے مغایر ہونا چاہیئے اور یہاں ایسا نہیں اس لئے کہ الاول سے بھی (باقی صفحہ ۱۴۲)

(بقیہ صـ ۱۴۱) رفع ابہام عن مفردٍ مقدارٍ مراد ہے اور عن مفردٍ مقدارٍ سے بھی پس دونوں میں مغایرت نہیں ہوئی جواب یہ ہے کہ الاول سے
مراد رفع ابہام مطلقاً ہے خواہ وہ مفرد مقدار سے ہو یا نہ ہو اور عن مفردٍ مقدارٍ غالباً سے رفع ابہام خصوصی ہے یعنی مفرد مقدار سے رفع
ابہام ہو پس دونوں میں تعمیم و تخصیص کے اعتبار سے مغایرت ہو گئی اسی کو شارح ای رفع الابہام مطلقاً سے بیان کرتے ہیں کہتے ہیں

ضمن ہذا الرفع الخاص فی اکثر المواد وذلک لان الابہام فیہ

وہو الرفع عن المفرد المقدار ١٢ — اے ماظنا حق ١٢

اکثر والمقدار امّا متحقق فی ضمن عددٍ نحو عشرون درہماً وسیاتی

ای فی المفرد المقدار ١٢

ذکر تمییز العدد وبیانہ فی باب اسماء العدد وامّا فی ضمن

غیرہ ای غیر العدد کالوزن نحو رطلٌ زیتاً فان الرطل نصف

منٍّ ونحو منوان سمناً وکالکیل نحو قفیزان بُرّاً وکالذراع نحو

عندی ١٢ واحدہ منو ومنا لک ١٢ — عندی ١٢

ذراعٌ ثوباً وکالمقیاس نحو علی التمرۃ مثلہا زبداً والمراد بالمقادیر

خانہ یحتمل الوزن وغیرہ ١٢ رحمن

فی ہذہ الصور ہو المقدرات لان قولک عندی عشرون درہماً

لا المقادیر ١٢ رضی

ورطلٌ زیتاً وقفیزان بُرّاً وذراعٌ ثوباً وعلی التمرۃ مثلہا زبداً المراد بہا

(دو بوری گیہوں) اور ذراعٌ (گز) کی مثال جیسے ذراعٌ ثوباً اور مقیاس کی مثال جیسے علی التمرۃ مثلہا
زبداً ہیں کہ ان تمام امثلہ میں مفرد مقدار غیر عدد سے معلوم ہو رہی ہے واللہ اعلم ١٢ ــه قولہ والمراد
الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ مثلاً عشرون اور منوان
عدد معین کے لئے وضع کئے گئے ہیں بیس سے کم یا زائد پر عشرون کا اطلاق نہیں ہو سکتا تھا اور
دو سیر سے کم یا زائد کو منوان نہیں کہہ سکتے پس ان میں ابہام وضعی نہیں پایا گیا لہذا یہ تمییز
میں کیونکر داخل ہو سکتے ہیں جواب یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں مقادیر سے مراد مقدرات
ہیں یعنی جو مقادیر کا مصداق بن سکیں پس عندی عشرون درہماً میں عشرون عدد سے معدود
مراد ہے جو کہ عدد کا مصداق ہے اور رطلٌ زیتاً۔ قفیزان برًّا۔ ذراعٌ ثوباً اور علی التمرۃ مثلہا
زبداً میں علی طریق اللف والنشر مرتب موزون۔ مکیل۔ مذروع اور مقیس نہ کہ غیر پس ان سے
مراد مذکورہ مقدرات ہونگی تولامحالہ ان میں ابہام پایا جائیگا اس لئے کہ مثلاً معدود سے یہ
پتہ نہیں چلیگا کہ وہ کس جنس سے ہے اس لئے کہ وہ تمام معدودات کو شامل ہوگا پس جب
درہماً کہا گیا تو معلوم ہو گیا کہ معدود از قسم دراہم ہے واللہ اعلم

کہ ذات مذکورہ سے رفع ابہام مطلقاً
مراد ہے جو کہ اس رفع خاص غالباً
یعنی فی اکثر المواد کے ضمن میں متحقق ہے
اور یہ غالباً اس لیئے ہے کہ مفرد مقدار
میں ابہام اکثر ہوتا ہے بہ نسبت غیر
مفرد مقدار کے اس لیئے کہ مقدار اکثر
تنوین۔ نون تثنیہ۔ نون جمع اور اضافت
کے ساتھ استعمال کی جاتی ہے اور
ظاہر ہے کہ جس چیز کا استعمال ان میں
سے کسی ایک کے ساتھ ہو اس میں
اکثر ابہام ہوتا ہے اس لیئے کہ تنوین
تنکیر کے لیئے آتی ہے نون تثنیہ و
جمع تنوین کے عوض میں آتے ہیں
پس جو حکم مفعول منہ کا ہوگا وہی
مبدل کا بھی ہوگا اور غیر مضاف بھی
اس جگہ تنکیر کے لئے ہوتا ہے اور
تنکیر میں تعیین و تخصیص نہیں ہوتی
پس معلوم ہوگیا کہ اس میں اکثر ابہام
ہی ہوتا ہے واللہ اعلم ١٢ ــه قولہ
والمقدار الخ اب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ
مقدار کے متحقق ہونے کی کیا صورت
ہوگی کہتے ہیں کہ مقدار یا تو عدد کے
ضمن میں متحقق ہوگی جیسے عشرون
درہماً اس لیئے کہ عشرون عدد مبہم
ہے کیونکہ اس کا مصداق معلوم
نہیں کہ کونسی شے ہے آیا درہم
ہے یا دینار یا کچھ اور پس جب درہماً
کہا تو تمام احتمالات سے امتیاز
حاصل ہوگیا یعنی وہ مقدار درہم کی
ہے اور اس کا ذکر عنقریب اسماء عدد
کے باب میں آئیگا انشاء اللہ اور یا
وہ مفرد مقدار غیر عدد کے ضمن میں متحقق ہوگی مثلاً وزن میں جیسے رطلٌ زیتاً کہ اس میں مفرد مقدار رطل کے ضمن میں متحقق ہے اس لیئے کہ رطل
نصف سیر کو کہتے ہیں پس یہ نصف سیر کی مقدار غیر عدد سے معلوم ہوئی ایک رطل کا وزن ایک سو تیس درہم کے برابر ہوتا ہے اور من سیر
کو کہتے ہیں جو دو سو ساٹھ درہم کی برابر ہوتا ہے وزن کی دوسری مثال جیسے منوان سمناً (دو سیر گھی) اور کیل کی مثال جیسے قفیزان برًّا

المعدود والموزون والمكيل والمذروع والمقيس لا غير وانما[1] اقتصر المص على الامثلة الثلثة لانه كان مطمح نظره التنبيه على بيان ما يتم به المفرد وهو التنوين كما في رطل زيتا او النون كما في منوان سمنا او الاضافة كما في على التمرة مثلها زبدا ولهذا لم يستوف اقسام المقادير وكرر بعضها ومعنى[2] تمام الاسم ان يكون على حالة لا يمكن اضافته معها والاسم مستحيل الاضافة مع التنوين ونوني التثنية والجمع ومع الاضافة لان المضاف لا يضاف ثانيا فاذا[3] تم الاسم بهذه الاشياء شابه الفعل اذا تم بالفاعل وصار به كلاما تاما فيشابه التمييز الآتي بعده المفعول لوقوعه بعد تمام الاسم كما ان المفعول حقه ان يقع بعد تمام الكلام فينصبه ذلك الاسم التام قبله لمشابهته الفعل التام بفاعله وهذه الاشياء انما قامت مقام

کے ساتھ تمام ہوگا تو اس کی مشابہت فعل کے ساتھ ہو جائیگی پس جس طرح فعل اپنے فاعل کے ساتھ تمام ہوتا ہے اسی طرح یہ اسم بھی اشیاء مذکورہ میں سے کسی ایک کے ذریعہ تمام ہوتا ہے پس اسم تام کے بعد جو تمیز آئیگی وہ مفعول کے بعد مشابہ ہوگی کیونکہ یہ تمام اسم کے بعد واقع ہوتی ہے جیسا کہ مفعول کا حق یہ ہے کہ وہ کلام کے تمام ہونے کے بعد آیا کرتا ہے پس جس طرح فعل و فاعل کے بعد اسم منصوب ہوتا ہے اسی طرح تمیز بھی منصوب ہوگی اور وہ اسم تام جو تمیز سے پہلے ہے اس کو نصب دیگا کیونکہ اسم تام فعل کے مشابہ ہے جو کہ فاعل کے (باقی بر صفحہ ۱۴۸)

[1] قولہ وانما اقتصر الخ اس سے بھی رفع دخل مقدر مقصود ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ توضیح ممثل کے لئے ایک مثال کافی ہے متعدد امثلہ کے ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ مصنف نے تین مثالوں کے بیان پر اس وجہ سے اقتصار کیا کہ اس کا مطمح نظر یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ مفرد تمام ہوتا ہے اس کے بیان پر تنبیہ کردیں یعنی جس کا عامل اسم تام ہوتا ہے پس مصنف نے مناسب سمجھا کہ مثالوں کے ذریعہ اسم تام کی تمام امثلہ ذکر کردیں چنانچہ اسم یا تنوین سے تام ہوتا ہے جیسے رطل زیتا میں یا نون سے خواہ وہ تثنیہ کا ہو جیسے منوان سمنا میں یا جمع کا جیسے عشرون درہما میں اور یا اضافہ سے تام ہوتا ہے جیسے علی التمرة مثلها زبدا کہ اس میں مثل مضاف مبہم ہے اور اس کے ابہام کو زبدا دور کر رہا ہے پس چونکہ مصنف کو اتمام اسم پر تنبیہ کرنا مقصود ہے اس لئے شارح نے صرف وہی امثلہ بیان کردیں کہ جن سے اتمام اسم کی علامت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے یعنی تنوین۔ نون اور اضافہ کی طرف اور مصنف کا مقصود یہ نہیں ہے کہ تمام مقدرات کی مثالیں علیحدہ علیحدہ ذکر کرے اس لئے تمام مقادیر کی امثلہ کا احاطہ نہیں کیا بلکہ صرف تین مثالیں بیان کردیں اور ان کو بھی مقادیر کے لحاظ سے بیان نہیں کیا بلکہ ایک ہی مقدار کے لئے دو امثلہ ذکر کردیں پس اس سے غرض یہی ہے کہ تمام اسم پر تنبیہ ہو جائے پس جو امثلہ مذکور ہیں ان سے اسی امر کی طرف اشارہ ہے مثلاً رطل تنوین کی مثال ہے اور منوان نون کی حالانکہ دونوں مثالیں وزن سے تعلق رکھتی ہیں واللہ اعلم

[2] قولہ ومعنی تمام الخ اور اسم کے تام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسم ایسی حالت پر ہو کہ اس کے ہوتے ہوئے اس کی اضافت کسی دوسرے اسم کی طرف ممکن نہ ہو اور ظاہر ہے کہ جب اسم پر تنوین یا نون تثنیہ و جمع ہو یا اس میں اضافت ہو تو اسم کی اضافت دوسرے اسم کی طرف ممکن نہیں ہوتی اس لئے کہ اگر اضافت ہوگی تو اسم پر تنوین نہیں آسکتی علی ہذا القیاس نون بھی بوقت اضافت حذف کرنا ضروری ہوتا ہے ایسے ہی جب ایک اسم پہلے سے مضاف ہوگا تو اب اس کی اضافت دوبارہ نہیں ہوسکتی پس جب اسم تنوین وغیرہ

(بقیہ صفحہ ۱۴۳) ساتھ تام ہوتا ہے اب رہی یہ بات کہ یہ اشیاء فاعل کے قائم مقام کیسے ہیں؟ تو اس کا جواب وہذہ الاشیاء الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ یہ اشیاء فاعل کے قائم مقام اس لئے ہیں کہ یہ اسم کے آخر میں ہوتی ہیں جیسا کہ فاعل فعل کے بعد آتا ہے پس اس مشابہت کے باعث اشیاء مذکورہ بمنزلہ فاعل کے ہونگی واللہ اعلم لہ قولہ الاترى الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے

الفاعل لكونها في آخر الاسم كما كان الفاعل عقيب الفعل الاترى[١٥]

ان لام التعريف الداخلة على اول الاسم وان كان يتم بها

الاسم فلا يضاف معها لا ينتصب التمييز عنه فلا يقال عندي الراقود

خلاً فيفرد اي التمييز وان كان الاسم التام مثنى او مجموعا ان كان

اي التمييز جنسًا وهو ما يتشابه اجزاؤه ويقع مجردًا عن

التاء على القليل والكثير فلا حاجة الى تثنية وجمعه

كالماء والتمر والزيت والضرب بخلاف رجلٍ وفرس

بفتحتین شہد سفید ۱۲م

جائے لہٰذا تمیز اس کی وجہ سے منصوب نہیں ہوگی اور عندی الراقود خلاً نہیں کہا جائیگا راقود مصر کا مشہور پیمانہ ہے اس میں چوبیس صاع آتے ہیں نیز راقود بڑے مٹکے کو بھی کہتے ہیں واللہ اعلم ۱۲ سے قولہ فیفرد الخ پس جب تمیز جنس ہو تو اس کو مفرد لاتے ہیں اگرچہ اسم تام تثنیہ یا جمع ہو جنس سے مراد یہ ہے کہ اس کے اجزاء متشابہ ہوں یعنی کل کے ساتھ اس کے اجزاء اطلاق اسم میں شریک ہوں یعنی جیسے اسم کا اطلاق کل کے اوپر کیا جائے ایسے ہی ہر جز پر بھی اس کا اطلاق کیا جا سکے جیسے مثلاً الماء (پانی) کہ سمندر پر بھی اس کو بولا جاتا ہے اور سمندر کے قطرے پر بھی اور نیز یہ کہ اس کا اطلاق بغیر تاء کے قلیل و کثیر پر ہوتا ہو پس جب اس کا اطلاق کل اور جز دونوں پر ہو سکے گا تو اب تمیز کو تثنیہ یا جمع لانے کی حاجت نہیں ہوگی جیسے الماء - التمر - الزیت - الضرب کہ ان کا اطلاق جس طرح کل پر ہوتا ہے اسی طرح جز پر بھی ہوتا ہے پس یہ اسماء اگر تمیز لائے جائیں گے تو ان کو مفرد ہی لایا جائیگا خواہ انکا اسم تام تثنیہ یا جمع ہی کیوں نہ ہو بخلاف رجل اور فرس کے کہ ان کا اسم تام اگر تثنیہ یا جمع ہوگا تو ان کو بھی تثنیہ یا جمع ہی لایا جائیگا اس لئے کہ ان میں کل کا اطلاق جز پر نہیں کیا جا سکتا پس مثلاً ہاتھ یا پاؤں کو رجل یا فرس نہیں کہہ سکتے واللہ اعلم

تقریر سوال یہ ہے کہ الف و لام سے بھی تو اسم تام ہو جاتا ہے اس لئے کہ تمامی اسم سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی حالت لیں ہو کہ اس حالت کے ہوتے ہوئے وہ کسی دوسرے اسم کی طرف مضاف نہ ہو سکتا ہو پس جب الف لام کے ساتھ بھی اسم مستحیل الاضافہ ہے تو الف لام سے بھی اسم تام ہوگا لہٰذا مذکورہ ماقبل چار ہی چیزوں کی کیوں خصوصیت ہے جواب یہ ہے کہ جو تقریر ہم نے تمامی اسم کے متعلق کی ہے وہ اسم معرف باللام پر صادق نہیں آتی اس لئے کہ ہم نے یہ کہا ہے کہ اسم فعل کے مشابہ ہوتا ہے اور تنوین وغیرہ کے فاعل کے اور تمیز مفعول کے اور سب کی وجہ شبہ ظاہر ہے کہ فاعل فعل کے بعد آتا ہے اور فعل اس پر تام ہو جاتا ہے اسی طرح تنوین بھی اسم کے آخر میں آتی ہے اور اسم اس پر تام ہوتا ہے اور مفعول جیسا کہ اس کا حق ہے فعل کے فاعل کے ساتھ تام ہونے کے بعد آتا ہے اسی طرح تمیز بھی اسم کے تنوین وغیرہ کے ساتھ تام ہونے کے بعد آتی ہے پس یہ وجہ شبہ اسم معرف باللام میں مفقود ہے اس لئے کہ الف لام شروع میں آتا ہے آخر میں نہیں اور فاعل فعل کے شروع میں نہیں آیا کرتا ورنہ وہ مبتدا کہلاتا ہے فاعل نہیں پس فعل کے اتمام کے لئے ضمیر کی ضرورت ہوتی ہے اور فعل فاعل کے شروع میں آنے سے تام نہیں ہوتا لہٰذا اسم پر بھی الف لام کے شروع میں آنے سے اگرچہ اسم تام ہو جاتا ہے مگر اس سے ہمارا مقصود حاصل نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ ناصب تمیز نہیں اور نہ الف لام اسم کے آخر میں ہیں جس کے باعث فعل کے ساتھ مشابہت پائی

الاان تقصد الانواع ای ما فوق النوع الواحد فیشمل المثنے ایضا لانہ لا یدل لفظ الجنس مفردا علیہا فلا بد من ان یثنی او یجمع قیل وفی تخصیص قصد الانواع بالاستثناء نظر لانہ کما جاز ان یقال طاب زید جلستین للنوع جاز ان یقال طاب زید جلستین للعدد ویمکن ان یجاب عنہ بان المراد بالانواع حصص الجنس سواء کانت بالخصوصیات الکلیۃ او الشخصیۃ ویجمع ای یورد التمییز علی ما فوق الواحد جوازا حیث لم یقصد الواحد فی غیرہ ای فی غیر الجنس نحو عندی عدل ثوبین او ثوابا ثم ان کان ای المفرد المقدار تاما بتنوین او بنون التثنیۃ او المعنے ان وجد التمییز متلبسا بتنوین المفرد او بالنون التی للتثنیۃ فانہ لما تم الاسم بہما اقتضی التمییز جازت الاضافۃ

ص پس شارح نے ظاہر کر دیا کہ جمع سے مراد ما فوق الواحد ہے اور یہ تثنیہ کو بھی شامل ہے پس تمیز غیر جنس تثنیہ بھی لائی جا سکے گی جبکہ اسم تام تثنیہ کا مقتضی ہوگا پھر جب حیث الخ کا اضافہ اور کیا گیا تو اس میں واحد بھی داخل ہو گیا پس اگر اسم تام افراد کا مقتضی ہوگا تو تمیز غیر جنس بھی مفرد لائی جائے گی حاصل یہ ہوا کہ جمع کے اس جگہ اصطلاحی معنے مراد نہیں بلکہ لغوی ہیں یعنی تعدد جیسا کہ اسم تام مقتضی ہوگا ویسی ہی تمیز لے آئیں گے واللہ اعلم ٤ قولہ ثم ان کان الخ پھر اگر مفرد مقدار تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ تام ہو تو اس وقت اس کی اضافت تمیز کی طرف جائز ہے اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ ان کان کی ضمیر تمیز کی طرف راجع ہے پس عبارت اس طرح ہوئی ان التمییز ان کان تاما بالتنوین او بنون التثنیۃ جازت اضافۃ المفرد المقدار الیہ دیاقی برص ١٢٦

ل قولہ الاان یقصد الخ اور اگر انواع کا قصد کیا جائیگا یعنی جب جنس سے ما فوق الواحد دو نوع یا چند نوع کا بیان کرنا مقصود ہو تو اس صورت میں جب مراد اس کو تثنیہ اور جمع لایا جائیگا اس لیئے کہ جنس جس طرح ایک پر دلالت کریگی اسی طرح دو اور دو سے زائد پر بھی دلالت کرے گی پس جب فردا فردا انواع مختلفہ مقصود ہونگی تو علی الانفراد یہ جنس انواع پر دلالت نہیں کریگی لہذا تمیز کو لامحالہ تثنیہ یا جمع لانا پڑیگا پس عندی رطلان زیتین یا عندی ارطال زیوتا کہا جائیگا صرف زیتا نہیں کہہ سکتے واللہ اعلم ٢ قولہ قیل وفی الخ یہ ایک اعتراض ہے جو مصنف پر وارد ہوتا ہے اعتراض یہ ہے کہ قصد انواع کے لیئے ہی استثناء کی کیا وجہ ہے جبکہ عدد کے لیئے بھی تمیز تثنیہ یا جمع لائی جا سکتی ہے پس جس طرح طاب زید جلستین کہنا جائز ہے (زید دو طرح بیٹھنے کے اعتبار سے اچھا ہے) اسی طرح طاب زید جلستین کہنا بھی ممنوع نہیں (زید اچھا ہے از روئے دو مرتبہ بیٹھنے کے) جواب یہ ہے کہ مصنف کی مراد انواع جنس کے حصص ہیں خواہ وہ حصص خصوصیات کلیہ سے ہوں جیسے انواع یا خصوصیات شخصیہ جیسے عدد یعنی جنس میں جس طرح انواع کا احتمال ہے اسی طرح مرات اور عدد کا بھی احتمال ہوتا ہے پس مصنف نے صرف انواع کا استثنا کرکے جنس کے تمام حصص مراد لئے ہیں خواہ وہ انواع ہوں یا عدد لہذا اب کوئی اعتراض نہیں واللہ اعلم ٣ قولہ ویجمع الخ اور اگر تمیز غیر جنس سے ہوگی تو اس کو اسم تام کے مطابق تثنیہ یا جمع لایا جائیگا اس لیئے کہ جب اس کا اطلاق قلیل وکثیر پر درست نہیں ہوگا تو لامحالہ تثنیہ اور جمع جیسا مقصود ہوگا اس کے مطابق تمیز کو لائینگے جیسے عندی عدل ثوبین اور ثوابا کہ اس میں لفظ ثوب جنس نہیں ہے کہ اس کے اجزا متشابہ ہوں پس افراد کا قصد ہوگا تو مفرد لایا جائیگا اور تثنیہ مقصود ہوگا تو تثنیہ لائیں گے اور جمع مد نظر ہوگی تو اثواب جمع لائی جائیگی اب رہی یہ بات کہ شارح نے ویجمع کی تفسیر ای یورد التمییز الخ سے کیوں کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ یجمع سے صرف یہ سمجھانا ہے کہ اگر تمیز غیر جنس سے ہوگی تو جمع لائی جائیگی واحد یا تثنیہ نہیں لائی جا سکتی ہیں

(بقیہ صفحہ ۱۴۵) یعنی اگر تمیز تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ تام ہو تو اس کی طرف مفرد مقدار کی اضافت جائز ہے حالانکہ ایسا نہیں اس لئے کہ
مثلاً درہماً تنوین کے ساتھ تام ہے لیکن عشرون کی اضافت اس کی طرف جائز نہیں پس اس کے شارح نے دو جواب دیئے ایک
انکاری اور ایک تسلیمی۔ انکاری تو یہ ہے کہ کان کی ضمیر کا مرجع تمیز نہیں بلکہ مفرد مقدار ہے لہذا کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا اس لئے
کہ عشرون مفرد مقدار تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ تام نہیں پس شارح نے ان کان کے بعد ای المفرد المقدار تاماً کا اضافہ کر دیا اور دوسرا جواب تسلیمی او المعنے ان وجد الخ سے یہ دیا کہ ہم کو تسلیم ہے کہ کان کی ضمیر تمیز کی طرف راجع ہے مگر اس کے معنے وہ نہیں جو معترض نے بیان کئے بلکہ معنے یہ ہیں کہ اگر تمیز اس حال میں پائی جائے کہ وہ تنوین یا نون (جو کہ تثنیہ کے لئے ہوتا ہے) مفرد مقدار کے ساتھ متلبس ہو تو اس کی اضافت جائز ہوگی پس تمیز کی مراد تنوین تمیز نہیں بلکہ مفرد مقدار کی تنوین مراد ہے علی ہذا القیاس نون تثنیہ اور یہ معنی مراد لینے کی وجہ یہ ہے کہ جب تک اسم مفرد ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ (نون جمع وغیرہ سے قطع نظر کرکے) تام نہیں ہوگا اس وقت تک تمیز کا مقتضی نہیں ہوگا کیونکہ مشابہت مذکورہ نہیں پائی جائیگی پس جب اسم ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ تام ہو جائیگا تمیز کو مقتضے ہو جائیگا پھر ان وجد التمیز سے اس طرف بھی شارح نے اشارہ کیا ہے کہ تم ان کان میں کان تامہ ہے بمعنے وجد لہذا خبر کی جستجو نہ کی جائیگی البتہ پہلے جواب کی صورت میں کان ناقصہ ہوگا اور اس کی خبر تاماً محذوف ہوگی کما اشار
الیہ الشارح بقولہ تاماً واللہ اعلم ۱۲ سلہ قولہ اضافۃً بیانیۃً الخ یعنی مفرد مقدار کی اضافت تمیز کی طرف بیانیہ ہوگی نہ کہ غیر اور اس کی
وجہ یہ ہے کہ جب مضاف الیہ جنس مضاف سے ہوتا ہے تو اس کی اضافۃ بیانیہ ہوتی ہے جیسے خاتم فضۃٍ ای خاتم من فضۃٍ
کہ اس میں فضۃ سے خاتم کا بیان مقصود ہے اور کچھ نہیں (کما سیجیٔ انشاء اللہ فی بحث المجرورات) اور ظاہر ہے کہ اس جگہ تمیز اپنے

ای اضافۃ المفرد المقدار الی التمیز اضافۃً بیانیۃً باسقاط التنوین
ونون التثنیۃ جوازاً شائعاً کثیراً لحصول الغرض وہو رفع الابہام
بذلک مع التخفیف نحو رطلُ زیتٍ ومنوا سمنٍ والّا ای وان لم
یکن بتنوین او بنون التثنیۃ بان یکون بنون الجمع او الاضافۃ فلا تجوز
الاضافۃ الابقلۃ فی نون الجمع نحو عشرو درہمٍ اما فی الاضافۃ
فلئلا تلزم اضافۃ المضاف واما فی نون الجمع فلانہ جاز ان یضاف
الی غیر الممیز نحو عشریک وعشری رمضان بالاتفاق لکثرۃ الحاجۃ

تمیز کو بیان کرتی ہے پس اسم کی اضافت جب تمیز کی طرف ہوگی تو بیانیہ ہی ہوگی اور اس اضافت
کا طریقہ یہ ہوگا کہ تنوین اور نون تثنیہ کو ساقط کر دیا جائے گا پھر یہ کہ اس کا جواز بکثرت شائع وذائع
ہے لہذا اس پر ندرت کا اعتراض وارد نہیں کیا جا سکتا اور شائع وذائع اس طرح ہے کہ اس سے
حصول غرض یعنی رفع ابہام کے ساتھ ساتھ تخفیف بھی حاصل ہوتی ہے پس رطلٌ زیتاً
اور منوان سمناً کو رطلُ زیتٍ اور منوا سمنٍ کہیں گے واللہ اعلم سلہ قولہ والا الخ اور اگر مفرد مقدار
تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ تام نہ ہو بلکہ نون جمع یا اضافہ کے ساتھ تام ہو تو مفرد مقدار کی اضافت
تمیز کی طرف جائز نہیں الا شاذاً اور وہ بھی حرف نون جمع میں جیسے عشرو درہم اب رہی یہ بات
کہ یہ اضافت جائز کیوں نہیں تو اس کے متعلق شارح اما فی الاضافۃ الخ سے یہ کہتے ہیں
کہ اضافت میں تو اضافت اس لئے جائز نہیں کہ مضاف کا دوبارہ مضاف ہونا لازم آئیگا
اور یہ جائز نہیں اس لئے کہ اسم واحد کی اضافت دو اسموں کی طرف محال ہے جب تک کہ
درمیان میں واو عاطفہ نہ لایا جائے اور اگر پہلے مضاف الیہ کو حذف کرکے اضافت کرتے
ہیں تو فساد معنی لازم آتا ہے اور نون جمع میں اضافت اس لئے جائز نہیں کہ اس کی اضافت
غیر ممیز کی طرف بھی ہوتی ہے جیسے عشریک اور عشری رمضان اور یہ اضافت بالاتفاق جائز
ہے کیونکہ اس کی احتیاج بکثرت ہوتی ہے پس اگر عشرون کو ممیز کی طرف (باقی بر صفحہ ۱۴۷)

الیہ فلو اضیف الی الممیز لزم الالتباس فی بعض الصور لانہ لا یعلم مثلاً عند اضافۃ عشرین الی رمضان انہ اراد عشرین رمضان او اراد الیوم العشرین من رمضان فلا یضاف فی غیر صورۃ الالتباس ایضاً الا علی قلۃ لیکون الباب اقرب الی الاطراد وعن غیر مقدار عطف علی قولہ عن مفرد مقدار ای الاول کما یرفع الابہام عن مفرد مقدار لک یرفعہ عن مفرد غیر مقدار ای مالیس بعدد ولا وزن ولا ذراع ولا کیل ولا مقیاس نحو خاتم حدیداً فان الخاتم مبہم باعتبار الجنس تام بالتنوین فاقتضی تمیزاً والخفض ای خفض التمیز باضافۃ غیر المقدار الیہ اکثر استعمالاً لحصول الغرض مع الخفۃ ولقصور غیر المقدار عن طلب التمیز لان الاصل فی المبہمات المقادیر وغیرہا لیس بہذہ المثابۃ والثانی ای القسم الثانی من التمیز وہو ما یرفع الابہام عن ذات مقدرۃ

(بقیہ صفحہ ۱۴۶) مضاف کریں گے تو بعض صورتوں میں ممیز اور غیر ممیز میں التباس لازم آجائیگا اس لئے کہ مثلاً جب عشرون کی اضافۃ رمضان کی طرف کی گئی تو اس سے یہ پتہ نہیں چلے گا کہ بیس از روے رمضان یعنی بیس دن رمضان کے مراد ہیں جو ممیز کی غرض ہوتی ہے یا رمضان کا بیسواں دن جو غیر تمیز کی غرض ہے پس دونوں میں التباس پیدا ہو گیا کہ مراد کیا ہے پس جبکہ اس کی اضافت بوقت التباس جائز نہیں ہے تو اس کو غیر التباس کے وقت بھی مضاف نہیں کریں گے (مگر قلت کے ساتھ) تاکہ باب ماتم بنون الجمع عدم اضافۃ کے بارے میں اطراد کے قریب ہو جائے اس جگہ اقرب اس لئے کہا کہ علی وجہ الکلی اطراد للباب نہیں پایا جاتا کیونکہ اس میں شذوذ کے درجہ میں اضافت پائی جاتی ہے اس لئے اقرب الی الاطراد ہوگا لا طراد الباب نہیں ہوگا واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ وعن غیر مقدار الخ اس کا عطف مفرد مقدار پر ہے جو کہ فالاول مبتدا کی بتقدیر یرفعہ خبر ہے پس تمیز کی قسم اول یعنی جو ذات مذکورہ سے ابہام دور کرے جس طرح مفرد مقدار سے رفع ابہام کرتی ہے غالباً اسی طرح غیر مفرد مقدار سے بھی ابہام دور کرتی ہے غیر مفرد مقدار کا مطلب یہ ہے کہ عدد۔ وزن۔ ذراع۔ کیل اور مقیاس نہ ہو جیسے خاتم حدیداً کہ خاتم جنس کے اعتبار سے مبہم ہے اور غیر مفرد مقدار سے ہے اس لئے کہ مذکورہ بالا اشیاء عدد وغیرہ کسی میں سے نہیں اور غیر مفرد مقدار تنوین کے ساتھ تام ہے پس تمیز کی ضرورت پیش آئیگی لہذا حدیداً کو بنا بر تمیز منصوب کر دیا گیا واللہ اعلم ؎ قولہ والخفض الخ یعنی غیر مفرد مقدار میں تمیز کا استعمال اکثر خفض کے ساتھ ہوتا ہے یعنی غیر مفرد مقدار کی اضافت تمیز کی طرف کی جائے اس لئے کہ اس سے حصول غرض کے ساتھ ساتھ تخفیف بھی حاصل ہوتی ہے نیز یہ کہ غیر مفرد مقدار طلب تمیز میں کم مرتبہ میں ہوتی ہے اس لئے کہ مبہمات میں اصل مقادیر ہیں یعنی عدد، وزن وغیرہ اور غیر مفرد مقدار اس میں سے ہے نہیں لہذا یہ مفرد مقدار کے ہم مرتبہ نہیں ہو گی پس اس کو اکثر اضافت کے ساتھ پڑھیں گے واللہ اعلم ؎ قولہ والثانی الخ اور قسم ثانی تمیز کی یعنی جس میں تمیز ذات مقدرہ سے ابہام

کو دور کرے وہ ہے کہ جو ابہام کو اس نسبت سے دور کرتی ہے جو جملہ یا شبہ جملہ میں ہے اس جگہ بھی یرفعہ کا اضافہ اسی غرض سے ہے کہ عن نسبۃ الخ یرفعہ مقدر کے متعلق ہو کر القسم ثانی مبتدا کی خبر ہے پھر شارح نے کان الظاہر ان یقول الخ سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ مصنف کے کلام میں تناقض ہے اس لئے کہ ماقبل میں تو مصنف نے یہ بیان کیا تھا کہ قسم ثانی وہ ہے جس میں تمیز ذات مقدرہ سے ابہام کو دور کرے اور یہاں کہتے ہیں کہ نسبت سے دور کرے ذات

(باقی بر صفحہ ۱۲۵)

(بقیہ صفحہ ۱۴۷) کا ذکر نہیں اور نسبت ایک امر معنوی ہے لہذا یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ نسبت اور ذات دونوں ایک ہیں لہذا مصنف کو مناسب یہ تھا اور یہ ظاہر بھی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ قسم ثانی وہ ہے جو ایسی ذات مقدرہ سے ابہام دور کرے جو نسبت حاصلۃ فی الجملۃ میں پائی جائے پس اس صورت میں مصنف کے کلام میں کوئی تعارض نہ ہوتا لکن لما کان الخ سے شارح نے جواب یہ دیا کہ چونکہ طرف نسبت میں ابہام کا ہونا ابہام فی النسبۃ کو مستلزم ہے اور نسبت سے ابہام کا دور کرنا طرف نسبت سے ابہام کے دور کرنے کو لازم ہے لہذا مصنف نے اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے عن نسبۃ الخ کہدیا نیز اس سے اس امر پر بھی تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ قسم اول اور ثانی کے درمیان تقابل صرف نسبۃ کے اعتبار سے ہے نہ کہ باعتبار ذکر ذات اور عدم ذکر ذات کے اس لئے کہ کبھی قسم اول میں بھی ذات کو ذکر نہیں کرتے جیسے نعم رجلاً کہ اس جگہ رجلا ذات مقدرہ یعنی نعم کی ضمیر سے ابہام کو دور کرتا ہے حالانکہ یہ قسم اول سے ہے پس معلوم ہوا کہ تمیز کی دونوں قسموں میں ذات مذکورہ اور مقدرہ کا فرق نہیں بلکہ فرق یہ ہے کہ اول میں رفع ابہام غیر نسبت سے ہوتا ہے اور ثانی میں نسبت سے حاصل یہ ہوا کہ ابہام تو ذات مقدرہ میں ہی ہوگا مگر اس ذات مقدرہ کا تحقق بغیر نسبت کے نہیں ہوگا بلکہ نسبت کے ذریعہ ذات مقدرہ حاصل ہوگی پس ذات مقدرہ طرف نسبت میں واقع ہوگی مثلاً طاب زیدٌ نفساً کے معنی میں طاب شئیٌ منسوبٌ الی زیدٍ نفساً کے ہے پس اس میں ذات مقدرہ یعنی شئے اس وقت حاصل ہوئی جبکہ جملہ میں نسبت پائی گئی پس ذات مقدرہ یعنی شئے نسبت کی طرف میں واقع ہوئی اور ذات مقدرہ مبہم ہے اس لئے کہ شئے کا مصداق متعین نہیں پس جب نفساً نے شئے سے ابہام کو دور کردیا تو نسبت سے بھی ابہام رفع ہوگیا ایسے ہی چونکہ ذات مقدرہ طرف نسبت میں واقع ہے اور اس کی وجہ سے نسبت میں بھی ابہام ہے لہذا یہ

يرفعه عن نسبةٍ كان الظاهران يقول عن ذاتٍ مقدرةٍ في نسبةٍ في جملةٍ لكن لما كان الابهام في طرف النسبة يستلزم الابهام فيها ورفعه عنها يستلزم الرفع عنه قال عن نسبةٍ مقتصراً عليها تنبيها على ان مقابلة ما في هذا القسم للمفرد المذكور في القسم الاول انما هي بمجرد النسبة لا غيرُ في جملةٍ اي نسبة كائنةٍ في جملةٍ او ما ضاهاها اي ما شابهها عطف على جملة وهو اسم الفاعل نحو الحوض ممتلئٌ ماءً او اسم المفعول نحو الارض مفجّرةٌ

(حاشیہ: لان رفع اللازم یستلزم رفع الملزوم ۱۲ — مع فاعلہ ۱۲)

دونوں یعنی طرف نسبت اور نسبت آپس میں لازم و ملزوم ہوئے پس جب ایک دوسرے سے ابہام کو دور کیا جائیگا تو لامحالہ دونوں سے ابہام دور ہو جائیگا پس جب نسبۃ سے ابہام دور کردیں گے تو چونکہ ذات مقدرہ اس نسبت کے باعث پیدا ہوئی ہے اور مبہم ہے اس لئے نسبت سے رفع ابہام کے ساتھ ذات مقدرہ یعنی طرف نسبت سے بھی ابہام دور ہو جائیگا اسی غرض سے مصنف نے عن نسبۃٍ کہا عن ذاتٍ مقدرۃٍ فی نسبۃٍ فی جملۃٍ نہیں کہا پھر شارح نے فی جملۃٍ کے بعد ای نسبۃٍ کائنۃٍ کہکر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فی جملۃٍ ظرف مستقر کائنۃٍ مقدر کے متعلق ہے اور عبارت اس طرح ہے ای فی نسبۃٍ کائنۃٍ فی جملۃٍ واللہ اعلم ۱۲ قولہ او ما ضاہاہا الخ اس کا عطف جملۃٍ پر ہے اور مراد اس سے شبہ جملہ ہے یعنی اسم فاعل، اسم مفعول صفت مشبہ وغیرہ مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ نسبت جملہ میں نہ پائی جائے تو شبہ جملہ میں حاصل ہونی چاہیئے مثلاً اسم فاعل میں جیسے الحوض ممتلئٌ ماءً کہ اس میں ابہام اس نسبت امتلاء میں ہے جو کہ ممتلئٌ کی ضمیر مستتر سے سمجھ میں آرہی ہے جو حوض کی طرف راجع ہے پس ماءً نے اس ابہام کو دور کردیا کہ یہ امتلاء پانی سے ہے یا اسم مفعول میں وہ نسبت پائی جائے جیسے الارض مفجّرةٌ عیوناً (زمین جاری ہے از روئے چشموں کے) کہ اس میں مفجّرةٌ کی ضمیر مستتر سے جو نسبت تفجیر سمجھ میں آرہی ہے اس سے عیوناً نے رفع ابہام کردیا (باقی بر صفحہ ۱۴۹)

عیونا او الصفة المشبهة نحو زیدٌ حسنٌ وجها او اسم التفضیل نحو
زید افضلُ ابا او المصدر نحو اعجبنی طیبه ابا وکذا کل ما فیه معنی الفعل
نحو حسبک زیدٌ رجلاً نحو طابَ زید نفسا مثال للجملة والتمییز
فیه خاص بالمنتصب عنه وزیدٌ طیّبٌ ابا مثال لما یشبه الجملة
والتمییز فیه یصلح ان یکون لما انتصب عنه و لمتعلقه وحیث
لافرق فی التمییز بین الجملة وما ضاهاها فهذان المثالان فی
قوة اربعة امثلة فکانه قال طاب زید وزید طیّبٌ نفساً و

یا تو منتصب عنہ پر بالذات محمول ہوگی یا نہیں اگر محمول ہوگی تو غیر کا احتمال رکھے گی یا نہیں پس اگر احتمال غیر کا نہ رکھے اور تمیز منتصب عنہ پر بالذات محمول ہو تو اس کی مثال طاب زید نفساً ہے اس لئے کہ نفس زید کے ساتھ خاص ہے غیر کا احتمال نہیں رکھتا اور اس پر نفس بالذات محمول ہے اور اگر غیر کا احتمال رکھے اور بالذات محمول ہو تو اس کی مثال زید طیبٌ ابًا ہے اس لئے کہ ابًا زید پر بالذات محمول ہے اور غیر زید کا بھی احتمال رکھتا ہے اسی کو شارح والتمییز فیہ یصلح ان یکون الخ سے تعبیر کر رہے ہیں یعنی اس مثال میں تمیز میں اس بات کی صلاحیت ہے کہ یہ منتصب عنہ پر بھی محمول ہو اور اس کے متعلق یعنی غیر زید پر بھی محمول ہونے کی اسمیں صلاحیت موجود ہو غیر زید کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً زید کا باپ مراد ہو زید نہ ہو۔ اب اگر کوئی کہے کہ جس طرح ابًا میں اس امر کی صلاحیت ہے کہ وہ نسبت شبہ جملہ سے تمیز واقع ہو اسی طرح نفساً بھی نسبت شبہ جملہ سے تمیز واقع ہو سکتا ہے علی ہذا القیاس اس کا عکس بھی ہو سکتا ہے پس مصنف نے نفساً کو جملہ اور ابًا کو شبہ جملہ میں کیوں ذکر کیا۔ اس کا جواب شارح وحیث لافرق فی التمییز الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ چونکہ جملہ اور شبہ جملہ کی تمیز کے درمیان کوئی فرق نہیں لہذا یہ دونوں مثالیں چار مثالوں کی قوت میں ہیں پس گویا کہ مصنف نے ان دونوں امثلہ پر اکتفاء کر کے حقیقۃً ہیں چار مثالیں (باقی بر صـ۱۱۵)

(بقیہ ص۱۱۴) یا وہ نسبت صفۃ مشبہ میں حاصل ہو جیسے زیدٌ حسنٌ وجہًا (زید اچھا ہے از روئے چہرے کے) کہ اس میں حسنٌ سے جو نسبت حسن معلوم ہو رہی ہے اس سے وجہًا تمیز ہے یا اسم تفضیل میں وہ نسبت حاصل ہو جیسے زیدٌ افضلُ ابًا یا مصدر میں حاصل ہو جیسے اعجبنی طیبہ ابًا کہ اس میں طیب کی نسبت جو ضمیر بارز یعنی فاعل مصدر کی طرف ہو رہی ہے مبہم ہے کہ یہ طیب کس اعتبار سے ہے پس ابًا نے اس ابہام کو دور کر دیا اور ایسے ہی جسمیں بھی فعل کے معنے پائے جائیں گے اس کی ذات مقدرہ سے تمیز ابہام کو دور کر سکتی ہے جیسے حسبک زیدٌ رجلًا کہ اس جگہ حسبک زیدٌ یکفیک زیدٌ کے معنی میں ہے پس اس میں جو نسبت ہے اس سے رجلًا نے ابہام کو دور کر دیا واللہ اعلم ۱۲ لـه قولہ نحو طاب الخ یہ وہ مثال ہے کہ جس میں ذات مقدرہ جملہ میں پائی جاتی ہے اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مثال ممثل لہٗ کے مطابق نہیں اس لئے کہ ممثل لہٗ ذات مقدرہ ہے اور اس مثال میں مقدر نہیں بلکہ محذوف ہے پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جملہ طاب شئی منسوبٌ الی زیدٍ نفسًا کی قوت میں ہے اور ظاہر ہے کہ شئی ذات مقدرہ ہے مذکورہ نہیں پس اس میں شئے ممیز اور مبہم ہے اس کے ابہام کو نفسًا نے دور کر دیا اور دوسری مثال و زیدٌ طیبٌ ابًا شبہ جملہ کی ہے اس میں ذات مقدرہ نسبت شبہ جملہ سے تمیز ابہام دور کرتی ہے اسلئے کہ طیبٌ صفۃ مشبہ ہے اور اس کا فاعل اس میں مستتر ہے پس یہ چونکہ حقیقۃً جملہ نہیں اس لئے شبہ جملہ اس کو کہتے ہیں پھر اس شبہ میں جو نسبت ہے جو ضمیر مستتر سے سمجھ میں آتی ہے وہ مبہم ہے اور اس کے ابہام کو ابًا تمیز دور کر رہی ہے اب رہی یہ بات کہ شارح کے قول والتمییز فیہ خاص الخ کا کیا مطلب ہے تو اس امر کا جواب یہ ہے کہ مصنف نے کثرت سے امثلہ کیوں بیان کیں صرف ایک پر اکتفاء کر لیتے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں تکثیر امثلہ سے مصنف اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ تمیز کی منتصب عنہ (یعنی جس کے باعث تمیز منصوب ہوتی ہے) کے اعتبار سے پانچ قسمیں ہیں اس لئے کہ تمیز

وابًا فقوله[1] والأبوة ودارًا وعلمًا عطف على نفسًا وابًا
بحسب المعنى فهو ناظر (راجع ۱۲) الى كل من المثالين المذكورين غير
(لانه بحسب اللفظ عطف على قوله ابا ۱۲ رحمن)
مختص بالاخير فهو (اى ۱۲) بحسب الحقيقة اورد لكل من التمييز الواقع في
(على كما هو الظاهر ۱۲)
الجملة او ماضاهاها خمسة امثلة[2] فالنفس عين غير اضافي خاص (كالنفس ۱۲)
بالمنتصب عنه والدار عين غير اضافي وهو متعلق بالمنتصب عنه
(اى قائمة بنفسها ۱۲)
والاب عين اضافي محتمل لهما والابوة عرض اضافي والعلم عرض
(قائم بالاب ۱۲)

بھی واقع ہو سکتا ہے نیز یہ کہ اس میں غیر کا احتمال موجود نہیں اس لئے کہ علم کے معنے سمجھنے کے لئے غیر کی احتیاج نہیں اس لئے کہ علم کے معنے وضوح و انکشاف اور دانستن کے ہیں بخلاف ابوۃ کے کہ اس کے معنے سمجھنے کے لئے اب کے معنے سمجھنے کی احتیاج واقع ہوتی ہے اور اگر تمیز کو منتصب عنہ کی صفت بنانا جائز نہ ہو تو اس میں شقوق جاری نہ ہونگی اور اس کی مثال یہ ہے جیسے طاب زیدٌ دارًا یا زیدٌ طیبٌ دارًا اس لئے کہ دار نہ تو منتصب عنہ پر محمول ہے اور نہ اس کی صفت ہے اسی تفصیل کی طرف شارح فالنفس عینٌ الخ سے اشارہ فرمارہے ہیں کہتے ہیں پس نفس عین یعنی جوہر ہے اور غیر اضافی ہے یعنی اس کا سمجھنا دوسرے کے سمجھنے پر موقوف نہیں اور منتصب عنہ ساتھ خاص ہے یعنی بالذات محمول ہے کیونکہ زید اور نفس زید دونوں ایک ہی چیزیں ہیں اور دار عین غیر اضافی ہے یعنی اس کا سمجھنا دوسرے کے سمجھنے پر موقوف نہیں اور منتصب عنہ پر محمول نہیں بلکہ منتصب عنہ سے متعلق ہے اور اب عین اضافی ہے کہ اس کے معنی سمجھنے کے لئے غیر کی احتیاج ہوتی ہے پس اس میں دونوں احتمال موجود ہیں یعنی منتصب عنہ پر بالذات محمول ہو اور غیر کا بھی احتمال ہو اور ابوۃ عین یعنی جوہر قائم بنفسہ نہیں بلکہ عرض ہے کہ اب کے ساتھ قائم ہے اور اضافی ہے کہ اس کے معنی اب کے معنی سمجھے بغیر سمجھ میں نہیں آتے اور علم عرض یعنی قائم بالعالم ہے اور غیر اضافی ہے کہ اس کے معنے سمجھنے کے لئے غیر کی احتیاج واقع نہیں ہوتی اور دونوں منتصب عنہ سے متعلق ہیں بالذات محمول نہیں اس لئے کہ دونوں زید کی صفت واقع ہو سکتی ہیں مگر ابوۃ میں احتمال غیر ہے علم میں احتمال غیر نہیں واللہ اعلم ۱۲

(بقیہ صفحہ ۱۵۳) بایں طور ذکر کی ہیں طاب زیدٌ نفسًا۔ طاب زیدٌ ابًا۔ زید طیبٌ نفسًا۔ زید طیبٌ ابًا لہٰذا اب کوئی اعتراض باقی نہیں رہا واللہ اعلم ۱۲

[1] قولہ فقولہ ابوۃ الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جس طرح ابوۃً علمًا اور دارًا میں نسبۃ شبہ جملہ سے تمیز واقع ہونے کی صلاحیت ہے اسی طرح نسبۃ جملہ سے بھی ان میں تمیز بننے کی صلاحیت موجود ہے پس کیا وجہ ہے کہ مصنف نے ان کو شبہ جملہ کے بعد کیوں ذکر کیا اور ان کا عطف ابًا پر کس لئے کیا؟ جواب یہ ہے کہ ان کا عطف معنی کے اعتبار سے نفسًا اور ابًا دونوں پر ہے اور ظاہر ہے کہ جس طرح نفسًا وابًا میں دونوں احتمالات نکلتے تھے اسی طرح ان میں بھی نسبۃ جملہ اور شبہ جملہ سے تمیز واقع ہونے کے احتمالات نکلیں گے پس اس معنیٰ عطف کی بنا پر قول مصنف نفسًا اور ابًا والی دونوں مثالوں کی طرف مائل ہے حرف اخیر یعنی ابًا کے ساتھ مختص نہیں پس مصنف حقیقۃ کے اعتبار سے ہر ایک مثل کے لئے پانچ پانچ امثلہ لائے ہیں یعنی پانچ امثلہ اس امر کی ہیں کہ نسبتہ جملہ سے تمیز واقع ہو اور پانچ اس بات کی کہ نسبت شبہ جملہ سے تمیز واقع ہو واللہ اعلم ۱۲

[2] قولہ فالنفس الخ یہاں سے شارح تمیز کی منتصب عنہ کے اعتبار سے پانچ قسمیں بیان فرمارہے ہیں دو کی تفصیل میں بیان کرچکا ہوں اب بقیہ تین قسموں کی تفصیل ملاحظہ کیجئے جو کہ ابوۃ دار اور علم سے متعلق ہیں تمیز منتصب عنہ پر بالذات محمول نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں تمیز کو منتصب عنہ کی صفت بنانا جائز ہوگا یا نہیں اگر جائز ہوگا تو غیر کا احتمال رکھیگی یا نہیں اگر غیر کا احتمال رکھے گی تو اس کی مثال طاب زیدٌ ابوۃً یا زیدٌ طیبٌ ابوۃً ہے اس لئے کہ ابوۃ منتصب عنہ پر بالذات محمول نہیں اس لئے کہ ابوۃ بذات خود قائم نہیں ہوتی بلکہ اب کے ساتھ قائم ہوتی ہے اس لئے کہ ابوۃ کے معنی سمجھنے کے لئے پہلے اب کے معنی سمجھنے کی ضرورت واقع ہوتی ہے نیز ابوۃ زید منتصب عنہ کی صفت بھی واقع ہو سکتی ہے اور اس میں غیر کا بھی احتمال موجود ہے کہ کسی اور کی بھی صفت ہو اور اگر غیر کا احتمال نہ رکھے تو اس کی مثال طاب زیدٌ علمًا یا زیدٌ طیبٌ علمًا ہے اس لئے کہ علم کا حمل زید پر بالذات نہیں بالعرض ہے اور علم زید کی صفت

غیر اضافی وکل واحد منہما متعلق بالمنتصب عنہ او فی اضافۃ
(قائم بالعالم ۱۲) عطف علی قولہ فی جملۃ او ما ضاہاہا مثل یعجبنی طیبہ نفسا وترکہ
لانہ اظہر التمییزات ولا خفاء بہ وابا وابوۃ ودارا وعلما اور ہذہ
الامثلۃ علی وفق ما سبق وزاد علیہ قولہ وللہ درہ فارسا اشارۃ
الی ان التمییز قد یکون صفۃ مشتقۃ وایضا لما اورد صاحب
المفصل مثال التمییز المفرد علی ان یکون الضمیر فیہ مبہما کضمیر ربہ رجلا ویکون
فارسا تمییزا عنہ اراد ان ینبہ علی انہ یصلح ان یکون تمییزا عن نسبۃ علی ان
یکون الضمیر فیہ معینا معلوما والابہام یکون فی نسبۃ الدر الیہ والدر فی الاصل

لہ قولہ او فی اضافۃ الخ اس کا عطف قول مصنف فی جملۃ او ما ضاہاہا پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ رفع ابہام نسبۃ فی جملہ یا شبہ جملہ سے نہ ہو بلکہ نسبت فی الاضافۃ سے ہو جیسے یعجبنی طیبہ نفسا وابا وابوۃ الخ کہ ان امثلہ میں تمیز نسبت اضافۃ سے دور کرتی ہے اس جگہ شارح نے نفسا وترکہ لانہ کہکر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف نے اگرچہ مثال میں نفسا کو ذکر نہیں کیا مگر سابق پر قیاس کر سکتے ہیں نیز اس کو ترک بھی کر سکتے ہیں اس لئے کہ نفس کا نسبت سے تمیز واقع ہونا بہت مشہور اور ظاہر و باہر ہے اور اس میں کسی قسم کا خفاء نہیں اس لئے کہ عین غیر اضافی ہے اور منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہے اور دیگر امثلہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بھی مذکورہ سابق پانچوں قسمیں متحقق ہوتی ہیں پس اس میں طیب کی اضافت الی الضمیر سے جو نسبت مبہمہ پیدا ہوتی ہے اس سے یہ تمام الفاظ نفسا - ابا وغیرہ تمیز واقع ہیں واللہ اعلم سلہ قولہ وزاد علیہ الخ ان دونوں قسموں کے بعد وللہ درہ فارسا سے مصنف نے ان بعض نحاۃ کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تمیز کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ جامد ہو مشتق نہ ہو حتی کہ اگر کوئی اسم مشتق بصورت تمیز دیکھا جائیگا تو وہ اس کو حال کہتے ہیں تمیز نہیں کہتے پس مصنف اس کے رد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمیز سے مقصود رفع ابہام ہے پس یہ اگر اسم مشتق سے بھی حاصل ہو تو اس کو بھی تمیز کہیں گے تمیز کے لئے جامد ہونا شرط نہیں نیز اس سے اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ بعض نحاۃ کا مسلک یہ ہے کہ تمیز اگر ضمیر سے واقع ہوگی تو قسم اول یعنی ذات مذکورہ سے ہوگی جیسا کہ صاحب مفصل نے اس مثال کو قسم اول میں داخل کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ تمیز مفرد مقدار کی اس بنا پر مثال ہے کہ درہ کی ضمیر مبہم ہے جیسا کہ ربہ رجلا کی ضمیر مبہم ہے اس لئے کہ نکرہ ہے کیونکہ رب نکرہ پر ہی داخل ہوتا ہے اور فارسا اس سے تمیز واقع ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس میں مصنف کے نزدیک تفصیل ہے پس مصنف نے یہ مثال ذکر کرکے اس امر پر تنبیہ کا ارادہ کیا کہ اس میں حسب ذیل تفصیل ہے یعنی اگر ضمیر کا مرجع معلوم ہے تو یہ تمیز ذات مقدرہ سے ہوگی اس لئے کہ اس وقت حقیقۃ میں مرجع ممیز ہے اور وہ اس جگہ مذکور نہیں پس فارسا میں اس امر کی صلاحیت ہے کہ نسبت یعنی ذات مقدرہ سے اس بنا پر تمیز واقع ہو کہ ضمیر کا مرجع معین اور معلوم ہے اور ابہام درّ کی نسبت ضمیر کی طرف کرنے سے پیدا ہوا ہے مثلاً ہم نے جاءنی زید کہا اور پھر اس کے بعد وللہ درہ فارسا کہدیا اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ درہ کی ضمیر کا مرجع زید ہے پس مرجع اگرچہ للہ درہ فارسا میں موجود نہیں مگر وہ بقرینۂ سابق ضرور موجود ہے نیز یہ کہ ضمیر میں اصل بھی یہ ہے کہ اس کا مرجع معلوم اور متعین ہو لہٰذا فارسا ذات مقدرہ یعنی نسبت سے تمیز واقع ہوگا البتہ اگر ضمیر کا مرجع معلوم و متعین نہ ہو تو اس وقت تمیز ذات مذکورہ واقع ہوگی اس لئے کہ اس حالت میں ضمیر مبہم ہوگی اور وہ مذکور ہے پس فارسا اسی سے تمیز واقع ہے لہٰذا صاحب مفصل کا اس کو صرف قسم اول میں داخل کرنا صحیح نہیں بلکہ اس کا تعلق دونوں کے ساتھ ہے واللہ اعلم سلہ قولہ والدر فی الاصل الخ یہاں سے شارح در اور فارس کے معنی بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ در اصل میں دودھ کو کہتے ہیں اور دودھ میں اہل عرب کے نزدیک زیادتی خیر (بقیہ ۱۵۶)

(بقیہ صفحہ ۱۵۱) بہت سے منافع اور خیر کثیر ہے پس اس جگہ در بول کر مجازاً خیر کثیر مراد لیا گیا ای للہ خیرہٗ فارسًا یعنی اللہ ہی کے لئے ہے اس
کی خیر کثیر از روئے شہسوار ہونے کے اور فارس فراسۃ بفتح الفاء سے صیغہ اسم فاعل ہے اور فرس بضم الراء کا مصدر ہے یعنی فراسۃ
باب افعال سے ہے اور اس کے معنی حاذق اور ماہر ہونے کے ہیں فرسٌ ای حذق بامر الخیل یعنی گھوڑے کے معاملہ میں وہ ماہر اور
کامل ہے اور اگر اس کو فراستہ بکسر الراء
سے لیتے ہیں تو فارس تفرس سے
مشتق ہو گا جس کے معنی ادراک
اور ظاہری چیز سے اس کے باطن
یعنی حقیقۃ کو پہنچ جانے کے ہیں پس
اس صورت میں اس کے معنی یہ ہونگے
اللہ ہی کے لئے ہے اس کی خیر کثیر
از روئے اس کی نیک شناسائی
احوال ظاہرہ سے احوال باطنہ
کے واللہ اعلم ؎ ثم ان کان الخ
پھر تمیز اگر ایسا اسم ہو جو صفۃ نہ ہو
اور جس کا حمل کرنا منتصب عنہ پر
صحیح ہو تو اس صورت میں یہ جائز ہے
کہ کبھی تو وہ تمیز منتصب عنہ کے لئے
کریں گے اور کبھی منتصب عنہ کے
متعلق کے لئے یعنی دونوں امر جائز
ہیں اس جگہ شارح نے ان کان
کی تفسیر ای التمیز بعد ما لم یکن الخ
سے کر کے ایک سوال مقدر کا جواب
دیا ہے سوال کی تقریر یہ ہے
کہ طاب زیدٌ نفسًا میں نفسًا کا اطلاق
منتصب عنہ پر کیا جا سکتا ہے
حالانکہ یہ صرف منتصب عنہ کی
تمیز بننے کی صلاحیت رکھتا ہے
منتصب عنہ کے متعلق سے تمیز
واقع نہیں ہو سکتا اور مصنف یہ
کہتے ہیں کہ اس کو منتصب عنہ اور
اس کے متعلق سے تمیز قرار دینا
جائز ہے پس یہ قول غلط ہے شارح
نے کہا کہ یہ قول اس وقت ہے جبکہ
تمیز منتصب عنہ کے ساتھ خاص
نہ ہو اور نفسًا منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہے لہذا یہ اس حکم میں مندرج نہیں پھر اسمًا کے بعد لا صفۃ کہہ کر شارح نے اس امر
کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کا تقابل صفۃ سے ہے فعل سے اور حرف سے نہیں اس لئے کہ اگر اس کا تقابل فعل اور حرف سے
ٹھہرائیں گے تو اس میں وہ اسم بھی داخل ہو جائیگا جو صفۃ کا مقابل ہو گا باوجودیکہ جو تمیز صفۃ ہو وہ اس پر صادق نہیں آئیگی

(اي الخير المطلق ١٢ عب) (عند العرب ١٢) (مجازا ١٢ ذكر الملزوم وارادة اللازم ١٢)

اللبن وفيه خير كثير للعرب فاريد به الخير اي لله خيره فارسا والفارس

(اي بضم العين ككرم ١٢)

اسم الفاعل من الفراسة بالفتح مصدر فرس بالضم اي حذق

بامر الخيل واما الفراسة بالكسر فمن التفرس ثم ان كان اي التمييز

بعد ما لم يكن نصا في المنتصب عنه اسما لا صفة يصح جعله

لما انتصب عنه والمراد بجعله له اطلاقه عليه والتعبير به عنه جاز ان

يكون ذلك التمييز تارة له اي للمنتصب عنه بان يكون تمييزا

يرفع الابهام عنه وتارة لمتعلقه بان يكون تمييزا يرفع الابهام

(لانه تمييز عما انتصب عنه فقط كما سياتي ١٢ عب) (فيه مسامحة ١٢ المحب)

یعنی اس میں دو احتمال نہیں ہوں گے بلکہ صرف منتصب عنہ کے لئے تمیز واقع ہو گی کما سیجی پس
مصنف کا یہ قول غلط ہو گا کہ منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لئے تمیز واقع ہو سکتی
ہے لہذا شارح نے لا صفۃ کہہ کر اس کو خارج کر دیا پھر والمراد بجعلہ لہٗ سے شارح نے اس امر
کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قول مصنف یصح جعلہ لما انتصب عنہ سے مراد یہ ہے کہ منتصب عنہ
کا اطلاق اس اسم پر کیا جا سکے اور منتصب عنہ کو اس اسم سے تعبیر کر سکیں جیسا کہ اب کا اطلاق
منتصب عنہ یعنی زید پر کر سکتے ہیں اور زیدٌ ابٌ کہہ سکتے ہیں پس اس سے ابوۃ اور دار اور علم کو
خارج کرنا مقصود ہے کیونکہ ان کا اطلاق منتصب عنہ پر نہیں ہو سکتا بلکہ صرف منتصب عنہ
کے متعلق پر ان کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اور ہمارا مقصود یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ دونوں پر
اطلاق کیا جا سکے لہذا اس سے ابوۃ وغیرہ خارج ہو جائیں گے اب اس جگہ ایک اعتراض
وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ منتصب عنہ کے معنے یہ ہیں کہ جس کے ذریعہ تمیز نصب
حاصل کرے بایں طور کہ وہ شے اس تمیز میں عامل ہو پس طاب زیدٌ ابًا میں یا تو منتصب
عنہ زید کا ہو گا یا طاب اگر زید ہے تو یہ درست نہیں اس لئے کہ قسم ثانی میں تمیز کا
عامل فعل یا شبہ فعل ہوتا ہے نہ کہ وہ اسم جو تنوین وغیرہ کے ساتھ تام ہوا اور اگر طاب
عامل ہے تو یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ اس پر قول مصنف یصح جعلہ (باقی بر صفحہ ۱۵۳)

(بقیہ صـ۱۵۲) لما انتصب عنہ صادق نہیں آتا کیونکہ اس قول سے مراد یہ ہے کہ اس اسم کا اطلاق منتصب عنہ پر کیا جا سکے اور یہاں اب کا اطلاق طاب پر درست نہیں بلکہ زید پر درست ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ اس میں منتصب عنہ زید ہے اور اس پر منتصب عنہ کا اطلاق مجازاً ہے حقیقۃً نہیں اور تارۃً کہ سے شارح نے یہ ظاہر کیا ہے کہ ولمتعلقہ میں واو بمعنی مع ہے تاکہ منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کا اجتماع لازم نہ آئے کیونکہ واو عاطفہ جمع پر دلالت کرتا ہے اور ان دونوں کا بیک وقت اجتماع ناجائز ہے اسلئے کہ عرض واحد یعنی اب کا قیام دو محلوں کے ساتھ لازم آئے گا اور یہ محال ہے بہرحال جب اسم کا حمل منتصب عنہ پر ہو سکے تو یہ جائز ہے کہ وہ تمیز کبھی منتصب عنہ کیلئے ہو یعنی تمیز منتصب عنہ سے ابہام دور کرے اور کبھی اس کے متعلق یعنی زید کے باپ سے۔ اب رہی یہ بات کہ اس امر کا کیسے پتہ چلے کہ تمیز کبھی منتصب عنہ سے رفع ابہام کے لئے ہوتی ہے اور کبھی اس کے متعلق سے ابہام دور کرنے کیلئے تو اس کا جواب وذلک یحسب القرائن الخ سے کہ اس بات کا پتہ قرائن اور احوال سے چل جاتا ہے مثلاً طاب زیدٌ ابًا میں ابًا کا اطلاق زید پر صحیح ہے اور ابًا کو زید سے تعبیر کر سکتے ہیں پس جب اس میں زید کا اسناد طیب کی طرف اس اعتبار سے کیا جائیگا کہ زید عمرو کا باپ ہے تو تمیز یعنی ابًا زید سے ابہام کو دور کریگا یعنی زید عمرو کا باپ ہونے کے اعتبار سے اچھا ہے پس یہ تمیز منتصب عنہ سے رفع ابہام کریگی اور اگر اس میں اس بات کا اعتبار کرتے ہیں کہ طیب کا اسناد منتصب عنہ کے متعلق یعنی زید کے باپ کے اعتبار سے ہے تو تمیز اس کے متعلق سے ابہام کو دور کریگی اور اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ زید اپنے باپ کے اعتبار سے اچھا (خوش نصیب) ہے واللہ اعلم ۵ قولہ والّا ای وان لم یکن الخ اور اگر تمیز منتصب عنہ کے ساتھ خاص نہ ہو یعنی وہ منتصب عنہ پر محمول نہ کی جا سکے تو وہ تمیز منتصب عنہ کے متعلق کے ساتھ خاص ہوگی جیسے طاب زیدٌ ابوۃً ودارًا وعلمًا اس لئے کہ یہ اسماء منتصب عنہ کے ساتھ خاص نہیں اور نہ منتصب عنہ کو ان اسماء

عن متعلقه وذلك بحسب القرائن والاحوال مثل ابًا في طاب زيدٌ ابًا فانه يصح ان يجعل عبارةً عن زيدٍ فجاز ان يكون تارةً تميزاً عن زيد اذا اريد اسناد الطيب اليه باعتبار انه ابو عمرو وجاز ان يكون تارةً تميزاً عن متعلقه باعتبار ان الطيب مسند الى متعلقه وهو ابوه والّا اي و ان لم يكن التميز بعد ما لم يكن نصًّا في المنتصب عنه اسما يصح جعله لما انتصب عنه فهو لمتعلقه خاصةً نحو طاب زيد ابوةً وعلمًا و دارًا فان هذه الاسماء ليست نصًّا في المنتصب عنه ولا يصح جعلها له بالتعبير عنه بها فهي (الثلثة ۱۲) لمتعلق زيد وهو الذات المقدرة اعني الشئ المنسوب الى زيد فيطابق التميز فيهما اي فيما جاز ان يكون لما انتصب عنه سواء كان نصًّا فيه او محتملا له ولمتعلقه وفيما تعين لمتعلقه ما قصد من وحدة التميز او تثنيته او جمعيته سواء كان للموافقة ما انتصب عنه مثل

(اي الوحدة والاثنينية والجمعية ۱۲ عب)

سے تعبیر کر سکتے ہیں لہذا یہ متعلق زید کی تمیز واقع ہونگے اور وہ متعلق زید ذات مقدرہ یعنی شئے ہوگی جو کہ زید کی طرف منسوب ہے اور طاب زیدٌ جملہ میں پائی جاتی ہے پس اس سے یہ اسماء ابہام کو دور کریں گے کما مر تفصیلہ فی تقسیم المنتصب عنہ علی خمسۃ اقسام واللہ اعلم ۵ قولہ فیطابق الخ اس جگہ شارح نے فیہما کی تفسیر ای فیما جاز الخ سے کرکے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ ضمیر فیہما دو چیزوں کی طرف راجع ہے ایک ما یصح جعلہ لمنتصب عنہ والمتعلقہ کی طرف اور دوسری ما لا یصح جعلہ الخ کی طرف جو کہ قول مصنف والّا سے مستفاد ہوتی ہے پس اس وقت دو معانی (صـ۱۵۴)

(بقیہ صفحہ ۱۵۳) مطابقت سے وہ صورت خارج ہو جائیگی کہ جس میں تمیز منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہو حالانکہ اس میں بھی حسب ارادہ
مطابقت لازم ہے جواب یہ ہے کہ فیہما سے مراد فیما جاز الخ ہے یعنی تمیز کی مطابقت ہر صورت میں حسب ارادہ ضروری ہے خواہ تمیز
منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہو یا خصوصیت کو محتمل ہو یا تمیز منتصب عنہ کے متعلق کیلئے ہو یا صرف متعلق منتصب عنہ کے ہی ساتھ

طاب زيدٌ ابًا والزيدان ابوين والزيدون آباءً او المعنى في نفسه مثل
قولك طاب زيدٌ ابًا اذا اردت ابا له فقط وطاب زيد ابوين اذا
اردت ابًا وجدًا له وطاب زيد آباءً اذا اردتَ آباءً واجدادًا له فعلى كل
من التقديرين اذا قصدت وحدة التمييز اورد مفردًا واذا قصدت
تثنيته اورد تثنيته واذا قصدت جمعيته اورد جمعًا فان صيغة المفرد
لا تصلح ان تطلق على المثنى والمجموع الا اذا كان التمييز جنسًا يقع على
القليل والكثير فانه اذا قصدت تثنيته او جمعيته لا يلزم ان تثنى ذلك
الجنس او يجمع بل يكفي ان يؤتى به مفردًا لصحة اطلاقه على القليل و
الكثير فلا حاجة الى تثنيته وجمعه نحو طاب زيدٌ علمًا والزيدان علمًا و
الزيدون علمًا الا ان يقصد بالتمييز الذي هو الجنس الانواع من حيث
امتيازها بها النوعية فانه لابد حينئذٍ من تثنيته او جمعه نحو طاب الزيدان

فح بغير دلا محالة ١٢ رحمن

سے مطابقت ضروری نہیں ہوگی جیسا کہ غیر جنس کی صورت میں تھا واللہ اعلم ٢ے قولہ الا ان یقصد الخ
یہ استثناء سابق سے استثناء ہے یعنی اگر تمیز کے جنس ہونے کی صورت میں انواع کا قصد ہو اس
حیثیت سے کہ بعض انواع بعض سے ممتاز ہوں خواہ یہ امتیاز نوع کے اعتبار سے ہو یا عدد
کے ذریں اس جگہ بھی حسب سابق انواع سے مراد نوع اور عدد دونوں ہیں جیسا کہ ان کان
جنسًا الا ان یقصد الانواع میں گذر چکا، تو تمیز جنس کی مراد کے موافق تثنیہ اور جمع لایا جائیگا جیسے
طاب الزیدان علمین اور طاب الزیدون علومًا جبکہ اس سے یہ ارادہ کیا جائے (باقی بر صفحہ ۱۵۵)

خاص ہو بہرصورت جب وحدت
تمیز یا اس کے تثنیہ یا جمع ہونے کا
قصد کیا جائیگا تو تمیز حسب مقصود
مفرد یا تثنیہ یا جمع لائی جائیگی خواہ
یہ تمیز منتصب عنہ کی موافقت کے
لئے لائی جائے جیسے طاب زیدٌ ابًا
طاب الزیدان ابوین طاب الزیدون
آباءً یا نفس تمیز وحدت یا تثنیہ یا جمع
کی مقتضی ہو مثلاً جب کہ منتصب عنہ
کے لئے ابًا سے صرف باپ مراد ہوگا
تو طاب زیدٌ ابًا کہیں گے اور اگر تمیز
سے منتصب عنہ کے لئے اب اور
جد دونوں کا ارادہ مقصود ہو تو طاب
زید ابوین کہیں گے علی ہذا القیاس
جب آباء و اجداد منتصب عنہ کے
لئے مقصود ہوں تو طاب زیدٌ آباءً
کہیں گے بہرحال خواہ کوئی صورت
ہو اگر وحدت تمیز کا قصد کیا
جائیگا تو تمیز مفرد لائی جائیگی اور
تثنیہ کا قصد ہو تو تثنیہ لائیں گے
اور جمعیتہ تمیز مقصود ہو تو جمع لائی
جائیگی تاکہ تمیز مقصود کے مطابق
ہو جائے اس لئے کہ اگر صیغہ مفرد
لائیں گے تو اس میں بوقت قصد
تثنیہ یا جمعیتہ تثنیہ یا جمع بننے کی
صلاحیت نہیں ہوگی واللہ اعلم
لے قولہ الا اذا کان الخ ہاں البتہ اگر
تمیز جنس ہو اور قلیل و کثیر سب
پر صادق آئے تو مفرد لائی جائیگی
اس لئے کہ جب تمیز کے تثنیہ یا جمع
ہونے کا قصد کیا جائیگا تو یہ ضروری
نہیں ہوگا کہ اس جنس کو تثنیہ یا جمع لائیں بلکہ اس جنس کا مفرد ہی لے آنا کافی ہوگا کیونکہ جنس کا مفرد ہونے کی حالت میں قلیل و کثیر سب پر
اطلاق درست ہوگا لہذا اس کے تثنیہ یا جمع لانے کی حاجت نہ ہوگی بلکہ مفرد سے ہی مقصود تام ہو جائیگا جیسے طاب زیدٌ علمًا طاب
الزیدان علمًا طاب الزیدون علمًا کہ ان امثلہ میں علم جنس ہے قلیل کثیر سب پر صادق آتا ہے لہذا اس کے لئے منتصب عنہ یا مقصود

(بقیہ صفحہ ۱۵۴) کہ زیدون میں سے ہر زید علم کی ایک ایک نوع کے اعتبار سے اچھا ہے یعنی مثلاً ایک زید علم فقہ کے اعتبار سے اچھا ہے دوسرا علم نحو کے لحاظ سے اور تیسرا علم صرف میں ماہر ہونے کے باعث پس ان میں اگرچہ علم تمیز جنس ہے مگر علم کی انواع مختلفہ مراد ہیں اس لئے اگر تمیز مفرد لائی جائیگی تو اس سے علم کی انواع مختلفہ پر دلالت نہیں ہو سکے گی بلکہ مطلب یہ ہو جائیگا کہ ہر زید علم کے اعتبار سے اچھا ہے اور یہ قصد انواع کے خلاف ہے لہذا تمیز کو حسب مقصود تثنیہ یا جمع لائیں گے واللہ اعلم

علمین والزیدون علوماً اذا ارید ان متعلق الطیب من کل من الزیدین او الزیدین نوع آخر من العلم فان صیغۃ المفرد لا تفید ذلک المعنی وان کان ای التمیز صفۃ مشتقۃ مثل للہ درہ فارساً او مؤولۃ بہا نحو کفی زید رجلاً فان معناہ کاملاً فی الرجولیۃ کانت الصفۃ صفۃ لہ ای لما انتصب عنہ لا المتعلقہ لان الصفۃ تستدعی موصوفاً والمذکور اولی بموصوفیتہ فاذا قیل طاب زید والداً کان الوالد زیداً ولا یحتمل ان یکون والدہ بخلاف الاسم نحو اباً وطبقۃ الواو بمعنی مع والطبق مصدر بمعنی المطابقۃ ای کانت الصفۃ صفۃ لہ مع مطابقتہا ایاہ او مطابقۃ ایاہا ویجوز ان یکون بمعنی اسم الفاعل والواو للعطف علی خبر کانت ای کانت صفۃ لہ ومطابقۃ ایاہ و المراد بالمطابقۃ الاتفاق فی الافراد والتثنیۃ والجمع والتذکیر والتانیث

کلمۃ من للبیان ۱۲ رحمن — خبر ان ۱۲ رحمن — ای الموافقۃ ۱۲ — مع المنتصب عنہ ۱۲

مؤنث لائی جائیگی اور اگر منتصب عنہ تثنیہ یا جمع ہوگا تو صفت کا بھی تثنیہ یا جمع لانا ضروری ہوگا دوسری توجیہ طبق مصدر کے متعلق یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہو اور واو کانت کی خبر صفۃ لہ پر عطف کے لئے ہو پس اس صورت میں عبارت اس طرح ہوگی ای کانت الصفۃ صفۃ لہ ومطابقۃ ایاہ پس ان دونوں صورتوں میں یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ وطبقۃ میں واو عاطفہ ہے اور اس کا عطف قول منتصب لہ پر ہے اور یہ ناجائز ہے اس لئے کہ صفت طبق نہیں ہے پس جب واو بمعنی مع یا عاطفہ لے لیا گیا اور طبق بمعنے المطابقۃ تو اب اعتراض باقی نہیں رہا واللہ اعلم

۵ قولہ وان کان الخ اور اگر تمیز صفۃ مشتقہ ہو جیسے للہ درہ فارساً میں فارساً فراستہ یا تفرس سے مشتق ہے یا صفۃ مشتق کے ساتھ تاویل کی گئی ہو جیسے کفی زید رجلاً میں رجلاً کاملاً فی الرجولیۃ سے مؤول ہے یعنی رجلاً کے معنی کامل فی الرجولیۃ کے ہیں تو صفۃ صرف منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہوگی اس کے متعلق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا اس لئے کہ صفۃ موصوف کی مقتضی ہوتی ہے اور مذکور یعنی منتصب عنہ اولی ہے کہ اس کو صفت کا موصوف بنا دیا جائے لہذا صفت صرف منتصب عنہ کے ہی ساتھ خاص ہوگی پس جب طاب زید کہا جائے گا تو والد زید ہی ہوگا اس کا متعلق یعنی زید کا باپ نہیں ہوگا ورنہ والد کی صفتیۃ زید کے ساتھ باقی نہیں رہے گی بخلاف اسم کے جیسے اباً کہ اس میں دونوں احتمال ہیں زید کا بھی اور زید کے باپ کا بھی مشتقۃ کا مطلب معلوم ہی ہے کہ اس سے مراد اسم فاعل یا اسم مفعول وغیرہ ہیں کما مر واللہ اعلم ۵ قولہ وطبقۃ الخ یہ واو بمعنے مع ہے اور طبق مصدر ہے بمعنی المطابقۃ اور عبارت اس طرح ہے ای کانت الصفۃ صفۃ لہ مع مطابقتہا ایاہ او مع مطابقۃ ایاہا یعنی جب تمیز صفت ہوگی تو منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہونے کے ساتھ ساتھ منتصب عنہ کے افراد تثنیہ اور جمع اور تذکیر و تانیث میں بھی موافق ہوگی اس لئے کہ موصوف وصفۃ کے درمیان مطابقت ضروری ہے اس لئے کہ صفت میں ایک ضمیر ہوتی ہے جو موصوف کی طرف لوٹتی ہے اور ضمیر کا اپنے مرجع سے مطابق ہونا ضروری ہے پس اگر منتصب عنہ مذکر یا مؤنث ہوگا تو صفۃ بھی مذکر یا

لکونہا حاملۃً لضمیرہ واحتملت ای الصفۃ المذکورۃ الحال ایضا
(ای الضمیر المنتصب عنہ ۱۲)
لاستقامۃ المعنے علی الحال نحو طاب زید فارسًا ای من حیث
انہ فارس او حال کونہ فارسًا لکن زیادۃ من فیہا نحو للّٰہ درّہ
من فارسٍ وقولہم عز من قائل یؤید التمیز لان من تزاد فی التمیز لا
(وتیرحم بانہ قوی وتوانا ست از حیثیت گو بندگی یا آنکہ دریکیاب ست از حیثیت)
فی الحال وایضًا المقصود مدحہ بالفروسیۃ لا حال الفروسیۃ او
قد یمدح حال الفروسیۃ بغیرہا من الصفات ولا یتقدم التمیز علی
عاملہ اذا کان اسمًا تامًا بالاتفاق فلا یقال عندی درہما عشرون ولا
زیتًا رطل لان عاملہ اسم جامد ضعیف العمل مشابہ للفعل مشابہۃً
(ای حین کان اسمًا تامًا ۱۲)
ضعیفۃً کما ذکرنا فلا یقوی ان یعمل فیما قبلہ والاصح ای اصح المذاہب

تنوین وغیرہ آتی ہے اس کے علاوہ مشابہت کی اور کوئی وجہ نہیں پس یہ مشابہت ضعیفہ ہوگی تو یہ نہیں لہذا اگر تمیز کو اس کے عامل پر مقدم کریں گے تو اس کا عامل اپنے ضعف فی العمل کے باعث تمیز میں عمل نہیں کر سکے گا پس تمیز کو ممیز پر مقدم نہیں کیا جائیگا واللہ اعلم
۳ے قولہ والاصح الخ جب یہ بیان کیا گیا کہ اگر تمیز کا عامل اسم تام ہو تو اپنے ضعف کی وجہ سے تمیز کے اس پر مقدم ہونے کی صورت میں عمل نہیں کریگا تو شبہ پیدا ہوا کہ اگر عامل اسم تام نہ ہو بلکہ فعل یا شبہ فعل ہو تو چونکہ وہ عامل قوی ہے لہذا اس پر تمیز مقدم ہو جائے گی پس اس شبہ کے ازالہ کے لئے مصنف والاصح الخ کہتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس کا عامل فعل ہو تو اس میں اختلاف ہے اس لئے بعض نحاۃ یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں تمیز فعل پر مقدم ہو سکے گی جیسا کہ عنقریب آتا ہے لیکن اصح مذہب یہ ہے کہ تمیز اس صورت میں بھی اپنے عامل پر مقدم نہیں سکتی خواہ وہ (باقی بر صفحہ ۱۵۷)

۱ے قولہ واحتملت الخ اور صفۃ مذکورہ اگر تمیز واقع ہو تو یہ حال کا بھی احتمال رکھتی ہے کیونکہ حال کے معنی بھی صحیح ہو جاتے ہیں جیسے طاب زیدٌ فارسًا اچھا ہے زید از روے شہسوار ہونے کے یا شہسوار ہونے کی حالت میں لیکن اس میں ترجیح تمیز کو حاصل ہے اس لئے کہ اس صفت میں کبھی مِن بھی زیادہ کر دیا جاتا ہے جیسے للّٰہ درّہٗ من فارس کہ اصل میں فارسًا تھا اور جیسے اہل عرب کا قول عزّ من قائل عزّ قائلًا کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے ای عزّ فلانٌ من قائل جب کسی کی عزت مقصود ہوتی ہے تب یہ کہتے ہیں پس زیادتی مِن اس بات کی تائید کرتی ہے کہ اس میں تمیز راجح ہے حال سے اس لئے کہ مِن تمیز میں ہی زیادہ کیا جاتا ہے حال میں نہیں کیونکہ تمیز سے مقصود رفع ابہام ہوتا ہے اور مِن بیان کے لئے آتا ہی پس مِن بیانیہ زید رفع ابہام پر دلالت کریگا نیز یہ کہ اس مثال سے زید کی تعریف فروسیۃ کے اعتبار سے کرنا مقصود ہے حال فروسیۃ کے اعتبار سے نہیں اس لئے کہ تمیز مدح کے لئے ہوتی ہے اور حال مدح کے لئے نہیں آتا بلکہ وہ عامل کو حال کے ساتھ مقید کر دینے کے لئے آتا ہے لہذا احتمال تمیز راجح ہوگا پھر یہ بھی وجہ ہے کہ اگر حال فروسیۃ کے ساتھ اس کی تعریف مقصود ہوتی تو فروسیۃ کے بغیر دوسری صفات کے ساتھ اس کی تعریف نہ کیجا سکتی حالانکہ حال فروسیۃ کے بغیر بھی دوسری صفات کے ساتھ اس کی تعریف کی جاتی ہے جیسے حسنٌ زیدٌ قائمًا ۱۲ ۲ے قولہ ولا یتقدم الخ اور تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوگی بشرطیکہ تمیز قسم اول سے ہو یعنی اس کا عامل اسم تام ہو پس عندی درہمًا عشرون اور زیتًا رطلٌ نہیں کہا جائیگا اس لئے کہ اس کا عامل اسم جامد ہوتا ہے اور یہ ضعیف العمل ہے اور اگرچہ یہ فعل کے مشابہ ہے لیکن یہ مشابہت ضعیفہ ہے جیسا کہ بالتفصیل بیان کیا جا چکا ہے کہ مفرد مقدار جب تنوین وغیرہ میں سے کسی ایک کے ساتھ تام ہو تو وہ فعل کے ساتھ اس اعتبار سے مشابہ ہو جاتی ہے کہ فعل بھی اپنے فاعل پر تمام ہوتا ہے اسی طرح جس طرح فعل کے بعد فاعل آتا ہے مفرد مقدار کے بعد

(بقیہ ص ١٥٦) عامل فعل صریح ہو یا غیر صریح یعنی اسم فاعل وغیرہ از قسم شبہ فعل اور اس عدم تقدم کی وجہ یہ ہے کہ تمیز اگرچہ منصوب ہوتی ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ معنی کی حیثیت سے فعل کا فاعل ہوتی ہے کیونکہ اس سے غرض اجمال کے بعد بیان ہوتی ہے اور اجمال فعل کا فاعل ہوتا ہے تو بیان بھی لامحالہ فعل کا فاعل ہوگا جیسے طاب زیدٌ ابًا معنے کے اعتبار سے طاب ابوہ کے معنی میں ہے جبکہ ابا کو منتصب عنہ کے متعلق سے تمیز قرار دیں پس ظاہر ہے کہ ابوہ طاب کا فاعل واقع ہو رہا ہے لہٰذا جس طرح فاعل کو فعل پر مقدم کرنا ناجائز ہے اسی طرح تمیز کو بھی عامل فعل یا شبہ فعل پر مقدم کرنا ناجائز ہوگا یہ تو صورت اس وقت تھی جبکہ تمیز بذات خود فاعل بن سکتی تھی لیکن جب تمیز بذات خود فاعل نہ بن سکے بلکہ وہ فعل متعدی سے تمیز واقع ہو جیسے فجّرنا الارض عیونًا کہ اس میں فجّرنا فعل متعدی ہے تو اس کو لازم کریں گے ای انفجرت عیونہا پس عیونًا جو کہ تمیز واقع ہو رہا تھا وہ فعل کے لازم ہو جانے کے سبب سے اس کا فاعل ہو جائیگا اور فاعل فعل پر مقدم ہوا نہیں کرتا لہٰذا تمیز کو بھی عامل فعل پر مقدم نہیں کریں گے اسی طرح اگر فعل لازم ہو اور اس کی تمیز فاعل نہ بن سکے تو فعل لازم کو متعدی کریں گے جیسے امتلأ الاناءُ ماءً (بھر گیا برتن از روئے پانی کے) کہ امتلأ فعل لازم ہے اور ماءً اس کا فاعل نہیں بن سکتا لہٰذا فعل متعدی کو لازم سے بدل لیں گے ای ملأہُ الماءُ یعنی برتن کو پانی نے بھر دیا اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ الماءُ فاعل واقع ہو رہا ہے پس جس طرح فاعل مقدم نہیں ہوا کرتا فعل پر اسی طرح جو فاعل کے معنے میں ہوگا وہ بھی فعل پر مقدم نہیں کیا جائیگا واللہ اعلم ١٢

ان لا یتقدم التمیز علی ما ہو عامل فیہ من الفعل الصریح او الغیر الصریح لکونہ من حیث المعنی فاعلاً للفعل نفسہ نحو طاب زیدٌ ابًا ای طاب ابوہ او فاعلاً لہ اذا جعلتہ لازمًا نحو فجّرنا الارض عیونًا ای انفجرت عیونہا واذا جعلتہ متعدیًا نحو امتلأ الاناءُ ماءً ای ملأہُ الماءُ والفاعل لا یتقدم علی الفعل فکذا ما ہو بمعنی الفاعل وٰہہنا[1] بحث وہو ان الماءَ فی قولہم امتلأ الاناءُ ماءً من حیث المعنی فاعل للفعل المذکور من غیر حاجۃٍ الی جعلہ متعدیًا لان المتکلم لمّا قصد اسناد الامتلاء الٰی

(والفاعل لا یتقدم علی الفعل ١٢ — رواں ساختیم زمین را از روئے بہ چشمہا ١٢ — بالفارسیۃ پر ساخت ظرف را)

بعض متعلقات ماء وغیرہ کی طرف کرے اگرچہ علی سبیل التجوز ہی کیوں نہ ہو یعنی متکلم نے جب اس شے کا قصد کیا جو کہ اناء کی طرف منسوب ہے یعنی ماء کا اور اس اسناد کو فرض کر لیا اگرچہ یہ اسناد مجازاً ہی ہے اس لئے کہ امتلاء کا اسناد حقیقۃً اناء کی طرف ہے ماء کی طرف نہیں تو اس قصد فرض اسناد کے باعث اس اسناد میں ابہام پیدا ہو گیا اس لئے کہ یہ پتہ نہیں کہ برتن کو کس شے نے پُر کیا ہے پس لامحالہ اس کی تمیز ماءً کے ساتھ لائی گئی پس یہ امتلاء ماءُ للاناء کے معنی میں ہوگا لہٰذا ماء معنیً فاعل ہے تفصیل مقام کی یہ ہے کہ فعل کا اسناد فاعل حقیقی کی طرف ضروری نہیں اس لئے کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ قول عرب انبت الربیع البقلۃ میں فاعل یعنی منبت حقیقی اللہ تعالیٰ ہے حالانکہ اس کے معنی یہ کئے جاتے ہیں۔ بہار نے سبزہ اگا دیا پس اس میں فعل کی اسناد ربیع کی طرف کی گئی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ منبت حقیقی ہے پس جس طرح انبات کی اسناد ربیع کی طرف مجازاً ہے اور ربیع کو انبت کا مجازاً فاعل بنایا گیا ہے کیونکہ ربیع انبات کا سبب ہے اسی طرح امتلاء ماء للاناء میں ماء کو اس اعتبار سے فاعل بنا دیا گیا کہ ماء سبب امتلاء اناء ہے پس فعل کی اسناد اناء کے بعض متعلقات کی طرف مجازاً جائز ہوئی لہٰذا کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ فعل لازم کو متعدی کرکے تمیز کو فعل کے معنی میں کریں پس اس بحث سے شارح کا مقصد یہی ہے کہ فعل لازم کو متعدی بنانے کی ضرورت نہیں اسلئے

[1] قولہ وٰہہنا بحث الخ امتلأ الاناءُ ماءً کے متعلق جو توجیہ کی گئی ہے اس کو فاعل بنانے کے لئے اس پر شارح اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں بحث ہے اور وہ یہ ہے کہ امتلأ الاناءُ ماءً میں لفظ ماء معنے کے اعتبار سے فعل مذکور کا فاعل ہے بغیر اس بات کے کہ اس کو لازم سے متعدی بنا کر ملأہُ الماءُ کہا جائے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب متکلم نے اس بات کا قصد کیا کہ وہ امتلاء کا اسناد اناء کے

لـه قولہ وذلک الخ اس سے شارح اپنے قول کی تائید پیش فرمارہے ہیں کہتے ہیں کہ لفظ مار کا امتلاء مار ل الانار میں فاعل مجازی اور امتلاء الانار مار میں فاعل معنوی ہونا بعینہ قول قائل ربح زید تجارۃ کی مثل ہے اس لئے کہ تجارۃ تمیز ہے اور شئی منسوب الی زید سے رفع ابہام کررہی ہے اور وہ شئی منسوب الی زید تجارۃ ہے پس ربح کا فاعل اس صورت میں تجارۃ ہوا نہ کہ زید اگرچہ ربح کی اسناد زید کی طرف حقیقۃً ہے اور تجارۃ کی طرف مجازاً حاصل یہ ہوا کہ جب ربح شئے منسوب الی زید کہا گیا تو اس میں ابہام پیدا ہوگیا کہ وہ شئی منسوب الی زید کیا ہے؟ اور شئی منسوب الی زید ربح کا فاعل ہے پس جب اس کی تمیز تجارۃ کے ساتھ لائی گئی تو اس شئے سے ابہام دور ہوگیا پس تجارت بمنزلہ فاعل کے ہوئی کیونکہ تجارت سبب ربح و منفعت ہے پس اسی طرح امتلاء مار ل الانار میں مار کو مجازاً فاعل کہیں گے کیونکہ مار سبب امتلاء انار ہے واللہ اعلم ۔ ٢ـه قولہ وبهذا الخ اس سے شارح ایک اعتراض کے دفع کی طرف اشارہ کررہے ہیں جو مذکورہ بالا بحث کے ضمن میں ہی دفع ہو جاتا ہے کہتے ہیں کہ جب ہم نے یہ کہا کہ ربح کی اسناد زید کی طرف حقیقۃً ہے اور تجارۃ کی طرف مجازاً اور تجارۃ بعلاقۂ سببیت فاعل مجازی ہے تو اس سے ایک اعتراض دفع ہوگیا جو اس مشہور قاعدہ پر وارد ہوتا ہے کہ تمیز جب نسبت سے رفع ابہام کرتی ہے تو وہ معنیً یا فاعل ہوتی ہے یا مفعول حالانکہ ربح زید تجارۃ اور اس کے امثال جیسے امتلاء الانار مار میں تمیز نسبت سے رفع ابہام کررہی ہے لیکن نہ معنی فاعل ہے نہ مفعول پس یہ قاعدہ درست نہیں وجہ دفع یہ ہے کہ فاعل اور مفعول جو اس قاعدہ میں بیان کئے گئے ہیں ان میں تعمیم ہے یعنی خواہ وہ حقیقۃً ہوں یا مجازاً اس لئے کہ یہ دونوں مطلق ذکر کئے گئے ہیں اور مطلق میں فائدہ تعمیم حاصل ہو سکتا ہے پس اگرچہ ان مثالوں میں تمیز فاعل حقیقی نہیں لیکن فاعل مجازی ضرور ہے لہذا قاعدہ اپنی جگہ پر صحیح اور درست ہے واللہ اعلم ۔ ٣ـه قولہ خلافاً للمازنی الخ اگر تمیز کا عامل فعل صریح یا غیر صریح ہو تو اس میں مازنی اور مبرد کا خلاف ہے اس لئے کہ یہ دونوں فعل صریح اور اسم فاعل اور اسم مفعول پر تقدیم

بعض متعلقات الانار ولو علی سبیل التجوز وقدرہ وقع الابهام فیہ (وهو المار وغیر ذلک ۱۲ منہ) (جزء المار ۱۲)

لاجرم میزہ بقولہ مار فهو فی معنے امتلاء مار الانار فالمار فاعل معنی

وذلک [١] بعینہ مثل قولک ربح زید تجارۃ فان التجارۃ تمییز یرفع

الابهام عن شئ منسوب الی زید وهو التجارۃ فالفاعل فی قصدک

هو التجارۃ لا زید وان کان اسناد الربح الیہ حقیقۃ والیها مجازا

وبهذا [٢] یندفع ما یورد علی قاعدتهم المشهورۃ وهی ان التمییز عن النسبۃ

اما فاعل فی المعنی او مفعول من ان التمییز فی هذا المثال و

امثالہ لا فاعل ولا مفعول فلا تطرد تلک القاعدۃ خلافاً [٣] للمازنی و

المبرد فانهما یجوزان تقدیم التمییز علی الفعل الصریح (مثل ربح زید تجارۃ ۱۲) وعلی اسمی الفاعل

تمیز کو جائز قرار دیتے ہیں اور دلیل ان کی یہ ہے کہ یہ عامل قوی ہے اور جب عامل قوی ہوتا ہے تو اس کے معمول کی تقدیم اس پر جائز ہوتی ہے بشرطیکہ اس تقدیم سے کوئی مانع پیش نہ آئے اور فعل صریح میں تو قوت ظاہر ہے کہ اور آخیرین میں اس لئے قوت فی العمل ہے کہ جب ان دونوں میں شرط عمل پائی جائے تو یہ مضارع کے حکم میں ہوتے ہوئے باعتبار عمل کے پس یہ فعل کی طرح مقدم اور مؤخر دونوں طرح عمل کریں گے بخلاف صفۃ مشبہ ۔ اسم تفضیل اور مصدر کے اس لئے کہ جس میں فعل کے معنی ہوں تو چونکہ یہ ضعیف فی العمل ہیں اس لئے ان پر تمیز مقدم نہیں ہوسکتی کیونکہ عامل ضعیف مابعد میں تو عمل کرسکتا ہے ماقبل میں عمل نہیں کرسکتا اور ان دونوں کی دلیل قوت عامل کی دلیل کے علاوہ ایک یہ بھی ہے کہ ایک شاعر نے اپنے شعر میں تمیز کو اس کے عامل پر مقدم باندھا ہے اور وہ شعر یہ ہے ۔ أتهجر سلمی بالفراق حبیبها ، وما کاد نفساً بالفراق تطیب ۔ اس میں استفہام انکار کے لئے ہے اور سلمی اتهجر فعل مؤنث کا (باقی برصفحہ ۱۵۹)

(بقیہ صفحہ ۱۵۶) فاعل ہے اور ماکاد میں مانافیہ اور کاد افعال مقاربہ سے ہے اور اس میں ضمیر شان مستتر ہے اور تطیب فعل مونث کا اسناد سلمیٰ کی طرف ہورہا ہے یعنی اس کی ضمیر مونث سلمیٰ کی طرف راجع ہے پس اس تقدیر کی بناء پر نفساً تطیبُ کی سلمیٰ کی طرف بنسبت سے تمیز واقع ہورہا ہے اور اپنے عامل تطیب پر مقدم ہے اسی کو شارح علی تقدیر تانیث الخ سے بیان کررہے ہیں یعنی یہ شعر محل استشہاد اس تقدیر کی بناء پر ہے کہ تطیبُ کو مونث پڑھیں اور اس میں ضمیر مونث لائیں گے پس اس وقت کاد چونکہ مذکر ہے لہذا اس میں ضمیر شان لائی جائیگی اور تطیبُ کی ضمیر سلمیٰ کی طرف راجع ہوگی اور نفساً تطیب کی سلمیٰ کی طرف نسبت سے تمیز واقع ہوگا اور یہ اپنے عامل پر مقدم ہے پس شعر کے معنی اس تقدیر کی بناپر بشرطیکہ یہ شعر اس مصرعہ کا مصداق ہو ع دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی، یہ ہونگے کیا سلمیٰ اپنے محبوب یعنی عاشق کو فراق میں مبتلا چھوڑ دیگی درانحالیکہ شان یہ ہے کہ وہ از روئے نفس کے (یعنی بذات خود) فراق کو اچھا نہیں سمجھتی۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے عاشق کو جو اس کا محبوب ہے فراق میں مبتلا نہیں چھوڑیگی۔ پس اس صورت میں نفساً تمیز کا اپنے عامل ممیز پر مقدم ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ تمیز عامل فعل پر مقدم ہوسکتی ہے پھر اس جگہ شارح نے علی تقدیر تانیث الضمیر الخ اس وجہ سے کہا کہ اس شعر میں دو احتمال ہیں ایک کے بموجب تو استشہاد صحیح ہے اور دوسرے کے بموجب غیر صحیح لہذا اس شعر کو مطلقاً استشہاد کے لئے پیش نہیں کیا جاسکتا واللہ اعلم ۱؎ قولہ واما علی تقدیر الخ یہ دوسرا احتمال ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ تطیبُ تاء کے ساتھ مونث نہ پڑھیں بلکہ یاء کے ساتھ یطیبُ مذکر پڑھیں پس اس صورت میں کاد کی ضمیر حبیب کی طرف راجع ہوگی اور نفساً ضمیر کی طرف کاد کی نسبت سے تمیز واقع ہوگا اور عبارت اس طرح ہو جائیگی ای وما کاد الحبیب نفساً یطیب پس اس صورت میں اس سے استشہاد اختیار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ نفساً تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں بلکہ موخر ہے کما یکون پس اس صورت میں شعر کا ترجمہ یہ ہوگا

والمفعول نظراً الی قوۃ العامل بخلاف الصفۃ المشبہۃ واسم التفضیل والمصدر وما بہ معنی الفعل لضعفہا فی العمل متمسکہا (مبتدا ۱۲) فی ہذا التجویز قول الشاعر ۔ شعر

(خبر ۱۲)

اَتَھجُرُ سلمٰی بالفراق حبیبہا ؛ وما کادَ نفساً بالفراق تطیب

(وفی بعض الروایات بالعراق ۱۲ غف)

علی تقدیر تانیث الضمیر فی تطیب فانہ ح یکون فی کاد ضمیر الشان لتذکیرہ ویعود ضمیر تطیب الی سلمٰی ویکون نفساً تمیزاً عن نسبۃ تطیب الیہا مقدماً علیہ واما علی تقدیر تذکیر الضمیر فضمیر کاد للحبیب ونفساً تمیز عن نسبۃ کاد الیہ ای وما کاد الحبیب (ای یقرأ یطیب بالیاء ۱۲) نفساً یطیب فلا تمسک وما قیل یحتمل ان یحمل البیت علی تقدیر تانیثہ (مبتدا ۱۲)

کیا سلمیٰ اپنے عاشق کو فراق میں مبتلا چھوڑ دیگی درانحالیکہ اس کا عاشق فراق سے خوش نہیں ہے، یعنی وہ فراق کو پسند نہیں کرتا،، اس صورت میں یہ ضروری نہیں سلمیٰ بھی اس پر فریفتہ ہو اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ ایسا نہ ہو بلکہ عاشق اپنے دل کو تسلی دینے کے لیئے اپنی محبوبہ کو بھی اپنا عاشق سمجھتے ہوئے ایسا کہہ رہا ہو اس شعر کی اصل کیفیت کو عاشق ہی خوب سمجھ سکتے ہیں میں نے صرف اپنا خیال ظاہر کیا ہے واللہ اعلم ۲؎ قولہ وما قیل الخ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر شعر کو تقدیر تانیث فعل پر ہی محمول کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ ضمیر تطیب باعتبار نفس کے حبیب کی طرف راجع ہے اور نفس مونث ہے اس لئے کہ اس کے معنے وما کادت نفس الحبیب بالفراق تطیبُ کے ہیں نفس حبیب فراق کو پسند نہیں کرتا پس عبارت اس طرح ہوگی ای وما کاد الحبیب نفساً تطیب نفسہ بفراقہ پس اس صورت میں تطیب میں ضمیر مونث ہے لیکن شعر قابل تمسک نہیں اور نفساً محل استشہاد نہیں (باقی بر صفحہ ۱۶۰)

(بقیہ صہ ۱۵۹) اس لئے کہ یہ اس وقت کا دکی نسبت سے تمیز واقع ہو رہا ہے جو کہ ضمیر مستتر کی طرف ہو رہی ہے جو کہ حبیب کی طرف راجع ہے پس مازنی اور مبرد کو یہ شعر دلیل میں پیش کرنا درست نہیں شارح ان کی جانب سے جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس توجیہ میں تکلف اور تعسف ہے اور یہ شعر مذکور سے تمسک میں کوئی مضر نہیں پس تکلف تو اس میں اس اعتبار سے ہے کہ ضمیر مؤنث باعتبار نفس کے مذکر کی طرف لوٹائی گئی ہے اور تعسف کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ ضمیر کا مرجع نفس کو بنایا گیا ہے مگر مراد اس سے مذکر ہی ہے پس ضمیر مؤنث مذکر کی طرف لوٹائی گئی حالانکہ ظاہر اور واضح اس میں یہ تھا کہ تطیبُ کی ضمیر مونث سلمیٰ کی طرف راجع کی جائے اس لئے کہ مؤنث مؤنث کی طرف راجع ہوتی ہے اور مذکر مذکر کی طرف پس چونکہ طریق واضح سے خروج اختیار کیا گیا ہے اس لئے اس میں تعسف ہے اس لئے کہ لغت میں اس کے یہی معنی ہیں پس شعر کو استدلال میں پیش کرنا ناقابل تمسک نہیں واللہ اعلم ۱۲ صہ ۱

قولہ المستثنیٰ الخ اس جگہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مستثنیٰ کے معنی مخرج یعنی نکالے گئے ہیں لہذا اس کی تقسیم متصل اور منقطع کی طرف جائز نہیں کیونکہ اس سے تقسیم الشیٔ الی نفسہ والی غیرہ لازم آتی ہے اس لئے کہ مستثنیٰ صیغہ اسم مفعول بمعنی المخرج ہے لغتہً اور یہ معنی متصل پر تو صادق آتے ہیں منقطع پر صادق نہیں آتے اس کا جواب دینے کے لئے شارح نے ای مایطلق علیہ لفظ المستثنیٰ الخ کا اضافہ فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ لفظ مستثنیٰ کے لغوی معنی مراد نہیں بلکہ جس پر مستثنیٰ کا اصطلاح نحاۃ میں اطلاق کیا جاتا ہو وہ مراد ہے پس منقطع پر اگرچہ مستثنیٰ کا اطلاق لغتہً نہیں کیا جاتا لیکن اصطلاحاً ضرور اس کو بھی مستثنیٰ کہتے ہیں پھر علی قسمین اس وجہ سے کہا کہ کلام مصنف سے تقسیم معلوم ہو رہی ہے اور ادوات حصر موجود نہیں لہذا شارح نے ادوات حصر ذکر کرکے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ متصلٌ و منقطعٌ میں واو عطف کے لئے ہے جو کہ ربط کا بھی فائدہ دیتا ہے پس اس جگہ ربط پر عطف مقدم ہے یعنی دونوں کا من حیث المجموع ہونا مراد ہے دونوں کا ربط کے ساتھ فرداً فرداً ہونا مراد نہیں پس جب عطف ربط پر مقدم ہوا تو اس سے حصر

ایضا علی ہذا الوجہ بان یکون تانیث الضمیر الراجع الی الحبیب باعتبار النفس اذا المعنے وما کادت نفس الحبیب تطیب فتکلفٌ (خبر ۱۲) وتعسفٌ غیر قادح (ای غیر مضر ۱۲) فے التمسک (عص لہ) المستثنےٰ ای مایطلق علیہ (اذ بنا رحکمہم علی الظاہر الذی یقبلہ الطبع السلیم ۱۲ غف) لفظ المستثنےٰ فے اصطلاح النحاۃ علی قسمین (۱۲ ع) ولما کان (ع) معلومیتہ (ص) بہذا الوجہ الغیر المحتاج الی التعریف کافیۃ فی تقسیمہ قسمہ الی قسمین وعرف (صفۃ لقولہ معلومیتہ لالقولہ بہذا الوجہ ۱۲ ابق) کل واحد منہما لان (ص) لکل واحد منہما احکاما خاصۃً لایمکن اجراؤہا علیہ

کا فائدہ حاصل ہوگیا لہذا مصنف نے ادوات حصر کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی واللہ اعلم ۱۲ صہ ۲

قولہ ولما کان الخ اس سے شارح ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں سوال کی تقریر یہ ہے کہ تقسیم سے پہلے اشیاء میں اصل یہ ہے کہ تعریف بیان کی جائے اور اس جگہ مصنف نے تعریف بیان نہیں کی بلکہ تقسیم کو خلاف اصل بیان کر دیا جواب یہ ہے کہ جبکہ مستثنیٰ کا علم اس اعتبار سے حاصل ہے کہ اصطلاح نحاۃ میں جس پر لفظ مستثنیٰ کا اطلاق کیا جا سکے وہ مستثنیٰ ہے تو یہ معلومیۃ تعریف کی محتاج نہیں پس تقسیم مستثنیٰ کے لئے یہ معلومیۃ کافی ہے لہذا مصنف نے اس کو دو قسموں پر منقسم کر دیا اور ہر ہر قسم کی علیحدہ علیحدہ تعریف بیان کر دی اس لئے کہ دونوں میں سے ہر ایک کے لئے خاص خاص احکام ہیں کہ ان کا اجراء ہر ایک پر اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہر ایک کی تعریف نہ معلوم ہو جائے پس مصنف نے متصلٌ و منقطعٌ کہا اب کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ جب مستثنیٰ کی تعریف من وجہ تقسیم کے لئے کافی ہے تو ہر ایک کی تعریف علیحدہ علیحدہ کیوں بیان کی؟ وجہ یہی ہے کہ ہر ایک کے احکام جدا جدا ہیں اس لئے ہر ایک کی تعریف جدا جدا بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی اس جواب سے شیخ رضی کے قول کا رد ہو جاتا ہے انھوں نے تعریف مستثنیٰ نہ کرنے کے اعتراض کا یہ جواب دیا تھا کہ مستثنیٰ کی تعریف دشوار ہے اس لئے مصنف نے اس کی تعریف بیان نہیں کی بلکہ ہر ایک قسم کی علیحدہ علیحدہ بیان کر دی۔ وجہ رد یہ ہے کہ ہر ایک قسم کی تعریف بیان کرنے کا منشا یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے خاص خاص احکام ہیں اور مستثنیٰ کی تعریف اس لئے بیان نہیں کی کہ وہ ظاہر ہے اس لئے کہ کہہ سکتے ہیں کہ مستثنیٰ وہ ہے جو الّا اور اس کے اخوات

الا بعد معرفته فقال متصل و منقطع فالمتصل ہو المخرج ای الاسم الذی اخرج واحترز بہ عن غیر المخرج کجزئیات المستثنیٰ المنقطع عن حکم شیٔ متعدد جزئیاتہ نحو ماجاءنی احدٌ الا زیداً او اجزاؤہ نحو اشتریت العبد الا نصفہ سواء کان ذلک المتعدد لفظاً ای ملفوظا نحو جاءنی القوم الا زیداً او تقدیراً ای مقدراً نحو ماجاءنی الا زیداً ای ماجاءنی احدٌ الا زیداً بالا غیر الصفۃ واخواتہا واحترز بہ عن نحو جاءنی القوم لا زیدٌ و ماجاءنی القوم لکن زیدٌ جاءَ

ذو عدد و کثرۃ ۱۲ غف

زیداً ہے کہ اس میں مستثنیٰ منہ یعنی احدٌ مقدر ہے ای ماجاءنی احدٌ الا زیداً پھر جب مستثنیٰ متصل میں یہ قید لگا دی گئی کہ وہ الا یا اس کے اخوات عدا۔ خلا وغیرہ کے ذریعہ مخرج ہو تو اس سے وہ مستثنیٰ خارج ہو جائیگا جو کہ حرف عطف کے ذریعہ مستثنیٰ منہ سے مخرج ہو جیسے جاءنی القوم لا زیدٌ اور ماجاءنی القوم لکن زیدٌ جاء پس جب مستثنیٰ کی قسم سے نہیں ہونگے تو ان پر نصب بھی نہیں آئیگا بلکہ جو اعراب ان کے معطوف علیہ کا ہوگا وہی معطوف کا بھی ہوگا اب اس جگہ ایک مشہور اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ جاءنی القوم الا زیداً میں زید قوم میں داخل ہے یا اس سے خارج اگر خارج ہے تو خارج سے خارج کرنا لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے اس لئے کہ اخراج شئی اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ شئی داخل بھی ہو پس جب داخل ہی نہیں ہوگی تو اخراج کے کیا معنے نیز اس سے خلاف اجماع بھی لازم آتا ہے اس لئے کہ جمہور کے نزدیک مستثنیٰ متصل کی صورت میں زید قوم میں داخل ہے مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ علیّ عشرۃٌ الا درہماً تو ایک درہم جو کہ مستثنیٰ ہے وہ بھی عشرۃ میں داخل ہوگا اور اگر اس کو داخل مراد لیتے ہیں تو تناقض صریح لازم آتا ہے کہ مستثنیٰ یعنی زید مستثنیٰ منہ میں داخل بھی ہو اور خارج بھی جواب یہ ہے کہ مستثنیٰ حکم سے مخرج نہیں مراد سے مخرج ہے پس جب ہم نے جاء القوم کہا تو اس سے بادی النظر میں یہ مراد لیا گیا کہ مجیٔ مجموع کی ہے پس جب الا زیداً کہا گیا تو معلوم ہوا کہ مجموع (باقی بر صفحہ ۱۶۲)

لہ قولہ فالمتصل الخ پس مستثنیٰ متصل اس اسم کو کہتے ہیں جو الا یا اس کے اخوات کے ذریعہ شئے متعدد کے حکم سے نکالا گیا ہو خواہ وہ شئی متعدد یعنی مستثنیٰ منہ لفظوں میں ہو یا پوشیدہ اس جگہ شارح نے ای الاسم الذی اُخرج کہکر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ المخرج میں الف لام بمعنی الذی ہے اور اس کا موصوف الاسم محذوف ہے اور مخرج فعل ماضی مجہول کے معنی میں ہے پس قید مخرج سے غیر مخرج خارج ہو گیا مثلاً مستثنیٰ منقطع کی جزئیات یعنی حمار فرس وغیرہ جیسے جاءنی القوم الا حماراً کہ اس میں حماراً کو متصل نہیں کہینگے کیونکہ یہ مستثنیٰ منہ سے مخرج نہیں ہے پھر متعدد کے بعد جزئیاتہ الخ کا اضافہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ متعدد سے مراد یہ ہے کہ اس کی جزئیات یا اجزاء متعدد ہوں یعنی مستثنیٰ منہ خواہ کلی ہو کہ اس کی جزئیات متعدد ہوں جیسے احدٌ کہ ہر شئے اس کا فرد ہوگی یا مستثنیٰ منہ جزئی ہو کہ اس کے اجزاء متعدد ہوں جیسے اشتریتُ العبدَ الا نصفہ کہ اس میں عبد مستثنیٰ منہ جزئی ہے اور مستثنیٰ باعتبار اس کے اجزاء یعنی نصف وغیرہ کے ہے پس مستثنیٰ عام ہے خواہ مستثنیٰ منہ سے اقل ہو یا اکثر یا مساوی لہذا اب یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ اشتریت العبد الا نصفہ میں نصفہ مستثنیٰ متصل ہے مگر یہ متعدد سے خارج نہیں کیونکہ عبد جزئی ہے اس میں تعدد کیسا پس جواب یہ ہوگا کہ عبد اگرچہ جزئی ہے مگر اس کے اجزاء تو ہیں نصف۔ ربع۔ ثمن وغیرہ پس یہ اپنے اجزاء کے اعتبار سے متعدد ہے جزئی کے اعتبار سے نہیں پس مستثنیٰ منہ کلی ہو تو اس کی مثال ماجاءنی احدٌ الا زیداً ہے کہ اس میں احدٌ کلی ہے اور تمام افراد کو شامل ہے یعنی میرے پاس تمام افراد میں سے سوائے زید کے اور کوئی نہیں آیا اور مستثنیٰ منہ جزئی کی مثال اشتریتُ العبدَ الا نصفہ ہے کما مر پھر قول شارح سواءٌ کان ذلک المتعدد سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ لفظاً اور تقدیراً ملفوظاً اور مقدراً کے معنی میں ہو کر کان کی خبریت کی بناء پر منصوب ہیں پس مستثنیٰ منہ ملفوظ ہو تو اس کی مثال جاءنی القوم الا زیداً ہے کہ اس میں القوم مستثنیٰ منہ لفظوں میں موجود ہے اور مستثنیٰ منہ مقدر کی مثال ماجاءنی الا

(بقیہ ص ۱۶۱) مراد نہیں بلکہ زید کا ماسوا مراد ہے پس اولاً زید کو مراد مجموع سے خارج کیا گیا پھر قوم پر مجیئت کا حکم لگایا گیا اور دوسرا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ المخرج عن متعدد کے معنے علی سبیل المجاز منع دخولہ فی المتعدد بالا و اخواتہا کے ہیں یعنی مستثنیٰ ہے تو مستثنیٰ منہ میں داخل ہے لیکن الا اور اس کے اخوات کے باعث مستثنیٰ کا متعدد میں دخول ممتنع ہوگیا پس اب کوئی اعتراض وارد نہیں ہوگا واللہ اعلم ۵ قولہ والمستثنیٰ المنقطع الخ المنقطع موصوف محذوف کی صفت ہے اس لئے المستثنیٰ کا شارح نے اضافہ کیا اس کی تعریف یہ ہے کہ الا اور اس کے اخوات کے بعد مذکور ہو لیکن متعدد سے نہ نکالا گیا ہو اس لئے کہ استثناء منقطع میں مستثنیٰ اپنے مستثنیٰ منہ میں داخل نہیں ہوا کرتا پس اس سے مستثنیٰ متصل کی جزئیات خارج ہوگئیں اس لئے کہ اس میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل ہوتا ہے پس جب منقطع کی تعریف یہ ہوئی کہ وہ متعدد سے مخرج نہ ہو یعنی مستثنیٰ منہ میں داخل نہ ہو تو اس میں وہ مستثنیٰ بھی داخل ہوجائیگا جو استثناء سے پیشتر متعدد یعنی مستثنیٰ منہ میں داخل نہ ہو اس لئے کہ غیر مخرج اور عدم دخول کے اعتبار سے اس پر بھی مستثنیٰ منقطع کی تعریف صادق آتی ہے پھر خواہ وہ مستثنیٰ منقطع متعدد کی جنس سے ہو یا نہ ہو متعدد سے غیر مخرج ہونا اور اس میں عدم دخول ضروری ہے پس اگر ہم لفظ قوم سے ایسی جماعت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو کہ زید سے خالی ہو یعنی اس میں زید موجود نہ ہو جاءنی القوم الا زیداً کہیں تو اس میں زیداً مستثنیٰ منقطع ہوگا کیونکہ زید اگرچہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہے مگر اس میں داخل نہیں کیونکہ قوم پہلے سے ہی زید سے خالی ہے اور مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو تو اس کی مثال جاءنی القوم الا حماراً ہے پس حماراً مستثنیٰ منقطع ہے اس لئے کہ یہ نہ قوم میں داخل ہے اور نہ اس سے مخرج ۔ (فائدہ) مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوگیا مصنف نے متصل اور منقطع کی جو تعریف کی ہے وہ اتم اور اکمل ہے بہ نسبت اس کے کہ یہ تعریف کی جائے اور دونوں میں یہ فرق بیان کیا جائے کہ متصل وہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو اور منقطع وہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو پس اس اکملیت کی وجہ

والمستثنى المنقطع هو المذكور بعدها اى بعد الا واخواتها غير مخرج عن متعدد واحترز به عن جزئيات المستثنى المتصل فالمستثنى الذى لم يكن داخلا فى المتعدد قبل الاستثناء منقطع سواء كان من جنسه كقولك جاءنى القوم الا زيدا مشيرا بالقوم الى جماعة خالية عن زيد او لم يكن نحو جاءنى القوم الا حمارا او هو اى المستثنى مطلقا حيث علم اولا بوجه تصحيح تقسيمه كما عرفت وثانيا بما يتفطن له من تعريف قسميه اعنى المذكور بعد الا واخواتها سواء كان مخرجا او غير مخرج

یہ ہے کہ اس سے منقطع کی تعریف میں وہ مستثنیٰ بھی داخل ہوگیا جو کہ مستثنیٰ منہ میں استثناء سے پیشتر داخل نہ ہو خواہ وہ جنس متعدد سے ہو یا نہ ہو جیسا کہ ابھی مذکور ہوا بخلاف اس کے کہ اگر یہ تعریف کی جائے کہ منقطع وہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو تو اس سے وہ مستثنیٰ خارج ہوجاتا ہے جو استثناء سے پیشتر متعدد میں داخل نہ ہو حالانکہ کوئی بھی اس کو متصل کی تعریف میں داخل نہیں کرتا بلکہ سب کو منقطع ہی کہتے ہیں واللہ اعلم ۶ قولہ وہو الخ اس جگہ ای المستثنیٰ کہکر شارح نے ہو کا مرجع بیان کیا ہے اور مطلقاً الخ سے ایک اعتراض کا دفعیہ مقصود ہے اعتراض یہ ہے کہ مستثنیٰ کی تعریف تو ماقبل میں بیان کی نہیں گئی جس سے مستثنیٰ کا علم ہو اور اس کی طرف ضمیر راجع کردی گئی یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ حکم مطلقاً مستثنیٰ کا ہے اور اس کی تعریف اولاً تو اس طرح معلوم ہوگئی تھی کہ اس کی تقسیم متصل اور منقطع کی طرف صحیح ہوگئی تھی یعنی جس کو اصطلاح نحاۃ میں مستثنیٰ کہیں وہ مستثنیٰ ہے پھر ثانیاً جب اس کی دونوں قسموں کی علیحدہ علیحدہ تعریف کردی گئی تو اس سے بھی اس کی تعریف سمجھ میں آگئی یعنی مستثنیٰ وہ ہے جو الا اور اس کے اخوات کے بعد مذکور ہو عام ازیں کہ وہ متعدد سے مخرج ہو یا غیر مخرج پس جب اس کی تعریف دو وجہوں سے سمجھ میں آجاتی ہے تو اب مطلق مستثنیٰ کی طرف ضمیر کے راجع کرنے میں (باقی بر ص ۱۶۳)

ولهذا لم يُعرّف على حدة، وما للاختصار منصوبٌ وجوبًا اذا كان

واقعا بعد الا لا بعد غير وسوى وغيرهما غير الصفة قيد به وان لم

يكن الواقع بعد الا التي للصفة داخلا في المستثنى لئلا يذهل عنه

في كلام موجب اى ليس بنفي ولا نهي ولا استفهام نحو جاءني

القوم الا زيدا واحترز به عما اذا وقع في كلام غير موجب لانه ليس

حينئذٍ واجب النصب على ما سيجئ ولا حاجة ههنا الى قيد

آخر وهو ان يكون الكلام الموجب تاما بان يكون المستثنى منه

مذكورا فيه ليخرج نحو قرأتُ الا يوم كذا فانه منصوبٌ على الظرفية

لا على الاستثناء لان الكلام في كونه منصوبا مطلقا لا في كونه

منشا فاضل ہندی پر رد کرتے ہوئے اس کے وارد کردہ اعتراض کا جواب دینا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ فاضل ہندی نے کہا ہے کہ مصنف کو متن میں ایک قید کا مزید اضافہ کرنا چاہیئے تھا تاکہ اس سے قرأت الا یوم کذا خارج ہو جاتا اس لئے کہ اس میں یوم الا غیر صفتیہ کے بعد واقع ہے اور کلام موجب میں ہے مگر یوم پر نصب استثنائیت کی بنا پر نہیں بلکہ مفعول فیہ ہونے کی بنا پر ہے لہذا مصنف کو فی کلام موجب کے بعد تاما کی قید اور لگانی چاہیئے تھی شارح رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس جگہ قید آخر کی کوئی ضرورت نہیں کہ یہ کہا جائے کہ کلام موجب تام ہو بایں طور کہ مستثنیٰ منہ اس میں مذکور ہو تاکہ اس سے قرأت الا یوم کذا خارج ہو جائے اس لئے کہ یہ کلام غیر تام ہے اور مستثنیٰ منہ اس میں مذکور نہیں پس یہ ظرفیۃ کی بنا پر منصوب ہے استثناء کی بنا پر نہیں لان الکلام سے لا حاجۃ کی دلیل یہ ہے کہ اس کی اس لئے ضرورت نہیں کہ کلام مستثنیٰ کے مطلقاً منصوب ہونے میں ہے (باقی بر صـ ١٦٤)

(بقیہ صـ ١٦٢) کوئی مضایقہ نہیں اسی واسطے مصنف نے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے مستثنیٰ مطلق کی تعریف نہیں کی بہر حال مستثنیٰ مطلق کا حکم یہ ہے کہ وہ وجوبًا منصوب ہوتا ہے جبکہ وجوب کی شرائط پائی جائیں کما سیجئ واللہ اعلم ١٢ ـ قولہ اذا کان الخ یہاں سے مصنف وجوب نصب کی شرائط بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ مستثنیٰ اس وقت وجوبًا منصوب ہوگا جبکہ الا غیر صفتی کے بعد کلام موجب میں واقع ہو الا کے بعد لا بعد غیر و سوی کا اضافہ کرکے شارح نے یہ بتایا ہے کہ غیر اور سوی وغیرہ کے بعد مستثنیٰ واقع نہ ہو ورنہ وہ بجائے منصوب ہونے کے مجرور ہوگا کما سیجئ اور مصنف نے غیر الصفۃ کی قید احتراز کے لئے لگائی ہے یعنی الا کی دو قسمیں ہیں ایک استثنائی۔ دوسری صفتی پس یہ حکم استثنائی کا ہے صفتی کا نہیں اس لئے کہ الا صفتی کے بعد جو اسم واقع ہوگا وہ مستثنیٰ میں داخل نہ ہوگا کہ اس پر اعراب مستثنیٰ جاری کیا جائے بلکہ وہ اپنے ماقبل کی صفۃ ہوگا اور تابع ہونے کے لحاظ سے اس پر وہی اعراب آئیگا جو موصوف کا ہوگا جیسے قول باری تعالیٰ لو کان فیہما آلہۃ الا اللہ لفسدتا میں الا صفۃ کیلئے اور اللہ پر وہی اعراب رفعی ہے جو الا کے ماقبل یعنی اس کے موصوف پر ہے پس اگرچہ یہ امر متحقق ہے کہ الا صفتی مستثنیٰ میں داخل نہیں ہوتا لیکن مصنف نے اس وجہ سے اس کا اضافہ کردیا کہ ہندی اسکے عدم ذکر سے یہ نہ سمجھ لے کہ مطلقًا الا کے بعد نصب واجب ہے نیز اس لئے کہ ممکن ہے کہ ہندی کو معلوم ہو مگر اس کو اس موقع پر اگر ذہول ہو جائے اور اس کے ذہن سے یہ امر خارج ہو جائے لہذا اس قید کے اضافہ کی ضرورت پیش آئی اور کلام موجب کا یہ مطلب ہے کہ کلام نفی یا نہی یا استفہام نہ ہو جیسے جاءنی القوم الا زیدا کہ اس کلام میں نہ نفی ہے نہ نہی اور نہ استفہام پس اس قید سے وہ مستثنیٰ نکل گیا جس میں الا کلام غیر موجب میں واقع ہوا اس لئے کہ اس کا حکم وجوب نصب کا نہیں کما سیجئ واللہ اعلم ١٢ ـ قولہ ولا حاجۃ الخ اس عبارت سے شارح کا

(بقیہ صفحہ ۱۶۳) خواہ وہ کسی جہت سے ہو اس امر میں کلام نہیں کہ مستثنیٰ استثنار کی بنار پر منصوب ہو پس مثال مذکور میں اگرچہ مستثنیٰ ظرفیت کی بنار پر منصوب ہے مگر منصوب تو ہے استثنار کی بنار پر نہیں ہے تو نہ ہو ہمیں اس سے بحث نہیں اور اسپر دلیل یہ ہے کہ اگر کلام مستثنیٰ کے استثنار کی بنار پر منصوب ہونے میں ہوتا تو مصنف اوکان بعد خلا وعدا نہ کہتے اس لئے کہ ان کے بعد جو مستثنیٰ منصوب ہوگا وہ بھی استثنار کی بنار پر نہیں ہوگا بلکہ مفعول بہ ہونے کی بنار پر پس نہ تو کسی قید کے اضافہ کی ضرورت ہے اور نہ قرائت الآیوم کذا کو اس سے خارج کرنے کی حاجت۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس قید کی حاجت اس لئے ہے تاکہ اس سے قرِیَ الایوم کذا خارج ہوجائے اس لئے کہ اس میں مستثنیٰ کلام موجب میں بھی ہے اور الا غیر صفتی کے بعد بھی واقع ہے لیکن منصوب نہیں بلکہ مفعول مالم یسم فاعلہ ہونے کے باعث وجوباً مرفوع ہے اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ مصنف نے اس اضافۂ قید سے اس لئے تعرض نہیں کیا کہ قول مصنف فی کلامٍ موجب سے متبادر اور ظاہر بھی ہوتا ہے کہ کلام موجب تام ہو اسی واسطے مصنف اس کو نکرہ لائے معرفہ ذکر نہیں کیا یعنی فی الکلام الموجب نہیں کہا تاکہ اس سے کلام کی تمامیت کی طرف بھی اشارہ ہوجائے واللہ اعلم ۱۲ ؁ قولہ والعامل الخ اب یہاں سے شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مستثنیٰ کس بنار پر منصوب ہوتا ہے یعنی اس میں عامل ناصب کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ جب مستثنیٰ استثنار کی بنار پر منصوب ہو تو نحاۃ بصرہ کے نزدیک اس میں عامل وہ فعل ہوتا ہے جو مستثنیٰ پر مقدم ہو پس یہ فعل الّا کے توسط سے مستثنیٰ میں عمل کرتا ہے جیسا کہ مفعول معہ کا عامل ناصب بتوسط واو فعل ہوتا ہے اور اگر فعل مقدم نہ ہو تو معنی فعل بتوسط الا مستثنیٰ میں عامل ہوں گے معنی فعل کی تفصیل مالک وزیداً ای ماتصنع میں گذر چکی اور فعل یا معنے فعل کے عامل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مستثنیٰ فعل یا معنے فعل سے تعلق معنوی رکھتا ہے اس لئے کہ مستثنیٰ کی نسبت اس مستثنیٰ منہ کی طرف ہوتی ہے جس کی طرف فعل یا معنیٰ فعل منسوب کئے جاتے ہیں مثلاً جاءنی القوم الّا زیداً میں زید مستثنیٰ ہے اور اس کا تعلق قوم کے ساتھ

منصوباً علی الاستثناء بدلیل قولہ اوکان بعد خلا وعدا الا ان یقال الحاجۃ الی ہذا القید انما ہو لاخراج مثل قُرِیَ الایوم کذا فانہ مرفوع وجوباً لا منصوب والعامل[1] فی نصب المستثنیٰ اذا کان منصوباً علی الاستثناء عند البصریۃ الفعل المتقدم او معنی الفعل بتوسط الّا لانہ شیئ یتعلق بالفعل او معناہ تعلقاً معنویاً اذ لہ نسبۃ الی ما نسب الیہ احدہما وقد جاء بعد تمام الکلام فشابہ المفعول او مقدماً[2] عطف

ای الفعل او معناہ ۱۲ رحمن

ہے جو کہ مستثنیٰ منہ ہے اور قوم کی طرف فعل جاء منسوب ہے پس جب فعل مستثنیٰ منہ کی طرف منسوب ہوا اور مستثنیٰ کا تعلق مستثنیٰ منہ سے ہوتا ہے تو مستثنیٰ کا تعلق فعل یا معنے فعل سے بھی ہوگا پس اس میں فعل یا معنے فعل عامل ہوں گے پھر یہ کہ مستثنیٰ کلام کے تمام ہونے کے بعد آتا ہے جیسا کہ مفعول فعل کے اپنے فاعل کے ساتھ تمام ہونے کے بعد آتا ہے پس مستثنیٰ مفعول بہ ہوگا اور اس مشابہت کے باعث مستثنیٰ کو نصب دیا جائیگا پھر اگر یہ مشابہت عام مراد ہو تو فضلہ ہونے کے اعتبار سے ہوگی کیونکہ مفعول فضلہ ہوتا ہے اور اگر مشابہت خاص مراد لی جائے تو اس کی مشابہت مفعول معہ کے ساتھ ہوگی کیونکہ وہ بتوسط واو منصوب ہوتا ہے بلا واسطہ نہیں اور یہ بتوسط الّا اور وجوب نصب کی یہ وجہ ہے کہ اس وقت اس میں بدلیت کا احتمال اپنے ماقبل سے منقطع ہوجائیگا پس سوائے نصب کے اور کوئی احتمال باقی نہیں رہیگا لہٰذا نصب واجب ہوگا بخلاف بدلیت کے کہ چونکہ جیسا اس کا ماقبل ہوتا ہے ویسا ہی بدل بھی ہوتا ہے پس اگر یہاں بدلیت کا احتمال ہوتا تو زید بدلیت کی بنار پر مرفوع ہوتا کیونکہ مبدل منہ بنار بر فاعلیت مرفوع ہوتا نہ کہ منصوب واللہ اعلم ؁ قولہ او مقدماً الخ یہ وجوب نصب کی دوسری شرط ہے اور اس کا عطف بعد الّا پر ہے جو کہ اذا کان کی خبر ہے پس عبارت یہ ہوگی ای المستثنیٰ منصوبٌ الخ پس اس میں کلام موجب اور غیر موجب کی کوئی قید نہیں ہوگی پس معنی یہ ہوں گے کہ جب مستثنیٰ اپنے مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو تو مستثنیٰ وجوباً منصوب ہوگا خواہ کلام موجب میں واقع ہو یا غیر موجب میں جیسے جاءنی الّا زیداً القوم اور ماجاءنی الّا زیداً احدٌ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اس میں بھی بدلیت کا احتمال نہیں ہوگا (باقی برصفحہ ۱۶۵)

(بقیہ صـ۱۶۷) اس لئے کہ بدل مبدل منہ پر مقدم نہیں ہوا کرتا اس لئے کہ بدل توابع میں سے ہے اور تابع اپنے متبوع پر مقدم نہیں ہوا کرتا بخلاف کلام غیر موجب کے کہ اگر مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم نہیں ہوگا تو مستثنیٰ منصوب نہیں ہوگا کیونکہ اس میں احتمال بدلیۃ موجود ہے جیسے ماجارنی احدٌ الا زیدٌ کہ زید احدٌ سے بدل واقع ہو سکتا ہے پس مستثنیٰ مرفوع ہوگا نہ کہ منصوب چہ جائیکہ نصب واجب ہو واللہ اعلم ۔ ؎ قولہ او منقطعا الخ یہ وجوب نصب کا تیسرا موضع یا تیسری شرط ہے اس کا عطف بھی بعد الا پر ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے ای المستثنیٰ منصوبٌ ایضا الخ یعنی مستثنیٰ کا نیز منصوب کرنا واجب ہے جبکہ مستثنیٰ منقطع الا کے بعد واقع ہو خواہ کلام موجب میں ہو یا غیر موجب میں اور مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو یا نہ ہو پس کلام موجب میں مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو تو اس کی مثال یہ ہے جیسے جارنی القوم الا زیداً بشرطیکہ قوم کو استثناء سے پیشتر زید سے خالی مانا جائے اور غیر جنس سے ہو تو جارنی القوم الا حماراً اس کی مثال ہے علی ہذا القیاس کلام غیر موجب میں جنس مستثنیٰ منہ سے ہو جیسے ماجارنی القوم الا زیداً مذکورہ بالا شرط کے ساتھ یا غیر جنس سے ہو جیسے ما فی الدار احدٌ الا حماراً پس ان تمام امثلہ میں مستثنیٰ اکثر لغات عرب یا اکثر مذاہب نحاۃ کی بنا پر وجوباً منصوب ہوگا اس جگہ فی الاکثر کی تفسیر فی اکثر اللغات سے کرکے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ الاکثر میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے پس اگر اکثر لغات میں منصوب مراد ہو تو لغات اہل حجاز مراد ہونگے نہ کہ لغت بنو تمیم اس لئے کہ اہل حجاز کے قبائل بکثرت ہیں اس لئے ان کے لئے اکثر لغات کا لفظ استعمال کیا گیا یا پھر اس سے اکثر مذاہب نحاۃ مراد ہے اسلئے کہ اکثر نحاۃ نے لغت حجازیہ کو اختیار کیا ہے اور لغت حجاز اکثر ہے اس لئے مذاہب کے اعتبار سے بھی اکثر مذاہب نحاۃ کہا گیا پس مستثنیٰ منقطع خواہ جنس مستثنیٰ منہ سے ہو یا نہ ہو مطلقاً ان کے نزدیک منصوب ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں سوائے بدل الغلط کے اور کوئی احتمال متصور ہی نہیں ہوتا جبکہ ہم اس کو بجائے منصوب کے مرفوع پڑھیں جیسے ماجارنی القوم الا حمارٌ کہ اس میں حمار القوم سے بدل الغلط ہی ہو سکتا ہے

علیٰ قولہ بعد الا ای المستثنیٰ منصوب وجوباً اذا کان المستثنیٰ مقدماً علی المستثنیٰ منہ سواء کان فی کلام موجب او غیر موجب نحو جارنی الا زیداً القوم و ما جارنی الا زیداً احدٌ لامتناع تقدیم البدل علی المبدل منہ او منقطعاً[1] ای المستثنیٰ منصوب ایضا وجوباً اذا کان منقطعا بعد الا نحو ما فی الدار احدٌ الا حماراً فی الاکثر[ع] ای فی اکثر اللغات و ہی لغات اہل الحجاز فانہم قبائل کثیرون او فی اکثر مذاہب النحاۃ فان اکثرہم ذہبوا الی اللغۃ الحجازیۃ (علۃ الاکثریۃ ۱۲) فالمنقطع مطلقاً (سواء کان من جنس المستثنیٰ منہ اولا ۱۲ رحمن) منصوب عندہم اذ لا یتصور فیہ الا بدل الغلط و ہو لا یصدر الا بطریق السہو والغفلۃ والمستثنیٰ المنقطع انما یصدر بطریق الرویۃ (ای الفکر والتامل ۱۲) والفطانۃ (بالفارسیۃ زیرکی ۱۲ رحمن) و اما بنو تمیم[2] فقد قسموا المنقطع الی قسمین احدہما ما یکون قبلہ[ع] اسم

اور چونکہ یہ از روئے سہو و غفلت کے واقع ہوتا ہے اور مستثنیٰ منقطع قصداً فکر و تامل اور فطانۃ کے بعد واقع ہوتا ہے لہٰذا اس میں بدل غلط کا بھی احتمال نہیں ہو سکتا جو کہ وجوب نصب کو مانع تھا پس مستثنیٰ منقطع وجوباً منصوب ہوگا واللہ اعلم ۔ ؎ قولہ اما بنو تمیم الخ وجوب اور عدم وجوب نصب کے بارے میں مستثنیٰ منقطع کی دو قسمیں کرتے ہیں اس لئے کہ مستثنیٰ منہ دو حال سے خالی نہیں اس کو حذف کرکے مستثنیٰ کو اس کے قائم مقام کرنا صحیح ہوگا یا نہیں پس اگر صحیح ہو یعنی مستثنیٰ سے پہلے ایسا اسم ہو کہ اس کے حذف کرنے سے کوئی فساد معنی لازم نہ آئے تو اس وقت اس میں ان کے نزدیک مستثنیٰ منقطع کو بنا بر بدلیۃ رفع دیا جائیگا کیونکہ بدل الغلط میں مبدل منہ بمنزلہ ترک کردینے جانے کے ہوتا ہے اس لئے بجائے اس کے بدل فاعلیت کی بنا پر مرفوع ہوگا (باقی بر صـ۱۶۶)

(بقیہ صفحہ ۱۶۵) جیسے ماجارنی القوم الاحمار کہ اس میں قوم کا حذف کرنا جائز ہے اور کوئی فساد معنی بھی لازم نہیں آتا کیونکہ اس سے مقصد حمار کیلئے ثبوت مجئی ہے اور یہ بہر صورت حاصل ہو جاتا ہے خواہ مستثنیٰ منہ کو ذکر کریں یا نہ کریں لہذا اس کو مرفوع پڑھیں گے اور دوسری قسم یہ ہے کہ مستثنیٰ منقطع سے پہلے ایسا اسم نہ ہو کہ اس کا حذف صحیح ہو اس لئے کہ اس سے فساد معنی لازم آتا ہو تو اس وقت یہ بھی وجوب نصب کے بارے میں حجازیین کے موافق ہیں جیسے قول باری تعالیٰ لاعاصمَ الیومَ مِن امرِ اللہ الا من رحِمَ کہ اس میں من رحِمَ عاصم سے استثناء ہے اور عاصم مستثنیٰ منہ کا حذف صحیح نہیں اس لئے کہ یہ لا رنفی جنس کا اسم ہے اور اسم اس کا حذف نہیں ہوا کرتا اور خبر اس کی محذوف ہے یعنی موجودٌ پس اگر اسم کو بھی حذف کردیں تو کلمہ کا بے معنی ہونا لازم آتا ہے اس لئے مستثنیٰ کو منصوب پڑھیں گے وجوبًا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ من رحِمَ میں رحِمَ یا تو مَن کا صلہ ہے یا صفت اور دونوں صورتوں میں حکم یہ ہے کہ اگر جملہ صلہ یا صفت واقع ہو تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے پس شارح ای من رحمہ اللہ سے اس عائد کو ذکر کردیا تاکہ اعتراض نہ وارد ہو کیونکہ اس میں ضمیرہٗ عائد موجود ہے پھر من رحمہ اللہ کی شرح ہو المرحوم المعصوم سے اس لئے کی کہ جس کی اللہ حفاظت کرے اور اس پر رحم کرے وہ معصوم اور مرحوم ہی ہوگا نہ کہ عاصم پس معصوم عاصم میں داخل نہ ہوگا کیونکہ عاصم فاعل ہے من رحمہ اللہ مفعول اور مفعول فاعل کا غیر ہوتا ہے پس معصوم بھی جنس عاصم سے نہ ہوگا لہذا اس کا مستثنیٰ منقطع ہونا صحیح اور درست ہوگا واللہ اعلم

يصح حذفه نحو ما جاءني القوم الا حمارًا فههنا يجوّزون البدل وثانيهما ما لا يكون قبله اسم يصح حذفه فهم ههنا يوافقون الحجازيين في ايجاب نصبه كقوله تعالى لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اي من رحمه الله (فمن منصوب ۱۲) فمن رحمه الله هو المرحوم المعصوم فلا يكون داخلا في العاصم فيكون منقطعًا او كان[ه] بعد خلا وعدا اي المستثنى منصوب ايضا وجوبا اذا كان بعد عدا (واقعا ۱۲) من عدا يعدو عدوًا اذا جاوزه مثل جاءني القوم عدا زيدا وبعد خلا من خلا يخلو خلوًا نحو جاءني القوم خلا زيدًا (بضم الخاء وسكون اللام ۱۲) وهو في الاصل لازم يتعدى الى المفعول بمن نحو خلت الديار (فاعل خلت ۱۲) من الانيس وقد يضمّن (في خلا ۱۲) معنى جاوزا ويحذف من ويوصل الفعل (عب)

[illegible]

بھی اسی باب سے آتا ہے جیسے جاءنی القوم خلا زیدًا لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ عدا متعدی بنفسہ ہے اور خلا لازم ہے لہذا اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ جب خلا لازم ہے تو اس کے بعد زید کو نصب کیسا؟ اس لئے کہ لازم کے لئے مفعول کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ اس کا جواب شارح وہو فی الاصل الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ یہ اصل میں لازم ہے اور بواسطہ مِن مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے خلتِ الدیارُ من الانیس (مکانات غمخواروں سے خالی ہو گئے) لیکن یہ کبھی جاوز کے معنی کو بھی متضمن ہوتا ہے پس اس صورت میں جس طرح جاوز متعدی بنفسہ اور طالب مفعول ہوتا ہے اسی طرح خلا بھی متعدی بنفسہ ہو کر طالب مفعول ہوگا نیز ایسا بھی ہوتا ہے کہ مفعول سے واسطۂ جر کو حذف کر کے فعل کو مفعول سے موصول کر دیتے ہیں پس م

سلہ قولہ او کان بعد الخ یہ مستثنیٰ کو وجوب نصب کا چوتھا مقام ہے اس کا عطف کان بعد الا پر ہے اور عبارت اس طرح ہے ای المستثنیٰ منصوبٌ ایضًا وجوبًا اذا کان الخ یعنی مستثنیٰ نیز منصوب ہوگا جبکہ عدا یا خلا کے بعد واقع ہو عدا باب نصر سے آتا ہے ای عدا یعدو عدوًا جس کے معنی ہیں تجاوز کرنا جیسے جاءنی القوم عدا زیدًا اور خلا یخلو خلوًا ۔۔ حذف کر کے فعل کو مفعول سے موصول کر دیتے ہیں تو فعل متعدی بنفسہ ہو جاتا ہے اور اس حذف کو ایصال کہتے ہیں واللہ اعلم ۱۲

فیتعدی بنفسہ والتزموا ہذا التضمین او الحذف والایصال فی باب الاستثناء لیکون مابعدہا فی صورۃ المستثنیٰ بالا التی ہی ام الباب وفاعلہما ضمیرٌ راجع اما الی مصدر الفعل المقدم او الی اسم الفاعل منہ او الی بعض مطلق من المستثنیٰ منہ والتقدیر جاءنی القوم عدا او خلا مجیئہم او الجائی منہم او بعض منہم زیداً وہما فی محل النصب علی الحالیۃ ولم یظہر معہما قد لیکونا اشبہ بالا التی ہی الاصل فی باب الاستثناء فی الاکثر ای النصب بہما انما ہو فی اکثر الاستعمالات لانہما فعلان ماضیان کما عرفت

آنے کا احتمال ہوتا ہے پس استثناء ہر ہر فرد مستثنیٰ منہ سے ہو سکے گا علی سبیل البعضیۃ المطلقۃ بخلاف بعض معین کے کہ اس سے تعیین و تحدید کی بناء پر استثناء صحیح نہ ہوگا کیونکہ وہ مستثنیٰ منہ کے ہر ہر فرد پر صادق نہیں آسکے گا پس تقدیر عبارت یہ ہوگی جاءنی القوم عدا (یا خلا) مجیئہم زید بصورت ارجاع ضمیر الی مصدر الفعل یا عدا الجائی منہم زیداً جبکہ ضمیر مصدر کے اسم فاعل کی طرف راجع کی جائے اور جب بعض مستثنیٰ منہ کی طرف راجع ہوگی تو تقدیر عبارت عدا البعض منہم زیداً پھر فاعل و مفعول سے خلا اور عدا مل کر جاءنی القوم سے حالیۃ کی بناء پر محل نصب میں ہونگے ای جاءنی القوم حال انہ، خلا (عدا) مجیئہم (وغیرہ) زیداً واللہ اعلم ۱۲ ۔ ۵ قولہ ولم یظہر الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ جب ماضی مثبت حال واقع ہوتی ہے تو اس پر قد کا داخل کرنا ضروری ہوتا ہے اور یہاں خلا و عدا دونوں ماضی ہیں اور حال واقع ہیں مگر ان پر لفظ قد داخل نہیں پس اس کی وجہ کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ان پر بظاہر دخول قد اس وجہ سے نہیں ہوا تاکہ یہ استثناء کے موقع میں واقع ہونے کی وجہ سے الا کے مشابہ ہو جائیں جو کہ باب استثناء میں اصل ہے پس ان میں قد مقدر (باقی بر ص ۱۶۸)

ل قولہ والتزموا الخ یہاں سے شارح یہ بیان کر رہے ہیں کہ خلا میں تضمین معنیٰ جاوز اور حذف و ایصال کی کیا ضرورت پیش آئی ہے؟ کیا اس کے بغیر باب استثناء میں اس سے کام نہیں چل سکتا؟ کہتے ہیں کہ اس تضمین یا حذف و ایصال کا باب استثناء میں التزام اس وجہ سے ہے تاکہ خلا کا مابعد مستثنیٰ بہ الا کی صورت میں ہو جائے جو کہ ام الباب ہے اور ام الباب اس وجہ سے ہے کہ اس کی وضع ہی حرف استثناء کیلئے ہوئی ہے بخلاف اس کے ماسوا کے کہ کسی میں مغایرۃ کے معنی پائے جاتے ہیں کسی میں ظرفیۃ مجاوزت خلو نفی وغیرہ پس ان کو استثناء سے قدرے مناسبت کے باعث استثناء میں استعمال کیا جاتا ہے پس جب خلا اس تضمین یا حذف و ایصال کے باعث مستثنیٰ بالا کی صورت میں ہو جائیگا تو جس طرح الا کا مابعد منصوب ہوتا ہے اسی طرح اس کا مابعد بھی صریح طور پر بغیر کسی واسطے کے منصوب ہوگا اس لیے کہ جار مجرور محل نصب میں واقع ہوں گے مفعولیۃ کی بناء پر پس جب جار کو حذف کر دیا جائیگا تو وہی نصب محلی نصب لفظی سے تبدیل ہو کر خلا مابعد پر آجائے گا اور مستثنیٰ اصریحاً منصوب ہو جائیگا اب رہی یہ بات کہ اس کا مابعد تو مفعولیۃ کی بناء پر منصوب ہوگا مگر ان کی ضمیر فاعل کس طرف راجع ہے اگر ان کا مرجع قوم کو ٹھیراتے ہیں تو قوم جمع ہے ضمیر مفرد اس طرف راجع نہیں ہو سکتی تو اس کا جواب شارح وفاعلہما الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ ان دونوں کی ضمیر مستتر یا تو فعل مقدم کے مصدر کی طرف راجع ہے یا اسکی مصدر کے اسم فاعل کی طرف اس لئے کہ فعل اپنے صاحب پر دلالت کرتا ہے یا مستثنیٰ منہ سے بعض مطلق کی طرف اس لئے کہ کل بعض پر مشتمل ہوتا ہے پس بعض مطلق کل کے ضمن میں پایا جائیگا جس کی طرف عدا اور خلا کی ضمیر مستتر راجع ہوگی کیونکہ اگر کل کی طرف راجع کرتے ہیں تو مذکورہ بالا اعتراض پھر لوٹ آتا ہے کہ مفرد کا مرجع جمع کیسے ہو سکتا ہے اور بعض سے مراد یہ ہے کہ وہ مستثنیٰ منہ کے ہر ہر فرد پر صادق آسکے تاکہ استثناء صحیح ہو جائے اسی واسطے شارح نے بعض مطلق کہا اس لئے اس میں ہر ہر فرد مستثنیٰ منہ پر صادق

(بقیہ صفحہ ۱۶۷) کیا جائیگا نیز جبکہ یہ الا کے مشابہ ہو جائیں گے تو ان کی فعلیت میں ضعف پیدا ہو جائیگا پس ان پر قد کو داخل نہیں کریں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خلا اور عدا خالیاً اور مجاوزاً کے معنی میں ہوں پس اس وقت ان کا حال واقع ہونا صحیح ہوگا پھر خلا اور عدا کے ذریعہ مستثنیٰ کا منصوب ہونا اکثر استعمالات کی بناء پر ہے کیونکہ یہ فعل ماضی ہیں حروف جر نہیں اس لئے کہ ان پر ما مصدریہ بھی داخل ہو جاتا ہے اور ما مصدریہ فعل پر داخل ہوتا ہے حرف پر نہیں اور بعض ان کے مابعد میں جر کے جواز کے بھی قائل ہیں کیونکہ وہ ان کو حرف جر مانتے ہیں اس بارے میں سیرافی مشہور نحوی کہتے ہیں کہ مجھ کو اس بارے میں کسی اختلاف کا علم نہیں کہ کوئی ان کے مدخول میں جواز جر کا قائل ہو سوائے اس کے کہ ان دونوں کے مدخول پر نصب آتا ہے اکثر واللہ اعلم سلے قولہ او ما خلا الخ اس کا عطف خلا و عدا پر ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے ای المستثنیٰ منصوبٌ ایضاً الخ یعنی مستثنیٰ نیز منصوب ہوتا ہے وجوباً جبکہ ما خلا یا ما عدا کے بعد واقع ہو اس لئے کہ ان دونوں میں ما مصدریہ ہے اور یہ فعل ہی پر داخل ہوتا ہے حرف پر نہیں پس مستثنیٰ بناء بر مفعولیت وجوباً منصوب ہوگا جیسے جاءنی القوم ما خلا زیداً و یا ما عدا زیداً پھر ما خلا اور ما عدا دونوں بتاویل مصدر ہو کر یا تو بناء بر ظرفیۃ منصوب المحل ہونگے ای خُلُوَّ زید و عدوَ زیدٍ اور مضاف مقدر ہوگا یعنی وقت پس اس وقت عبارت اس طرح ہوگی جاءنی القوم وقت خلوہم من زیدٍ ای وقت خلو بعضہم من زیدٍ یا وقت خلو مجیئہم من زیدٍ اور وقت مجاوزتہم عمراً ای وقت مجاوزۃ بعضہم عمراً یا مجاوزۃ مجیئہم عمراً یعنی ما خلا اور ما عدا کی ضمیر مستتر میں مرجع کے اعتبار سے جو خلا و عدا میں احتمالات بنائے گئے ہیں وہ ہی ان میں بھی نکلیں گے پس انہیں احتمالات کی بناء پر مذکورہ بالا عبارات مقدر نکالی گئیں پھر انہی میں اس کے مرجع اسم فاعل کو بھی داخل کر لیا جائے پھر چونکہ خلا لازم ہے اور متعدی بواسطہ من ہوتا ہے اس لئے من کا بھی اضافہ کر دیا گیا پس اس میں وقت خلوہم اور وقت خلو مجیئہم من زید تقدیر ما خلا کی امثلہ ہیں اور بقیہ ما عدا کی اس لئے کہ عدا بمعنی جاوز ہے اب رہی یہ بات کہ ما خلا اور ما عدا کو خلوّ اور

وقد اجیز الجر بہما علی انہما حرفا جر قال السیرافی لم اعلم خلافاً فی جواز الجر بہما الا ان النصب بہما اکثر او ما خلا و ما عدا ای المستثنیٰ منصوب ایضاً وجوباً اذا کان بعد ما خلا و ما عدا لان ما فیہما مصدریۃ مختصۃ بالافعال نحو جاءنی القوم ما خلا زیداً و ما عدا عمراً تقدیرہ خلو زید وعدو عمرو بالنصب علی الظرفیۃ بتقدیر مضاف ای وقت

بفتح العین وسکون الدال ۱۲ رح

خلوہم او خلو مجیئہم من زیدٍ ووقت مجاوزتہم او مجاوزۃ مجیئہم عمراً او علی الحالیۃ بجعل المصدر بمعنی اسم الفاعل ای جاؤا خالیاً بعضہم او

علی الظرفیۃ ۱۲

عدو کی تاویل میں کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی اور پھر وقت مضاف کس لئے مقدر مانا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے منصوب المحل ہونے میں دو احتمال ہیں بناء بر ظرفیۃ منصوب ہوں گے یا بناء بر حالیۃ اگر ظرفیۃ کی بناء پر منصوب ہیں تو یہ صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ ما خلا اور ما عدا خُلُوّ اور عدو کے معنی میں کر کے مضاف مقدر نہ مانیں اس لئے کہ ما خلا اور ما عدا نہ تو ظرف زمان ہیں اور نہ ظرف مکان پس جب یہ ما مصدریہ کے باعث بتاویل مصدر ہو جائیں گے اور مضاف مقدر ہوگا تو ان کا بناء بر ظرفیۃ منصوب المحل ہونا درست ہو جائیگا واللہ اعلم سلے قولہ او علی الحالیۃ الخ یہ ان دونوں کے منصوب ہونے کا دوسرا احتمال ہے یعنی اگر حالیۃ کی بناء پر منصوب مانتے ہیں تو یہ بھی صحیح نہیں اس لئے کہ حال کا حمل ذو الحال پر ہوا کرتا ہے اور یہاں حمل صحیح نہیں ہوتا اس لئے کہ حال یعنی ما خلا اور ما عدا بتاویل مصدر ہیں اور مصدر حرف وصف ہوتا ہے اور ذو الحال یعنی قوم ذات ہے پس وصف کا حمل ذات پر لازم آیا اور یہ درست نہیں لہذا شارح اس کا جواب او علی الحالیۃ سے یہ دے رہے ہیں کہ اس صورت میں بمعنی اسم فاعل ہوگا پس ما خلا کی تقدیر عبارت یہ ہوگی ای جاؤا خالیاً بعضہم من زید یا خالیاً مجیئہم من زید اور ما عدا کی تقدیر عبارت اس طرح ہے جاؤا مجاوزاً بعضہم عمراً یا مجاوزاً مجیئہم عمراً سابقہ احتمالات کے ساتھ پس حال کا حمل ذو الحال پر درست ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں خالیاً اور مجاوزاً اسم فاعل ہوں گے اور اسم فاعل

(باقی بر صفحہ ۱۶۹)

(بقیہ ص۱۶۵) ذات مع الوصف ہوتا ہے اور ذات مع الوصف کا حمل ذات محض پر صحیح ہوتا ہے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں رہا والله
اعلم سلہ قولہ وعن الاخفش الخ ماخلا اور ماعدا کے بارے میں اخفش سے روایت ہے کہ ان کے نزدیک ان کے مابعد میں جر جائز ہے تو
وہ ما کو زائدہ مانتے ہیں اور خلا وعدا کو جارہ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہی بات ہے تو مصنف نے حسب سابق اس جگہ بھی وعلی الاکثر

مجیئهم من زید ومجاوزا بعضهم او مجیئهم عمرا وعن[1] الاخفش انه اجاز الجر
بهما علی ان ما فیهما زائدة ولعل هذا لم یثبت عند المص اولم یعتد به فلهذا لم
اى خلا وعدا ١٢ — اى النقل ١٢ علوى
ینقل فی الاکثر وکذا المستثنی[2] منصوب بعد لیس نحو جاءنی القوم لیس زیداً
وبعد لا یکون نحو سیجیئ اهلک لا یکون بشراً وانما یکون النصب بعدهما
لانهما من الافعال الناقصة الناصبة للخبر ویلزم اضمار اسمیهما فی باب
الاستثناء وهو ضمیر راجع الی اسم الفاعل من الفعل المذکور او الی
بعض من المستثنی منه مطلقاً وهما فی الترکیب فی محل النصب
علی الحالیة واعلم[3] انه لا تستعمل هذه الافعال الا فی المستثنی المتصل الغیر المفرغ

کیوں نہ کہا تاکہ یہ معلوم ہو جاتا کہ
اخفش کا مذہب اقل کے مرتبہ میں
اور اکثر نحوی ان کے مابعد میں نصب
ہی پڑھتے ہیں اس کا جواب ولعل
ہذا الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں
کہ شاید مصنف کے نزدیک اس کا ثبوت
پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا ہو اور اگر ثبوت
متحقق ہو بھی گیا ہو تو قابل اعتنا
اور معتد بہ نہ سمجھا ہو اس لئے کہ اس
جگہ فی الاکثر نہیں کہا والله اعلم
سلہ قولہ وکذا المستثنی الخ یہ مستثنی کے
وجوباً منصوب ہونے کا آخری
موقع ہے اس کا عطف بھی خلا و
عدا پر ہے اور تقدیر عبارت حسب
سابق ہے جس کا حاصل یہ
کہ مستثنی لیس اور لایکون کے بعد بھی
وجوباً منصوب ہوتا ہے جیسے جاء
القوم لیس زیداً اور جیسے سیجیئ
اہلک لایکون بشراً (عنقریب تیرے
اہل آئیں گے بشر نہیں ہوگا) اور
ان کے بعد پر وجوب نصب کی وجہ
یہ ہے کہ یہ دونوں افعال ناقصہ
سے ہیں اور افعال ناقصہ خبر کو منصوب
کرتے ہیں لہذا ان کا مابعد بنا بر خبریت
وجوباً منصوب ہوگا اب اگر کوئی کہے
کہ ہوسکتا ہے ان کا مابعد خبر نہ ہو
بلکہ اسمیت کی بنا پر مرفوع ہو تو اس کے
جواب میں شارح ویلزم اضمار الخ
سے کہتے ہیں کہ ان دونوں کا اسم باب
استثناء میں وجوباً مضمر رکھا جائیگا
تاکہ یہ الا سے مشابہ ہوجائیں جوکہ

اس باب میں اصل ہے اس لئے کہ اگر ان کا اسم مذکور ہوگا اور اضمار واجب نہ ہوگا تو ان کے اور مستثنی کے درمیان فصل لازم آئے گا کیونکہ
اسم وسط میں آجائے گا پس مشابہت میں فرق پیدا ہوجائیگا اس لئے کہ حرف استثناء اور مستثنی کے درمیان فاصلہ نہیں ہوا کرتا پس ان
دونوں کا فاعل ضمیر مستتر ہوگی جو کہ فعل مذکور کے اسم فاعل کی طرف راجع ہوگی یا مستثنی منہ سے بعض مطلق کی طرف پس تعیس کی تقدیر عبارت

یہ ہوگی لیس الجائی زیداً یا لیس بعضهم زیداً اور لایکون کی لایکون الجائی بشراً یا لایکون بعضهم بشراً اور
ان دونوں میں مصدر فعل کی طرف ضمیر راجع کرنے کا احتمال اس وجہ سے نہیں کہ اس صورت
میں مستثنی کا مستثنی منہ سے خروج لازم نہیں آتا کیونکہ زید کی نفی مجیئ سے ہوگی نہ کہ جائی
وغیرہ سے جو کہ مستثنی منہ ہیں اس لئے شارح نے اس احتمال کو بیان نہیں کیا پھر یہ دونوں اپنے
اسم ضمیر اور خبر سے مل کر حالیۃ کی بنا پر محل نصب میں ہوں گے ای جاءنی القوم حال انہ لیس زیداً
وعلی ہذا القیاس سیجیئ اہلک حال انہ لایکون بشراً والله اعلم سلہ قولہ واعلم انہ الخ اب شارح یہ بتانا
چاہتے ہیں کہ یہ افعال از خلا تا لایکون کون سے مستثنی میں مستعمل ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ان کا
استعمال مستثنی متصل غیر مفرغ میں ہوتا ہے اس منقطع میں تو اس وجہ سے استعمال نہیں ہوتا
کہ ان کی ضمیر مستتر مستثنی منہ کی طرف (اگرچہ وہ تاویلاً ہی ہو) راجع ہوتی ہے پس مناسب یہ ہے
کہ مستثنی متصل ہو اس لئے کہ ان میں مستثنی یا تو مفعولیت کی بنا پر منصوب ہوتا ہے یا خبریت
کی بنا پر اور ان کے لئے ضروری یہ ہے کہ وہ جنس مستثنی منہ سے ہوں ورنہ مفعول کا وقوع فاعل
پر اور خبر کا حمل اسم پر صحیح نہیں ہوگا اس لئے کہ حمار کا وقوع اور حمل قوم پر لازم (باقی بر ص۱۷۰)

(بقیہ ص ۱۶۹) آتا ہے اور یہ جائز نہیں اور غیر مفرغ میں استعمال کی وجہ یہ ہے کہ اگر ان کو مفرغ میں استعمال کریں گے تو چونکہ اس میں مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہوتا اور ان میں ضمیر ہوتی ہے جو مستثنیٰ منہ تاویلی کی طرف راجع ہوتی ہے پس اضمار قبل الذکر لازم آئیگا اور یہ جائز نہیں پھر یہ کہ جب تک یہ افعال بابِ استثناء سے رہیں گے اس وقت تک ان میں کوئی تصرف صیغوں وغیرہ میں نہیں کیا جائیگا اس لئے کہ یہ الا کے قائم مقام ہوں گے اور الا میں کسی قسم کی گردان نہیں کی جاتی اور نہ مستثنیٰ کو الا پر مقدم کیا جاتا ہے واللہ اعلم

ولا يتصرف فيهما لانهما قائمة مقام الا وهي لا يتصرف فيها ويجوز فيه
اي في المستثنى النصب على الاستثناء ويختار البدل عن المستثنى منه
فيما بعد الا حال من الضمير المجرور اي حال كون المستثنى واقعًا في محل يكون
متأخرًا عن الا احتراز عما اذا كان بعد سائر ادوات الاستثناء مثل عدا وخلا
وغيرهما في كلام غير موجب احتراز عما اذا وقع في كلام موجب فانه
منصوب وجوبا كما مر والحال انه قد ذكر المستثنى منه احتراز عما اذا لم يذكر
المستثنى منه فانه ح يعرب على حسب العوامل وفي بعض النسخ
ذكر المستثنى منه بغير واو على انه صفة لكلام غير موجب اي كلام غير
موجب ذكر فيه المستثنى منه ولم يشترط ان لا يكون منقطعًا ولا مقدما
على المستثنى منه لان حكمهما قد علم فيما سبق فاكتفى بذلك

لہ قولہ ویجوز فیہ الخ اور مستثنیٰ جبکہ کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ بھی مذکور ہو تو مستثنیٰ میں استثناء کی بنا پر نصب پڑھنا جائز ہے مگر مستثنیٰ منہ سے بدل قرار دینا مختار ہے بشرطیکہ مستثنیٰ صرف الا کے بعد واقع ہو اس کے ما سوا عدا، خلا وغیرہ کے بعد واقع نہ ہو اس جگہ قول مصنف فیما بعد الا فیہ کی ضمیر مجرور سے حال ہے یعنی فیما بعد الا ظرف مستقر واقعًا کے متعلق ہوگا اور وہ فیہ کی ضمیر سے حال واقع ہوگا اب اعتراض وارد ہوتا ہے کہ الا کے بعد جو چیز واقع ہوگی وہ بھی مستثنیٰ ہوگی اور فیہ کی ضمیر مجرور بھی مستثنیٰ ہی کی طرف راجع ہے پس ظرفیۃ الشئ لنفسہ لازم آئی اور یہ مطلب ہوا کہ مستثنیٰ میں مستثنیٰ ہونے کی حالت میں نصب جائز ہے پس شارح اس کا جواب ای حال کون الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ واقع فیما بعد الا سے محل استثنیٰ مراد ہے نہ کہ مستثنیٰ پس مطلب یہ ہوا کہ مستثنیٰ کا محل جبکہ الا کے بعد ہو تو اس میں نصب جائز ہے اور بدل مختار پس اس سے وہ مستثنیات خارج ہو گئے جن کا محل وقوع الا کے بعد نہیں بلکہ عدا، خلا وغیرہ کے بعد ہے اور فی کلام موجب کی قید سے وہ مستثنیٰ نکل گیا جو کہ کلام موجب میں واقع ہو اس لئے کہ اس میں نصب واجب ہے کما مر پھر وذکر المستثنیٰ منہ سے وہ مستثنیٰ خارج ہو گیا کہ جس کا مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو جس کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں اس لئے کہ اس وقت اس کا اعراب نصب نہیں ہوگا بلکہ علی حسب العوامل اعراب دیا جائیگا کما سیجئ اس جگہ والحال انہ قد کے اضافہ سے شارح کا منشاء یہ ہے کہ ذکر المستثنیٰ منہ بھی ضمیر مجرور مذکور سے

حال واقع ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب ماضی مثبت حال واقع ہوتی ہے تو اس پر دخول قد ضروری ہوتا ہے پس شارح نے بتا دیا کہ اگرچہ قد لفظوں میں نہیں مگر پوشیدہ ہے واللہ اعلم لہ قولہ وفی بعض النسخ الخ اس سے دخول قد کے بارے میں دوسرا جواب دینا مقصود ہے کہتے ہیں کہ بعض نسخوں میں بغیر واو کے صرف ذکر المستثنیٰ منہ ہے پس یہ اس بنا پر کلام غیر موجب کی صفت واقع ہوگا ای کلام غیر موجب ذکر فیہ المستثنیٰ منہ اور اس تقدیر عبارت میں ذکر کے بعد فیہ کا اضافہ شارح نے اس لئے کر دیا کہ جملہ جب صفت واقع ہوتا ہے تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہے جو کہ موصوف کی طرف راجع ہے لہذا اب دخول قد وغیرہ کا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اور یہاں مصنف نے ان لا یکون منقطعًا ولا مقدمًا علی المستثنیٰ منہ کی قید (باقی بر ص ۱۷۱)

(بقیہ صت) اس وجہ سے نہیں لگائی کہ ان کا حکم سابق میں بیان ہو چکا ہے یعنی ان میں نصب واجب ہے پس اس جگہ ان کی نفی کی کوئی ضرورت نہیں رہتی واللہ اعلم ۱۲ سلہ قولہ نحو ما فعلوہ الخ یہ جواز نصب اور اختیار بدل کی مثال ہے اگر بدل قرار دیتے ہیں تو الا قلیل بالرفع پڑھیں گے اور استثناء کی صورت میں الا قلیلاً بالنصب اس کے منصوب پڑھے جانے کی وجہ تو ظاہر ہے البتہ جب رفع

سلہ نحو ما فعلوہ الا قلیلٌ بالرفع علی البدلیۃ والا قلیلاً بالنصب علی الاستثناء قولہ تعالیٰ ۱۲ ونحو ما مررت باحدٍ الا زیدٍ بالجر علی البدلیۃ والا زیداً بالنصب علی الاستثناء وما رأیت احداً الا زیداً بالنصب اما بطریق البدلیۃ و ہو المختار او بطریق الاستثناء و ہو جائز غیر مختار وانما اختار البدل فی ہذہ الصور لان النصب علی الاستثناء انما ہو بسبب التشبیہ بالمفعول لا بالاصالۃ وبواسطۃ الا واعراب البدل بالاصالۃ وبغیر واسطۃ فی کونہ بعد مسند ومسند الیہ ۱۲ حل سلہ ویعرب ای المستثنی علی حسب العوامل ای بما یقتضیہ العامل من الرفع

عامل رفع کا مقتضی ہوگا تو مستثنیٰ کو رفع دیا جائیگا اور نصب کا اقتضاء پایا جائیگا تو منصوب پڑھیں گے علی ہذا القیاس مجرور اس جگہ شارح نے علی حسب العوامل کی شرح ای بما یقتضیہ العامل الخ سے اس وجہ سے کی ہے کہ العوامل میں الف لام جنس کے لئے ہے اور قاعدہ ہے کہ جب لام جنس جمع پر داخل ہوتا ہے تو اس میں معنی جمعیتہ کمزور ہو جاتے ہیں اور جنس مراد ہوتا ہے پس العوامل سے عامل مراد ہوگا لہٰذا اب کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ جاءنی الا زید میں عامل صرف ایک ہے جس کے باعث زید مرفوع ہے نہ کہ عوامل کہ ان کے باعث زید مرفوع ہو پس جواب یہ ہی ہوگیا کہ اس سے جنس عامل مراد ہے اور جنس کا اطلاق ایک پر بھی آتا ہے اب رہی یہ بات کہ اس قسم کے مستثنیٰ کو کس نام سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو اس کا جواب شارح تخصیص ذلک الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ یہ مستثنیٰ مفرغ کے نام کے ساتھ مخصوص ممتاز اور موسوم ہے اور اس کو مفرغ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے عامل مستثنیٰ منہ میں عمل کرنے سے فارغ ہو جاتا ہے اور صرف مستثنیٰ میں عمل کرتا ہے اب اگر کوئی کہے کہ جب عامل اس کے باعث عمل سے فارغ ہو جاتا ہے تو یہ مستثنیٰ مفرغ نہ ہوا بلکہ اس کو مفرغ لہٗ کہنا چاہیئے اس کا جواب شارح فالمراد الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اس جگہ مفرغ سے مراد مفرغ لہٗ ہی ہے جیسا کہ (باقی بر صـ ۱۷۲)

پڑھیں گے تو فعلوا کی ضمیر جمع سے بدل البعض ہوگا اور ظاہر ہے کہ بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو مبدل منہ کا ہوتا ہے اور مبدل منہ فاعل ہونے کی بناء پر محل رفع میں ہے لہٰذا قلیلٌ بھی مرفوع ہوگا یہ تو مثال تھی قول باری تعالیٰ اب دوسری مثالیں دیکھئے جیسے ما مررت باحدٍ الا زیدٍ بنا بر بدلیۃ جر کے ساتھ اور بنا بر استثنائیت الا زیداً نصب کے ساتھ اور جیسے ما رأیت احداً الا زیداً اس میں بہر صورت خواہ بدل قرار دیں یا مستثنیٰ نصب ہی ہوگا کیونکہ بدل بھی محل نصب میں ہی واقع ہے البتہ بطریق بدلیۃ نصب مختار ہے اور بطریق استثنائیت غیر مختار اور ان تمام صورتوں میں اختیار نصب وغیرہ کی وجہ یہ ہے کہ مستثنیٰ کو نصب اس وجہ سے دیا جاتا ہے کہ وہ مفعول کے ساتھ مشابہ ہوتا ہے اور پھر اس کی مشابہت مفعول معہ سے ہوتی ہے جو کہ بواسطہ واو منصوب فعل کا معمول ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی الا کے بعد واقع ہوتا ہے پس اس کا نصب اصالۃً نہیں ہوا بلکہ تشبیہ کا باعث ہوا اور بدل کا اعراب بالاصالۃ ہے بلا واسطہ ہوتا ہے پس جس میں واسطہ نہ ہو وہ مختار ہوگا نہ کہ وہ جس میں واسطہ آجائے پھر اس جگہ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ بدل کا اعراب

بھی بالاصالۃ نہیں ہوتا کیونکہ یہ مبدل منہ کا تابع ہوتا ہے پس اس کا اعراب بالتبعیۃ ہوا نہ کہ بالاصالۃ اس لئے کہ ہم جواب دیں گے بالاصالۃ سے بالتبعیۃ کا مقابلہ مقصود نہیں بلکہ واسطہ کا مقابل مدنظر ہے واللہ اعلم سلہ قولہ ویعرب الخ اور اگر مستثنیٰ منہ کلام میں مذکور نہ ہو اور مستثنیٰ کلام غیر موجب میں واقع ہو تو مستثنیٰ اقتضاء عامل کے مطابق اعراب دیا جاتا ہے تاکہ کلام معنی صحیح کا فائدہ دے پس اگر

بقیہ صفحہ (۱۷۱) مشترک سے مشترک فیہ مراد ہوتا ہے یعنی جس میں اشتراک واقع ہو نہ یہ کہ جو شریک ہو پھر وہو کی تفسیر ای والحال ان المستثنیٰ الخ سے کر کے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہو میں واو حالیہ ہے اور یہ یُعرب کی ضمیر مفعول مالم یسمّ فاعلہ سے حال واقع ہو نیز یہ کہ جب جملہ اسمیہ حال واقع ہوتا ہے تو ضمیر اور واو دونوں ذکر کئے جاتے ہیں پس یہاں ایسا ہی ہے اور واشترط ذلک سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ لیفید مدعیٰ محذوف یعنی واشترط ذلک کی دلیل ہے اور فائدۃً صحیحۃً سے اس مستثنیٰ کا اخراج مقصود ہے جس سے فائدہ صحیح حاصل نہ ہو اس لئے کہ جب کلام غیر موجب غیر مفید ہوگا تو صحیح یا مستقیم کیسے ہو سکتا ہے اس لئے کہ مثلاً جب قام الا زیدٌ کہا گیا تو اس کے معنے یہ ہوں گے قام جمیع الناس الا زیدٌ اور یہ معنی قطعاً بعید از قیاس ہیں اس لئے کہ جماعت کی تخصیص کا قرینہ کہ منجملہ ان کے زید ہے منتفی ہے پس اس کو مستثنیٰ مفرغ نہیں کہیں گے اور کلام موجب میں مستثنیٰ مفرغ واقع نہ ہوگا اس لئے کہ اس سے فائدہ تام حاصل نہیں ہو سکتا واللہ اعلم سلہ قولہ مثل ما ضربنی الخ یہ مستثنیٰ مفرغ کی مثال ہے اور مستثنیٰ معنے صحیح کا فائدہ دینے کے لئے کلام غیر موجب میں واقع ہے ما ضربنی الا زیدٌ یعنی مجھ کو زید کے سوا کسی نے نہیں مارا اور یہ معنی صحیح ہیں اس لئے کہ ممکن اور صحیح ہے کہ متکلم کو سوائے زید کے کوئی اور نہ مارے بخلاف اس کے جبکہ کلام موجب ہو جیسے ضربنی الا زیدٌ مجھ کو سب نے مارا سوائے زید کے، کہ یہ معنی صحیح نہیں اس لئے کہ زید کے سوا متکلم کو تمام افراد انسانی کا مارنا ممکن نہیں جیسا کہ ظاہر ہے کہ تمام افراد انسان کا اس جگہ جمع ہونا ممتنع ہے کہ جہاں متکلم ہے لہذا مستثنیٰ مفرغ کے لئے کلام غیر موجب میں واقع ہونا شرط ہے واللہ اعلم سلہ قولہ الا ان یستقیم الخ یہ مفہوم کلام سابق سے استثنا ہے اور عبارت یوں ہے ای لا یعرب المستثنیٰ علیٰ ما یقتضیہ العوامل من الرفع والنصب والجر فی الکلام الموجب حال کون المستثنیٰ منہ غیر مذکور فی جمیع الاوقات الا وقت استقامۃ معنی ذلک الکلام فحینئذٍ یعرب المستثنیٰ علیٰ حسب العوامل فی الکلام الموجب

والنصب والجر اذا كان المستثنى منه غير مذكور ويختص ذلك المستثنى باسم (اے یسمّٰی ۱۲) المفرغ لانه فرغ له العامل عن المستثنى منه فالمراد بالمفرغ المفرغ له كما يراد بالمشترك المشترك فيه (اللام للاجل ۱۲) وهو اي والحال ان المستثنى (ای انہ حال من ضمیر یعرب ۱۲) واقع في غير الكلام الموجب واشترط ذلك ليفيد فائدة صحيحة (ای الکلام او المستثنی ۱۲) مثل ما ضربني الا زيد اذ يصح ان لا يضرب المتكلم احد الا زيد بخلاف ضربني الا زيد اذ لا يصح ان يضرب كل واحد المتكلم الا زيد الا ان يستقيم المعنى بان يكون الحكم مما يصح ان يثبت على سبيل العموم نحو قولك كل حيوان يحرك فكه الاسفل عند المضغ (خاییدن ۱۲) الا التمساح (نہنگ ۱۲) او تكون هناك قرينة

ایضاً، یعنی مستثنیٰ کو حسب اقتضاء عامل رفع ونصب وغیرہ کلام موجب میں مستثنیٰ منہ کے غیر مذکور ہونے کی حالت میں تمام اوقات میں اعراب نہیں دیا جاتا مگر یہ کہ اس کلام موجب کے معنے صحیح ہوں پس اس وقت مستثنیٰ حسب اقتضاء عوامل کلام موجب میں بھی اعراب رفع وغیرہ دیا جاسکیگا پھر استقامۃ معنی کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ حکم اس قبیل سے ہو کہ اس کا اثبات علیٰ سبیل العموم کرنا صحیح ہو پھر اس سے استثناء واقع ہو جیسے کل حیوانٍ یحرک فکہ الاسفل عند المضغ الا التمساح (ہر حیوان چبانے کے وقت اپنے نچلے جبڑے کو حرکت دیتا ہے سوائے مگرمچھ کے کہ وہ اوپر والے جبڑے کو حرکت دیتا ہے) پس اس جگہ تحریک فک اسفل کا حکم علیٰ سبیل العموم ہر ہر حیوان کے لئے ثابت کرنا صحیح ہے پس اس حکم سے تمساح کو مستثنیٰ کر دیا اور تمساح کو حسب اقتضاء عامل اعراب دیا گیا یعنی رفع (تمساح کو فارسی میں نہنگ اور اردو میں گھڑیال۔ مگرمچھ۔ ناکو وغیرہ کہتے ہیں یہ ایک دریائی جانور ہے عظیم الجثہ جو انسان کو سالم نگل لیتا ہے) اور دوسری صورت یہ ہے کہ کلام میں ایسا قرینہ ہونا چاہئے جو اس بات پر دلالت کرے کہ مستثنیٰ منہ غیر مذکور سے ایسا بعض معین مراد ہے کہ اس میں یقینی طور پر مستثنیٰ داخل ہے جیسے قرأت الا یوم کذا (باقی بر صفحہ ۱۷۳)

دالة على ان المراد بالمستثنى منه بعضٌ معينٌ يدخل فيه المستثنى قطعاً مثل قرأتُ
الا يوم كذا اى اوقعت القراءة كلَّ يومٍ الا يوم كذا لظهور انه لا يريد المتكلم جميع
ايام الدنيا بل ايام الاسبوع او الشهر او مثل ذلك ولقائلٍ ان
يقول كما لا يستقيم المعنى على تقدير عموم المستثنى منه فى الموجب فى
بعض الصور فربما لا يستقيم المعنى على تقدير عموم المستثنى منه
فى غير الموجب ايضاً نحو مامات الا زيدٌ فينبغى ان يشترط فى
غير الموجب ايضا استقامة المعنى وايضاً لا يصح مثل قرأت الا يوم
كذا الا بعد تخصيص اليوم بايام الاسبوع مثلاً فيجوز مثل هذا التخصيص فى
ضربني الا زيدٌ بان يخصص المستثنى منه بكل واحدٍ من جماعةٍ
مخصوصين اذا كان هناك قرينةٌ دالة فلا فرق بين هاتين الصورتين فى

(بقیہ ص۱۷۲) کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میری جانب سے تمام ایام میں قرأت واقع ہوئی مگر مثلاً یوم جمعہ میں نہیں ہوئی پس یہاں کلام موجب میں مستثنیٰ منہ غیر مذکور ہے اور معنی بھی صحیح ہیں اس لئے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ متکلم کا ارادہ جمیع ایام دنیا کا قرأت میں احاطہ مقصود نہیں اور نہ ہو سکتا ہے بلکہ یا ہفتہ کے ایام مراد ہوں گے یا مہینہ کے یا برس وغیرہ کے پس مستثنیٰ منہ کے بعض کی تعیین پائی گئی کیونکہ یہ قرینہ موجود ہے کہ قرأت میں جمیع ایام دنیا کا احاطہ نہیں ہو سکتا لہٰذا مستثنیٰ کو حسب اقتضاء عامل اعراب دیا جائیگا یعنی نصب اس لئے کہ قرأت فعل با فاعل مفعول کا مقتضی ہے پس یوم کذا مفعول فیہ ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا واللہ اعلم ۱۲ قولہ ولقائل الخ اس سے شارح مطنف کے قول ویعرب المستثنی علی حسب العوامل الخ پر ایک اعتراض کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ جس طرح کلام موجب میں عموم مستثنیٰ منہ کی تقدیر پر بعض صورتوں میں معنی صحیح نہیں ہوتے یعنی اگر مستثنیٰ منہ عام کو کلام موجب سے حذف کیا جائے تو اس کی بعض صورتوں میں معنی مستقیم نہیں ہوتے مثلاً ضربنی الا زیدٌ میں لہٰذا اس کے لئے کلام غیر موجب ہونا ضروری ہے تب اعراب علی حسب العوامل ہوگا پس اسی طرح اگر مستثنیٰ منہ کلام غیر موجب میں محذوف ہو تو اس کی بعض صورتوں میں بھی معنی درست نہیں ہوتے جیسے مامات الا زیدٌ اس لئے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا مامات احدٌ الا زید کہ سوائے زید کے کوئی نہیں مرا یا مات کل احدٍ الا زیدٌ اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ زید کے سوا بہت سے مر چکے ہیں پس مصنف کو مناسب یہ تھا کہ غیر موجب میں بھی استقامۃ معنی کی شرط لگاتے واللہ اعلم ۱۲ قولہ وایضاً لا یصح الخ یہ دوسرا اعتراض ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ مصنف نے استقامۃ معنی کی جو مثال قرأتُ الا یوم کذا پیش کی ہے اس کے معنی اس وقت تک مستقیم نہیں ہو سکتے جب تک کہ یوم کو مثلاً ایام ہفتہ یا ایام ماہ کے ساتھ خاص نہ کر لیا جائے پس اس سے ایام مخصوصہ مراد ہوں گے اسی طرح جائز ہے کہ ضربنی الا زیدٌ میں بھی مستثنیٰ منہ کو مخصوصین کی جماعت سے ہر واحد کے ساتھ خاص کر لیا جائے جبکہ اس جگہ جماعت مخصوصہ پر کوئی قرینہ دلالت کرنے والا ہو مثلاً قائل کسی دیہات میں ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ اہل دیہات کو خاص کر کے ان میں سے زید کو مستثنیٰ کر رہا ہو اور اس کا منشا ضربنی الا زیدٌ سے ضربنی اناس قریۃ الا زیدٌ ہو یا ہو سکتا ہے کہ قریہ میں مختلف خاندان اور جماعتیں ہوں پس وہ جس خاندان یا جماعت میں داخل ہو اس کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہا ہو ضربنی الا زیدٌ ای ضربنی جماعۃ من اہل قریۃ الا زیدٌ پس کلام موجب اور غیر موجب دونوں صورتوں میں اس امر میں کوئی فرق نہیں رہے گا کہ بوقت قیام قرینہ ہر صورت جائز ہے اور جب کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو دونوں ناجائز لہٰذا مصنف کو استقامۃ معنی کی شرط کلام غیر موجب میں بھی لگانی چاہیے واللہ اعلم ۱۲

كون كل واحدة منهما جائزةً مع القرينة وغير جائزةٍ بدونها و

اجيب[1] بأن المعتبر هو الغالب والغالب فى الايجاب عدم

استقامة المعنى على العموم وفى النفى عكسه لان اشتراك جميع افراد

الجنس فى انتفاء تعلق الفعل بها ومخالفة واحدٍ اياها فى ذلك مما

يكثر ويغلب واما اشتراكها فى تعلق الفعل بها ومخالفة واحدٍ

اياها فى ذلك فمما يقل كما فى المثال المذكور وبأن[1] الفرق بين قولك

قرأت الا يوم كذا وضربنى الا زيد ليس الا بظهور قرينة دالة على بعض معين

من المستثنى منه مقطوع دخوله فيه فى الاول وعدم ظهورها فى الثانى

وهو قرأت الا يوم كذا ۱۲ نظرا الى الغالب ۱۲ — بيانية ۱۲ اى مجزوم وملزوم دخوله ۱۲

---

[1] قوله واجيب الخ یہاں سے شارح مذکورہ بالا اعتراض اول کا جواب دیرہے ہیں کہتے ہیں کہ اس میں قید غالب معتبر ہے اور ظاہر ہے کہ اگر مستثنیٰ منہ محذوف کو کلام موجب میں عام رکھتے ہیں تو معنی اکثر مستقیم نہیں ہونگے اسلئے کہ ایجاب عموم کو قبول نہیں کرتا جبتک کہ کوئی قرینہ نہ پایا جائے جیسا کہ ضربنی الا زیدؓ میں مستثنیٰ عام نہیں ہو سکتا کہ مجھکو تمام دنیا کے لوگوں نے مارا سوائے زید کے بخلاف نفی کے کہ وہ اسکے برعکس ہے یعنی اس میں مستثنیٰ منہ کی تقدیر پر معنی مستقیم ہو جاتے ہیں اسلئے کہ افراد جنس سے تعلق فعل کے انتفاء میں جمیع افراد جنس کا اشتراک اور افراد جنس میں سے کسی فرد کی مخالفت تعلق فعل کے انتفاء میں اکثر اور اغلب کے قبیل سے ہے یعنی کلام کے غیر موجب ہونے کے وقت فعل منفی کے ذریعہ جب افراد جنس یعنی مستثنیٰ منہ کا تعلق فعل سے انتفاء ہوگا تو جنس کے تمام افراد اس انتفاء میں شریک ہوں گے یعنی تمام افراد منتفی ہو جائیں گے جیسے ماضربنی الا زیدؓ کہ مجھ کو کسی نے نہیں مارا سوائے زید کے کہ دنیا کے تمام افراد کا فعل سے اس کے منفی ہونے کے باعث کوئی تعلق نہیں رہا سب سے فعل ضرب کی نفی ہوگئی البتہ ان افراد میں سے ایک فرد تعلق فعل سے انتفاء میں مخالف رہا یعنی زید کہ زید کے ساتھ فعل کا تعلق موجود ہے یعنی اس نے مارا ہے پس اس میں مستثنیٰ منہ کا عموم درست ہے اور ایسا اکثر اور اغلب ہوتا ہے لیکن افراد جنس کے ساتھ تعلق فعل میں افراد جنس کا اشتراک اور ان افراد میں سے کسی فرد کا تعلق فعل میں مخالف ہونا اغلب اور اکثر کے قبیل سے نہیں بلکہ یہ بہت ہی کم ہوتا ہے یعنی اگر فعل مثبت ہو اور مستثنیٰ منہ محذوف عام ہو پھر اس عموم سے مستثنیٰ منہ کا کوئی فرد تعلق فعل کے مخالف ہو تو یہ بہت ہی کم ہوتا ہے جیسے قرأت الا یوم کذا کہ اس میں مستثنیٰ منہ کے افراد کا فعل کے ساتھ اثبات میں تعلق ہے اور انہیں افراد میں سے ایک فرد اس تعلق فعل کے خلاف ہے یعنی جس دن قرأت نہیں کی گئی پس چونکہ کلام غیر موجب میں جمیع افراد جنس سے تعلق فعل کا انتفاء اور ایک کا اثبات علی سبیل الاکثر والاغلب ہے اس لئے اس میں استقامۃ معنی کی قید نہیں لگائی اور کلام موجب میں جمیع افراد جنس

سے فعل کا تعلق اور اس سے ایک فرد کا انتفاء بہت ہی کم پایا جاتا ہے اس لئے اس میں استقامۃ معنی کی قید زائد کی گئی پس اب ماماتت الازیدؓ کو لیکر کلام غیر موجب میں عدم شرط استقامۃ معنی کا اعتراض نہ کیا جائے اس لئے کہ اس میں اغلب اور اکثر کی شرط ملحوظ ہے اور ماماتت الازیدؓ بطور شذوذ و نادر و اقل کے ہے لہذا یہ قابل اعتراض نہیں واللہ اعلم [1] قولہ وبان الفرق الخ یہ دوسرے اعتراض کا جواب ہے کہتے ہیں کہ قرأت الا یوم کذا اور ضربنی الا زیدؓ میں فرق اس وقت ہوگا جبکہ مثال اول میں مستثنیٰ منہ سے مستثنیٰ کے مقطوع ہونے پر کوئی قرینہ دلالت کرنے والا ظاہر ہو اور مثال ثانی میں غیر ظاہر پس اگر مثال ثانی میں بھی مستثنیٰ منہ سے مستثنیٰ کے مقطوع ہونے پر کوئی قرینہ ظاہر الدلالۃ پایا جائے مثلاً کوئی شخص سوال کرے من ضربک من القوم تجھ کو قوم میں سے کس نے مارا اور اس قوم میں زید بھی داخل ہو اور وہ جواب میں کہے ضربنی الا زیدؓ کہ سوائے زید کے مجھ کو سب نے مارا تو اس جگہ قرینہ سوالیہ مستثنیٰ منہ عام سے بعض معین یعنی زید کے مقطوع ہونے پر دلالت کریگا پس یہ بھی ما یستقیم فیہ المعنی کے قبیل سے ہو جائے گا لیکن اس میں غالب یہی ہے کہ کوئی قرینہ نہیں پایا جاتا پس جب (باقی بر صفحہ ۱۷۹)

فلو قام في الثاني ايضا قرينة ظاهرة الدلالة على بعض معين كما اذا قيل من ضربك من القوم اى القوم الداخل فيهم زيد فقلت ضربني الا زيد فالظاهر ان ذلك ايضا مما يستقيم فيه المعنى لكن الغالب عدم وجدان قرينة كذلك في الموجب فالغالب فيه عدم استقامة المعنى ومن ثم اى ومن اجل ان المفرغ لا يكون في الموجب الا ان يستقيم المعنى لم يجز مثل ما زال زيد الا عالما اذ معنى ما زال ثبت لان نفي النفي اثبات فيكون المعنى ثبت زيد دائما على جميع الصفات الا على صفة العلم فلا يستقيم وقال الشارح الرضي يمكن أن نحمل الصفات على ما يمكن ان يكون زيد عليها مما لا يتناقض ويستثنى من جملتها العلم او يحمل ذلك على المبالغة في نفي صفة العلم كانك قلت امكن ان يحصل فيه جميع الصفات الا صفة العلم وعلى التقديرين يندرج في صورة الاستقامة

(بقیہ ص ۱۷۴) اسمیں غالب عدم وجدان قرینہ ہوا تو اس میں عدم استقامۃ معنی بھی غالب ہوگا اس لئے کلام غیر موجب میں وجدان قرینہ کے باعث اور موجب میں عدم وجدان قرینہ کے سبب سے دونوں میں ظاہری فرق کے باعث کلام غیر موجب میں الا یستقیم المعنی کی قید نہیں لگائی گئی اس جگہ قول شارح مقطوع دخولہ فیہ میں مقطوع بعض معین کی صفت ہے جس سے مستثنیٰ مراد ہے اور بعض معین اس طرح پر ہے کہ جب مستثنیٰ منہ کے افراد سے استثنا رکیا گیا تو مستثنیٰ ان افراد میں سے بعض معین ہی ہوگا مثلاً زید نہ کہ کچھ اور، اور دخولہ فیہ مقطوع شبہ فعل اسم مفعول کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے واللہ اعلم ۵۱ قولہ ومن ثم الخ اب یہاں سے لکم ماسبق یعنی مستثنیٰ مفرغ کلام موجب میں نہیں پایا جاتا تاوقتیکہ معنی مستقیم نہ ہوں) پر تفریع کرتے ہوئے کلام موجب کی مثال پیش کر کے کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں مثال یہ ہے جیسے ما زال زید الا عالما یہ کلام موجب اس وجہ سے ہے کہ ما نافیہ ہے اور زال کے معنی ہیں دور اور جدا ہونا لہذا اس میں بھی نفی پائی گئی اور قاعدہ ہے کہ جب نفی کی نفی کی جاتی ہے تو وہ اثبات ہو جاتا ہے لہذا ما زال منفی نہیں رہا مثبت ہو گیا پس اس مثال کے معنی یہ ہوں گے ثبت زید دائما علی جمیع الصفات الا علی صفۃ العلم یعنی زید ہمیشہ تمام صفات کے ساتھ متصف رہا سوائے صفۃ علم کے اور یہ معنی درست نہیں اس لئے کہ بہت سی صفات متضادہ ہیں جو بیک وقت موجود نہیں ہو سکتیں مثلاً نوم وبیداری۔ قیام وقعود۔ گفتار وسکوت رفتار وسکون۔ گریہ وہنسی وغیرہ وغیرہ پس عدم استقامۃ معنی کی بنا پر ما زال زید الا عالما کہنا جائز نہیں واللہ اعلم ۵۲ قولہ وقال الشارح الرضی الخ اس سے مصنف پر اعتراض کر کے مثال مذکور میں عدم استقامۃ معنی کی تصحیح کرنا مقصود ہے شارح کافیہ علامہ رضی فرماتے ہیں کہ مصنف کا مثال مذکور کو ناجائز قرار دینا صحیح نہیں اس لئے کہ زید کی صفات کو ان صفات پر محمول کیا جا سکتا ہے جو متضادہ اور متناقضہ نہ ہوں اور پھر ان سے علم کو مستثنےٰ کر دیا جائے پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ مثلاً زید۔ قیام۔ رفتار۔ گفتار۔ ہنسی اور بیداری پر ہمیشہ ثابت رہا مگر اس میں صفۃ علم کبھی نہیں پائی گئی یعنی مذکورہ بالا صفات تو اس میں موجود ہیں لیکن صفت علم نہیں یا ہو سکتا ہے

کہ اس مثال کو صفۃ علم کی نفی میں مبالغہ پر محمول کیا جائے پس اس وقت گویا کہ یہ کہا گیا کہ اس بات کا امکان ہے کہ زید میں تمام صفات پائی جائیں حتی کہ متناقضہ اور متضادہ بھی لیکن صفۃ علم ایک ایسی ہے کہ زید میں اس کی استعداد اور قابلیت وصلاحیت نہیں پس دونوں صورتوں میں معنی مستقیم ہو جائیں گے اور مثال مذکور کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں رہے گی واللہ اعلم ۱۲

ولا يخفى[1] على المتفطن انه يمكن بمثل هذه التاويلات ارجاع جميع
المواد الايجابية عند الاستثناء الى صورة الاستقامة كما يقال
مثلاً فى قولك ضربني الا زيدٌ المراد كل من يتصور منه الضرب
من معارفك او المقصود منه المبالغة فى غلو المجتمعين
على ضربك واذا[2] تعذر البدل من حيث حمله على اللفظ اى لفظ
المستثنى منه فعلى الموضع اى يحمل على موضع المستثنى منه لا على لفظه
عملاً بالمختار على قدر الامكان مثل ما جاءني من احدٍ الا زيدٌ فزيد
بدلٌ مرفوع محمول على موضع احدٍ لا مجرور محمول على لفظه
(فانه مرفوع بالفاعلية محلا ۱۲ عب)
ومثل لا احد فيها اى فى الدار الا عمروٌ فعمرو مرفوع محمول على
محل احدٍ لا على لفظه ومثل[3] ما زيدٌ شيئاً الا شيءٌ لا يُعبأ به

اور یہ وہم درست نہیں اس لئے کہ لفظ احدؔ سے بدل دشوار ہے اب جاننا چاہیئے کہ اس جگہ شارح نے من حیث حملہ کہکر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تعذر کا صلہ علیٰ نہیں آیا کرتا بلکہ بار آتا ہے پس علی محذوف یعنی حمل کا صلہ ہے اور ای لفظ المستثنیٰ منہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ علی اللفظ میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور ای یحمل علی الخ سے یہ بتایا ہے کہ اذا تعذر البدل شرط ہے اور فعلی الموضع اس کی جزا اور جزا کے لئے جملہ ہونا ضروری ہے پس یہ باعتبار اپنے متعلق محذوف یعنی یحمل کے جزا ہے اور عملاً بالمختار الخ کا اضافہ اس لئے کردیا کہ کوئی یہ نہ کہدے کہ جب بدل متعذر ہے تو مستثنیٰ کو استثناء کی بناء پر منصوب پڑھنا چاہیئے واللہ اعلم [3] قولہ ومثل ما زید الخ جیسے ما زیدٌ شیئاً اور شیٌ لا یُعبأ بہ کہ اس میں شیئاً مستثنیٰ منہ ہے اور اس سے شی کا بدل ربا قی برصفحہ

[1] قولہ ولا یخفی الخ اس سے شارح رضی کا شارح جامی مصنف کی جانب سے جواب دیرہے ہیں کہ ہر چند ارادی پر نفی ہیں کہ شارح رضی کے نزدیک مثال مذکور کا تاویلات مذکورہ کی بناء پر صحیح ہونا مسلم ہے لیکن اگر تاویلات سے ہی ہر جگہ کام لیا جائے تو کلام موجب کی ایک بھی مثال ایسی باقی نہیں رہے گی جو کسی نہ کسی تاویل کی بناء پر صحیح اور درست نہ ہو پس ممکن ہے کہ ان جیسی تاویلات کے ساتھ تمام مواد ایجابیہ کو ارادہ استثناء کے وقت استقامۃ معنی کی صورت کیطرف راجع کرلیا جائے اور ایک میں بھی سلب ایجاب نہ رہے جیساکہ مثلاً ضربنی الا زیدٌ میں کہہ سکتے ہیں کہ اس سے مراد متکلم کی یہ ہے کہ ہر وہ شخص کہ جس سے اپنی جان پہچان والوں میں سے ضرب کا تصور ہو سکتا ہے سب نے اس کو مارا مگر زید نے نہیں مارا پس مثال مذکور صحیح ہوگئی یا کہہ سکتے ہیں کہ اس سے متکلم کا مقصود اس کی مار پیٹ پر لوگوں کے ہجوم اور کثرت ازدحام میں مبالغہ کرنا ہے پس اس صورت میں بھی اگرچہ متکلم کو تمام لوگوں کا مارنا ممکن نہیں لیکن جب اس سے مبالغہ مقصود ہے تو مثال مذکور میں عدم صحۃ معنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی واللہ اعلم

[2] قولہ تعذر البدل الخ یہاں سے ما بعد اور کلام غیر موجب میں ذکر مستثنیٰ منہ کے وقت اختیار بدل کا دوسرا قاعدہ بیان فرمارہے ہیں کہتے ہیں کہ جن صورتوں میں بدل پڑھنا مختار ہی اگر لفظ مستثنیٰ منہ پر حمل کرتے ہوئے بدل پڑھنا دشوار اور متعذر ہو تو موضع مستثنیٰ منہ پر حمل کرتے ہوئے بدل پڑھیں گے اور لفظ مستثنیٰ منہ پر بدل کو محمول نہیں کریں گے جیسے ما جاءنی من احدٍ الا زیدٌ کہ اس میں احدٍ مستثنیٰ منہ ہے پس اگر زید کو اس سے بدل قرار دیں تو یہ دشوار ہے اس کو محل مستثنیٰ پر حمل کرتے ہوئے مرفوع پڑھیں گے اس لئے کہ من احد محل رفع میں واقع ہے اگرچہ لفظاً مرفوع نہیں اور جیسے لا احد فیہا ای فی الدار الا عمروٌ کہ اس جگہ احد لائے نفی جنس کا اسم ہونے کی بناء پر منصوب ہے پس عمروٌ کو محل مستثنیٰ منہ پر حمل کرتے ہوئے مرفوع پڑھیں گے اس لئے کہ ابتدائیت کی بناء پر احد محل رفع میں داخل ہے بخلاف عمروٌ کو استثناء کی بناء پر منصوب پڑھنے کے کہ یہ ضعیف ہے اس لئے کہ اس بناء پر یہ وہم ہوتا ہے کہ عمراً علی سبیل البدلیۃ لفظاً احدؔ سے منصوب ہے نہ کہ استثناء کی بناء پر

(بقیہ ص۱۷۶) واقع ہوکر منصوب ہونا متعذر ہے لہذا شئی کو شیئاً کے محل رفع پر محمول کرتے ہوئے مرفوع پڑھیں گے اس لئے کہ شیئاً مبتدا کی خبریت کی بنا پر مرفوع المحل ہے لفظ پر حمل کرتے ہوئے منصوب نہیں پڑھیں گے لایعبأ بہ کے معنی لا یعتد بہ کے ہیں یعنی جس کو لائق اعتنا اور قابل توجہ نہ سمجھا جائے اور مثال مذکور کے معنی یہ ہیں زید کوئی شئے نہیں سوائے ایسی شئے کے کہ اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ لایعبأ بہ کے متعلق شارح کہتے ہیں کہ یہ اکثر نسخوں میں مذکور نہیں اور جن نسخوں میں موجود ہے تو یہ شئی مستثنیٰ کی صفت ہے اور اس کی توجیہ میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کے صفت لانے کی وجہ یہ ہے کہ شئی کو شئے سے مستثنیٰ کرنے کے لئے استثناء شئے عن نفسہ لازم نہ آئے کیونکہ ظاہر بات ہے کہ شئے سے جب شئے کا استثناء کیا جائیگا تو لامحالہ استثناء شئے عن نفسہ لازم آئے گا پس جب شئی ثانی کی... صفت لایعبأ بہ لائی گئی تو استثناء شئے عن نفسہ لازم نہیں آئیگا اس لئے کہ مستثنیٰ منہ عام شئے ہو جائے گا اور مستثنیٰ شئے خاص جو کہ لایعبأ بہ کے ساتھ متصف ہے پس عام سے خاص کا استثناء قابل اعتراض نہیں ہوگا واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ ولایخفی الخ معترض کہہ سکتا ہے کہ جب اکثر نسخوں میں قولہ لایعبأ بہ موجود نہیں تو ان کے اعتبار سے لامحالہ استثناء شئی عن نفسہ لازم آتا ہوگا پس اس کی کیا توجیہ ہے؟ پس شارح اس کا جواب لایخفی سے دے رہے ہیں یا دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیجئے کہ اس سے شارح کا منشاء قول قائل قیل انما وصفہ بہ الخ پر اعتراض کرنا ہے یعنی اگر اس صفۃ کو ذکر نہ کیا جائے تب بھی معنی درست ہو جاتے ہیں بلکہ یہ صورت زیادہ لطیف اور ادق ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ شئی ثانی میں تنوین تنکیر کو تحقیر کے لئے لیا جائے یعنی مستثنیٰ منہ کو اس بات سے عام کردیا جائے کہ اس کے اوپر صفۃ غیر شیئیۃ کی زیادتی ہو سکے مثلاً یہ مطلب لیا جائے ما زید شیئاً عظیماً او کریماً وغیر ذلک اور پھر مستثنیٰ کو صفۃ غیر شیئیۃ کی عدم زیادۃ کے ساتھ خاص کردیا جائے تو یہ صورت زیادہ دقیق و لطیف ہوگی اس لئے کہ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ زید شئے عظیم یا کریم وغیرہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ ایک حقیر اور ذلیل شئے ہے اور اس کے لطیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لایعبأ بہ کی زیادتی سے بھی مستثنیٰ کا حقیر ہونا

ای لا یعتد بہ فشئی مرفوع محمول علی محل شیئاً لا منصوب محمول علی لفظہ (لانہ مرفوع علی انہ خبر المبتداء ۱۲ عب) وقولہ لایعبأ بہ لیس فی کثیر من النسخ وعلی ما وقع فی بعضہا فہو صفۃ شئی المستثنیٰ قیل انما وصفہ بہ لئلا یلزم استثناء الشئی من نفسہ و ؎ لایخفی انہ لو جعل المستثنیٰ منہ شیئاً اعم من ان یزید علیہ صفۃ غیر الشیئیۃ اولا و خص المستثنیٰ بما لا یزید علیہ صفۃ غیر الشیئیۃ لکان ادق و الطف (جواب لو ۱۲) ؎ وانما تعذر البدل علی اللفظ فی الصورۃ الاولیٰ لان من الاستغراقیۃ لا تزاد اتفاقاً بعد الاثبات ای بعد ما صار الکلام مثبتاً لانتقاض النفی بالا لانہا لتاکید النفی ولا نفی بعد الانتقاض فلو ابدل علی اللفظ و (ای من الاستغراقیۃ ۱۲)

معلوم ہو رہا تھا اور اس کے ذکر کے بغیر بھی اس کی حقارت ظاہر ہو جاتی ہے پس کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ لایعبأ بہ کا اضافہ کیا جائے اور دقیق اس وجہ سے ہے کہ اس میں زیادتی توجہ اور فکر و تامل کی ضرورت ہے واللہ اعلم ؎ قولہ وانما تعذر البدل الخ یہاں سے مصنف امثلۂ مذکورہ میں تعذر بدل کی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہ لفظ کی بنا پر صورت اولیٰ میں تو بدل اس لئے دشوار ہے کہ من استغراقیہ اثبات کے بعد اتفاقاً زیادہ نہیں کیا جاتا یعنی جب نفی کو ختم کرنے کے لئے کلام الا کے ذریعہ مثبت ہو جائے اس لئے کہ من استغراقیہ تاکید نفی کے لئے آتا ہے اور الا کے ذریعہ نفی کے انتقاض کے بعد نفی باقی نہیں رہتی تو لامحالہ اثبات پیدا ہو جائے گا پس اگر مستثنیٰ کو لفظ پر حمل کرتے ہوئے بدل لائیں گے اور ماجاءنی من احد الا زید، زید کے جر کے ساتھ کہیں گے تو یہ کہنا ہمارے قول جاءنی من زید کی قوت میں ہوگا اس لئے کہ بدل تکرار عامل کے ساتھ ہوتا ہے یعنی مبدل منہ اور بدل دونوں کا عامل ایک ہوتا ہے اور اس جگہ عامل مبدل منہ من استغراقیہ جارہ ہے لہذا بدل کا بھی یہی عامل ہوگا پس الا زید کا مطلب جاءنی من زید ہوگا پس من کی زیادتی کلام مثبت میں لازم آئی اور یہ ناجائز ہے اس لئے کہ من استغراقیہ تاکید نفی کے لئے آتا ہے یعنی نفی کو جمیع افراد منفی کے ساتھ احاطہ کر لینے (باقی بر ص۱۷۸)

قیل ما جاءنی من احدٍ الا زید بالجر لکان فی قوۃ قولنا جاءنی من زید فلزم زیادۃ من فی الاثبات وذلک غیر جائز وفی الصورتین الاخیرتین لانہ لو ابدل المستثنیٰ علی اللفظ وقیل لا احد فیہا الا عمرًا بالنصب لان فتحتہ شبیہۃ بالحرکۃ الاعرابیۃ لانہا حصلت بکلمۃ لا فہی کالنصب الحاصل بالعامل فلابد من تقدیر لا حقیقۃً او حکما لتعمل فیہ ہذا العمل وکذا فی قولہ مازید شیئا الا شیئ لو حمل المستثنیٰ علی لفظ المستثنیٰ منہ لابد من تقدیر ما کذلک لتعمل فیہ وما ولا لا تقدران لا حقیقۃً اذا لم یکن البدل الا بتکریر العامل ولا حکما اذا

علۃ تعذر ۱۲ — جواب لو ۱۲ — ای لا تقرضان ۱۲ عف

دونوں صورتوں میں الاکی وجہ سے کلام کے مثبت ہو جانے کے باعث ٹوٹ گئی لہذا اب کسی صورت سے بھی ممکن نہیں کہ ان کو بدل قرار دیکر منصوب پڑھ سکیں نہ حقیقۃً اور نہ حکماً حقیقۃً تو اس وقت جبکہ بدل تکریر عامل کے حکم میں ہو یعنی اس کے لئے تکرار عامل ضروری ہو جیسا کہ بعض نحاۃ تکرار عامل کے قائل ہیں اور حکماً جبکہ صرف مبدل منہ پر لا اور ما کے دخول پر اکتفار اور حکم ما و لا کی بدل کی طرف سرایت کا اعتبار کیا جائے اس لئے کہ بدل قوت تقدیر میں ہے یعنی اس میں ما اور لا مقدر ہوتا ہے پس اس صورت میں اگرچہ حقیقۃً تکرار عامل نہیں ہوگا مگر حکماً ضرور ہوگا کما ذہب الیہ بعضہم لہذا دونوں صورتوں میں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ سے بدل نہیں قرار دے سکتے ۔ اب جاننا چاہیئے کہ اس جگہ لان فتحتہ شبیہۃ بالحرکۃ الاعرابیۃ الخ سے شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے تقریر سوال کی یہ ہے کہ لا احد میں احد فتحہ پر مبنی ہے اور مبنی کے توابع لفظ پر محمول نہیں کئے جاتے محل پر محمول ہوتے ہیں لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے لفظ پر حمل کرتے ہوئے الا عمرًا بالنصب پڑھیں بلکہ مستثنیٰ منہ مبنی کے اقتضاء کے بموجب مستثنیٰ کو بھی بدل قرار دیتے ہوئے مبنی بر فتحہ پڑھنا چاہیئے جواب یہ ہے کہ لفظ احد کا فتحہ حرکت اعرابیہ کے مشابہ ہے اس لئے کہ دونوں عامل کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں نیز یہ کہ فتحہ عارضی ہے اس لئے کہ اعراب اصل ہے پس احد بمنزلہ معرب کے ہوگا اور اس کے لفظ پر حمل کرتے ہوئے الا عمرًا بالنصب (باقی بر ص۱۷۹)

(بقیہ ص۱۷۷) کیلئے پس جب مثلاً ما جاءنی من رجل کہا جائیگا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رجل کے جس قدر بھی افراد ہیں ان میں سے میرے پاس کوئی نہیں آیا اور جب نفی نہ ہوگی تو من کی بھی زیادتی نہ ہوگی کیونکہ اس کی زیادتی بے فائدہ ہوگی پس محل مستثنیٰ منہ پر حمل کرتے ہوئے مختار پر بقدر امکان عمل کرنے کے لئے مستثنیٰ کو مرفوع پڑھیں گے اس جگہ شارح نے قول ماتن لان من سے پیشتر فی الصورۃ الاولیٰ کہکر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مبتدی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ یہ دلیل مثال ثالث کی ہے بلکہ مثال اول کی دلیل ہے اور اس کے بعد الاستغراقیۃ کا اضافہ اس غرض سے کیا ہے کہ کلام مثبت میں من استغراق کے لئے نہیں آیا کرتا بلکہ اخفش کے نزدیک وہ زائدہ ہوتا ہے اور بصریین کے نزدیک تبعیضیہ یا بیانیہ اور من استغراقیہ صرف منفی کے ساتھ خاص ہے اور ای بعد ما صار الکلام سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ الاثبات میں باب افعال کا ہمزہ اس جگہ صیرورۃ کے لئے ہے تاکہ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ مثال مذکور تو منفی کی ہے نہ کہ مثبت کی پس یہاں بعد الاثبات کہنا کیسے صحیح ہے واللہ اعلم ؎ قولہ وفی الصورتین الخ اور اخیر کی دو صورتوں یعنی لا احد فیہا الا عمرٌ اور ما زید شیئًا الا شیئ لا یعبأ بہ میں تعذر بدل کی یہ وجہ ہے کہ اگر مستثنیٰ کو لفظ پر محمول کرتے ہوئے بدل قرار دیں تو لا احد فیہا الا عمرًا کہا جائیگا اس لئے کہ احد کا فتحہ حرکت اعرابیہ کے مشابہ ہے اس لئے کہ وہ کلمۂ لا سے حاصل ہوا ہے یعنی جس طرح نصب عامل ناصب کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اسی طرح فتحہ بھی کلمۂ لا سے حاصل ہوتا ہے جو کہ اپنے اسم نکرہ کو مبنی علی النصب کر دیتا ہے پس وہ فتحہ نصب کی مانند ہوا جو کہ عامل سے حاصل ہوتا ہے پس اس وقت حقیقۃً یا حکماً لا کی تقدیر ضروری ہے تاکہ وہ عمرًا میں نصب کا عمل کرے اسی طرح ما زید شیئًا الا شیئٌ لا یعبأ بہ میں اگر مستثنیٰ کو لفظ مستثنیٰ منہ پر محمول کریں گے تو مستثنیٰ میں بھی بوجہ بدلیت کہ بدل تکرار عامل کا حکم رکھتا ہے ما مقدر مانیں گے تاکہ وہ بدل میں مبدل منہ کا عمل نصب کر سکے اور ما و لا مقدر ہوا نہیں کرتے اس لئے کہ لا نفی جنس اور ما مشابہ بلیس معنی نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں اور نفی م

(بقیہ صفحہ ۱۷۸) کہہ سکتے ہیں اور حال کونہما عاملتین سے شارح نے یہ بتایا ہے کہ عاملتین لاتقدران کی ضمیر مفعول مالم یسم فاعلہ سے حال واقع ہے اس کے علاوہ اس میں دو احتمال اور ہیں ایک یہ کہ یہ تمیز واقع ہو اور دوسرے یہ کہ اگر لاتقدران کو لا تجعلان کے معنی کو متضمن سمجھیں تو عاملتین مفعول ثانی بھی بن سکتا ہے اور ای بعد الاثبات یعنی بعد ماصار الخ کے اضافہ کی وجہ گذر چکی واللہ اعلم ۱۲ ــــــ قولہ وحیث تعذر الخ یعنی جب دونوں صورتوں میں لفظ پر حمل کرتے ہوئے مستثنےٰ کو بدل قرار دینا دشوار ہو گیا تو محل پر حمل کرتے ہوئے بدل قرار دیں گے پس عمرو اس بنار پر مرفوع ہو گا کہ وہ محل احدٍ پر محمول ہے اس لئے کہ اس کا محل ابتدائیت کی بنار پر رفع ہے اور شئی محل شیئاً پر رفع بالخبریۃ کی بنار پر مرفوع پڑھا جائیگا اب فان قلت سے شارح ایک اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس مثال میں اعراب کے اعتبار سے احدَ کے دو محل ہیں ایک محل قریب کہ کلمۂ لاکی وجہ سے وہ منصوب ہوا اور دوسرے محل بعید کہ ابتدائیت کی بنار پر احد مرفوع ہو پس اس کی کیا وجہ ہے کہ محل بعید کا تو اعتبار کیا گیا اور محل قریب کا نہیں ؟ یعنی مستثنےٰ کو محل رفع پر حمل کرتے ہوئے مرفوع تو پڑھا گیا جو کہ بعید ہے اور محل قریب پر حمل کی بنار پر منصوب نہیں پڑھا گیا قلت سے اس کا جواب شارح یہ دے رہے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ محل قریب میں لار کا عمل دخل ہے اس لئے کہ لا بمعنے النفی ہے اور وہ نفی الّا کے باعث ٹوٹ گئی لہذا اس کا محل قریب قابل اعتبار نہیں رہا اور محل بعید میں چونکہ لا کے عمل کو کوئی دخل ہی نہیں کیونکہ اس وقت اس میں عامل معنوی عامل ہو گا لہذا خواہ نفی منتقض ہو یا نہ ہو ہر حال میں یہ محل قابل اعتبار ہے واللہ اعلم ۱۲ ــــــ قولہ بخلاف الخ اوپر بیان کیا تھا کہ ما و لا معنے نفی کی وجہ سے اپنے مدخول میں عمل کرتے ہیں اور جب یہ نفی الّا کے سبب سے ٹوٹ جاتی ہے تو ما بعد الّا میں معنیٔ نفی کے ختم ہو جانے کے باعث عمل نہیں کریں گے اب یہاں سے یہ بتلاتے ہیں کہ اگر معنے نفی عمل کا باعث نہ ہوں بلکہ فعلیۃ ہو جیسا کہ لیس زید شیئاً الا شیئاً میں کہ اس میں لیس اپنی فعلیۃ کے باعث عامل ہے

اکتفی بدخولہ علی المبدل منہ واعتبر سرایتہٗ حکمہ الیہ فانہ فی قوۃ التقدیر حال کونہما عاملتین فی المستثنی المحمول علی البدل بعدہ ای بعد الاثبات یعنی بعد ما صار الکلام مثبتا لانتقاض النفی بالا لانہما ای ما و لا عملتا للنفی وقد انتقض النفی بالا وحیث تعذر فی ہاتین الصورتین البدل علی اللفظ حمل علی المحل فعمرو مرفوع علی انہ محمول علی محل احد و ہو الرفع بالابتداء وشئی مرفوع علی انہ محمول علی محل شیئا و ہو الرفع بالخبریۃ فان قلت لاحد فی ہذا المثال محلان من الاعراب محلٌ قریب و ہو نصبہ بکلمۃ لا ومحلٌ بعیدٌ و ہو رفعہ بالابتداء فلم اعتبر واحملہ علی محلہ البعید لا القریب قلت لان محلہ القریب انما ہو لعمل لا فیہ بمعنی النفی وقد انتقض بالا بخلاف محلہ البعید فانہ لا دخل لعمل لا فیہ بخلاف لیس زیدٌ شیئاً الا شیئاً مع انہ انتقض النفی فیہ ایضا بالا لانہا ای لیس عملت للفعلیۃ لا للنفی فلا اثر لنقض معنے النفی فی عملہا لبقاء الامر العاملۃ ہے ای لیس لاجلہ

معنی نفی کی وجہ سے نہیں تو اس میں انتقاض نفی کے باوجود لفظ مستثنےٰ منہ پر حمل کرتے ہوئے مستثنےٰ کو بدل قرار دیکر منصوب پڑھنا جائز ہے اس لئے کہ معنے نفی کے انتقاض سے لیس کے عمل میں کوئی فتور پیدا نہیں ہو گا اس لئے کہ اس کا عمل امر فعلیۃ کی وجہ سے ہے اور وہ باقی ہے اس لئے کہ اگرچہ الا کی وجہ سے نفی منتقض ہو گئی لیکن لیس جس کے باعث عمل کرتا ہے (باقی بر صفحہ ۱۸۰)

(بقیہ صفحہ ۱۷۹) یعنی فعلیۃ وہ تو اس کی بدستور باقی ہے لہذا شیئاً کو بنا بر بدلیۃ لفظ مستثنے منہ پر حمل کرتے ہوئے منصوب پڑھنا جائز ہے واللہ اعلم ۱۲

سلہ قولہ ومن ثم الخ یہاں سے مصنف حکم ماسبق پر تفریع پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب یہ معلوم ہو چکا کہ لیس کا عمل تو فعلیۃ کی وجہ سے ہے اور ما ولا کا معنے نفی کی وجہ سے تو اب کہنا جائز ہو گا بغیر مستثنے منہ کو ذکر کئے اور مستثنے کو اس کے لفظ سے بدل قرار دیتے ہوئے لیس زیدٌ الا قائماً کہنا جائز ہو گا اس لئے کہ اس میں اگرچہ معنیٔ نفی الا کی وجہ سے باطل ہو گئے ہیں لیکن فعلیۃ باقی ہے پس لیس قائماً میں عمل کر سکتا ہے بخلاف ما زیدٌ الا قائماً کے کہ یہ ترکیب جائز نہیں اس لئے کہ کلمۂ ما معنے نفی کے باعث عمل کرتا ہے اور وہ الا کی وجہ سے ٹوٹ گئے لہذا کلمۂ ما قائماً کو نصب نہیں دیگا بلکہ قائماً کو ابتدائیت کی بنا پر مرفوع پڑھتے ہوئے ما زیدٌ الا قائمٌ کہنا ضروری ہو گا واللہ اعلم

سلہ قولہ والمستثنی الخ یعنی مستثنے جب غیر اور سوی یا سواء کے بعد واقع ہوتا ہے نیز حاشا کے بعد اکثر استعمال میں مجرور پڑھا جاتا ہے سوی کسر سین اور ضم دونوں جائز ہیں جبکہ اس کو مقصور پڑھیں (اور جب اس کو بالمد پڑھیں گے تو کسرۂ سین اور فتحہ جائز ہونگے لیکن قصر کی حالت میں کسر سین اور مد کی حالت میں فتحہ مشہور ہے بہر حال ان کے مابعد میں کسرہ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا مابعد مضاف الیہ واقع ہو گا اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے اور حاشا اکثر استعمالات کے اعتبار سے حرف جر ہے اس لئے اس کا مابعد مجرور ہو گا اور بعض نحاۃ نے حاشا کے مدخول پر نصب بھی جائز قرار دیا ہے اور ان کا دعوی یہ ہے کہ حاشا فعل متعدی ہے اور ضمیر مستتر اس کا فاعل اور معنی یہ ہیں کہ مستثنی اس چیز سے پاک اور بری ہے جو مستثنے منہ کی طرف منسوب کی گئی ہے جیسے ضرب القوم عمرٌ حاشا زیداً ای برّاہ اللہ عن ضرب عمرو یعنی اللہ تبارک وتعالی نے زید کو عمرو کی مار سے پاک رکھا پس زیداً بنا بر مفعولیت منصوب ہو گا نہ کہ مجرور واللہ اعلم

سلہ قولہ واعراب غیر الخ اور لفظ غیر کا اعراب باب استثناء میں نہ کہ صفت میں مستثنے بالا کے اعراب کی مانند ہے یعنی مستثنے بالا میں اعراب کی جو تفصیل مذکور ہوئی ہے

ای لاجل ذلک الامر وہو الفعلیۃ ومن ثم ای ومن اجل ان عمل لیس للفعلیۃ لا للنفی وعمل ما ولا بالعکس جاز لیس زیدٌ الا قائماً باعمال لیس فی قائماً وان انتقض نفیہا بالا لبقاء فعلیتہا وامتنع ما زیدٌ الا قائماً باعمال (علی انہ خبر لیس مع کونہ مثبتا ۱۲ ہندی) ما فی قائماً لان عملہا فیہ انما ہو للنفی وقد انتقض النفی بالا والمستثنی مخفوض ای مجرورٌ بعد غیر وسُوی مع کسر السین او ضمہا مع القصر وسواءٍ بفتح السین او کسرہا مع المد لکونہ مضافا الیہ وبعد حاشا فی الاکثر لکونہا حرف جر فی اکثر استعمالاتہم واجاز بعضہم النصب بہا علی انہا فعل متعدٍ فاعلہ مضمر و (علۃ لکون المستثنی مجرورا بعدہا ۱۲) معناہا تبرئۃ المستثنی عما نُسب الی المستثنی منہ نحو ضرب القوم عمرٌ حاشا زیداً (فی بعض النسخ تبریہ ۱۲) ای برّاہ اللہ عن ضرب عمرو واعراب غیر فیہ ای فی الاستثناء دون الصفۃ اذ ہو ح باعراب موصوفہ کاعراب المستثنی بالا علی التفصیل المذکور فیما

اسی کے مطابق غیر کو بھی اعراب دیا جائیگا یعنی جہاں مستثنے بالا کو وجوباً منصوب کیا جاتا ہے وہیں غیر بھی وجوباً منصوب کیا جائیگا وغیرہ وغیرہ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مستثنے بالا میں تو الا کا مابعد اعراب کو قبول کرتا ہے اور الا حرف استثناء ہے اور غیر جب استثناء کے لئے ہو گا تو اس کا مدخول قابل اعراب ہونا چاہیئے نہ کہ خود غیر ہو اس کا جواب فکانہ لما الخ ہر الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ غیر کے دخول کے بعد اس کا مدخول اضافۃ کے باعث مجرور ہو گا پس جب غیر نے اپنے مابعد اضافت کے ساتھ مجرور کر دیا تو گویا اس کے اعراب کو خود قبول کر لیا پس مستثنے کا اعراب لفظ غیر کی طرف منتقل ہو جائیگا اس جگہ مصنف نے فیہ ای فی الاستثناء کی قید احتراز کے لئے لگائی ہے اور اس سے اس غیر کو خارج کرنا مقصود ہے جو کہ صفت ہو اس لئے کہ اس وقت اس کا اعراب اسکے

سبق فکانہ لما انجر بہ المستثنیٰ للاضافۃ انتقل اعرابہ الیہ وغیرٌ[۲] ای کلمۃ
غیرٍ فی الاصل صفۃٌ[۳] لدلالتہا علی ذات مبہمۃ باعتبار قیام معنی المغایرۃ
بہا فالاصل فیہا ان تقع صفۃً کما تقول جاءنی رجل غیر زید واستعمالہا
علی ہذا الوجہ کثیر فی کلام العرب لکنہا حملت علی الّا واستعملت مثلہا فی
الاستثناء علی خلاف الاصل وذلک لاشتراک کل منہما فی مغایرۃ مابعدہ
لما قبلہ کما حملت الّا علیہا ای علی کلمۃ غیرٍ فی الصفۃ لکن لا تحمل الا
علیہا فی الصفۃ غالبًا الّا اذا کانت ای الا تابعۃً لجمیع ای واقعۃً بعد متعددٍ
فوجب ان یکون موصوفہا مذکورًا لا مقدرًا کما قد یکون مقدرا فی غیر مثل

(ای الغیر ۱۲) (ای المناسب ان تقع کلمۃ غیر صفۃ فی الترکیب لیوافق اصلہا ۱۲ عب) (ای کلمۃ غیر ۱۲) (ای الحمل ۱۲) (ای غیر والا ۱۲) (لفظا ۱۲)

[۲] قولہ وغیر ای کلمۃ الخ یہاں سے مصنف لفظ غیر کی اصل وضع کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ کلمہ غیر اصل میں صفت ہے اس لئے کہ یہ ذات مبہم
اس اعتبار سے دلالت کرتا ہے کہ اس کے ساتھ معنی مغایرت کا قیام ہوتا ہے یعنی کلمہ غیر مابعد کے لئے ماقبل کی مغایرت پر دلالت کر
پھر خواہ ماقبل و مابعد دونوں باعتبار ذات کے مغایر ہوں یا وصف کے اعتبار سے پس اس میں اصل یہ ہے کہ غیر صفت واقع ہو جیسے جا
رجلٌ غیر زیدٍ اور اس طریقہ پر اس
استعمال کلام عرب میں بکثرت
لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کلمہ غیر
الا پر محمول کر کے استثناء میں اس
استعمال کرتے ہیں علی خلاف الاصل
اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر اور الا
اپنے ماقبل کے لئے مابعد کے مغ
ہونے میں مشترک ہیں یعنی استثناء
بھی ماقبل کے لئے مابعد کی مغایرت
مقصود ہوتی ہے اور غیر میں بھی
پس جس طرح غیر کو الا کے معنی میں
استعمال کرتے ہیں اسی طرح الا کو
بھی بمعنے غیر یعنی صفت کے معنی پر
محمول کر لیا جاتا ہے لیکن یہ حمل الا
کا صفت پر بہت کم ہوتا ہے اکثر
استعمال اس کا استثناء ہی کے لئے
ہوتا ہے کما مر پس جب غیر صفت
الا کے معنی میں ہو تو اس کی مثال
جاءنی القوم غیر زیدٍ ہے اس لئے
کہ یہاں صفت متعذر ہے اس
لئے کہ موصوف و صفت کے درمیان
تعریف و تنکیر میں مطابقت شرط ہے
اور اس جگہ قوم معرفہ ہے اور غیر اگرچہ
معرفہ کی طرف مضاف ہے مگر توغل
ابہام کے باعث نکرہ ہے اس لئے
غیر صفت واقع نہیں ہو سکتا پس
بمعنے الا ہونے کے باعث بجائے
رفع علی الصفتیۃ کے منصوب پڑھا
جائیگا۔ اب جاننا چاہیئے کہ اس
جگہ غیر کی تفسیر ای کلمۃ غیر الخ سے
کر کے شارح نے ایک سوال مقدر
کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ غیر مبتدا ہے اور صفۃٌ اس کی خبر لیکن غیر کا مبتدا ہونا جائز نہیں اس لئے کہ مبتدا میں اصل یہ ہے کہ
معرفہ یا نکرہ مخصصہ ہو اور یہاں غیر نکرہ محضہ ہے نیز قولہ حملت کی ضمیر غیر کی طرف راجع ہے اور غیر مذکر ہے پس ضمیر مؤنث کا مذکر کی
طرف راجع کرنا لازم آیا شارح نے جواب دیا کہ غیر سے مراد کلمہ غیر ہے پس ضمیر کا مرجع صحیح ہونا تو ظاہر ہے اور اول کا جواب اس طرح
ہوگا کہ لفظ سے جب محض لفظ کا بغیر اس کے معنی کا لحاظ کیئے ارادہ کیا جاتا ہے تو لفظ علم ہوتا ہے پس
غیر بھی علم ہوگا اور ظاہر ہے کہ علم معرفہ ہوتا ہے لہذا اس کا مبتدا واقع ہونا درست ہے پھر حملت علی
الا پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کلمہ غیر کا الا پر حمل کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جبکہ دونوں کے درمیان
اتحاد نہیں اور اتحاد حمل کے لئے شرط ہے اس کا جواب شارح نے واستعملت مثلہا سے یہ دیا کہ حمل
سے مراد یہ ہے کہ غیر کا استعمال بھی الا ہی کی طرح کیا جائے واللہ اعلم [۳] قولہ الا اذا کانت الخ
یہاں سے مصنف کا منشا یہ بیان کرنا ہے کہ الا کس جگہ قطعی طور پر صفت کے لئے ہوتا ہے کہتے ہیں
کہ الا کا حمل غیر پر صفت میں اس وقت ہو گا جبکہ الا ایسی جمع کے بعد ہو جو نکرہ اور غیر محصور ہو یعنی
اس جمع کے افراد شمار کردہ اور معین نہ ہوں اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر
یہ ہے کہ تابع صفات اسم سے ہے اور الا صفات اسم سے نہیں بلکہ حرف ہے لہذا الا اذا کانت
تابعۃً کہنا صحیح نہیں کیونکہ تابع اسم کا ہوا کرتا ہے اور اسم ہی ہوتا ہے اور الا اسم نہیں شارح نے
ای واقعۃً بعد متعددٍ الخ سے جواب دیا کہ تابعۃً سے وہ تابع مراد نہیں جو اسم کا ہوتا ہے بلکہ اس سے
مراد یہ ہے کہ الا متعدد کے بعد واقع ہو یعنی تابعۃً بعد ظرف کے معنی میں ہے اور د باقی بر صـ ۱۸۲

جارنی غیر زید و بعد ما کان مذکورا یکون متعددا لیوافق حالها صفۃً حالها اداۃ استثناءٍ اذ لابد لها فی الاستثناء من مستثنًی منہ متعددٍ فلا تقول فی الصفۃ جارنی رجل الا زید والمتعدد اعم من ان یکون جمعًا لفظًا کرجالٍ او تقدیرًا کقوم ورھطٍ وان یکون مثنًّی فدخل فیہ نحو ما جارنی رجلان الا زید منکورٍ ای منکّرٍ لایعرف باللام حیث یراد بہ العھد او الاستغراقُ [اي العهد الخارجي لانه فرد كامل] فیعلم التناول قطعًا علی تقدیر الاستغراق وعلی تقدیر ان یشار بہ الی جماعۃ یکون زید منھم فلا یتعذر الاستثناء المتصل او عدم التناول قطعًا

ان معارف کے کہ جن میں لام نہ ہو بکثرت ہے پھر معرف باللام نہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ لام سے عہد خارجی یا استغراقی مراد نہ ہو اس لئے کہ اگر یہ مراد لیں گے تو استغراق کی تقدیر کی بناء پر مستثنے منہ کا تناول قطعی طور پر معلوم ہوگا یعنی مستثنے مستثنے منہ میں یقینًا داخل ہوگا پس استثناء متصل صحیح ہو جائیگا لہذا الا کو معنے حقیقی سے معنے مجازی یعنی صفتی کی طرف اخراج کی ضرورت پیش نہیں آئیگی اور اس کو غیر کے معنے پر حمل نہیں کر سکتے ایسے ہی جب الف لام کے ذریعہ ایسی جماعت کی طرف اشارہ کیا جائے کہ زید اس جماعت میں سے ہو تب بھی استثناء متصل متعذر نہیں ہو سکتا اور الا کو معنیٔ مجازی پر محمول کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئیگی اور اگر الف لام سے ایسی جماعت کی طرف اشارہ کیا جائے کہ زید اس جماعت میں سے نہ ہو تو استثناء منقطع متعذر نہیں ہوگا یعنی اس صورت میں الا کا مابعد مستثنی منقطع ہوگا اور الا کو صفۃ پر بمعنی غیر حمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ مستثنے متصل اور منقطع دونوں متعذر ہوں پس مستثنے منہ کے معرف باللام ہونے کی صورت میں الف لام عہد خارجی یا استغراقی مراد لینے وقت الا صفۃ کے معنی میں نہیں ہوگا البتہ اگر الف عہد ذہنی کیلئے ہو تو مستثنے منہ معرفہ نہیں نکرہ ہی رہیگا لہذا یہاں اس کی نفی نہیں اب کوئی یہ نہ کہے کہ متعدد منکر میں لایعرف باللام ہی کی تخصیص کی کیا وجہ ہے جبکہ دیگر معارف کی صورت میں بھی الا صفۃ کے معنی پر عدم تعذر استثناء کے سبب سے محمول رہاتی بر صفحہ ۱۸۳

(بقیہ صفحہ ۱۸۱) واقعۃً اس ظرف کا متعلق ہے اور جمع سے معنی لغوی یعنی تعدد مراد ہے پھر چونکہ الا کا صفۃ کے معنی میں استعمال خلاف اصل ہے پس اعتبار صفۃ کے وقت بمعنی الا آئیں ظاہر ہوں گے تو واجب یہ ہے کہ اس کا موصوف مذکور ہو تاکہ یہ معنی ظاہر ہو جائیں موصوف مقدر نہ ہو بخلاف غیر کے کہ وہ اصل میں صفۃ کے لئے ہے پس اس کا موصوف نظم کلام میں کبھی کبھی مقدر ہو جاتا ہے جیسے جارنی غیر زید کہ اس میں غیر کا موصوف یعنی قوم مذکور نہیں مقدر ہے پھر موصوف کیلئے متعدد ہونے کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ الا کے صفت ہونے کے وقت کا حال اداۃ استثناء کے حال کے موافق ہو جائے یعنی جس طرح مستثنے منہ متعدد ہوتا ہے اسی طرح اس کا موصوف بھی متعدد ہو تاکہ الا صفتی اور استثنائی میں موافقت رہے پس الا صفتی میں جارنی رجلٌ الا زیدٌ نہیں کہہ سکتے کیونکہ موصوف یعنی رجل میں تعدد نہیں اور نہ اس جگہ الا استثناء کے لئے ہو سکتا ہے اس لئے کہ مستثنے منہ کا متعدد ہونا ضروری ہے پس یہ ترکیب درست نہیں ہوگی پھر تعدد میں تعمیم ہے یعنی خواہ متعدد لفظًا جمع ہو جیسے رجالٌ یا تقدیرًا جمع ہو یعنی لفظ کے اعتبار سے تو مفرد ہو لیکن اس کا اطلاق جمع پر کیا جاتا ہو جیسے قوم اور رہط پھر تعدد میں تثنیہ بھی داخل ہے کیونکہ دو پر بھی متعدد کا اطلاق ہوتا ہے پس اس میں ما جارنی رجلان الا زیدٌ بھی داخل ہو جائے گا واللہ اعلم

سلہ قولہ ای منکر الخ اس جگہ منکور کی شرح ای منکر سے کرکے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ باب نکر ینکر تخفیف کے ساتھ ثلاثی مجرد سے غیر معلوم و غیر مشہور ہے حتے کہ مصنف نے امالی کافیہ میں اپنے قول اذا انکر صرف کے ضمن میں کہا ہے کہ تخفیف کیساتھ اہل عرب سے یہ سنا ہی نہیں گیا پس شارح نے اس کی معروفیت بتائی ہے کہ منکور منکر کے معنی میں مشہور و معروف ہے پھر منکر سے مراد یہ ہے کہ معرف باللام نہ ہو یہ مراد نہیں کہ مطلق معرفہ نہ ہو اور یہ عدم تخصیص باللام اس وجہ سے سمجھ میں آتی ہے کہ منکر کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معرفہ نہ ہو پس جب معرفہ نہیں ہوگا تو معرف باللام بھی نہیں ہوگا اس لئے کہ اس کی تعریف میں کسی قسم کا خفاء نہیں نیز اس کا استعمال بہ نسبت

(بقیہ ص۱۸۲) نہیں ہوتا مثلاً جاءنی ہؤلاء الا زیداً یہ اسم اشارہ معرفہ کی مثال ہے اور اس میں الا صفۃ کے معنی پر محمول نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ا
متعذر نہیں ؟ جواب یہ ہے کہ معرف باللام چونکہ اعرف المعارف اور تمام معرفوں سے زیادہ مشہور اور کثیر الاستعمال ہے اس لئے اس کو
کردیا واللہ اعلم سلہ قولہ غیر محصور الخ یہ قول مصنف لجمع کی صفت ثانیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ جمع ایسی ہونی چاہیے جو نکرہ ہونے

ساتھ ساتھ غیر محصور ہو یعنی ا
شمار اور تعین نہ کیا گیا ہو پھر چو
غیر محصور کا علم اس وقت تک نہیں
جب تک کہ محصور کا علم نہ ہوا اس
شارح کہتے ہیں کہ محصور کی دو قس
ہیں ایک جنس مستغرق جیسے ما جا
رجل یا رجال کہ اس میں رجل
حقیقۃً جمع نہیں مگر سیاق نفی میں
ہونے کے باعث جمع ہے پس ا
اعتبار سے اس میں تعدد موجود
جنس مستغرق کا مطلب یہ ہے
اس جنس کے تمام افراد احاطہ کر
گئے ہوں کوئی فرد اس کا اس ا
اور شمار سے باہر نہ ہو پس رجل
اس کا ہر ہر فرد اس میں داخل
محصور ہے اور دوسری قسم یہ
کہ بعض جنس معلوم العدد ہو جیسے
علیّ عشرۃ دراہم یا عشرون کہ در
جنس ہے لیکن اس کا بعض معلوم
العدد ہے یعنی دس یا بیس درا
اب شارح کہتے ہیں کہ جب محصو
کا علم ہو گیا تو غیر محصور کی قید اس
وجہ سے لگانی پڑی کہ اگر مستثنی منہ
محصور ہو تو ما بعد الا کا مستثنی منہ
میں داخل ہونا واجب ہو گا پس
استثناء متعذر نہیں ہوگا لہذا الا کو بمعنی
غیر صفۃ پر محمول نہیں کر سکتے جیسے کل
رجل الا زیداً جاءنی اور لہ علیّ عشرۃ
الا درہماً ان میں سے اول جنس
مستغرق اور دوم بعض جنس معلوم
العدد کی مثال ہے اور دونوں میں

علی تقدیر ان یشار بہ الی جماعۃ لم یکن زید منہم فلا یتعذر المنقطع غیر محصورٍ
والمحصور نوعان اِمّا الجنس المستغرق نحو ما جاءنی رجل او رجال و اما
بعض منہ معلوم العدد نحو لہ علیّ عشرۃ دراہم او عشرون وانما اشترط ان
یکون غیر محصورٍ لانہ ان کان محصوراً علی احد الوجہین وجب دخول ما بعد
الا فیہ فلا یتعذر الاستثناء نحو کل رجل الا زیداً جاءنی ولہ علیّ عشرۃ الا درہماً
وانما یُصار (ای یذہب الخ) عند وجود ہذہ الشرائط الی حمل الا علی غیر لتعذر الاستثناء عند
(بالفارسیۃ گردیدہ میشود ۱۲)
وجودہا فیضطر الی حملہا علی غیر وانما قلنا فی صدر ہذا الکلام ان الا
لا تحمل علی الصفۃ غالباً فقیدناہ بقولنا غالباً لانہ قد یتعذر الاستثناء فی
المحصور نحو جاءنی مائۃ رجلٍ الا زیدٍ وقد لا یتعذر فی غیر المحصور نحو جاءنی

اس جگہ یصار فعل مضارع مجہول یُذہَب کے معنی میں ہے واللہ اعلم سلہ قولہ وانما قلنا الخ اس سے شارح
اپنے کلام سابق الا لا تحمل علی الصفۃ غالباً میں غالباً کے ذکر کی وجہ بیان کر رہے ہیں جس سے مقصود
ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ الا کو صفۃ پر بمعنی غیر حمل کرنے کا مدار
تعذر استثناء پر ہے لیکن اس کے لئے جو ضابطہ بیان کیا گیا ہے وہ جامع مانع نہیں اس لئے کہ
کبھی استثناء محصور میں متعذر ہو جاتا ہے حالانکہ ضابطہ یہ ہے کہ محصور میں متعذر نہیں ہوتا اس
لئے متن میں غیر محصور کی قید لگائی گئی اور کبھی غیر محصور میں بھی متعذر نہیں ہوتا حالانکہ اس کے لئے
ضابطہ تعذر کا مقتضی ہے پس شارح کہتے ہیں کہ ہم نے اسی وجہ سے اپنے قول میں غالباً کی
قید لگائی ہے کیونکہ یہ دونوں ضابطے کلیہ نہیں بلکہ اکثریہ ہیں اس لئے کہ کبھی محصور میں بھی استثناء
متعذر ہو جاتا ہے جیسے جاءنی مائۃ رجلٍ الا زیدٍ ای غیر زید کہ اس میں اگر مستثنی کا مستثنی منہ میں
دخول اور خروج نقیض نہ ہو تو نہ استثناء متصل ہو سکتا ہے اور نہ منقطع پس لا محالہ (باقی بر ص۱۸۴)

الا کا ما بعد اور درہماً مستثنی منہ میں داخل ہیں پس استثناء متعذر نہیں رہا واللہ اعلم سلہ قولہ وانما یصار الخ یہاں سے یہ بیان کرنا مقصود ہے
کہ وجود شرائط کے وقت الا کو غیر کے معنی پر محمول کرنے کا باعث کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ان شرائط کی موجودگی
میں استثناء متعذر ہو جائیگا پس لا محالہ الا کو غیر کے معنی پر حمل کرنے کیلئے اضطرار پیش آئیگا اس لئے الا کو غیر کے معنی پر محمول کر لیں گے

(بقیہ صد ۱۸۳) الا کو صفۃ کے معنی پر محمول کرنا پڑیگا البتہ اگر دخول یا خروج دونوں میں سے کوئی ایک یقینی ہے تو پھر استثناء متعذر نہیں ہوگا بلکہ زیداً یا مستثنے متصل واقع ہوگا یا منقطع علی حسب المراد اور کبھی غیر محصور میں بھی متعذر نہیں ہوتا جیسے جارنی رجال الا واحداً والا رجلاً و الاحماراً واللہ اعلم سلہ قولہ نحو لوکان الخ یہ الا کو بمعنی غیر صفت، پر محمول کرنے کی مثال ہے اور اس میں آلہۃ غیر محصور ہے اس لئے کہ آلہۃ سے عدد محصور پر دلالت نہیں ہوتی (اور آلہۃ اِلٰہ کی جمع ہے) اور الا غیر کے معنے میں ای غیر اللہ آتیہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر آسمان وزمین میں سوائے اللہ کے کئی معبود ہوتے تو زمین و آسمان انتظام سے نکل جاتے اور تباہ ہوجاتے پس اس آیۃ میں الا صفۃ ہے بمعنی غیر اس لئے کہ کلمہ الا ایسی جمع کے بعد واقع ہے جو کہ منکر غیر محصور ہے یعنی آلہۃ کے بعد اور اس میں استثناء متعذر ہے اس لئے کہ یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ آلہۃ میں داخل ہے یا نہیں پس صحۃ استثناء کی شرط متحقق نہیں ہوئی لہٰذا اس جگہ الا استثناء کے لئے نہیں ہوگا البتہ اگر اللہ کا آلہۃ میں دخول یا اس سے خروج یقینی ہو تو استثناء متصل یا منقطع واقع ہوسکتا ہے واللہ اعلم سلہ قولہ وفی الآیۃ الخ پہلی صورت تعذر استثناء کی تو اس وقت تھی جبکہ اللہ کا آلہۃ میں دخول یا اس سے خروج یقینی نہ ہو اور یہ صورت تعذر استثناء کی اس کے علاوہ ہے کہتے ہیں کہ آیۃ میں الا کو بمعنی استثناء محمول کرنے پر ایک مانع اور موجود ہے اور وہ یہ کہ اگر الا کو استثناء پر محمول کیا جائے تو معنے یہ ہوں گے لوکان فیہما آلہۃ مستثنے عنہا اللہ تعالیٰ لفسدتا یعنی اگر آسمان وزمین میں چند معبود ہوتے کہ جن سے اللہ تعالیٰ مستثنے ہی تو آسمان وزمین کا نظام درہم برہم ہوجاتا پس اس صورت میں اس سے صرف اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ آسمان وزمین میں ایسے آلہۃ نہیں جن سے اللہ تعالیٰ مستثنے ہے پس اس سے وحدانیت باری تعالیٰ ثابت نہیں ہوسکتی (حالانکہ آیتہ اثبات وحدانیت کیلئے بیان کی گئی ہے) اس لئے کہ اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ ایسے آلہۃ تو نہیں جن سے اللہ تعالیٰ مستثنے ہے البتہ ایسے آلہۃ ضرور موجود ہیں جن سے اللہ تعالیٰ مستثنے نہیں پس ان آلہہ کی موجودگی

رجال الا واحداً والا رجلاً والاحماراً ولٰکن[عہ] لما کان ذلک نادراً لم یلتفت

المصر الیہ فے بیان ہذہ القاعدۃ نحو لوکان[سلہ] فیہما اے فی السماء والارض

(قولہ تعالیٰ ۱۲)

آلہۃ جمع اِلٰہ ولا دلالۃ فیہا علی عدد محصور الا اللہ اے غیر اللہ لفسدتا ای لخرجتا

(بہ اللام معناہ مطلق المعبود سواء کان حقا او غیرہ ۱۲ عب)

عن الانتظام فالا فے الآیۃ صفۃ لانہا تابعۃ لجمع منکور غیر محصور وہی آلہۃ

(لفظ ۱۲ اصہ) (بمعنی غیر ۱۲)

و[عہ] تعذر الاستثناء لعدم دخول اللہ تعالیٰ فی آلہۃ بیقین فلم یتحقق شرط

صحۃ الاستثناء و[سلہ] فے الآیۃ مانع آخر عن حمل الا علی الاستثناء وہو انہ لو حملت

علیہ صار المعنی لوکان فیہما آلہۃ مستثنے عنہا اللہ تعالیٰ لفسدتا وہذا لا یدل

الا علی انہ لیس فیہما آلہۃ مستثنی عنہا اللہ تعالیٰ وبہذا لا یثبت وحدانیتہ تع

لجواز ان یکون ح فیہما آلہۃ غیر مستثنے عنہا اللہ تعالیٰ بخلاف ما اذا کانت

للصفۃ بمعنی غیر فانہ یدل علی انہ لیس فیہما آلہۃ غیر اللہ تع واذا لم یکن فیہما آلہۃ

غیر اللہ تع یجب ان لا تتعدد الآلہۃ لان[عہ] التعدد یستلزم المغایرۃ و[سلہ] ضعف حمل الا علی غیر

فساد نظام کیلئے مضر نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ معنی مقصد کے خلاف اور مفضی الی الشرک ہیں نہ یہ کہ اس آیت سے توحید باری کا اثبات ہو پس لامحالہ الا کو غیر پر محمول کرنا پڑیگا کیونکہ اس سے یہ معنی حاصل ہونگے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا آسمان وزمین میں کوئی معبود ہی نہیں تو واجب اور یقینی ہوا کہ متعدد معبود نہیں ہوسکتے اس لئے کہ تعدد جنگ وجدال اور فساد نظام کو مستلزم ہے پس اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا ثابت ہوگیا وہو المقصود منہا واللہ اعلم سلہ قولہ وضعف الخ اور الا کو غیر پر بمعنے صفۃ محمول کرنا جبکہ الا جمع منکر غیر محصور کے بعد واقع نہ ہو ضعیف ہے اس لئے کہ اس وقت استثناء صحیح ہے اب اسجگہ ایک اعتراض (باقی بر صفحہ ۱۸۵)

(بقیہ صفحہ ۱۸۴) وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اس جگہ مصنف کو مناسب یہ تھا کہ وہ لفظ امتناع یا لم یجز کہتے لفظ ضعف کہنے کی کیا
ہے؟ اس کا جواب شارح ومذہب سیبویہ الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اس جگہ ضعیف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر نحوی الا کو صفت
کے لئے غیر پر غیر جمع منکر غیر محصور میں بھی محمول کرتے اور اس کو جائز کہتے ہیں لہذا امتناع یا لم یجز کہنا مناسب نہیں تھا پس سیبویہ

امر کے جواز کے قائل ہیں کہ الا…
استثناء کے باوجود بھی صفۃ پر مح…
کیا جاسکتا ہے پس مثلاً ما اتانی…
الا زید میں الا زید صفۃ پر بھی محمو…
ہوسکتا ہے اور استثناء پر بھی ا…
زیداً اور اسی طرف اکثر متاخرین…
ہیں کہ الا میں دونوں وجہین جا…
ہیں اور اس کو صفۃ پر محمول کر…
کے لئے تعذر استثناء کی قید ضرور…
نہیں پس متاخرین اپنے استد…
میں شاعر کا یہ شعر پیش کرتے ہ…
وکُلُّ اخٍ مُفَارِقُہٗ اَخُوہٗ لعـ…
اَبِیکَ الا الفرقدان۔ اس شع…
کل اخ مبتدا ہے اور مفارقہ اس…
خبر اور اخوہ خبر کا فاعل اور عمر با…
وبالضم بقاء کو کہتے ہیں اور قسم…
موقعہ پر بفتح العین استعمال کیا…
ہے پس یہ مبتدا ہے اور لام ابتدا…
کی تاکید کے لئے ہے اور خبر اس کی…
محذوف ہے یعنی قسمی ای لعمر ابیک…
قسمی اور فرقدان دو ستارے ہیں…
جو قطب کے قریب ہیں اور ہمیشہ…
پاس پاس رہتے ہیں کبھی جدا نہیں…
ہوتے پس شاعر کہتا ہے کہ تیر…
باپ کی زندگی کی قسم کھا کر کہتا…
کہ ہر بھائی اپنے بھائی سے جد…
ہونے والا سوائے فرقدان کے…
کہ وہ کبھی ایک دوسرے سے جدا…
نہیں ہوتے حاصل اس کا یہ…
کہ دو ملنے والے کبھی ملے ہوئے…
رہ سکتے ایک نہ ایک دن ضرور…

…کو ایک دوسرے سے جدا ہوجانا ہے خواہ یہ جدائی موت ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو پس اس شعر میں فرقدان کل اخ کی صفۃ ہونے کے باعث
…حالت رفع میں ہے کل اخ سے مستثنیٰ نہیں ہے ورنہ اس کا منصوب ہونا ضروری ہوتا اس لئے کہ مستثنیٰ جب کلام موجب میں واقع ہو
…تو اس میں نصب واجب ہوتا ہے پس حالت نصب میں اس کو الا الفرقدین پڑھتے لہذا معلوم ہوا کہ فرقدان کل اخ کی صفۃ ہے ای کل

فی غیرہ ای فی غیر جمع منکور غیر محصور لصحۃ الاستثناء ح ومذہب
سیبویہ جواز وقوع الاصفۃ مع صحۃ الاستثناء قال یجوز فی قولک
ما اتانی احد الا زید ان یکون الا زید صفۃ وعلیہ اکثر المتاخرین تمسکا بقولہ شعر
ای علی مذہب سیبویہ ۱۲
وکُلُّ اخٍ مُفَارِقُہٗ اَخُوہٗ   لَعَمْرُ اَبِیکَ اِلَّا الفَرْقَدَانِ
فالفرقدان صفۃ لکل اخ لا استثناء منہ والا لوجب ان یقال
الفرقدین بالنصب وحمل المص ذلک علی الشذوذ وقال فی البیت شذوذان
لان المستثنیٰ داخ فی کلام موجب ۱۲
آخران احدہما وصف کل دون المضاف الیہ والمشہور وصف المضاف
الیہ اذ ہو المقصود وکل لافادۃ الشمول فقط وثانیہما الفصل بالخبر بین الصفۃ
وعموم الافراد ۱۲

اخ ہو غیر الفرقدان بفارقہ اخوہ لعمر ابیک واللہ اعلم ۱۲ قولہ وحمل المص الخ یہاں سے شارح یہ
بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مصنف نے متاخرین اور سیبویہ کے مذہب کو ضعیف کیوں کہا ہے اس
کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ یہاں استثناء صحیح ہے اور الا الفرقدین بالنصب پڑھ سکتے ہیں اور
الا میں استثناء اصل اور حقیقۃ ہے پس اصل وحقیقۃ کے ہوتے ہوئے غیر اصل اور مجاز کو
اختیار کرنا ضعیف نہیں ہوگا تو کیا ہوگا پس جب یہ ضعیف ہوا تو اس میں شذوذ بھی پیدا ہوگیا
لہذا مصنف نے اس کو شذوذ پر محمول کیا ہے پھر مصنف نے کہا ہے کہ اس کے علاوہ اس
میں دو شذوذ اور موجود ہیں ایک تو یہ الا الفرقدان کل کی صفت بنایا گیا ہے نہ کہ مضاف الیہ کی
حالانکہ مشہور یہ ہے کہ صفۃ مضاف الیہ کی لائی جاتی ہے جیسے کل رجل عالم اس لئے کہ مقصود
کلام سے کل کا مضاف الیہ ہی ہوتا ہے اور لفظ کل فقط افادۂ شمول اور عموم افراد کے لئے ہوتا ہے
یعنی مضاف الیہ لفظ کل کے باعث اپنے تمام افراد کو شامل ہوجائے اور دوسرا شذوذ اس میں یہ
ہے کہ موصوف وصفۃ کے درمیان خبر کے ساتھ فاصلہ لایا گیا ہے یعنی کل اخ موصوف اور الا الفرقدان
اس کی صفۃ کے درمیان مفارقہ اخوہ فاصل ہے اور یہ قلیل ہے اگرچہ یہ فاصلہ (باقی برصفحہ ۱۸۶)

(بقیہ صفحہ ۱۸۵) موصوف وصفة کے مغایر ہونے کے باعث جائز ہے مگر شذوذ سے خالی نہیں لقلتہ پس اس میں استثنار کو ترجیح ہوگی اور الا کو صفة پر محمول کرنا ضعیف واللہ اعلم ۱۲ سلہ قولہ واعراب سوی الخ یہاں سے مصنف سوی اور سواء کے اعراب کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ سوی اور سواء کا اعراب ظرفیۃ کی بنا پر نصب ہے اصح مذہب پر پھر یہ ظرفیۃ مقدر ہوگی محقق نہیں اور ظرفیۃ کی وجہ یہ ہے کہ جب مثلاً جارنی القوم سوی یا سواء زید کہا جائیگا تو گویا کہ جارنی القوم مکان زید کہا گیا اس لیے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بجائے زید کے سب قوم آئی زید نہیں آیا اور یہ مذہب سیبویہ کا ہے اور یہی اصح ہے اس لئے کہ اس میں معنی کے اعتبار سے قرب ہے یعنی سوی اور سواء میں ظرفیۃ کے معنی پائے جاتے ہیں پس یہ دونوں سیبویہ کے نزدیک لازم الظرفیۃ ہوں گے اور یہ ہر حال میں منصوب ہوں گے واللہ اعلم سلہ قولہ وعند الکوفیین الخ اس جگہ کوفیین کا تقابل صرف سیبویہ سے اس لئے ٹھیرایا گیا ہے کہ سیبویہ راس البصریین ہیں پس ان سے تقابل گویا کہ بصریین سے تقابل ہے پس کوفیین کے نزدیک ان دونوں کا ظرفیۃ سے خروج جائز ہے اور ان میں رفع ونصب وجر کے ساتھ غیر کی طرح تصرف کر سکتے ہیں اور یہ شاعر کے اس شعر سے دلیل پکڑتے ہیں شعر ۔ ولم یبق سوی العدوان دناہم کما دانوا ۔ کہ اس میں سوی مرفوع ہے باعراب تقدیری عیسیٰ اور موسیٰ کی طرح اس لئے کہ یہ لم یبق کا فاعل ہے اور اس میں ظرفیۃ کے معنی نہیں یہ شعر سہیل بن شیبان کا ہے اور مکمل شعر اس طرح ہے

سہ فلما اصبح الشر وامسیٰ وہو عریانا ۔ ولم یبق سوی العدوان دناہم کما دانوا ۔ اس میں اصبح اور امسیٰ دونوں تامہ ہیں ناقصہ نہیں پس شعر کا مطلب یہ ہے کہ جب عداوت صبح وشام میں حالت برہنگی میں داخل ہوگئی یعنی خوب ظاہر ہوگئی اور سوائے دشمنوں کے قریہ میں کوئی باقی نہیں رہا ماسوائے ظلم صریح کے اور کچھ باقی نہیں رہا تو ہم نے ان کو ایسی سزا دی جیسا انھوں نے کیا یعنی

والموصوف وہو قلیل واعرابُ[سلہ] سویً وسواءٍ النصبُ[خبر ۱۲] علی الظرف ای بناءً
(مبتدا ۱۲) (وہما مجروران تقدیراً ۱۲)
علی ظرفیتہما لانک اذا قلت جاءنی القوم سوی او سواء زید فکانک قلت
مکان زید علی المذہب الاصح وہو مذہب سیبویہ فہما عندہ لازما الظرفیۃ
و عند الکوفیین[سلہ] یجوز خروجہما عن الظرفیۃ والتصرف فیہما رفعاً ونصباً وجراً
کغیر متمسکین بقول الشاعر شعر ولم یبق سوی العدوا ۔ ن دناہم کما دانوا
وزعم[سلہ] الاخفش ان سواءً اذا اخرجوہ عن الظرفیۃ ایضا نصبوہ استنکاراً
(ای استکراہا ۱۲)

ان کے کیے کے مطابق ہم نے ان کو سزا دی دان یدین باب ضرب سے آتا ہے اور اس کے معنے جزا اور بدلہ دینے کے ہیں اسی سے یوم الدین ہے اس لئے کہ قیامت میں تمام افعال و اعمال کا بدلہ دیا جائیگا اور دنا ماضی معروف سے جمع متکلم کا صیغہ ہے ۔ بصریین کی طرف سے اس شعر کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ اصل میں ظرف مکان کے لیئے ہی ہے مگر کبھی ظرف کو معنی بدل کی طرف بطریق مجاز واستعارہ منتقل کر لیتے ہیں اس لیئے کہ لفظ مکان بدل کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسے انت لی مکان عمرو ای بدل عمرو یعنی تو میرے واسطے عمرو کے بدلہ میں ہے اس لیئے کہ بدل مبدل منہ کی جگہ میں ہوتا ہے پس جاءنی زید سوی عمرو ای بدل عمرو کہا جا سکتا ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ یہ اصل میں ظرف ہے اور شعر میں معنی مراد کے مطابق غیر ظرف مجازاً پس شعر مذکور میں سیبویہ سوی کو ظرفیۃ کی بناء پر منصوب قرار دیتے ہیں اصل کا لحاظ کرتے ہوئے اگرچہ اس میں فاعل ہونے کے باعث رفع واجب ہے اور کوفیہ حال معنی کی رعایت کرتے ہوئے اس میں جواز رفع علی الفاعلیۃ کے بھی قائل ہیں اور حال معنی یہ ہے کہ سوی استثنار کے لیئے واقع ہو رہا ہے اور استثنار میں معنی ظرفیۃ نہیں واللہ اعلم ۱۲ سلہ قولہ وزعم الاخفش الخ کوفیہ جب سوی اور سواء کو ظرفیۃ سے خارج کرنا جائز سمجھتے ہیں اور پھر ان کو بجائے غیر پر محمول کرنے کے نصب دیتے ہیں تو اخفش نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ رفع کو مکروہ سمجھتے ہوئے نصب دیتے ہیں یعنی اس میں ظرفیۃ کی ہی رعایت کرتے ہیں پس جاءنی سواءک وفی الدار سواءک بفتح الہمزہ کہتے ہیں حالانکہ پہلی جگہ سواء فاعلہ اور دوسری جگہ مبتدا ءمؤخر ہونے کی (باقی بر صفحہ ۱۸۷)

(بقیہ صفحہ ۱۸۶) بنا پر مرفوع ہونا چاہیئے اور اسی طرح اس صورت میں کہ جس میں نصب علی الظرفیۃ غالب ہو استنکار رفع کی وجہ سے قول
باری تعالیٰ لقد تقطع بینکم بین کے نصب کے ساتھ ہے حالانکہ اس میں بین کو فاعلیۃ کی بنا پر مرفوع ہونا چاہیئے تھا پس چونکہ بین
اکثر ظرف واقع ہوا کرتا ہے اس لئے اس کو منصوب ہی پڑھیں گے واللہ اعلم ۱۲ قولہ خبر کان الخ اس کے اخوات انشاء اللہ بحث

لرفعه فيقولون جاءني سوارك وفي الدار سوارك ومثل هذا في
استنكار الرفع فيما غلب انتصابه على الظرفية قوله تعالى لقد تقطع
بينكم بالنصب خبر كان واخواتها وستعرفها في قسم الفعل ان شاء الله
تعالى هو المسند بعد دخولها اي دخول كان او احدى اخواتها
والمراد ببعدية المسند لدخولها ان يكون اسناده الى اسمها واقعا بعد دخولها
على اسمها وخبرها ولا شك ان ذلك انما يتصور بعد تقرر الاسم والخبر
فالاسناد الواقع بين اجزاء الخبر المقدم على تقرره لا يكون بعد دخولها بل
فيكون قبله فلا ينتقض التعريف بمثل كان زيد يضرب ابوه ولا بمثل

سے بعدیۃ مسند کا مطلب ۱ور اس سے مراد یہ ہے کہ خبر کان کا اسناد کان کے اسم کی طرف
کان کے اسم وخبر پر داخل ہونے کے بعد ہو کان کے دخول سے پیشتر نہ ہو اور اس میں کوئی
شک نہیں کہ یہ بعدیۃ اسی وقت متصور ہو سکتی ہے جبکہ اسم اور خبر کا تقرر ہو جائے پس جو اسناد
اجزاء خبر کے درمیان واقع ہو اور وہ اسناد کان کے لئے تقرر اسم وخبر سے مقدم ہو تو وہ
دخول کان کے بعد نہیں ہیگا بلکہ اس سے پیشتر معتبر ہوگا یعنی یضرب اور قائم خبر کے جز
ہیں اس لئے کہ یضرب ابوہ اور ابوہ قائم جملہ ہو کر کان کی خبر واقع ہیں اور ظاہر ہے کہ جملہ خبر
میں اجزاء ہوتے ہیں اور یہ اسناد جملہ کے کان کی خبر مقرر کئے جانے سے پہلے سے ہے دخول
کان کے بعد نہیں اور شرط یہ ہے کہ اسناد دخول کان کے بعد ہو لہٰذا یہ اسناد دخول کان کے
بعد کالعدم ہوگا اور اس کی خبر پورا جملہ ہوگی جو کہ کان کے اسم کی طرف مسند ہوگی پس
تعریف اپنے افراد کو جامع ہے اور کان زید یضرب ابوہ اور کان زید ابوہ قائم سے منقوض
نہیں ہوگی بایں طور کہ یہ کہا جائے کہ یضرب اور قائم پر معرف یعنی تعریف صادق آتی ہے
اور یہ افراد معرف یعنی خبر کان سے نہیں اب اس جگہ عبارت شارح والمراد ببعدیۃ الخ دباقی بر صفحہ ۱۸۸)

فعل میں معلوم ہونگے اس لئے کہ
افعال ناقصہ ہیں خبر کان اور اس
کے اخوات کی تعریف یہ ہے کہ
اس کے داخل ہونے کے بعد جو
شئی مسند ہوتی ہے اس کو خبر کان
واخواتہا کہتے ہیں اس کی تفسیر
شارح نے ای دخول کان الخ
سے کر کے ایک سوال مقدر کا
جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ
یہ تعریف صحیح نہیں اس لئے کہ
کان زید قائماً میں قائماً کان
کی خبر ہے مگر یہ کان اور اس کے
اخوات کے مجموعہ کے دخول کے
بعد مسند نہیں بلکہ فقط کان کے
دخول کے بعد مسند ہے حالانکہ
بعد دخولہا کی ضمیر مجموعہ کی طرف
راجع ہے جواب یہ ہے کہ اس
سے مراد یہ ہے کہ دخول کان یا
اس کے اخوات میں سے کسی
ایک کے دخول کے بعد مسند ہو
نہ کہ مجموعہ کے دخول کے بعد
اس لئے کہ خبر کان واخواتہا کہنا
تفصیل کے لئے نہ کہ مجموعہ مراد
لینے کے لئے لہٰذا اب کوئی اعتراض
نہیں واللہ اعلم ۱۲ ۲ قولہ والمراد
الخ یہاں سے شارح ایک سوال
مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں
تقریر سوال یہ ہے کہ تعریف مذکور
دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے
کہ کان زید ابوہ قائم اور کان
زید یضرب ابوہ میں قائم اور
یضرب پر یہ تعریف صادق آتی ہے اس لئے کہ دونوں کان کے دخول کے بعد مسند ہیں حالانکہ یہ دونوں کان کی خبر نہیں بلکہ
قائم ابوہ کی خبر ہے اور ابوہ یضرب کا فاعل پس نہ تو قائم کا اسناد زید کی طرف ہے اور نہ یضرب کا اس لئے کہ یضرب اور
قائم دونوں ابوہ کی طرف مسند ہیں پھر جملہ ہو کر کان کی خبر بنتے ہیں جواب یہ ہے کہ دخول کان اور اس کے اخوات کے سبب

کان زید ابوہ قائم بان یقال یصدق علی یضرب وقائم فی
ہذین المثالین المعرّف ولیسا من افراد المعرّف ویمکن ان یقال
فی جواب ہذا النقض ان المراد بدخولہا ورودہا للعمل فیما وردت
علیہ کما سبقت الاشارۃ الیہ فی خبر انّ واخواتہا مثل کان زید قائماً
وامرہ ای امر خبر کان واخواتہا کامر خبر المبتدأ فی اقسامہ واحکامہ
وشرائطہ علی ما سبق فی بحث المبتدأ والخبر ولکنہ یتقدم علی اسمہا
حال کونہ معرفۃً حقیقۃً او حکماً کالنکرۃ المخصصۃ لاختلاف اسمہا و
خبرہا فی الاعراب فلا یلتبس احدہما بالآخر وذلک اذا کان الاعرب

ورنہ یعنی اثر کا پہنچانا ہے اور اثر کی دو قسمیں ہیں لفظی اور معنوی لفظی تو یہ ہے کہ اسم کو مرفوع اور خبر کو منصوب کرنے اور معنوی یہ ہے کہ خبر کو اسم کے لئے ثابت کرے پس اس جگہ کان قیام اب کو زید کے لئے ثابت کرتا ہے نہ کہ صرف قیام کو پس کان کا دخول قیام اب یعنی جملہ ابوہ قائم پر متحقق ہوگا نہ کہ فقط قیام یعنی قائم پر کہ تعریف مقتضی ہو ایسے ہی کان زید یضرب ابوہ کسے کان زید کے لئے ضرب اب کو ثابت کرنے کے لئے ہے نہ کہ صرف ضرب کو پس کان کا دخول ضرب اب یعنی یضرب ابوہ پر متحقق ہوگا نہ کہ صرف یضرب پر واللہ اعلم ۱۲ قولہ وامرہ ای الخ امر سے مراد حالت اور شان ہے اور اس کی تفسیر سے امرہ کا مرجع بیان کرنا مقصود ہے مطلب عبارت کا یہ ہے کہ خبر کان واخواتہا کا حال خبر مبتدا کے حال جیسا ہے یعنی خبر مبتدا کے معنی اقسام مفرد و جمع معرفہ و نکرہ اور احکام واحد یا متعدد مثبت یا منفی محذوف یا مذکور اور شرائط کہ جب خبر جملہ ہو تو اس میں عائد ضروری ہے وغیرہ وغیرہ ہیں وہی خبر کان کے بھی ہیں مگر دونوں خبروں میں بلا امتیاز ایک چیز ہے اور وہ یہ کہ اور تو سب چیزوں میں اتحاد ہے مگر جب کان کی خبر معرفہ ہو تو وہ اپنے اسم پر مقدم ہو سکتی ہے مبتدا کی خبر نہیں (باقی بر صفحہ ۱۹۰)

(بقیہ صفحہ ۱۸۱) پر ایک اعتراض واقع ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اس سے تعریف شئی لنفسہ لازم آتی ہے اس لئے کہ یہاں خبر کی تعریف بیان کی جا رہی ہے اور تعریف میں کہا جا رہا ہے کہ خبر کا اسناد اسم کی طرف کان کے اسم وخبر پر داخل ہونے کے بعد واقع ہو پس کان اسم وخبر پر داخل ہو اور خبر ہی کی تعریف بیان کی جا رہی ہو تو یہ اخذ خبر فی تعریف الخبر نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اسی کو تعریف الشئی بنفسہ کہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اخذ خبر فی تعریف الخبر نہیں بلکہ اخذ خبر فی تعریف لتفسیر ہے اس لئے کہ اس سے شارح کا مقصود خبر کی تعریف کی تفسیر کرنا ہے نہ کہ ضمیر کی تعریف بیان کرنا اور اخذ شئے فی تفسیر الشئی جائز ہے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ان افعال کے اسم وخبر پر داخل ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ خبر کا اسناد اسم کی طرف کان کے دخول سے پہلے ہو کیونکہ اسم وخبر مل کر جملہ بنے گا اور جملہ میں اسناد ضروری ہے پس خبر کان کی تعریف اس کی خبر پر صادق نہیں آئیگی اس کا جواب یہ ہے کہ خبر کان کا اسناد اس کے اسم کی طرف کان کے دخول کے بعد ہی ہوگا پہلے نہیں اس لئے کہ جو اسناد کان کے دخول سے پیشتر ہوگا وہ کان کی خبر کا اسناد نہیں ہوگا بلکہ مبتدا کی خبر کا اسناد ہوگا اور ظاہر ہے کہ اسناد ثانی عین اول نہیں لہذا اب کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اسناد ثانی دخول کان کے بعد متغیر ہو جائیگا اور اسم وخبر پر کان کے داخل ہونے کے سبب سے اسناد آخر حاصل ہوگا واللہ اعلم ۱۲ قولہ ویمکن الخ اس سے شارح کا منشا بطریق دیگر اسی سوال کا جواب دینا ہے جو کان زید یضرب ابوہ وغیرہ سے وارد ہوتا ہے کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس نقض کے جواب میں یہ کہا جائے کہ دخول کان سے مراد اس چیز میں عمل کرنے کے لئے وارد ہونا ہے کہ جس پر وہ وارد ہوا ہے یعنی اسم وخبر پر وارد ہو کر اسم کو رفع اور خبر کو نصب دے جیسا کہ خبر انّ واخواتہا کے ضمن میں اس جواب کی طرف اشارہ گذر چکا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے دخول سے مراد

فیہما او فے احدہما لفظیاً نحو کان المنطلق زیدٌ او کان ہذا زید بخلاف المبتداء والخبر فان الاعراب فیہما لا یصلح للقرینۃ لاتفاقہما فیہ بل لا بد من قرینۃ رافعۃ للبس وکذلک اذا انتفی الاعراب فی اسم کان وخبرہا جمیعاً ولا قرینۃ ہناک لا یجوز تقدیم الخبر نحو کان الفتی ہذا وقد یحذف عاملہ ای عامل خبر کان وہو کان لا خبر کان و اخواتہا لانہ لا یحذف من ہذہ الافعال الا کان وانما اختصت بہذا الحذف لکثرۃ استعمالہا فی مثل الناس مجزیون باعمالہم ان خیراً فخیرٌ

فاطلاق المص لیس علی ما ینبغی ۱۲ علوی

حال کونہ معرفۃ ۱۲

کہ عاملہ کی ضمیر خبر کان واخواتہا جمیعاً کی طرف راجع ہو رہی ہے پس اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کان کے اخوات کو بھی حذف کرنا جائز ہے حالانکہ ایسا نہیں اس کا جواب شارح نے وہو کان لا خبر کان الخ سے یہ دیا ہے کہ اس کا مرجع صرف کان ہے اس کے اخوات نہیں اسلئے کہ افعال ناقصہ سے صرف کان کا حذف جائز ہے اس کے اخوات کا نہیں اقول اگرچہ صرف کان اس کا مرجع بن سکتا ہے مگر یہ اچھا نہیں اس لئے کہ اس سے پہلے تمام ضمائر مجموعہ کی طرف راجع کی گئی ہیں صرف کان کی طرف نہیں نیز یہ کہ ماقبل میں صرف خبر کان کا ذکر نہیں بلکہ کان اور اس کے اخوات دونوں کی خبر کا ذکر ہے لہذا مصنف کو یہ چاہیئے تھا کہ وہ وقد یحذف کان کہتے مگر شاید جواب میں یہ کہدیا جائے کہ مثال سے صرف کان کا حذف ثابت ہو رہا ہے اور مثال کا ممثل کے مطابق ہونا ضروری ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ مصنف نے مثال کو افادہٴ تقیید کے لئے بیان کیا ہو اسی واسطے مصنف نے فی مثل اضافہ کے ساتھ کہا ہے بدون ذکر فی کے مثل یا نحو نہیں کہا پس اس میں مصنف نے تفنن طبع کی رعایت کی ہے ورنہ اولیٰ وہی تھا کہ وقد یحذف کان کہتے اور کان میں اس کے حذف کے انحصار کی وجہ یہ ہے کہ اس کا استعمال بکثرت ہوتا ہے اور کثرت استعمال اس امر کو مقتضی ہے کہ وقتاً فوقتاً اس کو حذف بھی کر دیا جائے جیسے الناس مجزیون باعمالہم الخ میں (باقی بر ص۱۹۰)

(بقیہ ص۱۸۸) پس اس جگہ لکنہ کے اضافہ سے شارح نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ قول وامرہٗ الخ سے بمنزلہ استثناء او راستدراک کے ہے پھر معرفہ ہونے میں تعمیم ہے یعنی خواہ حقیقۃً معرفہ ہو جیسے کان المنطلق زیدٌ یا حکماً مثلاً نکرہ مخصصہ ہو جیسے کان خیراً من جاہلٍ رجلٌ عالمٌ کہ اس میں خیراً نکرہ ہے مگر من جاہلٍ سے اس میں تخصیص پیدا کر لی گئی یعنی مرد عالم کی خیریت جہالت کے اعتبار سے اعتبار آخر مثلاً پابندی صوم وصلوٰۃ کی وجہ سے نہیں پس یہ تقدیم خبر اس وجہ سے جائز ہے کہ اس صورت میں اعراب کے اعتبار سے اسم وخبر دونوں مختلف ہوں گے یعنی خبر منصوب ہوگی اور اسم مرفوع ہوگا پس دونوں ایک دوسرے سے ملتبس نہیں ہونگے مگر یہ اس وقت جائز ہے جب کہ دونوں کا اعراب لفظی ہو جیسا کہ امثلۂ مذکورہ میں یا ایک کا لفظی اور ایک کا تقدیری ہو جیسے کان ہذا زیدٌ کہ اس میں ہذا کا اعراب تقدیری ہے اور زید مرفوع ہے پس معلوم ہوا کہ ہذا کان کی خبر ہے اور اگر دونوں کا اعراب تقدیری ہوگا تو یہ تقدیم جائز نہ ہوگی کیونکہ اسم وخبر میں التباس لازم آئیگا کہ معلوم نہیں کون خبر ہے اور کون اسم پس اس صورت میں اس کا حال مبتدا کی خبر کے حال جیسا ہوگا اور خبر مبتدا کا حال بخلاف المبتداء والخبر الخ سے شارح یہ بیان کر رہے ہیں کہ یہ دونوں اعراب کے اعتبار سے متفق ہیں یعنی دونوں مرفوع ہوتے ہیں لہذا کسی ایک میں بھی اعراب میں قرینہ بننے کی صلاحیت نہ ہوگی لہذا تقدیم خبر سے مخاطب کو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ اس میں خبر کون ہے اور مبتدا کون؟ بلکہ التباس دور کرنے کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوگی اور قرینہ موجود نہیں لہذا تقدیم خبر علی المبتداء خبر کے معرفہ ہونے کی صورت میں جائز نہیں ہوگی پس ایسے ہی جب اسم کان اور اس کی خبر میں خبر کے معرفہ ہونے کے وقت اعراب لفظی منتفی ہوگا تو کوئی قرینہ اس جگہ بھی نہیں پایا جائیگا لہذا تقدیم خبر کان کے اسم پر جائز نہ ہوگی جیسے کان الفتی ہذا واللہ اعلم ۱۲

لـــہ قولہ وقد یحذف الخ اور کبھی خبر کان کے عامل یعنی کان کو حذف کر دیتے ہیں اب اس جگہ یہ اعتراض وارد ہوتا ہے

وان شراً فشرٌ ویجوز فی مثلها ای فی مثل ہذہ الصورۃ وہی ان یجئ بعد ان اسمٌ ثم فاء بعدہا اسم اربعۃ اوجہٍ نصب الاول ورفع الثانی وہو اقواہا ای ان کان عملہ خیراً فجزاؤہ خیرٌ ونصبہما نحو ان خیراً فخیراً علی معنی ان کان عملہ خیراً فکان جزاؤہ خیرا ورفعہما نحو ان خیر فخیر ای ان کان فی عملہ خیرٌ فجزاؤہ خیرٌ وعکس الاول نحو ان خیر فخیراً ای ان کان فی عملہ خیر فکان جزاؤہ خیراً وقوۃ ہذہ الوجوہ وضعفہا بحسب قلۃ الحذف وکثرتہ ویجب الحذف ای حذف عاملہ یعنی کان فی مثل اما انت منطلقاً انطلقت ای لان کنت منطلقاً انطلقت فاصل اما انت لان کنت حذفت اللام قیاساً ثم حذفت

ان کان خیراً فخیر ۱۲ — الاربعۃ ۱۲ — ای انطلقت ... لانطلاقک ۱۲

یعنی اما انت اصل میں لان کنت تھا پس اول لام کو حذف کیا گیا اس لئے کہ لام کا حذف اسم تاویلی سے قیاس کے مطابق اور بکثرت ہے اس کے بعد کان کو اختصاراً حذف کیا گیا اور کنت کی ضمیر متصل کو ضمیر منفصل یعنی انت سے بدل لیا اور ان مصدریہ کے بعد کان کی جگہ پر اس کے عوض میں کلمہ ما زائد کیا گیا اس لئے کہ کان کی طرح ما مصدریہ زمان پر دلالت کرتا ہے پھر نون کا میم میں ادغام کر دیا گیا اور خبر یعنی منطلقاً کو اپنے حال پر باقی رکھا گیا پس أمّا انت منطلقاً انطلقت ہو گیا اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ اما کے ہمزہ کو مفتوح پڑھا جائے لیکن اگر اس کو مکسور پڑھا جائے تو اس کی تقدیر ان کنت منطلقاً انطلقت ہو گی پس جو کچھ تعلیل صورت اول میں کی گئی ہے وہی اس میں بھی جاری ہو گی بس صرف فرق یہ ہے کہ تقدیر اول میں حذف لام تھا اور اس میں حذف لام نہیں ہو گا اس لئے کہ اس میں لام موجود نہیں کیونکہ اس کے بغیر معنی درست ہو جاتے ہیں بخلاف اول کے کہ بغیر لام کے معنی درست نہیں ہوتے (باقی بر صـ ۱۹۱)

(بقیہ صـ ۱۸۹) ان خیرٌ فخیرٌ وان شراً فشرٌ سے کان محذوف ہے واللہ اعلم ۱۲ سـ ۵ قولہ ویجوز الخ اس جگہ مثل سے ہر وہ ترکیب مراد ہے کہ جس میں ان شرطیہ کے بعد اسم ہو اور اس کے بعد فاء اور پھر فاء کے بعد اسم جیسے ان خیراً فخیرٌ کہ خیراً اور خیرٌ بصورت مذکورہ اسم واقع ہیں پس اس جیسی تراکیب میں چار وجہیں جائز ہیں (۱) نصب اول رفع ثانی اور یہ سب سے اقوی وجہ ہے اس لئے کہ اس میں قلت حذف ہے نیز فاء کے بعد اکثر جملہ اسمیہ جزا ہوتا ہے بہ نسبت فعلیہ کے پس اس صورت میں تقدیر عبارت یوں ہو گی ان کان عملہ خیراً فجزاءہ خیرٌ (۲) اول و ثانی دونوں کا نصب جیسے ان خیراً فخیراً اس صورت میں معنی یہ ہوں گے ان کان عملہ خیراً فکان جزاءہ خیراً (۳) دونوں کا رفع جیسے ان خیرٌ فخیرٌ ای ان کان فی عملہ خیرٌ فجزاءہ خیرٌ (۴) صورت اول کا عکس یعنی اول کو رفع اور ثانی نصب جیسے ان خیرٌ فخیراً ای ان کان فی عملہ خیرٌ فکان جزاءہ خیراً واللہ اعلم سـ ۵ قولہ قوۃ ہذہ الخ یعنی ان وجوہ اربعہ کا قوی اور ضعیف ہونا قلت وکثرت حذف کے اعتبار سے ہے پس وجہ اول سب سے زیادہ قوی اور افضل ہے اور رابع سب سے زیادہ کمزور اور ثانی و ثالث متوسط اس لئے کہ اول میں سے تین چیزیں حذف کی گئی ہیں شرط سے کان اور اس کا اسم اور جزا سے مبتدا اور رابع میں پانچ امور محذوف ہیں شرط سے کان جار و مجرور اور جزا سے کان اور اس کا اسم اور ثانی و ثالث میں چار چار چیزیں حذف کی گئی ہیں پس ثانی میں شرط سے کان اور اس کا اسم اور جزا سے بھی کان اور اس کا اسم اور ثالث میں شرط سے کان جار اور مجرور اور جزا سے مبتدا واللہ اعلم ۱۲ سـ ۵ قولہ ویجب الحذف الخ اور اما انت منطلقاً انطلقتُ کے مثل میں کان کو حذف کرنا واجب ہے مثل سے مراد اس جگہ ہر وہ ترکیب ہے جس میں کان کو حذف کر کے اس کے عوض کسی دوسری چیز کو لائیں پس اس جگہ سے حذف کان اس وجہ سے واجب ہے کہ اگر کان کو ذکر کریں گے تو عوض اور معوض عنہ کا اجتماع لازم آئیگا اور یہ ناجائز ہے پس اس کی اصل لان کنت منطلقاً انطلقتُ تھی

(بقیہ صفحہ ۱۹۰) اس لئے کہ اس کے معنی ہیں انطلقت لاجل انطلاقک یعنی میں تیرے منطلق ہونے کی وجہ سے منطلق ہوا اور تقدیر ثانی کی بنا پر معنی ظاہر ہیں کہ دونوں شرط و جزا ہیں اور انطلاق کے معنی چلنے کے آتے ہیں پس دونوں صورتوں میں چونکہ کلمہ ما فعل کان کے عوض میں ہے اس لئے کان کا حذف واجب ہوگا تاکہ عوض اور معوض کا اجتماع لازم نہ آئے اب رہی یہ بات کہ مصنف نے حرف صورت اولی پر کیوں اکتفاء کیا دونوں صورتیں کیوں نہیں بیان کیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اولی زیادہ مشہور ہے اس لئے اس پر اقتصار کیا گیا واللہ اعلم ۱ قولہ اسم انّ اسم انّ اور اس کے اخوات کا اسم بھی منصوبات سے ہے اس کے اخوات کا بیان انشاء اللہ بحث حرف میں ہوگا اس جگہ ان کو بیان نہیں کیا گیا کیونکہ وہ حروف ہیں اور حروف کے لئے بحث حرف میں ہی جگہ ہوسکتی ہے ای بعد دخول الخ سے وہی اعتراض اور جواب مقصود ہے جو خبر کان کے بیان میں بعد دخولہا کی تفسیر میں گذر چکا ہے اسم انّ کی تعریف یہ ہے کہ انّ یا اس کے اخوات میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد جو مسند الیہ یعنی محکوم علیہ ہو وہ اسم انّ کہلاتا ہے جیسے انّ زیداً قائمٌ کہ اس میں انّ کے دخول کے بعد زیداً مسند الیہ ہے کہ قیام کا اسناد اس کی طرف ہو رہا ہے لہذا اس کو اسم انّ کہیں گے پھر یہ کہ خبر کان میں شارح نے والمراد ببعدیۃ المسند الخ سے جس سوال کا جواب دیا تھا وہی سوال یہاں بھی وارد ہوتا ہے اور وہی اس کا جواب ہے جو وہاں گذرا پس وہ نقض اس جواب سے اس تعریف سے بھی دور ہو جائیگا جیسے انّ زیداً ابوہ قائمٌ میں ابوہ مذکورہ جواب

كلمة كان اختصاراً فانقلب الضمير المتصل منفصلا وزيدت لفظة ما بعد

(لعدم ما يتصل ١٢ ع — في كنت ١٢)

ان في موضع كان عوضا عنها وادغمت النون في الميم وابقي الخبر

(للتقارب في المخرج ١٢ ع)

على حالة فصار اما انت منطلقا انطلقت وهذا على تقدير فتح الهمزة

(اي على النصب ١٢)

واما على تقدير كسرها فالتقدير ان كنت منطلقا انطلقت فعمل بها عمل

بالاول من غير فرق الا حذف اللام اذ لا لام فيه واقتصر المص على

الاول لانه اشهر اسم انّ[1] واخواتها وستعرفها في قسم الحرف انشاء الله

تعالى هو المسند اليه بعد دخولها اي بعد دخول انّ او احدى اخواتها

مثل انّ زيداً قائم وبما عرفت من معنى البعدية والدخول فيما سبق

اندفع انتقاض هذا التعريف ههنا ايض بمثل ابوه في ان زيداً ابوه قائم

المنصوب[2] بلا التي لنفي الجنس اي لنفي صفة الجنس وحكمه وانما لم يقل

اسم لا لانه ليس كله ولا اكثره من المنصوبات فلا يصح جعله مطلقا

من المنصوبات لا حقيقة ولا مجازا بل المنصوب منه اقل مما عداه

نفی ہے نہ کہ ذات غلام کی اور اگر ذات غلام کی نفی کرتے ہیں تو کذب لازم آتا ہے اس لئے کہ غلام موجود ہے پس شارح نے جواب دیا کہ اس جگہ عبارت بحذف المضاف ہے اور عبارت یوں ہے لنفی الجنس ای لنفی صفۃ الجنس پھر صفۃ چونکہ حکم کے معنی میں ہے اس لئے کہ وہ حکم کی نفی کرتی ہے کہ مثلاً غلام ظریف دار میں نہیں یا شہر وغیرہ میں نہیں لہذا وحکمہ کا رہا تی برص ۱۹۲

کے باعث نقض نہیں ہوگا واللہ اعلم ۲ قولہ المنصوب الخ اس کی تفسیر ای لنفی صفۃ الجنس وحکمہ سے کر کے شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ لا کی تفسیر نفی جنس کے ساتھ کرنا جائز نہیں اس لئے کہ وہ نفی جنس کے لئے نہیں ہوتا کیونکہ اگر وہ جنس کے لئے ہو تو لا غلام رجلٍ ظریفٌ فیہا کہنے سے نقض لازم آئیگا اس لئے کہ اس ترکیب میں ظرافۃ غلام کی

(بقیہ صـ ۱۹۱) اضافہ کیا گیا حاصل یہ ہے کہ نفی صفۃ جنس سے متبادر یہ ہوتا تھا کہ شاید وجود صفۃ جنس کی نفی ہو حکم جنس کی نفی نہ ہو حالانکہ مقصود حکم جنس کی نفی ہے لہذا اس اعتراض سے بچنے کے لیئے وحکمہ کہا گیا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے اس جگہ دیگر منصوبات کی طرح اسم لا التی لنفی الجنس کیوں نہ کہا اس سے عدول کر کے المنصوب بلا التی لنفی الجنس کیوں کہا اس کا جواب شارح وانما لم یقل الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لا نفی جنس کا کل کا کل اسم یا اکثر منصوبات سے نہیں ہے پس اس کے اسم کو مطلقاً منصوبات سے شمار کرنا صحیح نہیں نہ حقیقۃً کہ یہ کہا جائے کہ اس کا اسم ہر حال میں منصوب ہوگا اور نہ مجازاً کہ ہم یہ کہیں کہ اکثر احوال میں منصوب ہوگا بلکہ اس کے اسم کا اپنے ماعدا سے بہت ہی کم حصہ منصوب ہوتا ہے پس ضروری ہے کہ اس اقل کو المنصوب بلا التی لنفی الجنس سے تعبیر کیا جائے (اس کے اقل ہونے کی وجہ عنقریب آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ) بخلاف دیگر منصوبات کے کہ ان منصوبات میں سے بعض مثلاً مستثنے اگرچہ ہر حال میں منصوبات سے نہیں بلکہ کبھی مرفوع بھی ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ اکثر احوال میں منصوب ہی ہوتا ہے اس لیئے اکثر کو کل کا حکم دیدیا گیا پس منصوبات میں سے بعض کو کامل طور پر منصوبات سے شمار کرنا مجازاً ہے واللہ اعلم ۱۲ اسلمہ قولہ ولا یبعد الخ اس سے شارح کا منشا مصنف پر اعتراض کرنا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مصنف اس طرح کہتے کہ اسم لا ہو المنصوب الخ یعنی اسم لا وہ ہے جو لا کی وجہ سے لفظاً یا محلاً منصوب ہو لفظاً یہ کہ مثلاً مضاف ہو جیسے لا غلام رجل ظریف فیہا یا شبہ مضاف ہو جیسے لا خیراً من زید جالس عندنا اور محلاً یہ کہ مبنی علی الفتح ہو جیسے لا حول ولا قوۃ الا باللہ اور لا کے دخول کے بعد جو اسم مرفوع ہو وہ اس کا اسم نہیں اس لیئے کہ اس میں لا کا عمل نہیں تو نہ اسلوب بیان بدلتا اور نہ یہ کہنے کی گنجایش ہوتی کہ لا کا بعض اسم منصوب ہوتا ہے اور اکثر اس کے خلاف اور یہ بھی ممکن ہے کہ شارح کا منشاء اس سے یہ ہو کہ خواہ اس طرح یہ کہہ لیا جائے یا

فلا بد من التعبیر عنہ بالمنصوب بہا بخلاف ما عداہ من المنصوبات فان بعضہا وان لم یکن کلہ من المنصوبات لکن اکثرہ منہا فاعطے للاکثر حکم الکل فعد الکل منہا تجوزاً ولا یبعد ان یقال اسم لا ہو المنصوب بہا لفظاً کالمضاف وشبہہ او محلاً کما ہو مبنی منہ علی الفتح واما ما ہو مرفوع فلیس اسما لہا لعدم عملہا فیہ ہو المسند الیہ بعد دخولہا خرج بہ مثل ابوہ فی لا غلام رجل ابوہ قائم لما عرفت وہذا القدر کاف فی حد اسمہا مطلقہا لکنہ لما اراد حد المنصوب منہ زاد علیہ قولہ یلیہا ای یلی

(حواشی: منصـ — عـ — ای ہو الذی اسند الیہ خبرہ ۱۲ رحمن — من معنی البعدیۃ او الدخول ۱۲ — سواء کان منصوبا لفظا او محلا او لم یکن منصوبا ۱۲ رحمن)

جس طرح مصنف نے کہا ہے اس کو تسلیم کر لیا جائے بہر حال دونوں کا مآل ایک ہے اور دونوں میں کوئی فرق نہیں واللہ اعلم ۱۲ اسلمہ قولہ ہو المسند الخ منصوب بلا نفی جنس اس اسم کو کہتے ہیں جو لا نفی جنس کے دخول کے بعد مسند الیہ ہو اور لا کے بعد بلا فاصلہ واقع ہو نیز یہ کہ وہ مسند الیہ نکرہ مضاف یا شبہ مضاف ہو اس جگہ بعد دخولہا کہنے سے تعریف سے تمام وہ مسند الیہ خارج ہو گئے جو لا کے دخول سے پیشتر مسند الیہ ہوں اس لیئے کہ ان میں سے کوئی بھی دخول لا کے بعد مسند الیہ نہیں پھر اس میں بھی وہی معنی مراد ہونگے جو بعدیۃ اور دخول کے خبر کان کے ضمن میں بیان ہو چکے ہیں لہذا اس تعریف سے وہ مسند الیہ بھی خارج ہو جائیگا جو دخول لا سے پیشتر ہی مسند الیہ ہو اور اس کے دخول کے بعد بھی اسی حالت پر باقی ہو جیسے لا غلام رجل ابوہ قائم میں ابوہ مسند الیہ ہے اور لا کے دخول سے پیشتر اور پھر لا کے دخول کے بعد بھی اسی حالت پر بدستور موجود ہے اس لیئے کہ یہ قائم کا مسند الیہ ہے پس یہ اس تعریف سے خارج ہو جائیگا اور پھر یہ جملہ اسمیہ ہو کر لا کی خبر بنے گا اب شارح وہذا القدر کاف سے مصنف پر ایک اعتراض کر کے خود سے اس کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ اگرچہ مطلق لا نفی جنس کی تعریف یہاں تک کافی ہے اور اس کے بعد یلیہا نکرۃ الخ کے اضافہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی اس لیئے اس تعریف سے لا نفی جنس کا اسم معلوم ہو جاتا ہے لیکن (باقی بر صـ ۱۹۳)

(بقیہ صفحہ ۱۹۲) چونکہ مقصود اس اسم کا بیان کرنا ہے جو منصوب ہو اور اسی کا ارادہ کرتے ہوئے مصنف نے اسلوب معروف سے عدول کرکے المنصوب بلا التی الخ کہا ہے لہٰذا اس پر اپنے قول یلیہا نکرۃً الخ کا اضافہ کیا اور یلیہا کی تفسیر ای یلی المسند الیہ الخ سے کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یلی کا فاعل المسند الیہ ہے اور ہا ضمیر مفعول بہ لا کی طرف راجع ہے اور بلفظۃ لا کہکر راجع اور مرجع کے

المسند الیہ بلفظۃ لا ای یقع بعدہا بلا فاصلۃ نکرۃً مضافاً او مشبہاً بہ

ای بالمضاف فی تعلقہ لشیئ ہو من تمام معناہ ہذہ احوال مترادفۃ من

الضمیر المجرور فی الیہ او الاولی منہ او من الضمیر المجرور فی دخولہا و ما (والعامل فیہا ہو المسند ۱۲ رضی)

بقی من الضمیر المرفوع فی یلیہا مثل[۱] لا غلام رجلٍ مثال لما یلیہا نکرۃً

مضافاً و فی بعض النسخ لا غلام رجلٍ ظریفٌ فیہا وقد عرفت فی المرفوعات (فیکون الاحوال متداخلۃ کما حسبہم)

تحقیق قولہ فیہا ولا عشرین درہماً لک مثال لما یلیہا نکرۃً مشبہاً بالمضاف

وقولہ لک علی النسخ المشہورۃ من تتمۃ المثالین کلیہما

کہلائیں گے کہ ایک حال سے دوسرا حال واقع ہو اسی کو متداخلہ سے تعبیر کرتے ہیں واللہ اعلم ۱۲

[۱] قولہ مثل لا غلام الخ جیسے لا غلام رجلٍ یہ نکرہ مضاف کی مثال ہے جو کہ لا کے متصل ہے اور بعض نسخوں میں لا غلام رجلٍ ظریفٌ فیہا ہے (اس میں فیہا کے اضافہ کا فائدہ مرفوعات میں گذر چکا وہیں دیکھ لیا جائے جس کو شارح نے وانما اتی بہ لئلا یلزم الکذب الخ سے بیان کیا ہے) اور جیسے لا عشرین درہماً لک یہ مثال نکرہ مشابہ مضاف کی ہے کہ لا کے متصل واقع ہے اس لئے کہ عشرین کا تعلق درہماً کے ساتھ اس درجہ ہے کہ بغیر درہماً کے اس کے معنی تمام نہیں ہوتے اور اس مثال میں قول مصنف لک مشہور نسخوں کی بنا پر کہ جن میں ظریفٌ فیہا کا اضافہ نہیں ہے دونوں مثالوں کے تتمہ سے ہے یعنی دونوں کی خبر ہے اور اگر اس نسخہ کا بھی اعتبار کر لیا جس میں ظریف فیہا ہے تو پھر لک خبر بعد خبر ہوگا اس لئے کہ ظریفٌ خبر اول ہے اور فیہا خبر ثانی اور لک خبر ثالث اب رہی یہ بات کہ مصنف نے مثال اول میں لک کو کیوں نہیں ذکر کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر لا غلام رجلٍ لک استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ لا غلام لک کہتے ہیں البتہ مثال ثانی میں اس وجہ سے لے آئے تاکہ یہ معلوم ہو جائے مثال اول میں خبر محذوف ہے اور حذف خبر والی مثال کو اس وجہ سے مقدم کیا کہ خبر لا کا حذف بکثرت ہوتا ہے کما مر فی المرفوعات ویحذف کثیراً واللہ اعلم ۱۲

درمیان مطابقت پیدا کی ہے اس لئے کہ لا مذکر ہے اور اس کی طرف لوٹائی گئی ہے ضمیر مؤنث پس جب لفظ لا کہا گیا تو ضمیر مؤنث مؤنث کی طرف راجع ہوگئی اس لئے کہ لا لفظ لا کی تاویل میں ہو کر مؤنث ہے اور مطلب اس جملہ کا یہ ہے کہ مسند الیہ لا کے بعد بلا فاصلہ واقع ہو اور مشابہ بالمضاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسی شے کے ساتھ مضاف کا تعلق ہو کہ اس شے سے مل کر مضاف کے معنی تمام ہوتے ہوں اور اس کے بغیر معنی ناقص رہتے ہوں لیکن حقیقۃً وہ مضاف نہ ہو کہ مضاف الیہ کو مجرور کرے پس مضاف کے شئے کے ساتھ تعلق میں جو مشابہت نکرہ کی مضاف کے ساتھ پائی جائیگی اس کو مشابہ بالمضاف سے تعبیر کریں گے جیسے لا خیراً من زید کہ اس میں خیراً اگرچہ مضاف نہیں لیکن اس کا تعلق زید کے ساتھ اس قدر ہے کہ بغیر زید کے ملائے خبر کے معنی تمام نہیں ہوتے ناقص رہتے ہیں پس جس طرح مضاف عامل ہو کر مضاف الیہ کو مجرور کرتا ہے اسی طرح بھی اتمام معنے کے لئے بمنزلہ عامل کے ہے اور من زید بمنزلہ معمول کے اب رہی یہ بات کہ ترکیب کے اعتبار سے یلیہا الخ کیا واقع ہے تو اس کے متعلق شارح یہ کہتے ہیں کہ یلیہا اور اس کا مابعد نکرۃً الخ سب کے سب الیہ کی ضمیر مجرور سے حال مترادفہ ہیں حال مترادفہ اس کو کہتے ہیں جس کا ذوالحال ایک اور احوال متعدد ہوں یکے بعد دیگرے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صرف یلیہا المسند الیہ کی ضمیر متصل مجرور یا دخولہا کی ضمیر مجرور سے حال واقع ہو اور نکرۃ مضافاً الخ یلیہا کی ضمیر مرفوع مستتر سے جو کہ المسند الیہ کی طرف راجع ہے پس اس صورت میں یہ احوال متداخلہ

لے قولہ فان کان الخ اب یہاں سے مصنف یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر شرائط مذکورہ فوت ہو جائیں تو اسم لا کا حکم اعراب کے اعتبار سے کیا ہوگا؟ کہتے ہیں کہ اگر مسند الیہ لا کے دخول کے بعد تمام احوال مذکورہ پر واقع نہ ہو بلکہ مفرد ہو یعنی شرط اخیر منتفی ہو کہ مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو ای یلیہا نکرۃٌ غیر مضاف ولا مشبہاً بہ یعنی مسند الیہ لا کے متصل ہو اور نکرہ ہو مگر مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو تو وہ علامت نصب پر مبنی ہوگا اب رہی یہ بات کہ شارح نے بانتفاء الشرط الاخیر کا اضافہ کیوں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ مفرد اس جگہ مضاف اور شبہ مضاف کے مقابلہ میں ہے تثنیہ اور جمع کے مقابلہ میں نہیں نیز یہ کہ شرط اخیر کا انتفاء مقصود ہے تنکیر کا انتفاء مقصود نہیں ورنہ اعتراض لازم آئیگا کہ لا زیدٌ فی الدار ولا عمروٌ میں تنکیر کی نفی ہے اور پھر زید علامت نصب پر مبنی نہیں بلکہ مرفوع ہے پس جب شرط اخیر کے انتفاء سے عبارت اس طرح ہوئی ای یلیہا نکرۃٌ غیر مضاف ولا مشبہاً بہ تو اب اس پر قول مصنف فہو مبنیٌ علی ما ینصبُ بہ مترتب ہو جائیگا پھر فانہ لو کان مفرداً معرفۃً الخ سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مفرداً کی قید احترازی ہے اور اس سے وہ مفرد خارج کرنا مقصود ہے جو مفرد معرفہ یا مفصول ہو اس لئے کہ ان کا حکم اور ہے جو عنقریب آئے گا واللہ اعلم ۲ قولہ وقولہ علی ما ینصب الخ اس جگہ قولہ علی ما ینصب بہ کی تفسیر ای علی ما کان ینصب بہ المفرد الخ سے کر کے شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ کلام مصنف میں تناقض ہے اس لئے کہ قولہ مبنیٌ سے بناء کی صراحۃ معلوم ہو رہی ہے اور قولہ ینصب بہ سے اس کا معرب ہونا ظاہر ہوتا ہے اس لئے کہ نصب معرب کے القاب سے ہے شارح نے کہا کہ نصب کی نسبت مسند الیہ کی طرف قبل دخول لا کے اعتبار سے ہے اور بناء کی نسبت موجودہ حالت یعنی بعد دخول لا کے اعتبار سے یعنی مفرد دخول لا سے پیشتر حالت نصب میں جو اعراب حاصل کرتا ہے اس پر دخول لا کے بعد مسند الیہ کو مبنی کریں گے پس وہ اعراب

فان[1] کان ای المسندالیہ بعد دخولہا غیر واقع علی الاحوال المذکورۃ بل کان

فان ارجاع الضمیر الی المسندالیہ اظہر من ارجاعہ الی المنصوب بلا او الی اسم لا ۱۲ رحمن

مفرداً بانتفاء الشرط الاخیر فقط و ہو کونہ مضافاً او مشبہا بہ ای یلیہا نکرۃٌ غیر مضاف ولا مشبہاً بہ لیترتب علیہ قولہ فہو مبنیٌ علی ما ینصبُ بہ فانہ لو کان مفرداً معرفۃً او مفصولا فحکمہ غیر ذلک وقولہ علی[2] ما ینصب بہ ای علی ما کان ینصب بہ المفرد قبل دخول لا علیہ و ہو الفتح فی الموحد نحو لا رجل فی الدار والکسر فی جمع المؤنث السالم بلا تنوین نحو لا مسلمات فی الدار

خلافا للمازنی فانہ یبنیہ علی الفتح ۱۲ غف

والیاء المفتوح ما قبلہا فی المثنی والمکسور ما قبلہا فی جمع المذکر السالم نحو لا مسلمین ولا مسلمینَ لک ویعنی بالمفرد ما لیس بمضاف ولا مضارع لہ فیدخل فیہ المثنی والمجموع وانما بنی[3] لتضمنہ معنی من اذ معنی لا رجل فی

واحد میں دو زبر ہوں گے اور جمع مؤنث سالم میں دو زیر و علی ہذا القیاس تثنیہ و جمع مذکر سالم میں پس جب لا کے دخول کے بعد یہ اسماء مبنی کئے جائیں گے تو تنوین مفتوح فتحہ سے اور تنوین مکسور کسرہ سے بدل جائیگی اور اسی پر ان کو مبنی کر دیں گے پس واحد میں فتحہ ہوگا جیسے لا رجل فی الدار اور جمع مؤنث سالم میں کسرہ بلا تنوین جیسے لا مسلمات اور یاء ساکن ماقبل مفتوح تثنیہ میں جیسے لا مسلمین اور یاء ساکن ماقبل مکسور جمع مذکر سالم میں جیسے لا مسلمینَ لک اس جگہ بھی لک لا مسلمات لا مسلمین اور لا مسلمینَ تینوں کے متمات سے ہے پھر چونکہ مصنف کو مفرد سے مضاف اور شبہ مضاف کی نفی مقصود ہے تثنیہ اور جمع کی نہیں لہذا اس میں تثنیہ اور جمع داخل ہو جائیں گے اور یہ بھی مبنی ہوں گے کما مر فی الامثلہ اور ان میں بھی شرط یہی ہوگی کہ مضاف یا شبہ مضاف نہ ہوں واللہ اعلم ۳ قولہ وانما بنی لتضمنہ الخ اور اس کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ معنی من کو متضمن ہوتا ہے اسلئے کہ لا رجل فی الدار ربانی ۱۹۵

(بقیہ صد ۱۹۴) کے معنی لامن رجل فی الدار کے ہیں اس لئے کہ یہ اس آدمی کے جواب میں ہے کہ جس نے ہل من رجل فی الدار کہا ہے پھر اس میں تعمیم ہے کہ وہ سوال حقیقۃً ہو جیساکہ مثال مذکور میں یا تقدیراً مثلاً دو شخص کسی مکان کی طرف آئیں اور ان میں سے ایک مکان میں داخل ہو کر واپس آکر کہے لارجل فی الدار پس وہ غیر داخل شخص گویا کہ سائل ہوگا جس کے جواب میں لارجل فی الدار کہا گیا اور سوال گویا کہ ہل من رجل فیہا سے ہوا پس من کو تخفیف کے لئے حذف کر دیا گیا اور متضمن معنیٔ حرف ہونے کی وجہ سے اس کو مبنی کیا گیا واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ وانما بنی علی الخ اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس کو مبنی علی ماینصب بہٖ کرنے کی کیا وجہ ہے؟ علامت رفع یا سکون پر کیوں نہیں مبنی کیا گیا جواب یہ ہے کہ اس کو علامت نصب پر اس وجہ سے مبنی کیا گیا ہے تاکہ حرکت یا حرف بنائی اس حرکت یا حرف کے موافق ہو جائے کہ جس کا نکرہ اصل کے اعتبار سے بناء سے پہلے مستحق ہے یعنی تاکہ حرکت یا حرف اعرابی سے حرکت یا حرف بنائی کی موافقت ہو جائے اور حتی الامکان عمل اصلی کی رعایت ہو جائے حرکتہ تو نکرہ مفردہ پر آئے گی اور حرف تثنیہ یا جمع پر مثلاً مفرد پر تنوین مفتوح حالت نصب میں آتی ہے پس جب مفرد کو فتحہ پر مبنی کیا جائیگا تو تنوین مفتوح اور فتحہ میں موافقت اور مناسبت ظاہر ہے اور مضاف اور مشابہ مضاف اس وجہ سے مبنی نہ ہوگا کہ اضافۃ جانب اسمیۃ کو ترجیح دیتی ہے اس لئے کہ اضافت اسم کے خواص میں سے ہے پس اسی ترجیح کی بناء پر اسم اس چیز کی طرف مائل ہوگا کہ جس کا وہ اصل میں مقتضی اور مستحق ہے یعنی اعراب کا پس اس کو معرب رکھا جائیگا مبنی نہیں اس لئے کہ تقدیر حرف کی وجہ سے بناء میں اسم کی جانب اسمیۃ کمزور ہو جاتی ہے اور اسم مبنی ہو جاتا ہے اور یہاں کمزور ہے نہیں اس لئے کہ اگرچہ اس میں بھی حرف من مقدر ہوتا ہے اور وہ بھی سوال سائل کے جواب میں واقع ہوتا ہے مگر جانب اسمیۃ اضافت کے باعث چونکہ اس میں راجح ہو گئی ہے اس لئے

الدار لامن رجل فیہا لانہ جواب لمن یقول ہل من رجلٍ فی الدار حقیقۃً او تقدیراً فحذف من تخفیفاً وانما بنی علی ماینصب بہٖ لیکون البناء علی حرکۃٍ او حرفٍ استحقہما النکرۃ فی الاصل قبل البناء ولم یبن المضاف ولا المضارع لہٗ لان الاضافۃ ترجح جانب الاسمیۃ فیصیر الاسم بہا الی مایستحقہ فی الاصل اعنی الاعراب فان کان ای المسند الیہ

(فان الاصل فی الاسماء الاعراب ۱۲ عب)

بعد دخولہا معرفۃً بانتفاء شرط النکارۃ او مفصولاً بینہ ای بین فی لک المسند الیہ وبین لا بانتفاء شرط الاتصال علی سبیل منع الخلو سواء کان مع انتفاء شرط کونہ مضافاً او مشبہاً بہ اولا

تقدیر حرف کچھ موثر نہ ہوگی واللہ اعلم ؎ قولہ وان کان الخ اور اگر شرط نکارت منتفی ہو جائے یعنی مسند الیہ کہ جس پر لا داخل ہوا ہے معرفہ ہو یا شرط اتصال معدوم ہو جائے یعنی لا اور اس کے مدخول مسند الیہ کے درمیان فصل واقع ہو عام ازیں کہ مضاف یا مشابہ مضاف ہونے کی شرط منتفی ہو یا نہ ہو تو مسند الیہ کو رفع اور لا میں مع اس کے اسم کے تکرار ضروری ہے پھر انتفاء اتصال کی شرط علی سبیل منع الخلو ہے یعنی دونوں میں سے کوئی نہ کوئی پائی ضرور جائے کسی سے مسند الیہ مدخول لا خالی نہ ہو اس سے بحث نہیں ہے کہ دونوں ایک جگہ جمع ہوں یا نہ ہوں لہذا اب یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ قولہ معرفۃً او مفصولاً الخ میں کلمۂ او منع جمع کے لئے ہے یعنی دونوں شرطیں ایک جگہ جمع نہ ہوں اس لئے کہ او احد الامرین کے لئے آتا ہے پس یہ کہنا اس قول سے منتقض ہے کہ لا فیہا زیدٌ ولا عمروٌ کہ اس میں لا اور اس کے مسند الیہ کے درمیان فاصلہ بھی ہے اور مسند الیہ معرفہ بھی ہے پس دونوں شرطیں ایک جگہ جمع ہو گئیں حالانکہ جمع ممتنع ہے پس چونکہ کہہ دیا گیا ہے کہ یہ شرطیں علی سبیل منع الخلو ہیں سبیل منع الجمع نہیں کہ دونوں کا اجتماع نہ ہو سکے لہذا مثال مذکور باعث نقض نہیں واللہ اعلم ۱۲

۱۔ قولہ وہی ست الخ جب یہ معلوم ہوگیا کہ شرط تعریف اور شرط فصل دونوں ایک جگہ جمع بھی ہو سکتی ہیں اور علیحدہ بھی اور مضاف یا شبہ مضاف منتفی ہو یا نہ ہو تو اس کی اصولی طور پر نو صورتیں نکلتی ہیں اس لئے کہ اگر صرف شرط تعریف پائی جائیگی تو اس کی تین صورتیں ہونگی معرفہ مفرد ہو یعنی مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو۔ معرفہ مضاف ہو۔ معرفہ شبہ مضاف ہو اسی طرح صرف شرط مفصول پائی جائے تو اس کی بھی یہی تینوں صورتیں ہونگی علی ہذا القیاس معرفہ اور مفصول دونوں مجتمع ہوں تو اس میں بھی مذکورہ تینوں صورتوں کا تحقق ہوگا پس تین کو تین میں ضرب دینے سے نو صورتیں حاصل ہوئیں لیکن چونکہ مضاف پر شبہ مضاف کو قیاس کر سکتے ہیں اس لئے شبہ مضاف کی صورتوں کو شارح نے ترک کردیا پس چھ صورتیں حسب ذیل ہیں جو نقشہ ذیل سے ظاہر ہوتی ہیں

وہی ستُ[۱] صُوَرٍ نحو لا زیدٌ فی الدار[۱] ولا عمرو ولا غلام زید[۲] فی الدار ولا عمرو ولا[۳] فی الدار رجل ولا امرأة ولا فی الدار[۴] غلام رجل ولا امرأة ولا فی[۵] الدار زید ولا عمرو ولا فی الدار غلام زید ولا عمرو وجب فی جمیع ہذہ الصور الستّ الرفع علی الابتداء اما فی المعرفۃ[۶] فلامتناع اثر لا النافیۃ للجنس فیہا واما فی المفصول فلضعف لا عن التاثیر مع الفصل والتکریر[۷] ای وجب[۸] تکریر اسمہ لکن مطلقا لا بعینہ اما فی المعرفۃ لیکون کالعوض عما فی التنکیر من معنی نفی الآحاد واما فی النکرۃ لیکون مطابقا

(حاشیہ: یعنی اراد تکریر من النوع لا تکریر الشخص ۱۲ غف — ای التکریر فی النکرۃ ۱۲ رحمن)

ابتدائیت کی بنا پر رفع دیں گے اور مفصول میں وجوب رفع کی یہ وجہ ہے کہ عامل ضعیف ہے اور معمول مفصول میں عمل کرنا عامل قوی کا کام ہے لہذا حالت فصل میں بھی لا عمل نہیں کر سکتا پس بنا بر ابتداء کے رفع واجب ہوگا اور لا کے عامل ضعیف ہونے کی یہ وجہ ہے کہ یہ ان کے مشابہ ہونے کی وجہ سے عمل کرتا ہے اور انّ فعل سے مشابہت کے باعث عامل ہوتا ہے لہذا یہ مشابہہ در مشابہت ہونے کی وجہ سے عامل ضعیف ہوا پس جب لا اور اس کے اسم کے درمیان فصل واقع ہو جائیگا تو لا اپنے ضعف کے باعث مفصول میں عمل نہیں کر سکے گا واللہ اعلم ۳ے قولہ ای وجب تکریرا الخ اس جگہ شارح نے وجب ظاہر کرکے التکریر کے عطف کی طرف اشارہ کیا ہے پھر یہ تکریر لا مع اسمہ اس طرح ہوگی کہ اسم مکرر بعینہ اول نہ ہو بلکہ مطلقاً کوئی اسم ہو جیسے لا زیدٌ فی الدار ولا عمروٌ میں عمروٌ اسم ہے بعینہ اول یعنی زید نہیں لہذا لا زیدٌ فی الدار ولا زیدٌ نہیں کہہ سکتے پس اس میں رفع اس وجہ سے واجب ہوگا کہ لا اصل میں جنس کی نفی کے لئے ہوتا ہے اور جنس میں تعدد ہے معرفہ میں نہیں لہذا تکریر کو تعدد جنس کے قائم مقام کیا گیا یعنی لا اصل میں آحاد کی نفی کے لئے ہوتا ہے اور آحاد صرف جنس ہی میں پائے جاتے ہیں پس جب معرفہ پر داخل ہوگا تو اس میں یہ معنی فوت ہو جائیں گے اس لئے کہ معرفہ میں مفرد کی نفی ہوتی ہے آحاد کی نہیں پس اس وقت تکریر ضروری ہے تاکہ مافات کا عوض ہو جائے اس لئے کہ تکریر میں (باقی بر صفحہ ۱۹۷)

اسم لا کے معرفہ اور مفصول ہونے کی صورتیں

(۱)	(۲)	(۳)
معرفہ ہو نہ مفصول اور نہ مضاف یا شبہ مضاف ہو جیسے لا زیدٌ فی الدار ولا عمروٌ	معرفہ مضاف ہو نہ مفصول ہو جیسے لا غلام زیدٍ فی الدار ولا عمروٌ	مفصول ہو نہ معرفہ ہو نہ مضاف نہ شبہ مضاف جیسے لا فی الدار رجلٌ ولا امرأةٌ
(۴)	(۵)	(۶)
مفصول اور مضاف یا شبہ مضاف ہو معرفہ نہ ہو جیسے لا فی الدار غلام رجلٍ ولا امرأةٌ	مفصول اور معرفہ ہو مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو جیسے لا فی الدار زیدٌ ولا عمروٌ	معرفہ مضاف اور مفصول ہو جیسے لا فی الدار غلام زیدٍ ولا عمروٌ

پس یہ چھ صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں اسم لا کو ابتداء کی بناء پر رفع اور لا کی تکریر مع اسم کے واجب ہوگی واللہ اعلم ۶ے قولہ اما فی المعرفۃ الخ پس معرفہ میں رفع اس لئے واجب ہے کہ لا نفی جنس صیغہ نکرہ کی نفی کے لئے موضوع ہے پس اس کا اثر معرفہ میں ممتنع ہوگا لہذا لا اس میں عمل نہیں کریگا اور لا کو

(بقیہ صـ۱۹۶) نسبۃً نفی آحاد پائی جاتی ہے کیونکہ تکریر تعدد کے حکم میں ہوتی ہے اور جنس میں بھی تعدد ہوتا ہے لہذا تکریر کا جنس کا عو
بنا صحیح ہوگا اور نکرہ مفصول میں تکریر اس وجہ سے ضروری ہے تاکہ جواب کی سوال کے ساتھ مطابقت ہوجائے اس لئے کہ لا فی
الدار رجلٌ ولا امرأةٌ سائل کے اس سوال کے جواب میں بولا جاتا ہے کہ ءافی الدار رجلٌ ام امرأةٌ پس سوال کی مطابقت سے

لما ہو جواب لہ من مثل قول السائل افی الدار رجل ام امرأۃ وہذا التعلیل
جارٍ فی المعرفۃ ایضا ونحو قضیۃٌ اے ہذہ قضیۃ ولا اباحسن لہا ای
لہذہ القضیۃ ہذا جواب دخلٍ مقدرٍ علی قولہ وان کان معرفۃً وجب
الرفع والتکریر فان اسم لا فیہ معرفۃ لان اباحسن کنیۃ علیؓ ولا رفع
فیہ ولا تکریر بل ہو منصوب غیر مکررٍ فاجاب بانہ متاوّلٌ بالنکرۃ
اِمّا بتقدیر المثل ای ولا مثلَ ابی حسن لہا فان مثلاً لتوغلہ فی الابہام لا
یتعرف بالاضافۃ الی المعرفۃ اوبتاویلہ بفیصّل بین الحق والباطل لاشتہارہ
بہذہ الصفۃ فکانہ قیل لا فیصل لہا ویقوی ہذا التاویل ایراد حسن بحذف
اللام لان الظاہر ان تنوینہ للتنکیر وفی مثلٌ لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ ای فیما

باطل ہوگئیں اور یہ تاویل ثانی قوی ہے اس لئے کہ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حسن کو
حذف لام کے ساتھ لائے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تنوین تنکیر کے لئے ہے یعنی اس سے فیصل
مراد ہے خواہ کوئی ہو اور اگر تنکیر کے لئے تنوین نہ ہوتی تو مشہور سے اعراض نہ کیا جاتا اس لئے کہ ابو الحسن
الف لام کے ساتھ مشہور ہے واللہ اعلم ۱۲ سلہ قولہ وفی مثل الخ اسجگہ مثل سے مراد ہر وہ ترکیب ہے
کہ جس میں لا بر سبیل عطف مکرر ہو اور ہر ایک لا کے بعد نکرہ بلا فصل کے واقع ہو پس لاحول ولاقوۃ
الا باللہ کے مثل میں پانچ صورتیں جائز ہیں پھر پانچ صورتیں بحسب اللفظ جائز ہیں توجیہ کے اعتبار
سے نہیں یعنی لا میں توجیہ نہیں کی جائیگی کہ یہ نفی جنس کے لئے ہے یا مشابہ بلیس ہے یا زائدہ
اس لئے کہ اس صورت میں ان وجوہ کا انحصار صرف پانچ میں ہی نہیں رہیگا بلکہ اس پر زیادہ
بھی ہو سکتی ہیں پس جس نے یہ کہا ہے کہ اس میں ایک وجہ سادس بھی ہے اور وہ اس طرح کہ اسم
اول لا نفی جنس کا معمول ہونے کی وجہ سے مفتوح ہو اور ثانی مرفوع (باقی بر صـ۱۹۸)

جواب میں تکریر واجب ہوئی اور
یہی تعلیل معرفہ میں بھی جاری ہو سکتی
ہے یعنی سوال کی جواب کے ساتھ
مطابقت واللہ اعلم ۱۲ سلہ قولہ
نحو قضیۃٌ الخ قضیۃ مبتدا محذوف کی
خبر ہے اس لئے شارح نے ہذہ
قضیۃٌ کہا قضیۃ کے معنی حادثہ
اور تنازع کے آتے ہیں لا اباحسنٍ
لہا میں ہا ضمیر ہذہ القضیۃ کی جانب
راجع ہے اس لئے شارح نے
اس کی تفسیر ای لہذہ القضیۃ کے
ساتھ کی پس یہ ایک سوال مقدر کا
جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ
ماقبل مذکور ہو چکا ہے کہ جب لا کا
اسم معرفہ ہو تو رفع اور تکریر واجب
ہوتی ہے اور یہاں لا کا اسم معرفہ
ہے اس لئے کہ اباحسن حضرت علی
رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے لیکن اس
میں نہ رفع ہے اور نہ تکریر بلکہ اباحسن
منصوب ہے اور غیر مکرر پس مصنف
نے جواب دیا کہ یہ قول نکرہ کے
ساتھ متاول ہے پھر اس کی تاویل
دو وجہ پر ہے ایک یہ کہ لا اباحسنٍ
میں مضاف یعنی لفظ مثل محذوف
ہے ای لا مثل ابی حسنٍ رضؓ لہا پس
اس وقت اسم معرفہ نہ ہوگا اس
لئے کہ لفظ مثل اگرچہ معرفہ کی طرف
مضاف ہے مگر کثرت ابہام کی
وجہ سے معرفہ نہیں ہو سکتا اسلئے
کہ معرفہ میں تخصیص اور عدم ابہام
ضروری ہے دوسرے یہ کہ اس کی
تاویل فیصل بین الحق والباطل کے ساتھ کی جائے اس لئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس وصف کے ساتھ مشہور ہیں پس اس صورت
میں علَم سے مراد اس جگہ وہ وصف ہوگا کہ جس کے ساتھ صاحب علَم مشہور ہے پس لا اباحسنٍ لہا کہنے سے گویا کہ لا فیصلَ لہا کہا
گیا یعنی اس قضیہ اور تنازع کا کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں پس جب علَم سے وصف مشہور مراد ہوا تو علمیت اور تعریف دونوں

كررت فيه لا على سبيل العطف وكان عقيب كل منهما نكرة بلا فصل يجوز خمسة اوجه بحسب اللفظ لا بحسب التوجيه فانها بحسب التوجيه تزيد عليها الاول فتحهما اى لا حول ولا قوة الا بالله على ان تكون لا فى كل منهما لنفى الجنس ولا قوة عطفا على لا حول عطف مفرد على مفرد وخبرها محذوف اى لا حول ولا قوة موجود الا بالله او عطف جملة على جملة اى لا حول الا بالله ولا قوة الا بالله فحذف خبر الجملة الاولى استغناء عنه بخبر الجملة الثانية والثانى فتح الاول ونصب الثانى اى لا حول ولا قوة الا بالله اما فتح الاول فلان لا الاولى لنفى الجنس واما نصب الثانى فلان لا الثانية مزيدة لتاكيد النفى والثانى معطوف على الاول فيكون منصوبا حملا على لفظه لمشابهة حركته حركة الاعراب و يجوز ان يقدر لها خبر واحد

(الاظهر موجودان ۱۲ عف)

اس صورت میں مثال مذکور ایک جملہ ہوگی اور تقدیر عبارت یوں ہوگی لا حول عن المعصیۃ ولا قوۃ علی الطاعۃ موجودان بشیٔ الا باللہ اور دوسری صورت یہ ہے کہ جملہ کا عطف جملہ پر ہو ای لا حول الا باللہ ولا قوۃ الا باللہ پس جملۂ اولی کی خبر کو بقرینہ خبر جملہ ثانیہ حذف کردیا گیا یعنی لا قوۃ کی خبر الا باللہ کے باعث جملہ اولی کے لئے ذکر خبر کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تھی اس لئے اس سے خبر کو حذف کردیا واللہ اعلم ۱۲ قولہ والثانی فتح الاول الخ دوسری صورت جواز یہ ہے کہ اسم اول مبنی برفتحہ ہو اور اسم ثانی معرب منصوب یعنی لا حول ولا قوۃ الا باللہ پس اس میں اول کا فتحہ تو اس وجہ سے ہوگا کہ اس میں لا نفی جنس کے لئے ہے اور ثانی کا نصب اس وجہ سے کہ لا زائد ہے جس کی زیادتی تاکید نفی کے لئے عمل میں آئی ہے اس لئے کہ (باقی بر صفحہ ۱۹۹)

(بقیہ صفحہ ۱۹۷) اس بنا پر کہ وہ لیس کے مشابہ ہو اور یہ صورت پانچویں صورت کا عکس ہوگی تو اس نے غلطی کی ہے اس لئے کہ اس اعتبار سے تو اس میں چھ سے بھی زیادہ صورتیں متحقق ہو سکتی ہیں اس لئے کہ اگر دونوں اسموں کو فتحہ دیا جائے گا تو یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں جگہ لا نفی جنس کے لئے ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اول میں تو نفی جنس کے لئے ہو اور ثانی میں زائدہ اور دونوں اسم مرفوع ہونگے تو کہا جا سکتا ہے کہ دونوں جگہ لا نفی جنس کے لئے ہو لیکن ملغی ہو کر عمل نہ کرتا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اول مشابہ بلیس ہو اور ثانی زائدہ پس اس طرح تو اس کی بہت سی توجیہات ہو سکتی ہیں لہٰذا یہ پانچ صورتیں لفظ کے اعتبار سے ہونگی یعنی ایک صورت حرکات وسکنات کے اعتبار سے دوسری صورت سے مغایر ہو لا سے کوئی بحث نہ ہو اس جگہ لا سے عدم بحث سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اگر لا سے بحث نہ ہوگی تو یہ پانچ صورتیں کس طرح متحقق ہو سکتی ہیں؟ اس لئے کہ ہماری مراد اس سے یہ ہے کہ لفظ کو پانچ طرح پڑھنا جائز ہی اور اس میں لا سے ضرور بحث ہوگی اور یہ مراد نہیں کہ چونکہ لا سے بحث ہے اس لئے پانچ صورتیں جائز ہیں پس دونوں میں فرق یہ ہوا کہ لفظ حول اور قوۃ میں پانچ صورتوں کے علاوہ اور کوئی صورت جائز نہیں اور لا میں پانچ صورتوں کی کوئی تعیین نہیں یعنی دونوں جگہ لا نفی جنس کے لئے بھی ہو سکتا ہے مشابہ بلیس بھی اور زائدہ بھی ایسے ہی اول میں جنس کے لئے ہو اور ثانی میں مشابہ بلیس یا زائدہ ہو یہ بھی جائز ہے وبالعکس وغیرہ وغیرہ فافہم فانہ دقیق واللہ اعلم ۱۲ قولہ الاول فتحہما الخ اول صورت یہ ہے کہ دونوں اسم مبنی علی الفتح ہوں جیسے لا حول ولا قوۃ الا باللہ اس صورت میں دونوں جگہ لا نفی جنس کے لئے ہوگا اور لا قوۃ کا عطف لا حول پر بر سبیل عطف مفرد علی المفرد ہوگا پس لا قوۃ کی خبر تو الا باللہ ہوگی اس لئے کہ یہ مستثنی مفرغ ہے جس کو مستثنی منہ محذوف کا اعراب دیا گیا ہے اور مستثنی منہ محل خبر میں ہے پس مستثنی مفرغ اس کے قائم مقام ہوگا اور لا حول کی خبر محذوف ہوگی ای لا حول ولا قوۃ موجود الا باللہ پس

(بقیہ ص ۱۹۵) منفی پر جس کا عطف کیا جاتا ہے منفی ہی ہوتا ہے پس لا زائدہ ہوا اور عطف سے نفی مستفاد ہوئی مگر لا نے زائد ہو کر تاکید کا
فائدہ دیا اور "قوۃ" کا عطف حول پر ہے اور ثانی یعنی قوۃً منصوب اس وجہ سے ہے کہ اس کا حمل لفظ پر ہے اور لفظ یعنی حول کی
حرکت حرکت اعراب کے مشابہ ہے پس اس مشابہت کے باعث حرکت اعرابیہ پر بھی اس کا حمل جائز ہے پھر اس میں صورت

ان يقدر لكل منهما خبر على حدة والثالث[۱] فتح الاول ورفعه اى رفع الثانى نحو لا حول ولا قوةٌ الا بالله اما فتح الاول فلان لا الاولى لنفى الجنس و اما رفع الثانى فلان[۱] لا زائدة والثانى معطوف على محل الاول لانه مرفوع بالابتداء عطف مفرد على مفرد بان يقدر لهما خبر واحد او عطف جملة على جملة بان يقدر لكل منهما خبر على حدة والرابع[۲] رفعهما بالابتداء نحو لا حولٌ ولا قوةٌ الا بالله لانه جواب قولهم الغير الله حولٌ وقوة فجاء بالرفع فيهما مطابقةً للسوال ويجوز الامران ههنا ايضا و الخامس[۳] رفع الاول على ان لا بمعنى ليس على ضعفٍ فان عمل لا بمعنى ليس قليل وفتح الثانى نحو لا حولٌ ولا قوة الا بالله على ان تكون لا لنفى الجنس وضعّف (متعلق بقوله وفتح الثانى ۱۲ ابق) وجه ضُعف (الضعف) رفع الاول بانه يجوز ان يكون رفعه

اى نسب الى الضعف ۱۲

کہتے ہیں کہ علامہ رضی نے رفع اول کے ضعف کی وجہ کو ضعیف قرار دیا ہے اس لئے کہ جائز ہے کہ اس کا رفع مشابہت بلیس کے باعث نہ ہو بلکہ تکریر کے باعث لا کے ملغیٰ عن العمل ہونے کے سبب سے اسم اول مرفوع ہو اس لئے کہ الغاء عمل کے لئے شرط یہ ہے کہ اسم لا مکرر ہو اور اسم لا کے مکرر ہونے سے تکریر حاصل ہو گئی لہٰذا اس صورت کے ضعیف ہونے کی کوئی وجہ نہیں اب اگر کوئی کہے کہ تکریر کے ساتھ یہ بھی تو شرط ہے کہ دونوں اسم اعراب میں موافق ہوں یعنی اگر اول مرفوع ہے تو ثانی بھی مرفوع ہو اور یہاں ایسا ہے نہیں اس لئے کہ اول مرفوع ہے اور ثانی مفتوح پس انتفاء شرط مستلزم ہے انتفاء امر کو لہٰذا لا ملغیٰ نہیں ہو سکتا اس کا جواب رضی نے ولا دخل فيهما الخ سے یہ دیا کہ اعراب کے اعتبار سے توافق اسمین کو دبا تی بر صفحہ ۲۰۰)

اولیٰ میں مذکورہ دونوں صورتیں
ہیں کہ اگر خبر واحد مقدر ہو گی
ایک جملہ ہو گا اور اگر دونوں کی
علیحدہ علیحدہ ہونگی تو دو جملے
والتقدیر کما مر واللہ اعلم [۱] قوله
والثالث الخ تیسری صورت یہ
کہ اول حسب سابق مبنی بر فتحہ
ثانی مرفوع ہو یعنی لا حول ولا قوة
الا باللہ اول کا مفتوح ہونا تو ظاہر
کہ لا نفی جنس کے لئے ہے البتہ ثانی
وجہ سے مرفوع ہے کہ لا زائدہ
اور اس کا عطف لفظ اول پر نہیں
محل اول پر ہے اور محل اول لا
قطع نظر کرکے ابتدائیت کی بناء
مرفوع ہے پھر دونوں کی اگر ایک
خبر مانی جائیگی مفرد کا عطف مفرد
ہو گا اور دو خبر ہوں تو عطف جملہ
الجملہ کما مر واللہ اعلم [۲] قوله والرابع
الخ چوتھی صورت یہ ہے کہ دونوں
مرفوع ہوں ابتدائیت کی بناء
یعنی لا حولٌ ولا قوة الا باللہ پس
وقت دونوں لا عمل سے ملغی
اس لئے کہ یہ قول قول عرب
اللہ حول وقوۃ کے جواب میں
گیا ہے پس دونوں کو مرفوع پڑھا
جائے گا تاکہ جواب سوال کے
مطابق ہو جائے اور اس صورت
میں بھی اس کو ایک جملہ بر سبیل عطف
مفرد علی المفرد اور دو جملے بر سبیل
عطف جملہ علی الجملہ بنانا جائز ہے
کما مر واللہ اعلم ۱۲ [۳] قوله الخ

الخ اور پانچویں صورت یہ ہے کہ اول کا رفع ہو بر سبیل ضعف اور ثانی کا فتحہ یعنی لا حولٌ ولا قوة الا باللہ پس اول کا رفع اس وجہ
سے ہے کہ لا بمعنی لیس ہے لیکن یہ ضعیف ہے اس وجہ سے کہ لا بمعنی لیس بہت کم ہوتا ہے اور ثانی پر فتحہ اس وجہ سے ہے کہ لا
نفی جنس کے لئے ہے واللہ اعلم ۱۲ [۱] قوله وضعّف الخ اس سے شارح کا مقصود قول مصنف رفع الاول على ضعفٍ کا رد کرنا

(بقیہ صـ ۱۹۹) الغاء عمل میں کوئی دخل نہیں ہے بلکہ شرط صرف یہ ہے کہ اسم لا مکرر ہو اور وہ یہاں پایا جاتا ہے بہرحال اگر مصنف کی بیان کردہ توجیہ کی بناء پر اول کو مرفوع پڑھتے ہیں تو اس صورت میں ترکیب مذکور ایک جملہ نہیں ہو سکتی بلکہ عطف جملہ علی الجملہ کے قبیل سے ہو گی یعنی لاحول الا باللہ ولا قوۃ الا باللہ اس لئے کہ لائے نفی جنس کی خبر مفتوح اور لا مشابہ بلیس کی مرفوع ہوتی ہے پس اگر مفرد کا عطف مفرد پر کر کے دونوں کی ایک خبر مقدم مقدر کریں تو اسم واحد کا آن واحد میں اعراب مختلفہ کے ساتھ معرب ہونا لازم آئیگا یعنی یہ کہ الا باللہ لاء نفی جنس کی [illegible] ہونے کے باعث مرفوع بھی [illegible] لا مشابہ بلیس کی خبریت کی [illegible] پر منصوب بھی اور یہ محال ہے اور مستلزم امر محال کا خود محال ہوتا ہے لہذا دونوں کو ایک جملہ بنانا محال ہو گا لیکن اگر رضی کی بیان کردہ توجیہ کو اختیار کرتے ہیں تو دونوں ترکیبیں جائز ہو سکتی ہیں کما لا یخفی علی ماہر واللہ اعلم

سلہ قولہ واذا دخلت الخ اور اگر لاء نفی جنس پر ہمزہ داخل ہو تو لا کا عمل متغیر نہیں ہو گا اس جگہ شارح نے ای عمل لا کے اضافہ سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کوئی یہ اعتراض نہ کر دے کہ بحث تو ہو رہی ہے لاء نفی جنس سے اور ذکر آ گیا تغیر عمل کا لہذا یہ خروج عن المبحث نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ پس چونکہ عمل لا کہہ دیا گیا ہے یعنی لا کا عمل متغیر نہیں ہو گا اور عمل لا متعلقات لا میں سے ہے لہذا خروج عن المبحث نہیں یا یہ سمجھ لیجئے کہ العمل میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے پھر اس کی تفسیر ای تاثیرہا الخ سے کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ لفظ عمل اصطلاح میں معرب میں عمل کرنے سے عبارت ہے اور مثلاً لا رجل فی الدار معرب نہیں بلکہ مبنی ہے پس لم یتغیر العمل کہنا کیسے درست ہے جواب یہ ہے کہ عمل سے مراد معنی لغوی ہیں نہ کہ اصطلاحی یعنی عمل بمعنی تاثیر ہے اور ظاہر ہے کہ لا کا مدخول خواہ معرب ہو یا مبنی لا کا اس میں اثر ضرور ہو گا اور عدم تغیر عمل کی یہ وجہ ہے کہ کلمۂ استفہام کے داخل ہونے کی وجہ سے

لالغاء عمل لا بالتکریر لا لکونہا بمعنی لیس لان شرط صحۃ الغائہا التکریر فقط وقد حصل ہہنا ولا دخل فیہا لتوافق الاسمین بعدہا فی الاعراب فہذا علی التوجیہ الاول متعین لعطف جملۃٍ علی جملۃ ای لاحول الا باللہ ولا قوۃ الا باللہ والا یلزم ان یکون قولہ الا باللہ منصوبا ومرفوعا وعلی التوجیہ الثانی یحتمل ان یکون من قبیل عطف مفرد علی مفرد او عطف جملۃ علی جملۃ کما لا یخفی واذا دخلت[1] الہمزۃ علی لا التی لنفی الجنس لم یتغیر العمل ای عمل لا ای تاثیرہا فی مدخولہا اعرابا وبناءً لان العامل لا یتغیر عملہ لدخول کلمۃ الاستفہام ومعناہا ای معنی الہمزۃ الداخلۃ علی لا التی لنفی الجنس اما الاستفہام حقیقۃ فتقول الا رجل فی الدار مستفہما واما العرض مثل

(حواشی بین السطور: ای فی صورۃ رفع الاجل وفتح الثانی ۱۲ — علی ان یکون خبر لا بمعنی لیس ۱۲ — معاً فی حالۃ واحدۃ وہو ظاہر — بان یقدر لہما خبر واحد علی ما مر ۱۲ — بان یقدر لکل منہما خبر — یعنی ان معنی الہمزۃ اما الاستفہام وہو معناہ الحقیقی اما لو لا منہ کالعرض والتمنی ۱۲)

عامل کا عمل نہیں بدلا کرتا پس اگر دخول ہمزہ سے پہلے لا کا اسم مبنی ہے تو دخول ہمزہ کے بعد بھی مبنی ہی رہیگا اور معرب ہے تو معرب رہے گا البتہ اس ہمزہ کے معنی کہ جو لاء نفی جنس پر داخل ہو کبھی استفہام حقیقی کے ہوں گے جیسے سوال کرتے ہوئے کہا جائے الا رجل فی الدار (کیا گھر میں کوئی مرد نہیں ہے) یا استفہام مجازی کے اور استفہام مجازی عرض و تمنی کو کہتے ہیں عرض کی مثال جیسے الا نزول عندی (کیا میرے پاس آپکا نزول نہیں ہو گا) اس جگہ شارح نے العرض اور التمنی سے پہلے اِمّا کا اضافہ کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کلام مصنف سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہمزہ کے معنی تینوں امور کا مجموعہ ہیں اس لئے کہ واو عاطفہ جمع کے لئے ہوتا ہے اور جمع بحرف الجمع، جمع بلفظ الجمع کی مانند ہوتی ہے اور استفہام معنیٔ حقیقی ہیں اور عرض و تمنی معنیٔ مجازی پس حقیقت و مجاز کا اجتماع لازم آیا اور یہ ناجائز ہے پس شارح نے اما سے اشارہ کر دیا کہ تینوں کا مجموعہ مراد نہیں بلکہ تینوں میں سے کوئی ایک مقصود ہے اسلئے کہ واو عاطفہ (باقی بر صفحہ ۲۰۱)

(بقیہ صفحہ ۲۰۰) اَمّا تردیدیہ کے معنی میں ہے پھر چونکہ اَمّا تردیدیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ معطوف علیہ پر بھی داخل ہوتا کہ اول امر سے ہی
یہ معلوم ہو جائے کہ کلام شک پر مبنی ہے لہٰذا اس لئے شارح نے الاستفہام پر بھی اِمّا داخل کر کے اس طرف اشارہ کر دیا واللہ اعلم
سلہ قولہ ولم یذکر الخ اس سے شارح کا منشا یہ بیان کرنا ہے کہ مصنف نے کتاب کے قواعد بیان کرنے میں سیبویہؒ کی رائے کی
اتباع کیا ہے اور سیبویہ نے اس
امر کو ذکر نہیں کیا کہ لا کا حال عرض
میں بھی دخول ہمزہ سے پہلے جیسا
ہے یا نہیں پس چونکہ اس بارے
میں سیبویہ سے کچھ مذکور ہی نہیں
بلکہ اس کو سیرافیؒ نے ذکر کیا ہے
لہٰذا مصنف نے اس کا اتباع
کر لیا اور جزولی نے بھی سیرافیؒ
کا اتباع کیا ہے لیکن اندلسی اس
کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ
مصنف نے اس کو اختیار کر کے
خطا کی ہے اور یہ صحیح نہیں کہ عرض
کی صورت میں اس کا حال دخول
ہمزہ سے پہلے جیسا ہے اس لئے
کہ لا نفی جنس جب دخول ہمزہ
کے بعد عرض ہو جائے گا تو یہ
ان حروف افعال میں سے ہو جائیگا
کہ جن کے بعد فعل کو لفظاً یا تقدیراً
ذکر کرنا ضروری ہے یعنی ان۔ لو
اور حروف تحضیض الا وغیرہ کی طرح
اور یہ حروف فعل پر داخل ہوتے
ہیں خواہ فعل مقدر ہو یا لفظاً مذکور
ہو پس اگر فعل مقدر ہو تو اسم کو بنا
علی شریطۃ التفسیر نصب دینا
واجب ہو گا جیسے الا زیداً تکرمہ
ای الا تکرم زیداً تکرمہٗ واللہ اعلم
سلہ قولہ واما التمنی الخ یا ہمزہ کے معنی
تمنی کے ہوں گے جیسے الا ماءً اشربہ
(کاش کہ پانی ہوتا کہ میں اسکو پی لیتا)
اور یہ معنی تمنی کے اس وقت ہوں گے
جبکہ پانی کی امید نہ ہو اس لئے کہ

الا نزول عندی ولم یذکر سیبویہ ان حال لا فی العرض کحالہ قبل الہمزۃ بل
ذکرہ السیرافی وتبعہ الجزولیؒ وانکرؒ ذلک الاندلسی وقال ہذا
خطاءؒ لانہا اذا کانت عرضا کانت من حروف الافعال مثل ان و
لو وحروف التحضیض فیجب انتصاب الاسم بعدہا نحو الا زیداً
(ای الحروف الداخلۃ علیہا ۱۲)
تکرمہ واما التمنی نحو الا ماءَ اشربہ ببیتٍ لا یرجی ماء، واما قولہ ع الا رجلاً
(کاشکے آب بودی تا آشامیدم ویرا ۱۲) (ای قول الشاعر ۱۲)
جزاہ اللہ خیراً + فہذہ عند الخلیل لیست لا الداخلۃ
علیہا حرف الاستفہام ولکنہ حرف موضوع للتحضیض براسہ
فکانہ قال الا ترونی رجلا یعنی ہلا ترونی رجلا ولذلک نصب و

خلیل کے نزدیک وہ نہیں ہے کہ جس پر حرف استفہام داخل ہو بلکہ یہ مستقل طور پر تحضیض کے
لئے ہلّا اور اَلّا کی طرح حرف موضوع ہے پس گویا کہ شاعر نے اَلا ترونی رجلاً کہا اور اس سے
ہلّا ترونی رجلاً مراد لیا یعنی جب یہ حرف تحضیض ہوا تو اس کے بعد فعل کا مذکور ہونا ضروری
ہے خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً پس اس کا فعل ترونی مقدر ہے اور رجلاً اس فعل مقدر کی وجہ سے
منصوب ہے پس اس میں فعل کو اس وجہ سے وجوباً حذف کر دیا گیا کہ اس کا مابعد اس
فعل کی تفسیر کر رہا ہے اور اس فعل مذکور کے باعث رجلاً کو نصب آسکتا ہے اگر اس کو رجلاً
پر مسلط کر دیا جائے پس فعل مقدر کی وجہ سے رجلاً کو منصوب کر کے تنوین دی گئی ترونی
تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے اِراءۃ مصدر باب افعال سے پس اس کی اصل تُرئیونَ تھی پس ہمزہ
اور یاء کو تعلیلاً حذف کر دیا گیا تُرُون بضم التاء والراء ہو گیا اس لئے کہ یاء مضموم کی حرکت
منقول ہو کر راء پر آگئی اور تاء باب افعال سے مضارع ہونے کی وجہ سے پہلے سے مرفوع ہے پھر
اس میں نون وقایہ اور یاء ضمیر متکلم مفعول بہ کا اضافہ کر دیا گیا اور یونس کے نزدیک یہ ہے کہ یہ لا
وہی ہے کہ جس پر ہمزۂ استفہام داخل ہوا ہے اور بمعنی تمنی ہے پس قیاس (باقی بر صفحہ ۲۰۲)

اگر پانی کی امید ہوگی تو اس وقت استفہام حقیقی پایا جائیگا اور ہمزہ کو تمنی کے لئے کہنا درست نہیں ہوگا اب اس پر ایک اعتراض
وارد ہوتا ہے کہ قول شاعر ع الا رجلاً جزاہ اللہ خیراً میں ہمزہ تمنی کے لئے ہے مگر لا کا عمل باطل ہے اس لئے کہ اس کا اسم منصوب ہے
مفتوح نہیں پس شارح نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ایک اپنے قول عند الخلیل سے اور دوسرا قولہ عند یونس الخ سے پہلی کلمۂ الا

(بقیہ صد۲۰۱) اس امر کو مقتضی ہے کہ الاَرجل ہو لیکن چونکہ ضرورۃ شعر یہ اس امر کو مقتضی ہے کہ اس کو تنوین دی جائے ورنہ وزن غلط ہو جائیگا اور شعر موزونیت سے نکل جائے گا لہذا اس کو تنوین دیدی گئی پس اس عارض کی وجہ سے اس کا عمل باطل نہیں ہوا۔ (فائدہ) یہ شعر مکمل اس طرح ہے ۔ الا رجلاً جزاہ اللہ خیراً ﴿ یدلنی علیٰ محصلۃٍ تبیتُ ۔ محصلہ بکسر المیم معشوقہ کا نام ہے اور تبیت

نُوِّن وہے عند یونس لا التی دخلت علیھا ہمزۃ الاستفھام بمعنی التمنی فکان القیاس الا رجل ولکنہ نوّنہ لضرورۃ الشعر[ع] ونعت[مبتدا ۱۲] اسم لا المبنیّ[ق] لا نعت اسمھا المعرب احتراز عن نحو لا غلام رجل ظریفا[فانہ معرب فقط ۱۲ عب] الاول بالرفع صفۃ للنعت ای لا الثانی وما بعدہ احتراز عن مثل لا رجل ظریف کریمٌ فی الدار مفرداً حال من ضمیر مبنی والعامل فیہ مبنی احتراز عن مثل لا رجل حسنُ الوجہ یلیہ حال بعد حال او صفۃ مفرداً

ص مبنی نہیں اور قولہ مفرداً نعت المبنی الخ مبتدا کی خبر مبنی[ط] کی ضمیر مستتر سے حال واقع ہے کہ جس میں مبنیؐ عامل ہے یعنی وہ ضمیر مبنیؐ کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے پس اس صورت میں حال ذوالحال سے مؤخر ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ اسم لا مبنی کی نعت اول مفرد ہو مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو لہذا اس سے مضاف اور اسم مشبہ مضاف خارج ہو جائیں گے اس لئے کہ نعت غیر مفرد بھی صرف معرب ہوگی مبنی نہیں جیسے لا رجل حسن الوجہ اور قولہ یلیہ مبنیؐ مؤخر کی ضمیر مستکن سے حال بعد حال ہے یعنی مفرداً اور یلیہ دونوں حال مترادفہ ہیں یا یہ کہ یلیہ مفرداً کی صفت ہے پس اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ اسم لا مبنی کی نعت اول مفرد ہونے کے ساتھ ساتھ اسم لا سے متصل بھی ہو لہذا اس سے نعت مفصول خارج ہو جائیگی جیسے لا غلام فیھا ظریفؐ کہ اس میں نعت اور منعوت کے درمیان فیھا فاصل ہے لہذا یہ نعت بھی صرف معرب ہوگی اب شارح اس قید اخیر یلیہ کے متعلق وہذا القید الخ سے کہہ رہے ہیں کہ اس قید کے ہوتے ہوئے قید اول کی ضرورت باقی نہیں رہتی یعنی جب اسم لا کے ساتھ نعت کا اتصال ہوگا تو لامحالہ وہ نعت اول بھی ہوگی ثانی اور ثالث وغیرہ نہیں ہو سکتی لہذا مصنف کو قید الاول حذف کر دینا مناسب تھا اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ حال متبری کی رعایت کرتے ہوئے مصنف نے ایسا کیا یعنی یہ کہ الاول سے ثانی اور ثالث وغیرہ نہ ہونا مراد ہے اتصال اس حیثیت سے مراد نہیں کہ اس میں غیر نعت حائل ہو جیسے لا غلام فیھا میں فیھا غیر نعت حائل ہے اور یلیہ سے وہ اتصال مراد ہے کہ جو نعت کا غیر ہو چہ جائیکہ اول ۱۲

باب افعال سے ہے بمصدر الاباشتہ بمعنے کان سے سونا نکالنا اور اس میں جزاہ اللہ خیراً جملہ دعائیہ معترضہ ہے اور اس کی تحلیل توجیہ اول کی بناء پر یوں ہے ألا تردنی رجلاً یھدینی طریقاً یوصلنی الی ھذہ المحبوبۃ المسماۃ بالمحصلۃ التی تخرج الذھب عن المعدن یعنی مجھ کو ایسا مرد کیوں نہیں دکھاتے جو مجھ کو راستہ بتائے اور مجھ کو میری محبوبہ محصلہ تک پہنچا دے جو کہ کان سے سونا نکالتی ہے (اللہ اس مرد کو جزاء خیر دے) اور توجیہ ثانی کی بناء پر یہ معنی ہیں کہ کاش کہ کوئی مرد ایسا ہوتا جو مجھ کو راستہ بتاتا اور مجھ کو میری محبوبہ محصلہ تک پہنچا دیتا جو کان کنی کا کام کرکے سونا نکالتی ہے (اللہ اس کو جزاء خیر دے) واللہ اعلم ۱۲

ط قولہ دنعت اسم الخ اس جگہ اسم لا کا اضافہ کرکے شارح نے المبنی صفۃ کے موصوف کو ظاہر کیا ہے پس اس سے اسم لا معرب کی نعت خارج ہو جائیگی اسم کے مبنی نہ ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ اس صورت میں اس نعت کا حکم فقط یہی ہوگا کہ وہ بھی اپنے متبوع کی طرح معرب ہی ہو جیسے لا غلام رجلٍ ظریفاً کہ اس میں لا کا اسم غلام رجلٍ معرب ہے پس اس کی نعت بھی ظریفاً معرب ہے اور قولہ الاولُ رفع کے ساتھ ہے اس لئے کہ یہ نعت کی صفت ہے اور مطلب یہ ہے کہ اسم لا مبنی کی نعت اول ہو ثانی و ثالث وغیرہ نہ ہو پس اس سے وہ نعت خارج ہوگئی کہ جو ثانی و ثالث نمبر پر ہو جیسے لا رجلُ ظریفٌ کریمٌ فی الدار کہ اس میں کریم نعت ثانی ہے لہذا یہ صرف معرب ہوگی ص

احتراز عن المفصول نحو لا غلام فیہا ظریفٌ وہذا القید یعنی عن الاول

وفیہ لطافۃ ۱۲

مبنی علی الفتح حملاً علی المنعوت لمکان الاتحاد بینہما والاتصال

خبر ۱۲

وتوجہ النفی الیہ ای الی النعت حقیقۃً والمبنی فی قولہ ونعت

المبنی اشارۃٌ الی ما بنی علی الفتح بالاصالۃ لا بالتبعیۃ فانہ المذکور

تعلیل للنفی لا للمنفی ۱۲

سابقا فلا یرد انہ اذا کرر المبنی وبنی علی الفتح ثم جیُ بنعتٍ لا یجوز بناؤہ

مثل لا ماء ماء بارداً مع انہ یصدق علیہ انہ نعت المبنی الاول مفردا

یلیہ فان بارداً فی ہذا المثال نعت للتابع لا للمتبوع کما ہو الظاہر و

لو جعل نعتا للمتبوع فلیس مما یلیہ لتوسط التابع بینہما ومعربٌ لان الاصل

سے مراد بناء اصلی ہے تبعی نہیں اور بارداً مثال مذکور میں تابع کی نعت ہے یعنی ماءِ ثانی کی جو کہ ماء اول کی تاکید کے لئے ہے متبوع یعنی ماء اول کی نعت نہیں جیسا کہ ظاہر ہے لہذا جب بناء اصلی فوت ہو گئی تو بارداً صرف معرب ہی ہو گا مبنی نہیں پھر کما ہو الظاہر سے اس طرف اشارہ ہے کہ بارداً میں اس احتمال کے علاوہ دوسرا احتمال بھی ہے جس کو شارح خود بھی بیان کر رہے ہیں اور وہ یہ کہ اگر اس کو متبوع یعنی ماء اول کی نعت قرار دیا جائے تو شرط اتصال فوت ہو جاتی ہے اس لئے کہ متبوع اور نعت کے درمیان ایک اور تابع حائل ہے یعنی ماءٌ لہذا اس صورت میں بھی بارداً کو مبنی نہیں کہا جا سکتا صرف معرب ہی رہیگا واللہ اعلم

سے قولہ ومعربٌ الخ اور نعت اول کو بناء کے ساتھ ساتھ معرب بھی پڑھ سکتے ہیں اسلئے کہ توابع میں ان کے اپنے متبوعات کی تبعیۃ کی وجہ سے اصل یہ ہے کہ وہ اپنے متبوعات کے اعراب میں تابع ہوں نہ کہ بناء میں اس لئے کہ بناء ایک عارضی امر ہے اور اصل اسم میں اعراب ہے لہذا نعت مذکور کو یا تو اسم لا کے محل بعید پر حمل کرنے کی وجہ سے مرفوع پڑھیں گے اس لئے کہ لا کا اسم حقیقۃ میں مبتدا ہے اور محلاً مرفوع یا اسم لا کے لفظ اور محل قریب پر حمل کرینگے

لہ قولہ مبنیٌ علی الفتح الخ یہ نعت اسم لا المبنی الخ کی صفت ہے اور قول ما بعد ومعربٌ اس پر معطوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب اسم لا مبنی کی صفت اول مفرد ہو اسم لا سے متصل ہو تو وہ مبنی اور معرب دونوں ہو سکتی ہیں پھر صورت اعراب میں اس پر رفع و نصب دونوں جاری ہو سکتے ہیں پس نعت اول مبنی بر فتح اس وجہ سے ہو گی کہ اس کو منصوب پر محمول کیا جائے گا اس لئے کہ اولاً منعوت اور نعت دونوں کی ذات متحد ہے یعنی مکان سے مراد ذات ہے اور دونوں کے درمیان اتحاد ثابت ہے اس لئے کہ رجل اور ظریف دونوں کے افراد متحد ہیں اور ثانیاً نعت کا اتصال اپنے منعوت سے ہے اور ثالثاً یہ کہ نفی حقیقۃً نعت کی طرف متوجہ ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب کلام منفی مقید با قید ہوتا ہے تو نفی حقیقت میں قید کی طرف راجع ہوتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا نفی قید پر داخل ہے اور قید سے مراد اس جگہ نعت ہے اس لئے کہ وہ اپنے منعوت کی قید ہے پس بقاعدہ مذکورہ جب نفی مقید با قید پر داخل ہو کر قید یعنی نعت کی نفی ہوئی تو گویا نفی نعت پر داخل ہوئی اور چونکہ وہ مفرد ہے لہذا قید یعنی نعت بھی مبنی بر فتحہ ہو گی واللہ اعلم

سے قولہ والمبنی فی قولہ الخ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اسم مبنی جب مکرر لایا جائے اور مکرر کو مبنی بر فتحہ کر دیا جائے اور پھر اسم مکرر کی نعت لائی جائے تو اسم مکرر کی نعت میں بناء جائز نہیں رہتی حالانکہ قاعدہ اس امر کا مقتضی ہے کہ بناء جائز ہو جیسے لا ماء ماءً بارداً کہ اس پر قاعدہ مذکورہ صادق آ رہا ہے اس لئے کہ بارداً اسم مبنی کی نعت اول ہے اور مفرد بھی ہے نیز یہ کہ متصل بھی مگر اس کے باوجود نعت صرف معرب ہے مبنی نہیں شارح نے جواب دیا کہ قول مصنف نعت المبنی میں مبنی سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اسم مبنی علی الفتح بالاصالۃ ہو بالتبعیۃ نہ ہو اس لئے کہ بناء جب مطلق بولی جاتی ہے تو بناء بالاصالۃ مراد ہوتی ہے بالتبعیۃ نہیں نیز یہ کہ ماسبق میں قول مصنف فان کان مفرداً فہو مبنیٌ علی ما ینصب بہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ بناء

فی التوابع تبعیتہا المتبوعاتہا فی الاعراب دون البناء رفعًا حملًا علی محلہ البعید ونصبًا حملًا علی اللفظ او علی محلہ القریب نحو لا رجل[١] ظریف بالفتح وظریف بالرفع وظریفًا بالنصب والا[٢] ای وان لم یکن النعت کذلک فالاعراب ای فحکمہ الاعراب لا غیر رفعًا حملًا علی المحل البعید ونصبًا حملًا علی اللفظ او المحل القریب وقد مرت امثلتہ فی بیان فوائد القیود والعطف[٣] علی اسم لا المبنی اذا کان المعطوف نکرۃً بلا تکریر لا فی المعطوف فانہ اذا کان المعطوف معرفۃً وجب رفعہ نحو لا غلام لک والفرس واذا کان لا مکرراً فی المعطوف فحکمہ ما علم فی قولہ لا حول ولا قوۃ فیما سبق بان یحمل علی اللفظ ای لفظ اسم لا المبنی و یجعل منصوبا و بان یحمل علی المحل و یجعل مرفوعا جائز ولا یجوز فیہ البناء لمکان الفصل بالعاطف ولم یجعل[٤] فی حکم المتصل لمظنۃ الفصل

ای لوجود الفصل ۱۲

سے نہیں کر سکتے کہ یہ وہ محل ہے کہ جس میں فصل کا گمان کیا جا سکتا ہے کہ لا موکدہ کے ساتھ فصل واقع ہو اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر منفی پر عطف ہو تو معطوف میں اکثر لا زیادہ کر دیا جاتا ہے جیسے لا حول ولا قوۃ الا باللہ میں کہ قوۃ کا عطف حول منفی پر ہے لہذا اس میں واو عاطفہ کے ساتھ لا بھی زیادہ کر دیا گیا پس اس قاعدہ کی رو سے اس میں لا زائدہ فاصل ہو سکتا ہے پس جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ عاطف کو اس اعتبار سے متصل کے حکم میں کر دیا جائے کہ یہ عامل کے قائم مقام ہے صحیح نہیں اس لئے کہ جب عامل مکرر ہو جائیگا (باقی بر صفحہ ٢٠٥)

[١] قولہ نحو لا رجل الخ یہ مذکورہ بالا قاعدہ کی مثال ہے اور اس میں ظریف اول مبنی بر فتحہ ہے اور ثانی معرب مرفوع اور ثالث معرب منصوب واللہ اعلم ۱۲ [٢] قولہ والا الخ اور اگر نعت اوصاف مذکورہ کے ساتھ متصف نہ ہو تو اس میں صرف اعراب جائز ہوگا یعنی یا مرفوع ہوگی محل بعید پر حمل کرتے ہوئے یا منصوب لفظ اور محل قریب پر حمل کرنے کی وجہ سے اور فوائد قیود کے ضمن میں چار صورتیں خارج ہوئیں تھیں یعنی (١) نعت معرب کی ہو (٢) نعت اول نہ ہو (٣) غیر مفرد ہو (٤) غیر متصل ہو۔ لہذا انتفاء قیود کے وقت یہ چاروں صورتیں اعراب میں منصور ہونگی اور امثلہ ہر ایک کی گذر چکیں لہذا ان کے ذکر کی ضرورت نہیں واللہ اعلم ۱۲ [٣] قولہ والعطف الخ اور لا ئے نفی جنس کے اسم مبنی پر عطف جائز ہے جبکہ معطوف نکرہ ہو اور اس میں تکرار لا نہ ہو اس لئے کہ اگر معطوف نکرہ کے بجائے معرفہ ہوگا تو معطوف میں رفع واجب ہے جیسے لا غلام لک والفرس کہ اس میں الفرس معطوف معرفہ ہے لہذا اس کو مرفوع پڑھنا ضروری ہے اسلئے کہ اگر اس کو منصوب پڑھیں گے لفظ یا محل قریب پر حمل کرتے ہوئے تو لفظ لا معرفہ میں بھی عامل ہوگا اور یہ محال ہے اس لئے کہ لا نکرہ میں عمل کرتا ہے معرفہ میں نہیں معرفہ میں لا ملغی ہوتا ہے لہذا اس کو لامحالہ مرفوع ہی پڑھیں گے اور اگر نکرہ معطوف میں لا مکرر ہو تو اس کا حکم لا حول ولا قوۃ الا باللہ کے ضمن میں معلوم ہو چکا اس وجہ سے نکرہ اور بلا تکرار لا کی قید کا اضافہ کیا گیا پس اس وقت معطوف میں دو وجہ جائز ہیں ایک یہ کہ عطف اسم لا مبنی کے لفظ یا محل قریب پر ہو اور وہ نصب ہے پس اس کو منصوب پڑھا جائے دوسرے یہ کہ عطف محل بعید پر کیا جائے اور محل بعید اس کا ابتدائیت کی بنا پر رفع ہے لہذا اس کو مرفوع پڑھا جائے پس عطف کی صورت میں معطوف صرف معرب ہو سکتا ہے بناء جائز نہیں کیونکہ متبوع اور تابع کے درمیان واو عاطفہ فاصل موجود ہے اور بناء کے لئے اتصال نعت منعوت سے شرط ہے اور معطوف کو متصل کے حکم میں اس وجہ

بلا اِ المؤکدۃ اذا المعطوف علی المنفی یُزاد فیہ لا کثیراً نحو لا حول ولا قوۃ

مثل لا اَبَ وابناً وابنٌ فی قول الشاعر ؎

ولا اب وابناً مثل مروان وابنہ ÷ اذا ہو بالمجد ارتدیٰ و تاَزّرا

وسائر التوابع لا نص عنہم فیہا لکن ینبغی ان یکون حکمہا حکم توابع المنادیٰ

معطوف کا حکم بیان کیا تو اس کو مناسب یہ تھا کہ وہ اسم لا کے تمام توابع کو ذکر کر دیتا یعنی تاکید عطف بیان اور بدل کو پس کیا وجہ ہے کہ مصنف نے صرف انہیں دو پر اکتفاء کیا جواب یہ ہے کہ بقیہ توابع کے بارے میں نحاۃ سے کوئی نص صریح وارد نہیں ہوئی اس لئے بقیہ کو ذکر نہیں کیا لیکن مناسب یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ بقیہ توابع کا حکم توابع منادیٰ کے حکم کی مانند ہے جیساکہ اندلسی نے ذکر کیا ہے اس کی تفصیل توابع منادیٰ کے بیان میں گذر چکی ہے لیکن یہاں وہ تفصیل ذکر کر دینی مناسب ہے جس کو علامہ رضی نے اندلسی سے مذکورہ بالا قول نقل کرنے کے بعد رضی میں ذکر کی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسم لا کا تابع جب بدل مفرد نکرہ ہو تو اس میں بناء جائز ہے اس لئے کہ مبدل منہ اور بدل سے مقصود بدل ہوتا ہے پس مبدل منہ کا حکم بدل پر جاری ہوگا جیسے لا رجُلَ صاحبَ لی پس صاحب کو مبنی علی الفتح ہونا جائز ہے اب رہی یہ بات کہ مصنف نے بیان کیا ہے کہ بدل کا حکم مستقل مبدل منہ کا حکم رکھتا ہے لہذا اس کو اس حکم کے مطابق وجوباً مبنی ہونا چاہیئے نہ کہ جوازاً اس کا جواب شیخ رضی یہ دیتے ہیں کہ بدل میں دو جہتیں ہیں ایک جہۃ تو یہ ہے کہ یہ اپنے متبوع کا محتاج نہیں ہوتا جیساکہ صفت ہوتی ہے کہ بغیر موصوف کو ذکر کیئے اس کے معنی مفہوم نہیں ہوتے لہذا بدل کی اس عدم احتیاج کے باعث اس کا حکم مستقل کا سا ہے پس اس کو وجوباً مبنی ہونا چاہیئے اور اگر ہم اس جہۃ کو دیکھتے ہیں کہ اس کا اعراب اپنے متبوع کے اعراب کے تابع ہے تو اس کا حکم مستقل جیسا نہیں رہتا لہذا درمیانی راہ اختیار کرتے ہوئے ہم یہی کہیں گے کہ اس میں بناء جائز ہے واجب نہیں اور عطف بیان بھی چونکہ بدل کا ہی حکم رکھتا ہے لہذا اس میں بھی بناء جائز ہوگی اور تاکید لفظی کے متعلق یہ حکم ہے کہ وہ اپنے موکد کے مطابق ہوگی یعنی اس کا موکد اسم لا چونکہ مبنی بر فتحہ ہوگا لہذا اس کو بھی مبنی بر فتحہ پڑھیں گے جیسے لا رجُلَ رجُلَ فی الدار اس لئے کہ تاکید لفظی عین اول ہوتی ہے (باقی بر صلہ ۲۰۶)

(بقیہ صلہ ۲۰۴) تو نیابت بھی ختم ہو جاتی ہے اور تابع و متبوع کے درمیان فصل بھی آجاتا ہے جو کہ بناء کے لئے مضر ہے لہذا معطوف میں حرف اعراب ہی جائز ہوگا بناء نہیں واللہ اعلم ۱۱ ؎ قولہ مثل لا اب الخ یہ اسم لا مبنی پر معطوف کی مثال ہے کہ اس میں معطوف میں صرف اعراب جائز ہے یعنی رفع و نصب بناء جائز نہیں اور یہ مثال شاعر کے اس شعر میں واقع ہے ؎ لا اَبَ وابناً مثلُ مروان وابنہ ÷ اذا ہو بالمجد ارتدیٰ وتاَزّرا ÷ پس یہاں معطوف یعنی ابن کو ابنٌ مرفوع اور ابناً منصوب دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں مگر مبنی نہیں پڑھ سکتے اس لئے کہ اس میں اور معطوف علیہ میں حرف عطف کا فصل واقع ہے اور فصل کی صورت میں بناء جائز نہیں۔ (فائدہ) شعر مذکور فرزدق شاعر کا ہے جس کا نام ہمام ابن غالب ہے وہ مروان بن حکم اور اس کے بیٹے عبد الملک کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے یہ شعر کہتا ہے تحلیل اس شعر کی یہ ہے کہ اب وابناً لا کا اسم ہے اور مثل مروانَ وابنہ اس کی خبر، اذا ظرف ہے جو کہ مثل کے متعلق ہے اور ہو مبتداء ہے جو کہ اب کی طرف راجع ہے اور یہ اب کی طرف اس وجہ سے راجع ہے کہ باپ کی بزرگی بیٹے کی بزرگی ہوتی ہے بیٹے کی بزرگی باپ کی بزرگی نہیں ہوتی اس لئے کہ شرف ومجد آباء واجداد سے ہوتا ہے اور بالمجد جار مجرور فعل مؤخر کے متعلق ہیں جار مجرور کو فائدہ حصر کے لئے مقدم کیا گیا ہے اور ارتدیٰ مبتدا کی خبر ہے اور تازّر اس پر معطوف اس میں الف اشباع کے لئے ہے ضرورت شعری کی بناء پر مطلب اس شعر کا یہ ہے کہ مروان اور ان کے بیٹے عبد الملک کی طرح کوئی باپ بیٹا نہیں کہ مروان نے بزرگی کی چادر اور ازار پہن رکھی ہے (یعنی ان دونوں کے سراپا سے بزرگی ظاہر ہوتی ہے) اور اگر ارتداء کے معنی رجوع اور تازّر کے معنی قوت کے لئے جائیں تو اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ مروان بزرگی کی طرف لوٹتا ہے اور اس میں قوت حاصل کرلی ہے یعنی مروان میں بزرگی سرایت ہو کر ایسی ہو گئی ہے کہ اب اس سے جدا نہیں ہو سکتی واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ وسائر التوابع الخ اس سے ایک دخل مقدر کا دفعیہ مقصود ہے تقریر اس کی یہ ہے کہ جب مصنف نے نعت اور

(بقیہ صـ ۲۰۵) اور اول مبنی ہے لہٰذا اس کا بھی مبنی پڑھنا ضروری ہوگا لیکن جیسا کہ توابع منادی میں تاکید کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ اس میں اعراب بھی جائز ہے یعنی رفع و نصب اس لئے کہ اعراب اصل ہے اور بناء عارض ہے پس موکد کی بناء تاکید میں سرایت نہیں کریگی اور یہ تقلیل کے ساتھ ہے تو اسم لا کی تاکید لفظی میں بھی تقلیل کے ساتھ اعراب رفعی اور نصبی جائز ہے پس رفع تو محل بعید اور لفظ پر حمل کرتے ہوئے ابتدائیت کی بناء پر اور نصب محل قریب پر حمل کرتے ہوئے اول کی مثال جیسے لا رجلَ رجلٌ فی الدار اور ثانی کی مثال جیسے لا رجلَ رجلاً فی الدار اور تاکید معنوی چونکہ نکرہ کی صفت واقع ہی نہیں ہوتی سوائے معرفہ کے لہٰذا اسم لا نکرہ کی تاکید معنوی کے ساتھ نہیں لائی جاسکتی۔ اب ایک بات اور یہ رہ گئی کہ جب بقیہ توابع کا حکم نحاۃ سے منصوص نہیں تو کیا اندلسی نحاۃ میں سے نہیں ہیں لہٰذا قول شارح لا نص عنہم فیہا کیسے صحیح ہے جواب یہ ہے کہ اندلسی نے اس کو بطریق النص ذکر نہیں کیا بلکہ التزاماً ذکر کردیا نیز ہو سکتا ہے کہ نحاۃ سے نحاۃ مدونین مراد ہوں یعنی جنھوں نے قواعد نحویہ کی تدوین و ترتیب کا انجام دیا ہے اور اندلسی ان میں سے ہیں نہیں لہٰذا قول شارح صحیح ہے واللہ اعلم

كذا ذكره الأندلسيُّ ومثل لا ابا له ولا غلامي له اى كل تركيب يكون فيه

باثبات الالف ۱۲ — مبتدا ۱۲

بعد اسم لا التي لنفي الجنس لام الاضافة وأُجري على ذلك

الاسم احكام الاضافة من اثبات الالف في نحو ابٍ وحذف

بيانيه ۱۲

النون من نحو غلامين جائز يعني ان الاصل في مثل هذين

خبر ۱۲

التركيبين ان يقال لا اب له ولا غلامين له فيكون اسم لا فيهما مبنيا

على ما يُنصب به والجار مع مجروره خبراً لهما وقد جاء على قلة مثل لا ابا له

ولا غلامي له بزيادة الالف في مثل اب واسقاط النون في مثل

تشبیہ دیکر ان پر احکام اضافت جاری کر دیئے گئے ہیں اس لئے کہ یہ مضاف کے ساتھ اس کے اصل معنی میں مشارک ہیں لہٰذا یہ مفرد نہیں رہتے پس ان پر اجراء اعراب جائز ہے پھر جاننا چاہئے کہ قول شارح فی نحو اَب سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس سے اسماء ستہ مکبرہ مراد ہیں سوائے ذو کے اس لئے کہ ذو لازم الاضافۃ ہے کہ کسی حال اس سے اضافت جدا ہی نہیں ہوتی اور اب اخ وغیرہ سے اضافت جدا ہو سکتی ہے پس ان کو مثال مذکور میں عدم اضافت حقیقی اور وجود لام اضافت کے باعث مشابہ بالمضاف کیا جائے گا اور اگر ذو کو بھی اس میں شمار کریں تو اس کو مشابہ بالمضاف کہنے کے کوئی معنی ہی نہیں اس لئے کہ وہ پہلے ہی سے مضاف ہوتا ہے اور غلامین سے تثنیہ و جمع مراد ہیں واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ جائز یعنی الخ یہ مثل لا ابا لہ الخ کی خبر ہے یعنی یہ ترکیب مذکورہ جائز ہے اور مطلب یہ ہے کہ اصل تو ان دونوں ترکیبوں میں یہی ہے کہ لا اَب لہ اور لا غلامین لہ کہا جائے علامت نصب پر بناء کے ساتھ پس ان دونوں میں اسم لا مبنی ہوگا اور لہ جار مجرور سے مل کر اس کی خبر اور جملہ تام ہوگا لیکن بہت کم ایسا بھی منقول ہے کہ لا اَب میں الف کی زیادتی کر کے لا اَبا لہ کہا جائے اور لا غلامین سے نون تثنیہ ساقط کر کے لا غلامی لہ جیسا کہ حالت اضافت میں کیا جاتا ہے اور اس صورت میں چونکہ لہ مضاف الیہ واقع ہوگا خبر نہیں ہو سکتا لہٰذا اس کی خبر محذوف ماننی پڑے گی واللہ اعلم ۱۲

اعلم ؎ قولہ ومثل لا ابا لہ الخ اس جگہ مثل سے مراد ہر وہ ترکیب ہے کہ جس میں لا نفی جنس کے اسم کے بعد لام اضافۃ ہو اور اسم لا پر احکام اضافت جاری ہوں یعنی اَب اور اس کے مثل میں اثبات الف اور اَبا اور غلامین میں حذف نون کے ساتھ غلامی اس عبارت سے در اصل مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں سوال کی تقریر یہ ہے کہ ماسبق میں کہا گیا تھا کہ اسم لا جب مفرد ہو تو وہ علامت نصب پر مبنی ہوتا ہے مگر یہ قاعدہ لا اَبا لہ اور لا غلامی لہ سے منقوض ہے اس لئے کہ یہ دونوں مفرد نکرہ اور غیر مضاف ہونے کے باوجود منصوب ہیں اول الف کے ساتھ اور ثانی یاء کے ساتھ مبنی علامت فتحہ پر ایک بھی نہیں مصنف نے جواب دیا کہ اگرچہ دونوں ترکیبوں میں اسم لا مضاف نہیں مگر چونکہ ان جیسی ترکیبوں کو مضاف کے ساتھ

غلامين كما في حال الاضافة تشبيهاً له اي لا اسم لا في هذين
التركيبين مع انه ليس بمضاف بالمضاف واجراءً لاحكام المضاف
عليه باثبات الالف وحذف النون فيكون معرباً وذلك التشبيه
انما هو لمشاركته اي مشاركة اسم لا حين يضاف باظهار اللام بينه
وبين ما يضاف اليه له اي للمضاف في اصل معناه اي معنى المضاف
من حيث هو مضاف يعني الاضافة وهو الاختصاص او المعنى ان مثل لا ابا له

له قوله تشبیهاً له الخ تشبیہاً یا تو اُجیز فعل محذوف کا مفعول لہ ہے یا فعل محذوف شبّہ کا مفعول مطلق اور تشبیہاً لہٗ میں لہٗ کی ضمیر مجرور مثل کی طرف راجع ہے اور وہ مرجع ہونے کے اعتبار سے تشبیہاً کا مفعول بالم یسم فاعلہ ہے اس لئے کہ تشبیہاً اس جگہ مصدر مبنی للمفعول ہے بمعنی تشبیہ دیا جانا اور لہٗ میں لام زائدہ ہے بہر حال مطلب یہ ہے کہ ان دونوں ترکیبوں میں اسم لا کسی شئے کی طرف مضاف نہیں مگر ان دونوں کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دیئے جانے کے سبب سے یہ ترکیب جائز ہے اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب مثال مذکور میں اسم لا کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو اس صورت میں اسم لا کثرۃ مشابہ بالمضاف ہوا لہٰذا اس میں نصب واجب ہونا چاہیئے چہ جائیکہ اس میں بنا بھی جائز ہو شارح اس کا جواب واجراءً لاحکام المضاف الیہ الخ سے دے رہے ہیں کہ مشابہت سے مشابہت حقیقیہ مراد نہیں کہ مذکورہ اعتراض حکم واجب ہو بلکہ مضاف کے احکام کے اجراء میں مشابہت مراد ہے یعنی جس طرح مضاف کی صورت میں اب پر الف کی زیادتی اور غلامین میں حذف نون کیا جاتا ہے اسی طرح یہی احکام اس پر بھی جاری کئے جائیں گے واللہ اعلم ۱۲ ٢ له قوله وذلک التشبیہ الخ اس کے اضافہ سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قول مصنف لمشارکتہ کا تعلق تشبیہاً لہٗ کے ساتھ ہے یعنی اسم لا کی تشبیہ مضاف کے ساتھ اصل معنی میں مشارکۃ کی وجہ سے ہے یعنی جس وقت اسم لا مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان اظہار لام اضافت کے ساتھ مضاف ہو گا تو بغیر اظہار لام کی صورت میں من حیث الاضافۃ مضاف کے جو معنی اصل ہوتے ہیں اسم لا اصل معنی میں اس مضاف کا مشارک ہو گا اور مضاف کے من حیث اضافۃ معنی اصلی یہ ہیں کہ اختصاص حاصل ہو اسلئے کہ اضافت سے کبھی مقصود تعریف ہوتی ہے اور کبھی تخصیص لیکن تعریف بغیر حرف جر سے ہوتی ہے جیسے غلام زید کہ اس میں غلام معرفہ ہے اور تخصیص جس طرح تقدیر حرف جر سے ہو جاتی ہے اسی طرح حرف جر ملفوظ سے بھی ہو جاتی ہے جیسے ابٌ لک اور ظاہر ہے کہ تلفظ بہ نسبت تقدیر کے اصل ہے پس ثابت ہو گیا کہ معنی اضافت میں اصل تخصیص ہے اور وہ ان دونوں ترکیبوں میں پائی جاتی ہے اس لئے کہ اب ابن کے ساتھ مختص ہے اور غلام مولیٰ کے ساتھ پس دونوں ترکیبوں کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دیکر ان پر احکام اضافہ جاری کر دیئے گئے حاصل یہ ہوا کہ ابوک مضاف ہے اور اس کے اصل معنی ابٌ لک کے ہیں اس لئے کہ متکلم کو اب کی تخصیص صرف مخاطب کے ساتھ کرنا مقصود ہے کسی اور سے اس کا تعلق نہیں پھر ابٌ لک سے جب لام حذف کر دیا گیا اور اب کی اضافت کاف کی طرف کر دی گئی تو مضاف معرفہ بھی ہو گیا پس ابوک تخصیص اصلی پر باقی رہا اور تعریف اضافت کی وجہ سے عارض ہوئی پس ابٌ لک ابوک کے اصل معنی یعنی اختصاص میں مشارک ہے پس جس طرح اباک میں بوقت اضافت اصلیہ الف ثابت رہتا ہے اسی طرح ابا لک میں بھی الف باقی رہیگا اور جس طرح اباک معرب ہے اسی طرح ابا لک بھی معرب ہو گا واللہ اعلم ١٢ سه قوله او المعنی الخ مآل کے اعتبار سے دونوں معنی میں کوئی فرق نہیں البتہ لفظی طور پر قدرے فرق ہے اور وہ یہ کہ معنی مذکورہ کی بنا پر لمشارکتہ کی ضمیر مجرور اسم لا کی طرف راجع کی گئی جو کہ اظہار لام کے ساتھ مضاف ہے اور لہٗ کی ضمیر مضاف کی طرف اور ان معنی کے اعتبار سے لمشارکتہ کی ضمیر مثل ہذین الترکیبین کی طرف راجع ہو گی اور لہٗ کی ضمیر ترکیب یشتمل علی الاضافۃ فی اصل معناہ کی طرف اور ظاہر ہے کہ مثل ہذین الترکیبین سے بھی وہی مراد ہے جو کہ اول معنی سے (باقی بر صـ ٢٠٠)

(بقیہ صفحہ ۲۰۸) مراد تھا یعنی اسم لا اور ترکیب یشتمل الخ سے بھی وہی معنی اول یعنی مضاف پس بیان کا فرق ہے مآل دونوں کا ایک ہے
الغرض شارح کہتے ہیں کہ لمثل لا اباله اور لا غلامی له کے یہ معنی ہیں کہ ان جیسی ترکیب اس وجہ سے جائز ہے کہ ان دونوں ترکیبوں
اور ان کے مثل کو کہ جن میں اضافۃ نہ ہو مضاف یعنی ایسی ترکیب کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے کہ جو اضافۃ پر مشتمل ہو اور تشبیہ

ولا غلامي له جائز تشبيهاً له اي لمثل هذين التركيبين حيث لا اضافة فيه
بالمضاف اي بتركيب يشتمل على الاضافة لمشاركته اي لمشاركة مثل
هذين التركيبين له اي لما يشتمل على الاضافة في اصل معناه
اي معنى ما يشتمل على الاضافة وهو الاختصاص الا ان بين الاختصاصين
تفاوتاً فان الاختصاص المفهوم من التركيب الاضافي اتمّ مما
يفهم من غيره ومن ثمّ اي لاجل ان جواز مثل هذين التركيبين انما هو
بتشبيه غير المضاف بالمضاف في معنى الاختصاص لم يجز

کہ مرکب کی تشبیہ مرکب کے ساتھ ہے مفرد کے ساتھ نہیں اگر شارح ای بترکیب کا اضافہ نہ کرتے
تو اعتراض وارد ہوتا کہ لا اباله اور لا غلامی له دونوں مرکب او رمشبہ ہیں اور مضاف مشبہ بہ مفرد
پس تشبیہ مرکب بالمفرد لازم آتی اور الا ان بین الاختصاصین الخ سے بھی شارح نے ایک سوال
مقدر کا دفعیہ کیا ہے سوال یہ ہے کہ لا اباله اور لا غلامی له تراکیب خبری ہیں اور ترکیب خبری چونکہ
مخاطب کو فائدہ دیتی ہے اس لئے یہ قوی ہوتی ہے اور لا اباہ ولا غلامیہ ترکیب اضافی ہے اور
غیر قوی پس قوی کو ضعیف کے ساتھ تشبیہ دینا کیسے درست ہے اس لئے کہ مشبہ بہ اقوی ہوتا
ہے مشبہ سے۔ جواب یہ ہے کہ ترکیب اضافی سے جو اختصاص مفہوم ہوتا ہے وہ اتم و
اکمل ہوتا ہے والتفصیل کمام واللہ اعلم ۱۲ سلے قولہ ومن ثم الخ یعنی چونکہ ان دونوں ترکیبوں کا
جواز اس پر موقوف ہے کہ غیر مضاف مضاف کے ساتھ اس کے اصل معنی یعنی اختصاص میں مشابہ
ہو پس ترکیب لا ابا فیہا جائز نہیں ہوگی فیہا میں ہا ضمیر کا مرجع دار ہے ای فی الدار پس ترکیب
اس لئے جائز نہیں کہ اس میں اختصاص موجود نہیں اس لئے کہ جو اختصاص اب کی اضافت شئی
کی طرف کرنے سے مفہوم ہوتا تھا وہ اس اعتبار سے تھا کہ اس شئے کے لئے ابوۃ کو خاص کیا
جا رہا ہے اور یہ اختصاص اب کی نسبت دار کی طرف کرنے سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ابوۃ
صرف ابن کیلئے متحقق ہو سکتی ہے کسی اور کے لئے نہیں پس اب کی اضافت (باقی برصفحہ ۲۰۹)

کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ترکیبیں
اس چیز کے ساتھ مشارک ہیں جو
اصل معنی میں اضافت پر مشتمل ہو
اور جو معنی اضافت پر مشتمل ہوتے ہیں
وہ اختصاص ہے پس اختصاص
دونوں میں پایا گیا مضاف میں بھی
اور غیر مضاف میں بھی لہذا اس اختصاص
کی وجہ سے لا اباله الخ جیسی ترکیب
جائز ہے البتہ دونوں اختصاصوں
میں کچھ تفاوت ہے اس لئے کہ
ترکیب اضافی سے جو اختصاص مفہوم
ہوتا ہے وہ اس ترکیب سے اتم اور
اکمل ہے کہ جس میں اضافۃ نہ ہو
اس لئے کہ مضاف اور مضاف الیہ
شئ واحد کے حکم میں ہوتے ہیں کیونکہ
مضاف الیہ مضاف کی تنوین یا
اس کے نون تثنیہ یا جمع کے قائم
مقام ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ تنوین
اور نون مضاف کا جزء ہوتے ہیں
پس قائم مقام بھی لازمی طور پر
جزء ہوگا اور اسی وجہ سے مضاف
میں مضاف الیہ سے مل کر تعریف
یا تخصیص حاصل ہوتی ہے پس
مضاف اور مضاف الیہ میں سے
احدہما جزء آخر ہوگا بخلاف لا اباله
اور لا غلامی له کے کہ ثانی یعنی له اول
سے اجنبی ہے اور اختصاص بھی
لام کے ذریعہ مستفاد ہوا ہے حتی کہ
اگر لام نہ ہو تو اختصاص بھی ختم
ہو جائیگا اس لئے اول یعنی ترکیب
اضافی ثانی سے اتم ہے پس اختصاص
اختصاص دونوں برابر ہیں لیکن اکملیت کے اعتبار سے اختصاص حاصل بالاضافۃ اعلیٰ ہوگا۔ اب جاننا چاہیے کہ اس جگہ
شارح نے ای لمثل ہذین الترکیبین سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ له کی ضمیر مثل کی طرف راجع ہے تاکہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت
ہو جائے ہذین الترکیبین کی طرف راجع نہیں ورنہ عدم مطابقت کا اعتراض وارد ہو جائے گا ای ترکیب یشتمل الخ سے یہ ظاہر کیا ہے

(بقیہ صفحہ ۲۰۰) دار کی طرف درست نہیں ہوگی اور جب اب کی اضافت دار کی طرف درست نہیں ہوگی تو ترکیب لا ابا فیہا اس ترکیب
کے کیسے مشابہ ہو سکتی ہے؟ کہ جس میں اب کی اضافت صریح طور پر دار کی طرف ہو رہی ہو اور پھر یہ ترکیب لا ابا فیہا اصل معنے
میں اس ترکیب کے مشارک بھی ہو کہ جس میں اب دار کی طرف مضاف ہو رہا ہے حاصل یہ ہے کہ ترکیب لا ابا فیہا کو اس ترکیب
سے مشابہت دینا درست نہیں
کہ جس ترکیب میں اب کی اضافت
دار کی طرف ہو اس لئے کہ یہ ترکیب
جائز نہیں کیونکہ اس کا اختصاص
ایسا نہیں جیسا کہ اب اور ابن کے
درمیان ہوتا ہے پس جو ترکیب
سرے سے جائز ہی نہ ہو اس کے
ساتھ اصل معنی میں مشارکۃ کے باعث
تشبیہ دینا بھی جائز نہیں ہوگا اور
جب تشبیہ دینا جائز نہ ہوگا تو
ترکیب لا ابا فیہا بھی جائز نہیں ہوگی
کیونکہ جواز اس امر پر موقوف ہے
کہ غیر مضاف مضاف کے ساتھ
اس کے اصل معنی میں مشابہ ہو اس
جگہ شارح نے لم یجز کے بعد ترکیب
کا اس لئے اضافہ کیا ہے کہ لا ابا
فیہا جملہ ہے اور جملہ فاعل نہیں
ہوا کرتا اس لئے کہ فاعل اسم کی قسم سے
ہے پس ترکیب مضاف اپنے مضاف
الیہ سے مل کر لم یجز کا فاعل ہوگا
واللہ اعلم سلہ قولہ ولیس نحو یہ عبارت
مصنف ایک سوال مقدر کا جواب
ہے تقریر سوال کی یہ ہے کہ ترکیب
لا ابا لہ اور لا غلامی لہ کو اگر یہ کہا
جائے کہ ان میں اب اور غلامی معنی
کے اعتبار سے حقیقۃً مضاف ہیں
تو غلط نہیں اس لئے کہ ہو سکتا
ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ
کے درمیان تاکید کے لئے لام زائد
ہو جواب یہ ہے کہ مثل ان دونوں
ترکیبوں کو مضاف کے ساتھ تشبیہ
دی گئی ہے یہ مضاف حقیقی نہیں اس لئے کہ اگر یہ دونوں ترکیبیں اضافی ہوں تو فساد معنی لازم آتا ہے اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا
ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ مصنف کے کلام میں تناقض ہے اس لئے کہ قولہ ومثل لا ابا لہ الخ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترکیب لا ابا لہ ولا
غلامی لہ میں اضافت جائز ہے اس لئے کہ مشارکۃ معنی کے باعث غیر مضاف کو مضاف سے تشبیہ دی گئی ہے اور لیس بمضاف سے

تركيب لا ابا فيها اى فى الدار لعدم الاختصاص فان الاختصاص
(باثبات الالف ۱۲)
المفهوم من اضافة الاب الى شئ انما هو بابوته له وهذا الاختصاص غير
ثابت للاب بالنسبة الى الدار فلا تصح اضافته الى الدار فكيف يشبه
تركيب لا ابا فيها بتركيب يضاف فيه الاب الى الدار لمشاركته له فى
اصل معناه وليس اى مثل هذين التركيبين بمضاف حقيقة لفساد
المعنى المراد المفاد بهما على تقدير الاضافة وهو نفى ثبوت جنس الاب
(صفة بعد صفة للمعنى ۱۲ حن) (حقيقة ۱۲)
او الغلام لمرجع الضمير المجرور بالاستقلال من غير احتياج الى تقدير خبر

یہ لازم آتا ہے کہ ان میں اضافت جائز نہیں ورنہ فساد معنی لازم آئیگا پس مصنف کے قول میں تناقض
پیدا ہو گیا اس کا جواب شارح نے المراد المفاد بہما الخ سے یہ دیا کہ اس سے مطلق معنی فاسد نہیں
ہوتے کہ اعتراض مذکور لازم آئے بلکہ اضافہ کی وجہ سے وہ معنی فاسد ہوتے ہیں جو ان دونوں
ترکیبوں سے بلا اضافہ حاصل ہوں یعنی یہ کہ تقدیر خبر کی حاجت کے بغیر بالاستقلال مرجع ضمیر لہ
کیلئے ثبوت جنس اب وجنس غلام کی نفی ہو جائے یعنی جب لا ابا لہ کہا جائیگا بغیر تقدیر
اضافہ کے تو اس میں سوائے اس کے کہ لہ جار مجرور کا متعلق ضرور مقدر مانا جائیگا اس کے بغیر
چارہ ہی نہیں لا کی خبر محذوف ماننے کی کوئی حاجت نہیں ہوگی اور لہ کی ضمیر کا جو بھی مرجع ہو
مثلاً زید اس کے لئے جنس اب کی نفی بھی ہو جائے گی اور معنی یہ ہوں گے کہ جنس اب زید کیلئے
ثابت نہیں وعلی ہذا القیاس لا غلامی لہ ہے پس حاصل یہ ہوا کہ مصنف کے کلام میں کوئی تناقض
نہیں اس لئے کہ جیسا کہ قول اول ومثل لا ابا لہ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اضافت جائز
ہے قول ثانی ولیس بمضاف الخ سے اس جواز اضافت کی نفی نہیں ہوتی اس لئے کہ جواز
اضافت کی صورت میں مطلق فساد معنی لازم نہیں آئیگا کہ یہ اضافت ناجائز ہو بلکہ اس
صورت میں معنی صحیح ہوں گے اگرچہ یہ ہمارے مقصود کے خلاف ہوں گے البتہ چونکہ ہمارا
منشا ان معنی کے علاوہ ہے اور ان کے مضاف ہونے کی صورت میں (باقی بر صفحہ ۲۱۰)

(بقیہ صفحہ ۲۰۹) معنی مقصود فوت ہوجاتے ہیں اور ہمارا مدعا حاصل نہیں ہوتا لہذا ہم کہیں گے کہ یہ دونوں ترکیبیں حقیقۃً مضاف نہیں ہیں ورنہ فساد معنی مقصود لازم آئیگا اور اس میں کوئی تعارض نہیں واللہ اعلم سلے قولہ وہذا المعنی یفسد الخ یہاں سے شارح فساد معنی کی صورت بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ تقدیر اضافت کی بناء پر یہ معنی دو وجہوں سے فاسد ہوتے ہیں اولاً اس وجہ سے کہ تقدیر اضافت کی بناء پر ان دونوں ترکیبوں کے معنی لا اباہ اور لا غلامیہ کے ہوں گے اور یہ اس وقت تک تام نہیں ہو سکتے جب تک کہ خبر کو مقدر نہ مانیں ای لا اباہ موجودٌ ولا غلامیہ موجودان پس ان میں نخواہ مخواہ تقدیر خبر کی ضرورت پیش آئی اضافت کے باعث حالانکہ بلا اضافت کے تقدیر خبر کی احتیاج کے بغیر معنی تام ہو جاتے ہیں اس لئے کہ لہٗ لا کی خبر بن جاتا ہے اور ثانیاً یہ کہ لا اباہ لہٗ اور لا غلامی لہٗ کے اصل معنی یہ ہیں کہ مرجع ضمیر مثلاً زید کا کوئی باپ نہیں یعنی وہ ثابت النسب نہیں اور اس کے مطلقاً دو غلام نہیں اس لئے کہ جب نکرہ نفی کے تحت میں واقع ہوتا ہے تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے پس اس سے مثلاً زید کے لئے جنس اب اور جنس غلام کی نفی کا ثبوت ہوا لیکن جب دونوں ترکیبوں میں اضافت مانیں گے اور لا اباہ ولا غلامیہ کہیں گے تو اب معنی یہ ہوں گے کہ مثلاً زید کا باپ جو متکلم کے نزدیک معلوم الوجود ہے اب اس کے وجود کی نفی ہو رہی ہے یعنی وہ اب موجود نہیں اسی طرح زید کے دو غلام جو متکلم کے نزدیک معلوم الوجود ہیں وہ اب موجود نہیں ہیں (فروخت ہو گئے یا مر گئے یا فرار ہو گئے) اور ظاہر ہے کہ دونوں معنی ایکدوسرے سے ممتاز ہیں کہ معنیٔ اول سے مطلق جنس اب اور جنس غلامین کی زید کے لئے نفی ہو رہی ہے اور ثانی سے جنس اب اور جنس غلامین کی نفی نہیں بلکہ وجود کی نفی ہے اور یہ ہمارے مقصود کے خلاف ہے لہذا دونوں ترکیبوں میں اضافت نہیں مانی جائیگی نیز اضافت کی صورت میں ایک اور قباحت لازم آتی ہے اور وہ یہ کہ اضافت حقیقی میں لام کو حذف کر دیتے ہیں اور یہاں حذف نہیں کیا گیا نیز یہ کہ معرفہ کی طرف مضاف ہونے سے

وهذا المعنى[1] يَفسُد على تقدير الاضافة من وجهين اما اولاً فلان معنى هذين التركيبين على تقدير الاضافة حقيقة لا اباه ولا غلاميه وهذا لا يستتم الا بتقدير خبر اى لا اباه موجودٌ ولا غلاميه موجودان واما ثانياً فلان المراد نفى ثبوت جنس الاب او الغلامين له لا نفى الوجود عن ابيه المعلوم او غلاميه المعلومين خلافاً[2] لسيبويه والخليل وجمهور النحاة وانما خص سيبويه بهذا الخلاف لانه العمدة فيما بينهم اولان المقصود بيان الخلاف لا تعيين المخالفين فمذهب سيبويه والخليل وجمهور النحاة ان مثل هذا التركيب

اسم معرفہ ہوجاتا ہے پس اضافت کی صورت میں لا اباہ لہٗ اور لا غلامی لہٗ معرفہ ہو جائیں گے (یعنی اسم لا) اور یہ قاعدہ ابھی گزر چکا ہے کہ لا نفی جنس کا اسم جب معرفہ ہوتا ہے تو رفع اور تکرار لا مع اسم کے واجب ہوتی ہے حالانکہ نہ اس جگہ اسم لا مرفوع ہے نہ تکرار پس معلوم ہوا کہ یہ مضاف نہیں ہیں بلکہ ان پر مضاف کے احکام کے اجراء بایں وجہ ہے کہ یہ مضاف کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں واللہ اعلم سلے قولہ خلافاً الخ اس جگہ مصنف نے صرف سیبویہ کی تخصیص کی حالانکہ خلیل اور جمہور نحاۃ بصرہ مذہب مصنف کے اس بارے میں خلاف ہیں پس اس کی وجہ یہ ہے کہ سیبویہ ان سب میں مشہور اور نحاۃ بصرہ کے سردار و رئیس ہیں اور ان کے علاوہ سب ان کے اتباع پس ان کا ذکر کردینا جمہور کے ذکر کو مستلزم ہے نیز ایک وجہ یہ ہے کہ اس سے مقصود بیان خلاف ہے مخالفین کا تعین مدنظر نہیں اس لئے کہ جملہ مخالفین کا ذکر کرنا دشوار ہے پس ذکر واحد خصوصاً سردار کے ذکر سے مقصود حاصل ہو گیا پس سیبویہ خلیل اور جمہور نحاۃ کا مذہب یہ ہے کہ مثل ان دونوں ترکیبوں کے باعتبار معنی کے حقیقۃً مضاف ہیں اور مذکورہ بالا اعتراضات کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مضاف و مضاف الیہ کے درمیان لام کا لانا لام مقدرہ کی تاکید کیلئے ہے اور یہ لام لام اضافت نہیں لہذا یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ مضاف و مضاف الیہ کے درمیان بوقت اضافت لام نہیں آسکتا اور لام مقدرہ کی تاکید لام زائدہ سے اس وجہ سے لائی گئی تاکہ یہ (باقی برصفحہ ۲۱۱)

(بقیہ ...) معلوم ہو جاتا ہے کہ اس جگہ اضافت ... اللام ہے اور اضافت ... ہے کہ مضاف الیہ ... جنس مضاف سے ہو اور ...

کاظرف کما سیجیٔ اور تعریف و تکریر کا اعتراض اس طرح رفع ہو جاتا ہے کہ نحویوں کے نزدیک یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ وہ حب اس جیسے معرفہ کو

نکرہ کرتے ہیں تو لام محذوف کے عوض میں تاکید کے لئے دوسرا لام زائد کرتے ہیں پس مضاف اس لام کی وجہ سے بمنزلہ منفصل کے ہو جائیگا

کہ گویا کہ اس کی اضافت ہی نہیں ہوئی اگرچہ حقیقۃ میں مضاف ہے پس اس وقت لامنکر پر داخل ہو گا معرفہ پر نہیں لہذا حب اس

کا اسم معرفہ ہی نہیں ہو گا تو نہ تکریر لازم آئیگی اور نہ اسم لا کا رفع لیکن چونکہ شارح کے بیان کردہ دونوں اعتراض ابھی باقی ہیں یعنی تقدیر خبر کی ضرورت اور ثبوت جنس کی نفی کے بجائے وجود کی نفی لہذا مصنف کا ان دونوں ترکیبوں میں فساد معنی کا حکم اپنی جگہ پر بدستور باقی ہے واللہ اعلم ۱۲ **سلہ** قولہ ویحذف الخ اور مثل لا علیک سے اکثر اسم لا نفی جنس حذف کر دیا جاتا ہے تاکہ عموم کے معنی زیادہ ہو جائیں اور اس جگہ کمثل لا علیک سے ہر وہ ترکیب مراد ہے کہ جس میں لا نفی جنس کے اسم کے حذف پر کوئی قرینہ قائم ہو پس لا علیک اصل میں لا بأس علیک تھا چونکہ اس جگہ بأس کے حذف پر یہ قرینہ موجود ہے کہ لا حرف پر داخل ہو رہا ہے اور حرف پر اس کا داخل ہونا ممتنع ہے لہذا معلوم ہوا کہ اس جگہ سے اسم محذوف ہے پھر اسم لا نفی جنس کے حذف کے ساتھ شرط یہ ہے کہ اس کی خبر محذوف نہ ہو بلکہ مذکور ہو اسلئے کہ اگر اسم و خبر دونوں بکثرت محذوف ہونے لگیں گے تو لا نفی جنس بیکار رہ جائیگا اور نقصان کا باعث ہو گا پس حذف اسم کے لئے وجود خبر ضروری ہے اس جگہ اجحاف مصدر بتقدیم الجیم ہے جس کے معنی ہیں نقصان اور اذہاب کے

اسی سے اجحفتہ ای اذہبتہ ماخوذ ہے کذا فی الصحاح۔ اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ کہنا صحیح نہیں کہ حذف اسم کے لئے وجود خبر ضروری ہے اس لئے کہ لا نفی جنس کے اسم و خبر دونوں کا حذف کرنا جائز ہے جیسے لا کزید ہیں کہ یہاں نہ اسم ہے نہ خبر اس کا جواب شارح وقولہم لا کزید الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ مثال مذکور میں اسم و خبر دونوں کا بیک وقت حذف نہیں بلکہ یا تو اسم محذوف

مضاف حقیقۃ باعتبار المعنی واقحام اللام بین المضاف والمضاف

آوردن ۱۲

الیہ تاکید للام المقدرۃ وحکم المص بفسادہ لما عرفت ویحذف اسم

لا حذفا کثیرا فی مثل لا علیک ای لا بأس علیک ولا یحذف الا

مع وجود الخبر لئلا یکون اجحافا وقولہم لا کزید ان جعلنا الکاف

نقصان کردن ۱۲ · الاسم جیم · بتقدیم الجیم ۱۲ · جواب سوال مقدر ۱۲

اسما جاز ان یکون کزید اسما والخبر محذوفا ای لا مثلہ موجود وجاز ان یکون خبرا

ای لا احد مثل زید وان جعلناہ حرفا فالاسم محذوف ای لا احد کزید خبر ما ولا

والجار والمجرور خبر ۱۲

ہے فقط یا خبر صرف اس لئے کہ اگر ہم کزید کے کاف کو اسمیہ قرار دیتے ہیں تو کاف بمعنی مثل ہو گا پس کزید کا مثل زید کے معنی میں ہو کر لا کا اسم واقع ہونا جائز ہو گا اور خبر محذوف ہو گی یعنی موجود ای لا مثلہ موجود اور یہ بھی جائز ہے کہ زید لا کی خبر واقع ہو اور اس کا اسم محذوف ہو ای لا احد مثل زید اور اگر کاف کو اسمیہ نہیں لیتے بلکہ بحسب ظاہر حرف قرار دیتے ہیں تو لا نفی جنس کا اسم محذوف ہو گا اور کزید جار مجرور سے مل کر ظرف مستقر مرفوع محلاً ہو کر خبر واقع ہو گا پس بہر صورت حذف اسم و خبر معاً لازم نہیں آتا وہو المقصود۔ اب اگر کوئی کہے کہ وجود خبر کی شرط کو مصنف نے کیوں ذکر نہیں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے ذکر کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی اس لئے کہ فی مثل لا علیک اسی واسطے کہا تاکہ مثل سے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ مثل سے مراد حذف اسم لا کے ساتھ وجود خبر بھی ہے پس یہ مثال متممات قاعدہ سے ہے اور اس اعتراض کی یہاں کوئی گنجائش نہیں کہ مثال اتمام قاعدہ کے بعد ہوتی ہے کیونکہ مثال سے قاعدہ کی وضاحت مقصود ہوتی ہے اس لئے کہ ہم کہیں گے کہ اس جگہ مصنف نے مثال کو ذکر بھی نہیں کیا کہ اعتراض مذکور لازم آئے اور اس کے عدم ذکر پر دلیل یہ ہے کہ فی مثل لا علیک کہا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لا علیک کو اصل قاعدہ میں دخل ہے ورنہ اگر اس سے تمثیل مقصود ہوتی تو فی مثل کے بغیر مثال ذکر کی جاتی واللہ اعلم ۱۲ **سلہ** قولہ خبر ما ولا الخ یعنی ما و لا جو کہ معنی نفی اور جملہ اسمیہ پر داخل ہونے میں لیس کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں (کما مر فی المرفوعات) ان کی خبر منصوبات سے ہے اور ان کی خبر وہ ہے جو (باقی بر صفحہ ۲۱۲)

(بقیہ صلا ۲) ما یا لا کے دخول کے بعد مسند ہو اس میں بھی اعتراضات اور جوابات خبر کان واخواتہا کی طرح ہیں واللہ اعلم ۱۲ ے قولہ وہی ای
خبریتہ الخ اس جگہ شارح نے ای خبریتہ الخ سے ہی کا مرجع بیان کیا ہے یعنی اس کا مرجع خبریتہ ہے جو کہ خبر کے ضمن میں مستفاد ہوتا ہے
خبر کو اس لئے مرجع قرار نہیں دیا کہ ضمیر اور مرجع میں تذکیر و تانیث کے اعتبار سے مطابقت نہیں رہتی تھی پس مطلب یہ ہے کہ ما و لا
کی خبر کی خبریت اور اسی طرح ان کے
اسم کی اسمیت اہل حجاز کا لغت
ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ
مصنف نے لغۃ حجازیہ کے ساتھ
صرف خبر ما و لا کو کیوں خاص کیا
جبکہ ما و لا اسم میں بھی عمل کرتے
ہیں اور ان کے اسم کی اسمیت بھی
لغت حجازیہ ہے اس کا جواب
وخص الخبریۃ الخ سے شارح نے
یہ دیا کہ خبر کو ذکر کے ساتھ اس لئے
خاص کیا کہ ما و لا کا عمل کرنا اور
اسم و خبر کو اپنے لئے اسم و خبر بنانا
اسی وقت ظاہر ہو سکتا ہے جبکہ
خبر کا اعتبار کیا جائیگا اسلئے کہ اگر
خبر کا اعتبار نہیں کیا جائیگا تو اسم
کا ما و لا کا اسم واقع ہونا معلوم نہیں
ہو سکتا کیونکہ اسم خبر کے مقابلہ میں
ہے اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ اشیاء
اپنی ضد او رمقابل سے پہچانی
جاتی ہیں پس اعتبار خبر پر اعتبار
اسم موقوف ہے پس جب خبر کو
لغۃ حجازیہ کے ساتھ خاص کیا
تو اسم کا بھی لغت اہل حجاز سے
ہونا ثابت ہو گیا پس خبر کو ان
دونوں کی خبر قرار دینا اہل حجاز
کی لغت میں ہے، بنی تمیم ما و لا کے
عمل کے قائل نہیں بلکہ وہ یہ کہتے
ہیں کہ مبتدا و خبر ما و لا کے دخول کے
بعد بھی علی حالہ مبتدا و خبر ہی رہتے
ہیں پس ان کے نزدیک نہ مبتدا ما و
لا کا اسم کہلا ئیگی اور نہ خبر ان کی خبر
اور چونکہ قرآن کریم کا نزول لغت حجاز کے مطابق ہوا ہے اس لئے اس میں ما کو عمل دیا گیا ہے جیسے قولہ تعالیٰ (فی قصۃ یوسف علی
نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) ما ہذا بشراً (یہ انسان نہیں ہے) اور سورۂ مجادلہ میں ما ہن امہاتہم (وہ عورتیں ظہار کرنے والوں کی
مائیں نہیں ہیں) پس دونوں مثالوں میں ہذا اور ہن چونکہ مبنی ہیں اس لئے ان میں تو عمل کا اثر تقدیری ہے البتہ بشراً اور امہات

المشبہتین فی النفی والدخول علی الجملۃ الاسمیۃ بلیس ہو المسند
بعد دخولہما ای دخول ما و لا [ع] وہی [ل] ای خبریۃ خبر ما و لا لہما وکذا اسمیۃ اسمہما
لہما لغۃ [ت] حجازیۃ [ما] وخص الخبریۃ بالذکر لان اعمالہا وجعل اسمہما وخبرہما
اسماً وخبراً لہما انما یظہر باعتبار الخبر فجعل الخبر خبراً لہما انما ہو فی لغۃ اہل
الحجاز واما بنو تمیم فحیث لا یذہبون الی اعمالہما لا یجعلون الخبر خبراً
لہما ولا الاسم اسماً لہما بل ہما مبتدأ وخبر علی ما کانا علیہ قبل دخولہما
علیہما ولغۃ اہل الحجاز ہی التی جاء علیہا التنزیل قال اللہ تعالیٰ ما
ہٰذَا بَشَرًا وَمَا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ واذا زیدت [ے] اِن مع ما نحو ما اِن زید قائم

چونکہ معرب ہیں اس لئے دونوں ما کے عامل ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں امہات جمع مؤنث
سالم ہے اور اس کا اعراب حالت نصب میں کسرہ کے ساتھ ہوتا ہے پس اگر ما عامل نہ ہوتا
تو بشراً اور امہات کو مرفوع پڑھا جاتا ای ما ہذا بشرٌ وما ہن امہاتہم حالانکہ تمام قراء
دونوں کے نصب پر متفق ہیں واللہ اعلم ۱۲ ے قولہ واذا زیدت الخ اور جب لفظ اِن کلمہ ما
کے بعد زیادہ کیا جائے تو اس کا عمل باطل ہو جاتا ہے جیسے ما اِن زید قائم [ما] اور صرف ما
کے ذکر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ استعمال نحاۃ میں کلمہ اِن کا لا پر زیادہ کیا جانا درست نہیں پھر
بصریوں کے نزدیک یہ اِن زائدہ ہے مگر تاکید نفی کے لئے ہے اور کوفیین یہ کہتے ہیں کہ یہ زائدہ
نہیں بلکہ نافیہ ہے اور ما کی تاکید کے لئے ہے اس لئے کہ اگر اس کو زائدہ مانیں گے تو اس کا لغو
ہونا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں اور ہو کدہ اس لئے ہے کہ اگر اس کو بھی نفی کیلئے مانیں گے
تو قاعدہ ہے کہ نفی کی نفی اثبات کا فائدہ دیتی ہے پس اس کا اثبات لازم آئیگا اور یہ
بھی ناجائز ہے یا ما کی نفی الا کی وجہ سے منتقض ہو جائے جیسے ما زید الا قائم [ما] یا خبر اسم
پر مقدم ہو جیسے ما قائم [عا] زید [ما] تو ما کا عمل باطل ہو جاتا ہے یعنی جبکہ لفظ ما (باقی بر صلا ۲۱۳)

قیل انما اختصت ما بالذکر لانها لا تزاد مع لا فی استعمالهم وهی زائدة (لفظ ۱۲) (بالاستقراء ۱۲ عب)
عند البصریین ونافیة مؤکدة عند الکوفیین أو اذا انتقض النفی بالا نحو ما
زید الا قائم او تقدم الخبر علی الاسم نحو ما قائم زید بطل العمل ای عمل
ما اذا کان مع واحد من هذه الامور الثلثة: اما اذا زیدت ان فلان (لفظ ۱۲)
ما عامل ضعیف عمل لشبه لیس فلما فصل بینها وبین معمولها لم تعمل وما
اذا انتقض النفی بالا فلان عملها لمعنی النفی فلما انتقض بطل العمل واما
اذا تقدم الخبر فلتغیر الترتیب مع ضعفها فی العمل واذا عطف علیه
ای علی خبرهما بموجب بکسر الجیم ای بعاطف یفید الایجاب
بعد النفی وهو بل ولکن نحو ما زید مقیما بل مسافر وما عمرو قائما لکن قاعد (ای علی خبر ما ولا ۱۲)
فالرفع ای فحکم المعطوف الرفع لا غیر لکونهما بمنزلة الا فی نقض النفی

رفع واجب ہوگا اگرچہ معطوف علیہ منصوب یا بوجہ دخول باء زائدہ مجرور ہوگا اور وجہ وجوب رفع کی یہ ہے کہ معنی نفی عمل ما کا سبب تھے اور وہ اس حرف عطف موجب کے باعث باقی نہیں ہے پس بل ولکن بمنزلہ الا کے ہیں کہ جس طرح الا کے مابعد میں انتقاض نفی کے باعث ما و لا عمل نہیں کرتے اسی طرح ان دونوں کے حرفوں کے بعد بھی ما ولا عامل نہیں ہونگے اور یہ ظاہر ہے کہ ما ولا کا دخول جملہ اسمیہ یعنی مبتدا وخبر ہوتا ہے اور مبتدا کی خبر مرفوع ہوتی ہے پس ما ولا کے دخول کے بعد اگرچہ خبر منصوب ہوگئی مگر چونکہ جملہ اسمیہ بدستور موجود ہے اس لئے ان دونوں کی خبر محل رفع میں ہوگی پس معطوف کو محل رفع پر عطف کرتے ہوئے بنا بر اصل رفع دینا واجب ہوگا نہ کہ نصب اس جگہ قول مصنف بموجب بکسر الجیم ہے (باقی بر صـ۲۱۶)

(بقیہ صـ۲۱۳) امور ثلثہ میں سے کسی ایک امر کے ساتھ پایا جائے اس جگہ شارح نے العمل کی تفسیر ای عمل ما سے کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ العمل میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے یا عہد کے لئے ہے اور معہود ما ہے پس اس سے صرف ما کے عمل کا باطل ہونا مراد ہے نہ یہ کہ مطلق عمل باطل ہوجائے واللہ اعلم ۱۲ ۵ قولہ اما اذا زیدت الخ یہاں سے شارح صور مذکورہ میں ابطال عمل ما کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ ان کی زیادتی کی وجہ سے تو ما کا عمل اس لئے باطل ہوگا کہ ما عامل ضعیف ہے اس لئے کہ اس کا عمل لیس سے مشابہت کی وجہ سے ہے بذات خود نہیں پس جب ما اور اس کے معمول کے درمیان فاصلہ آجائیگا تو ما اپنے ضعف کے باعث عمل نہیں کرسکے گا اس لئے کہ اس کے عمل کے لئے اتصال شرط ہے اور جب نفی الا کی وجہ سے منتقض ہوجائیگی تو چونکہ اس کا عمل معنیٔ نفی کی وجہ سے تھا اس لئے معنیٔ نفی کے فقدان کے وقت اس کے عمل کی ضرورت ہی نہیں رہے گی پس اس کا عمل باطل ہوجائیگا ایسے ہی اگر خبر اسم پر مقدم ہوجائیگی تو ترتیب میں تغیر لازم آئیگا اور ترتیب اس کے عمل کے لئے شرط ہے تاکہ فرع اصل کے مرتبہ سے کم رہے ورنہ فرع اور اصل دونوں کا ایک مرتبہ میں ہونا لازم آئیگا اور یہ معنیٔ فرعیت اور تشبیہ کے بالکل خلاف ہے پس ترتیب میں اختلاف کے باعث ما عمل نہیں کرسکے گا نیز ترتیب کے اختلاف کے ساتھ ساتھ یہ بھی وجہ ہے کہ ما عامل ضعیف ہے پس خبر میں رفع واجب ہوگا جیسے ما قائم زید واللہ اعلم ۱۲ ۲ قولہ واذا عطف الخ علیہ کے مرجع میں شراح کا اختلاف ہے بعض اسکو خبر ما ولا دونوں کی طرف راجع کرتے ہیں اور بعض صرف خبر ما کی طرف مگر چونکہ بیان خبر ما ولا دونوں کا ہورہا ہے اس لئے شارح نے خبر ما ولا دونوں کی طرف ضمیر مجرور کو راجع کرتے ہوئے ای علی خبرہما کہا بہر حال مطلب یہ ہے کہ جب کسی اسم کا عطف ما ولا کی خبر پر علی سبیل التردید ایسے حرف عطف کے ذریعہ کیا جائے جو نفی کے بعد ایجاب واثبات کا فائدہ دے اور وہ حروف عطف موجب بل اور لکن ہیں اس لئے کہ یہ اپنے مابعد کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں جیسے ما زید مقیما بل مسافر وما عمرو قائما لکن قاعد تو معطوف میں

(بقیہ صـ۲۱۳) ہو کہ ایجاب بمعنی اثبات کا اسم فاعل ہے اور فالرفع کے بعد ای فحکم المعطوف الرفع سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جزا ہمیشہ جملہ ہوتی ہے محض الرفع کا جزا واقع ہونا درست نہیں کما مر سابقاً مرۃً بعد مرۃٍ واللہ اعلم ۲ تمت المنصوبات بعون اللہ و حسن توفیقہ ۵۱ قولہ المجرورات الخ اس کی ترکیب بعینہ وہی ہے جو المرفوعات اور المنصوبات کی ہے اور اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو المرفوعات کے ضمن میں گذر چکی کہ یہ مجرور کی جمع ہے یا مجرورۃ کی وغیرہ اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ المرفوعات اور المنصوبات میں تو جمع لانا درست تھا اس لئے کہ مرفوع اور منصوب بہت ہیں لیکن مجرور جو کہ صرف ایک ہے یعنی مضاف الیہ اس کے بیان میں المجرورات جمع لانا کیسے درست ہے؟ جواب یہ ہے کہ مجرور اگرچہ صرف ایک ہے مگر اس کے انواع متعدد ہیں اسلئے انواع کو ملحوظ رکھتے ہوئے المجرورات کہا واللہ اعلم ۵۲ قولہ ہو ما اشتمل الخ اس جگہ ہو ضمیر کا مرجع مجرور ہے جو کہ المجرورات کے ضمن میں پایا جاتا ہے تاکہ یہ اعتراض نہ وارد ہو کہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں اور ما سے حسب سابق اسم مراد ہے اس لئے کہ تمام گفتگو اسم ہی سے ہو رہی ہے پس تعریف یہ ہوئی کہ مجرور اس اسم کو کہتے ہیں جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو پس جب ما کی تفسیر ای اسم سے کی گئی تو اس سے وہ حروف اواخر خارج ہوگئے کہ جو محل اعراب ہیں اسلئے کہ حروف اواخر پر مرفوعات منصوبات اور مجرورات کا اصطلاحاً اطلاق نہیں کیا جاتا اس لئے کہ مرفوعات وغیرہ اسم کے اقسام سے ہیں اقسام حروف سے نہیں نیز اس کے ساتھ ساتھ حروف اول اور اوسط بھی خارج ہو جاتے ہیں مگر چونکہ اعراب کا اثر آخر میں آتا ہے اس لئے شارح نے الحروف الاواخر کو ذکر کر دیا اور اس عبارت کے متعلق جو سوالات وجوابات مرفوعات کے بیان میں گذر چکے وہی بعینہ یہاں بھی تصور کئے جائیں اور علم المضاف الیہ کی شرح ای علامۃ المضاف الیہ الخ سے کرکے شارح کا مقصود جس طرف اشارہ کرنا ہے وہ بھی مرفوعات کے شروع میں بیان ہو چکا

المجرورات

ہو ما اشتمل ای اسم اشتمل لتخرج الحروف الاواخر التی ہی محال الاعراب فانہ لایطلق علیہا المرفوعات والمنصوبات والمجرورات اصطلاحا لانہا اقسام الاسم علی علم المضاف الیہ ای علامۃ المضاف الیہ من حیث ہو مضاف الیہ یعنی الجر سواء کان بالکسرۃ او الفتحۃ او الیاء لفظاً او تقدیراً وانما قلنا من حیث ہو مضاف الیہ لان الجر لیس

ہے پس حاصل یہ ہوا کہ مجرور اس اسم کو کہتے ہیں جو مضاف الیہ کی علامت پر مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے مشتمل ہو اور مضاف الیہ کی علامت جر ہے خواہ وہ جر کسرہ کے ساتھ ہو جیسے غلامُ زیدٍ یا فتحہ کے ساتھ جیسے غلامُ احمدَ یا یاء کے ساتھ جیسے یا غلامُ اخی پھر اس میں بھی تعمیم ہے کہ یہ کسرہ یا فتحہ یا یاء لفظاً ہوں یا تقدیراً۔ لفظاً کی امثلہ ابھی بیان ہوئیں تقدیراً کی مثالیں یہ ہیں کسرہ تقدیری جیسے مررتُ بفتیً فتحہ تقدیری جیسے مررتُ باحمدَ۔ یاء تقدیری جیسے یا غلام ای یا غلامی واللہ اعلم ۵۳ قولہ وانما قلنا الخ یہاں سے شارح اپنی تفسیر علم المضاف میں قید من حیث ہو مضاف الیہ کے اضافہ کی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ ہم نے من حیث ہو مضاف الیہ اس وجہ سے کہا کہ جر ذات مضاف الیہ کے لئے علامت نہیں ہوتا اس لئے کہ اعراب مطلقاً علامۃ نہیں ہوا کرتا کہ اطلاق سے مراد ذات لی جائے بلکہ اعراب اس وقت علامت ہوتا ہے جبکہ لفظ میں معانی مقتضیہ میں سے کوئی معنے پائے جائیں اور ظاہر ہے کہ یہ معنی اسی حیثیت سے پائے جاتے ہیں کہ لفظ فاعلیۃ یا مفعولیۃ یا اضافۃ کے ساتھ متصف ہو پس اعراب بیان وصف کے لئے ہوگا نہ کہ ذات کے لئے پس جر مضاف الیہ کیلئے مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے علامت ہوگا۔ اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ علامت مضاف الیہ پر مشتمل صرف مضاف الیہ ہی ہو سکتی ہے نہ کہ غیر (باقی بر صـ۲۱۵)

(بقیہ صـ٢١٤) پس تعریف مجرور میں باللہ اور بحسبک کیسے داخل ہو سکتے ہیں حالانکہ یہ بھی مجرورات میں سے ہیں اسی طرح اضافۃ لفظیہ بھی
اس سے خارج ہوئی جاتی ہے اس لئے کہ اضافۃ لفظیہ میں مضاف الیہ داخل یا تو منصوب ہوتا ہے یا مرفوع پس اس کا جر کالعدم
ہے اس کا جواب شارح رحمہ اللہ والمضاف الیہ وان کان مختصا الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اگرچہ مصنف کی تعریف سے مضاف
الیہ صرف اسی میں محدود ہو گیا کہ
اس میں اضافۃ معنویہ پائی جائے
لیکن مشتمل علی علامۃ میں اس بات
کی گنجائش ہے کہ اس میں تعمیم کی جائے
اور یہ کہا جائے کہ اس سے مراد عام
ہے یعنی وہ خواہ اسم مضاف الیہ ہو
جیسا کہ تعریف مصنف سے ظاہر
ہوتا ہے یا وہ اسم مشابہ بمضاف الیہ
ہو یعنی مجرور ہونے کے اعتبار سے اس
اسم کی مضاف الیہ کے ساتھ مشابہت
ہو اگرچہ اس پر مضاف الیہ کا اطلاق
نہ کیا جائے پس تعریف مجرور اپنے تمام
افراد کو جامع ہو جائیگی اور اس میں مجرور
بحرف جر اور مضاف الیہ باضافۃ
لفظیہ داخل ہو جائیں گے جیسے بحسبک
درہمٌ وکفی باللہ اور ضاربُ زیدٍ ای
ضاربٌ زیداً حاصل یہ ہوا کہ مضاف
الیہ سے خاص کر مضاف الیہ ہی مراد
نہیں بلکہ اس میں باللہ وغیرہ بھی داخل
ہیں اب رہی یہ بات کہ اضافۃ لفظیہ
تعریف مضاف الیہ میں کیوں داخل
نہیں تو اس کا بیان عنقریب آئیگا
انشاء اللہ تعالیٰ واللہ اعلم ١٢ اسلـه
قولہ والمضاف الیہ الخ شروع میں تو
مجرورات کی تعریف تھی اب مضاف
الیہ کی تعریف بیان کرتے ہیں اس پر
ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی
تقریر یہ ہے کہ اس جگہ مصنف نے
تعریف مشہور سے عدول کر کے غلطی
کا ارتکاب کیا ہے اس لئے کہ یہ
ظاہر ہے کہ مجرور بواسطہ حرف جر لفظاً
مضاف الیہ نہیں ہوتا لہذا وہی تعریف صحیح ہو سکتی ہے کہ جس سے مجرور بواسطہ حرف جر لفظاً خارج ہو جائے اور وہ وہ ہے جو نحاۃ نے
کی ہے یعنی کل اسمٍ أضیف الیہ اسمٌ آخرُ بواسطۃ حرف الجر تقدیراً مراداً پس اس سے مجروراً بواسطہ حرف جر لفظی
خارج ہو جاتا ہے جیسے مررت بزیدٍ اس کا جواب وذہب فی ذلک الخ سے شارح نے یہ دیا کہ مصنف نے مذہب سیبویہ اختیار کیا ہے

علامۃ لذات المضاف الیہ بل لحیثیۃ کونہ مضافاً الیہ والمضاف الیہ
وان کان مختصاً بما عرّفہ بہ لکن المشتمل علی علامۃ اعم منہ ومما ہو مشبہ بہ
فیدخل فی تعریف المجرور مثل بحسبک درہم وکفی باللہ وکذا المضاف
الیہ بالاضافۃ اللفظیۃ وان لم یکن داخلا فی تعریفہ والمضاف الیہ
وہو ہہنا غیر ما ہو المصطلح المشہور بینہم وذہب فی ذلک الی مذہب
سیبویہ حیث اطلق المضاف الیہ علی المنسوب الیہ بحرف الجر لفظ
ایضا کل اسم حقیقۃ او حکما لیشمل الجمل التی یضاف الیہا نحو یوم
ینفع الصادقین صدقہم فانہا فی حکم المصادر نُسِبَ الیہ شیٔ

اس لئے کہ سیبویہ نے مضاف الیہ کا اطلاق منسوب الیہ بحرف جر لفظی پر بھی کیا ہے پس اس اختیار
کی وجہ یہ ہے کہ مصنف حق کی پیروی کرتے ہیں مطلقاً نحاۃ کی نہیں اور مصنف کے نزدیک حق یہ
ہے کہ مجرور بواسطہ حرف جر لفظی بھی تعریف مضاف الیہ میں داخل ہو اس لئے کہ اسمیں بھی نسبت پائی
جاتی ہے - **فائدہ** - ہو ما اشتمل علی علم المضاف الیہ کہنے سے اگرچہ مضاف الیہ کی تعریف سمجھ
میں آجاتی ہے مگر چونکہ مصنف کا منشاء تعریف میں انفرادیت ظاہر کرنے کا تھا اس لئے
اس کی علیحدہ تعریف بیان کر دی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ مصنف نے جمہور نحاۃ کا اتباع
نہیں کیا واللہ اعلم **٥٢ قولہ کل اسم الخ** مضاف الیہ ہر وہ اسم ہے کہ جس کی طرف کسی شئے کی
نسبت بواسطۂ حرف جر کی گئی ہو عام ازیں کہ وہ اسم حقیقۃً ہو یا حکماً حقیقۃً جیسے غلام
زید میں زید اور حکماً جیسے یوم ینفع الصادقین صدقہم ای یوم نفع الصادقین پس اس تعمیم
کی ضرورت اس لئے پیش آئی تاکہ تعریف ان جملوں کو بھی مشتمل ہو جائے کہ جو مضاف
الیہ ہوتے ہیں اس لئے کہ یہ جملے مصادر کے حکم میں ہوتے ہیں ورنہ ان کی جانب اضافۃ
صحیح نہیں ہو سکتی کما فی یوم ینفع الصدقین صدقہم پھر جس شئے کی (باقی بر صـ٢١٦)

(بقیہ صـ ٢١٥) نسبت کی جائے اس میں بھی تعمیم ہے کہ وہ شئے اسم ہو جیسے غلام زیدٍ کہ اس میں شئے منسوب یعنی غلام اسم ہے یا شئے منسوب
فعل ہو جیسے مررتُ بزیدٍ میں مررتُ پھر واسطۂ حرف میں بھی تعمیم ہے یعنی عام از یں کہ وہ حرف جر لفظوں میں ہو جیسے مررتُ بزیدٍ میں
بار جارہ یا مقدر ہو مگر من حیث العمل مراد ہو یعنی اس کا اثر لفظوں میں باقی ہو اور وہ اثر جر ہے جیسے غلام زیدٍ کہ یہ اصل میں غلام لزیدٍ تھا
پس یہاں لام مقدر ہے اور مراد
ہے اس لئے اس کا اثر لفظوں میں
باقی ہے علی ہذا القیاس خاتمُ فضةٍ
ای خاتمٌ من فضةٍ وضربُ
الیوم ای ضربٌ فی الیوم
بخلاف قمت یوم الجمعة کے
کہ اس میں اگرچہ یوم الجمعة کی طرف
قیام کی نسبت حرف جر مقدر یعنی
فی کے ساتھ ہے لیکن وہ حرف جر
مراد نہیں اسلئے کہ اگر وہ مراد ہوتا
تو اس کا اثر یعنی جر لفظوں میں ظاہر
ہوتا اور یہاں الیوم منصوب
ہے پس معلوم ہوا کہ یہ تعریف مضاف
الیہ سے خارج ہے اسی چیز کو مد نظر
رکھتے ہوئے شارح نے من حیث
العمل بابقاء اثرہ الخ کا اضافہ
فرمایا لہذا اب کوئی شخص یہ اعتراض
نہ کرے کہ تقدیراً کے بعد مراداً کی
قید کا اضافہ کرنا بیکار ہے اس لئے
کہ تقدیر کے معنی ہی یہ ہیں کہ لفظ
سے اسقاط ہو اور نیتہ میں ابقاء
پس جب حرف جر مقدر ہوگا تو نیتہ
میں ضرور باقی رہے گا پھر لفظاً
اور تقدیراً کی شرح ملفوظاً اور
مقدراً سے کرکے بدستور سابق اس
امر پر تنبیہ کی ہے کہ یہ بمعنی اسم مفعول
ہو کر کان محذوف کی خبر ہیں اور
بمعنی اسم مفعول ہونے کی وجہ یہ ہے
کہ خبر کا حمل اسم پر درست ہو جائے
کما مر کرات مرات پس تقدیر عبارت
یہ ہوگی سواءٌ کان الحرف ملفوظاً
او مقدراً اور قولہ مراداً کان محذوف کی خبر سے حال واقع ہے نیز ہو سکتا ہے کہ مراداً قولہ تقدیراً سے تمیز ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ
مراداً مقدراً کی صفت یا خبر بعد خبر ہو پس مراداً سے مفعول فیہ اور مفعول معہ خارج ہو جائیں گے اس لئے کہ ان دونوں میں حرف جر
کی تقدیر مراد نہیں ہوتی ورنہ وہ منصوب نہ ہوتے واللہ اعلم **ــه قولہ** فالتقدیر الخ التقدیر میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں

اسماً كان نحو غلامُ زيدٍ او فعلاً مثل مررت بزيدٍ بواسطة حرف الجر
لفظاً او تقديراً اى ملفوظاً كان ذلك الحرف كما فى مثل مررت
بزيدٍ او مقدراً حال كون ذلك المقدر مراداً من حيث العمل بابقاء
اثره و هو الجر مثل غلام زيد وخاتم فضة وضرب اليوم بخلاف قمت يوم
الجمعة فانه وان نسب اليه القيام بالحرف المقدر و هو فى لكنه غير
مراد اذ لو اريد لانجر به فالتقدير اى تقدير الحرف شرطه ان يكون
المضاف اسماً اذ لو كان فعلاً لابد من ان يتلفظ بالحرف نحو مررت
بزيد مجرداً اى منسلخاً عنه تنوينه او ما قام مقامه من نونى التثنية و
الجمع لاجلها اى لاجل الاضافة لان التنوين او النون دليل على تمام
ما هى فيه فلما ارادوا ان يمزجوا الكلمتين مزجاً تكتسب به الاولى من الثانية
اى بسبب المزج ١٢

ہے اس لئے شارح نے اس کی تفسیر ای تقدیر الحرف کے ساتھ کی اور مطلب اس عبارت کا یہ ہے
کہ وہ اضافت جو بتقدیر حرف جر ہوتی ہے اس کی شرط یہ ہے کہ مضاف ایسا اسم ہو کہ جو اضافت
کے باعث تنوین یا قائم مقام تنوین مثلاً نون تثنیہ و جمع سے خالی ہو اس جگہ مضاف کا اسم ہونا
اس وجہ سے ضروری ہے کہ مضاف ہونا اسم کا خاصہ ہے نہ کہ فعل کا پس اگر مضاف فعل یا متضمن
معنیٔ فعل کو ہوگا تو حرف جر کا تلفظ ضروری ہے اس لئے کہ اضافۂ فعل کے خواص میں سے
نہیں ہے کہ تقدیر حرف جائز ہو جیسے مررتُ بزیدٍ اور انا مارٌّ بزیدٍ اب رہا قولہ مجرداً تو اس پر ایک
اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مجرداً اسم مفعول ہے اور تنوینہٗ اس کا نائب فاعل پس مجرداً کا
اسناد تنوینہٗ کی طرف ہوا اور یہ جائز نہیں اس لئے کہ تنوین عارض ہے (باقی بر صـ ٢١٧)

(بقیہ صـ٢١٦) اور اصل شئی میں یہ ہے کہ معروض کی طرح مسند ہو نہ کہ عارض کی طرف پس مناسب یہ تھا کہ مجرداً کا اسناد کلمہ کی طرف کرتے ہوئے مجرداً ہو عن تنوینہ کہتے تاکہ شئی کا اسناد بنابر اصل معروض کی طرف ہو جاتا اس کا جواب شارح نے ای منسلخاً سے یہ دیا کہ اس جگہ مجرداً منسلخاً کے معنی میں ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے ای منسلخاً عنہ تنوینہ، یعنی مضاف سے تنوین سلب کر لی گئی ہو پس تجرید چونکہ انسلاخ کو مستلزم ہے اس لئے ملزوم یعنی تجرید بول کر لازم یعنی انسلاخ مراد لیا ہے پھر سوال پیدا ہوا کہ جس طرح مضاف کیلئے تنوین سے خالی ہونا ضروری ہے اسی طرح قائم مقام تنوین یعنی نون تثنیہ و جمع کیلئے بھی خالی ہونا ضروری ہے پس مصنف نے صرف تنوین کو ذکر کیا اور نون تثنیہ و جمع کو چھوڑ دیا اس کی کیا وجہ ہے ؟ جواب یہ ہے کہ تنوین اصل ہے اور نون تثنیہ و جمع اس کی فرع پس جب اصل کو ذکر کر دیا تو فرع خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے یا یہ کہہ لیا جائے کہ اس جگہ عبارت علی حذف المعطوف ہے جیسا کہ شارح نے او ما قام مقامہ سے اس طرف اشارہ کیا ہے لہذا اب کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اب رہا یہ امر کہ تقدیر حرف کے لئے مضاف کا تنوین سے خالی ہونا کس لئے ضروری ہے تو اس کا جواب شارح لان التنوین والنون الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ تنوین یا نون تثنیہ و جمع کلمہ کے تمام ہونے پر دلالت کرتے ہیں پس جب دو کلموں کو ملانے کی ضرورت داعی ہو اور اس اتصال سے مقصود یہ ہو کہ کلمۂ اولیٰ کلمۂ ثانیہ سے تعریف یا تخصیص یا تخفیف کا فائدہ حاصل کرے تو اول کلمہ سے اتمام کلمہ کی علامت کو حذف کرنا ضروری ہوگا ورنہ دونوں کلموں میں امتزاج پیدا نہیں ہوگا کہ دونوں کلمے مل کر بمنزلہ کلمۂ واحدہ کے ہو جائیں بلکہ انفصال پیدا ہو جائیگا اور یہ مقصود اضافہ کے خلاف ہے پس کلمۂ اولیٰ سے علامت اتمام کلمہ کو حذف کر کے کلمۂ ثانیہ کے ساتھ اس کو تام کر دیں گے اب اس جگہ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ جب کلمۂ اولیٰ تنوین یا اس کے قائم مقام کے ساتھ تام ہوتا ہے تو حذف تنوین یا قائم مقام او ما تمام شئی آخر کی کیا ضرورت ہے اس لئے کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ کلمۂ اولیٰ میں جب

التعریف[ع] او التخصیص او التخفیف حذفوا من الاولیٰ علامۃ تمام الکلمۃ وتمموھا بالثانیۃ [۵] ثم المتبادر من ھذا التعریف نظراً (جواب لما ١٢) الی کلام القوم حیث لیسوا قائلین بتقدیر حرف الجر فی الاضافۃ اللفظیۃ انہ (ای من قولہ نسب الیہ آہ ١٢) غیر شامل للمضاف الیہ بالاضافۃ اللفظیۃ لکن الظاھر من کلام المصـ فی المتن والصریح فی شرحہ (فی ھذا الکتاب ١٢) ان التقسیم الی الاضافۃ المعنویۃ واللفظیۃ انما ھو للاضافۃ بتقدیر حرف الجر لکنہ لم یبیّن تقدیر الحرف فیھا لا فی المتن و

تعریف یا تخصیص وغیرہ پیدا کرنا مقصود ہو تو یہ فائدہ بغیر حذف تنوین اور انضمام کلمۂ ثانیہ کے حاصل نہیں ہو سکتا پس کلمۂ ثانیہ اگر معرفہ ہوگا تو کلمۂ اولیٰ میں تعریف آئے گی اور نکرہ ہوگا تو اولیٰ میں تخصیص پیدا ہوگی اور تخفیف بہر صورت حاصل ہوتی ہے اس لئے حذف تنوین و حذف نون تثنیہ و جمع اور انضمام کلمۂ ثانیہ ضروری ہوا۔ اب اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تنوین اگر اضافہ کے علاوہ کسی اور سبب سے ساقط ہوگی مثلاً التقاء ساکنین دخول لام تعریف اور عدم انصراف وغیرہ کے باعث تو اس سے ہماری بحث نہیں کیونکہ ان مقامات میں حذف تنوین کا باب اضافہ سے کوئی تعلق نہیں واللہ اعلم [۵] قولہ ثم المتبادر الخ اس عبارت سے شارح ایک سوال کرکے اس کا جواب دینا چاہتے ہیں تقریر سوال معلوم کرنے سے پیشتر ضروری ہے کہ یہ معلوم کر لیا جائے کہ جمہور نحاۃ اس امر کے قائل ہیں کہ اضافت لفظیہ میں تقدیر حرف جر نہیں ہوتی نہ لفظاً اور نہ معنیً اب ہم قول جمہور نحاۃ کو سامنے رکھیں اور مصنف کی عبارت نُسِبَ الیہ شئی الخ کو دیکھیں تو اس تعریف سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ یہ تعریف مضاف الیہ باضافہ لفظیہ کو شامل نہیں اسلئے کہ اس میں حرف جر کا واسطہ نہیں ہوتا اور تعریف میں واسطہ حرف جر ملحوظ ہے پس اعتراض وارد ہوا کہ یہ تعریف جامع نہیں اس لئے کہ اس سے مضاف الیہ باضافہ لفظیہ خارج ہو جاتا ہے اب رہا یہ سوال کہ اضافہ لفظیہ میں تقدیر حرف جر کیوں نہیں ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں مضاف الیہ درحقیقت منصوب یا مرفوع ہوتا ہے اس لئے کہ یہ مفعول یا فاعل واقع ہوا کرتا ہے پس اس کو جر کی احتیاج نہیں اسی لئے اس اضافہ سے نہ تو تعریف کا فائدہ حاصل ہوتا ہے (باقی بر صـ٢١٨)

(بقیہ صک۲۱) نہ تخصیص کا حرف تخفیف مدنظر رہتی ہے پس اگر اضافۃ صفۃ کی مفعول کی طرف ہو جیسے ضاربُ زیدٍ تو زید درحقیقت مفعول بہٖ ہے
اور اس میں تقدیر حرف جر کی اس لئے ضرورت نہیں کہ ضارب متعدی بنفسہٖ ہے ہاں اگر یہ متعدی بنفسہٖ نہ ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ زید بتقدیر
حرف جر مجرور ہو کر بواسطہ حرف جر ضارب کا مفعول ہے ایسے ہی صفۃ کی اضافۃ فاعل کی طرف ہو جیسے الحسنُ الوجہ تو اس میں بعینہٖ وجہ کا
حمل حسن پر حمل ہو ہو کے قبیل سے ہے
اس لئے کہ دونوں لازم وملزوم ہیں
پس اس میں تقدیر حرف جر کے کوئی
معنی نہیں اس کا جواب لکن الظاہر
من کلام المصنف الخ سے شارح
نے یہ دیا کہ اگرچہ تعریف سے اضافۃ
لفظیہ کا شمول مضاف الیہ میں معلوم
نہیں ہوتا لیکن مصنف کے کلام
الی وہی معنویۃٌ ولفظیۃٌ میں ہی
ضمیر کے مرجع اور شرح کافیہ میں اپنے
قول مذکورہ کی شرح میں قولہٗ ہی
ای الاضافہ بتقدیر حرف الجر معنویۃٌ
ولفظیۃٌ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اضافۃ
معنویہ اور لفظیہ کی طرف تقسیم اضافۃ
بتقدیر حرف الجر کی ہے جس کا حاصل
یہ ہے کہ اضافۃ لفظیہ میں بھی تقدیر
حرف جر ہوتی ہے لیکن مصنف نے
اس میں تقدیر حرف کو بیان نہیں کیا
جیسا کہ اضافۃ معنویہ میں بیان کیا
ہے اور نہ اس کی شرح کافیہ میں اس
کا کچھ بیان ملتا ہے اور نہ اس کی تمام
مصنفات میں اس سے کچھ منقول
ہے پس اس سے یہ لازم نہیں آتا
کہ مصنف کی تعریف جامع نہیں
بلکہ جامع ہے اور اضافۃ لفظیہ
بھی اس میں داخل ہے واللہ اعلم
سلہ قولہٗ وقد تکلف الخ اس سے
شارح کا مقصود یہ ظاہر کرنا
ہے کہ اضافۃ لفظیہ میں واسطۂ
حرف جر کی کیا صورت ہے؟ پس
بعض نحاۃ نے کہا ہے کہ مثلاً
جب اسم فاعل کی اضافۃ اپنے مفعول کی طرف ہو جیسے ضاربُ زیدٍ تو اس کی تقدیر ضاربٌ لزیدٍ ہے اور اس میں لام کو عمل مضاف
کی تقویۃ کے لئے قرار دیتے ہیں نہ کہ تقدیر کے لئے اس لئے کہ ضارب متعدی بنفسہٖ ہے اس کو کسی صلہ کی احتیاج نہیں اب وہی یہ
بات کہ شارح نے اس کو تکلف کیوں کہا؟ حالانکہ اس سے تعریف کی جامعیت سمجھ میں آتی ہے اور مصنف الزام سے بچ جاتے

لا فی شرحہ ولم ینقل عنہ شیٔ فیہ من سائر مصنفاتہٖ وقد تکلف بعضہم
ای فی بیان تقدیر حرف الجر ۱۲
فی اضافۃ الصفۃ الی مفعولہا مثل ضاربُ زیدٍ بتقدیر اللام تقویۃً
للعمل ای ضاربٌ لزیدٍ وفی اضافتہا الی فاعلہا مثل الحسنُ الوجہ
بتقدیر من البیانیۃ فان ذکر الوجہ فی قولنا جاءنی زیدٌ الحسنُ الوجہ
وقیل لو توزع من البیانیۃ موقعہا ۱۲ عب
بمنزلۃ التمییز فان فی اسناد الحسن الی زیدٍ ابہاماً فانہ لا یعلم انہ ای شیٔ
منہ حسنٌ فاذا ذکر الوجہ فکأنہ قال من حیث الوجہ فان قلت ھذا

ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تقویۃ عمل کے لئے جو لام آیا کرتا ہے وہ زائدہ ہوتا ہے پس جب
یہ لام زائدہ ہوا تو اس کا فائدہ صرف اتنا ہوا کہ یہ اپنے ماقبل کو اپنے مابعد سے ربط دیدے
پس جب یہ ربط کیلئے ہوا تو مناسب یہ ہے کہ اس کو لفظوں میں ذکر کیا جائے نہ کہ مقدر رکھا
جائے پس اس کو مقدر کرنا تکلف نہیں تو کیا ہے؟ واللہ اعلم سلہ قولہ وفی اضافتہا الخ اس
کا عطف فی اضافۃ الصفۃ پر ہے اور یہ بھی قد تکلف کے تحت میں ہے اس کا مطلب یہ ہے
کہ جب مثلاً اسم فاعل کی اضافۃ اپنے فاعل کی طرف ہو جیسے الحسن الوجہ تو اس میں بعض
نحاۃ من بیانیہ مقدر مانتے ہیں اور من بیانیہ کی تقدیر کی یہ وجہ ہے کہ من بیانیہ تمیز کی
مانند ہوتا ہے پس جاءنی زیدٌ الحسنُ الوجہ میں الوجہ بمنزلہ تمیز کے ہے اس لئے کہ زید کی
طرف حسن کے اسناد کرنے میں ابہام پایا جاتا ہے کہ معلوم نہیں زید کس لحاظ سے خوبصورت
ہے پس جب اس وجہ کا ذکر کر دیا گیا تو گویا کہ یہ کہا گیا کہ زید اپنے چہرہ کے اعتبار سے خوبصورت
ہے پس یہاں من بیانیہ مقدر مانا جائے کہ من حیث الوجہ زید کے حسن ہونے کا بیان
ہو جائے اور اس کے تکلف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فاعل پر حرف جر داخل نہیں ہوا کرتا
لہٰذا الوجہ پر من بیانیہ داخل کرنا قاعدہ کے خلاف ہے واللہ اعلم سلہ قولہ فان قلت الخ
ابھی قریب ہی بتایا گیا تھا کہ اضافۃ لفظیہ سے حرف تخفیف کا فائدہ حاصل ہوتا ہے
تعریف اور تخصیص کا نہیں تو اب اس پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ اس جگہ الحسن الوجہ میں
اضافۃ لفظیہ سے تخصیص کا فائدہ حاصل ہو رہا ہے اس لئے کہ الحسنُ الوجہ (باقی بر صلہ۲۱۹)

(بقیہ صفحہ) احسن مبہم ہے کہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حسن کیا چیز ہے آیا چہرہ ہے یا پیٹ اور جب الوجہ ذکر کردیا گیا تو اس کے ... حسن
ہوگئی کہ احسن ہوا لوجہ لا غیرہ لہذا یہ کہنا درست نہیں کہ اضافۃ لفظیہ محض تخفیف فی اللفظ کا فائدہ دیتی ہے اس کا جواب قلنا کان
ہذا الخ سے شارح نے یہ دیا کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اس میں تخصیص کا فائدہ حاصل ہو رہا ہے اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ اس میں جو کچھ
بھی تخصیص ہے وہ اضافہ کے پیشتر
سے واقع ہے اس لئے کہ ہم نے
حسن الحسن وجہہ کہا تھا بلا اضافۃ
تو اس میں تخصیص پائی گئی تھی پس
جب اس میں اضافت لائی گئی
تو حذف ضمیر کے ساتھ تخفیف حاصل
ہوئی اگرچہ تخصیص اس میں موجود
ہے مگر یہ اس کے لئے مضر نہیں
کیونکہ پیشتر سے ہے پس اضافۃ سے
تخصیص کا فائدہ حاصل نہیں ہوا
سوائے اس کے کہ اس سے تخفیف
فی اللفظ ہوگئی واللہ اعلم لـه قولہ
وہی ای الاضافۃ الخ اس جگہ شارح
کو ای الاضافۃ بتقدیر حرف الجر کہنے
کی ضرورت پیش آئی کہ مررت بزید
پر اضافۃ کی تعریف صادق آتی ہے
مگر اس کو نہ اضافۃ معنویہ کہتے
ہیں نہ لفظیہ پس ضمیر ہی کا مرجع
اگر مطلق اضافۃ کو ٹھیراتے ہیں اور
مقسم اقسام میں معتبر ہوتا ہے تو یہ
درست نہیں ہوتا اس لئے کہ مطلق
اضافۃ کی تقسیم معنویہ اور لفظیہ کی
جانب صحیح نہیں ورنہ مررت بزید کو لیکر
معترض اعتراض کر سکتا ہے پس
شارح نے اپنی شرح سے بتا دیا کہ
یہ تقسیم مطلق اضافۃ کی نہیں بلکہ اضافۃ
بتقدیر حرف الجر کی ہے لہذا مررت
بزید والا اعتراض اس جگہ درست
نہیں پس کہتے ہیں کہ اضافۃ بتقدیر
حرف الجر کی دو قسمیں ہیں معنویہ اور
لفظیہ ۔ معنویہ کو معنویہ اس وجہ
سے کہتے ہیں کہ یہ منسوب الی المعنی ہوتی ہے اس لئے کہ اس سے معنوی ہی فائدہ حاصل ہوتا ہے یعنی یہ اضافت مضاف میں تعریف یا تخصیص
کا فائدہ دیتی ہے اس جگہ معنی فی المضاف میں معنی سے مراد وہ نہیں جو لفظ کا مدلول ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد معنی وصفی ہیں جو کہ معنی مدلول
لفظ کے غیر ہیں یعنی مدلول لفظ پر جو معنی زائد ہوں خواہ وہ معنی تعریف کے ہوں یا تخصیص کے پس اگر مضاف الیہ معرفہ ہوگا تو مضاف میں

في الحقيقة تخصيص فلا يصح ان الاضافة اللفظية لا تفيد الا تخفيفا
في اللفظ قلنا كان هذا التخصيص واقعا قبل الاضافة فلا يكون مما
تفيده الاضافة فليست فائدة الاضافة الا التخفيف في اللفظ و
هي اي الاضافة بتقدير حرف الجر معنوية[2] اي منسوبة الى المعنى لانها
تفيد معنىً في المضاف تعريفا او تخصيصا و لفظية اي منسوبة الى اللفظ
فقط دون المعنى لعدم سرايتها اليه فالمعنوية علامتها ان يكون المضاف
فيها غير صفة كاسم الفاعل والمفعول والصفة المشبهة مضافة الى

بھی تعریف آجائیگی اور نکرہ ہوگا تو تخصیص اور لفظیہ کو لفظیہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ صرف لفظ کی
طرف منسوب ہوتی ہے معنی کی طرف نہیں یعنی اس سے سوائے معنے اول کے کوئی معنی زائد حاصل
نہیں ہوتے کیونکہ یہ اضافت معنی میں سرایت نہیں کرتی یعنی اس کا فائدہ لفظ سے معنی کی طرف
سرایت نہیں کرتا واللہ اعلم ٢ه قولہ فالمعنویۃ الخ اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر
یہ ہے کہ قولہ المعنویۃ مبتدا ہے اور قولہ ان یکون الخ بتاویل مصدر یعنی بمعنے للکون ہو کر اس کی خبر اور
اصل خبر میں یہ ہے کہ وہ مبتدا پر محمول ہوا کرتی ہے اور اس جگہ اس کا حمل درست نہیں اس لئے
کہ اضافۃ لفظیہ کون المضاف غیر صفۃ الخ سے عبارت نہیں ہے بلکہ یہ اس نسبت سے عبارت
ہے جو بتقدیر حرف الجر ہو اور اس حرف جر کا اثر بھی باقی ہو اور مضاف اس میں غیر صفت ہو لہذا
مصنف کی تعریف مذکور درست نہیں شارح نے علامتہا سے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ اضافۃ
معنویہ کی تعریف نہیں ہے کہ ایراد مذکور وارد ہو بلکہ یہ اضافت معنویہ کی علامت ہے پس
قولہ ان یکون الخ بتاویل مصدر ہو کر مبتدا محذوف علامتہا کی خبر ہو گا پھر یہ جملہ اسمیہ المعنویۃ
کی خبر بنے گا اور فیہا کے اضافہ سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خبر جب جملہ ہوتی ہے تو
اس میں عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے پس اس جگہ عائد محذوف ہے پس اضافت معنویہ کی
علامت یہ ہوئی کہ اس میں مضاف غیر صفۃ ہو یعنی اسم فاعل ۔ اسم مفعول (باقی بر صفحہ ۲۲۰)

(بقیہ ص۲۱۹) اور صفت مشبہ نہ ہو اور اگر صفۃ ہو تو اپنے معمول یعنی فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہ ہو اس جگہ معمول سے مراد قبل الاضافۃ
ہے جیسا کہ شارح نے اس طرف اشارہ کیا ہے اس لئے کہ اگر یہ قید نہ لگائیں تو اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مضاف الیہ بھی تو مضاف کا معمول
ہوتا ہے اس لئے کہ مضاف کو عامل مضاف الیہ کہا جاتا ہے پس اگر اس میں معمول کی نفی ہوگی تو اضافۃ کا ہی تحقق نہیں ہوگا پس جب
قبل الاضافۃ کہدیا گیا تو اس سے
مطلق معمول کی نفی نہیں ہوتی بلکہ
اس سے وہ معمول خارج ہو جاتا
ہے جو اضافۃ سے پہلے معمول کہلاتا
ہے یعنی فاعل یا مفعول اور ظاہر
ہے کہ مضاف الیہ قبل الاضافۃ
معمول نہیں کہلاتا اب ایراد مذکور
لازم نہیں آئے گا پس اگر مضاف
غیر صفۃ ہو تو اس کی مثال یہ ہے
جیسے غلام زیدٍ اور صفۃ ہو لیکن
اپنے معمول کی طرف مضاف نہ
ہو بلکہ غیر کی طرف مضاف ہو تو
اس کی مثال یہ ہے جیسے مصارعُ
مصر اور کریم البلد کہ اس میں مصارع
(بمعنی پچھاڑنے والا پہلوان) اور
کریم (بمعنی سخی) صیغۂ صفۃ اسم فاعل
ہیں اور مصر اور البلد جو کہ مضاف
الیہ ہیں وہ ان کے معمول قبل الاضافۃ
نہیں بلکہ دونوں مصارع اور کریم
کے ظرف ہیں اس لئے کہ مصر اور
البلد کو اگر معمول قرار دیتے ہیں
تو یہ دونوں یا تو فاعل ہونگے یا
مفعول پس مفعول تو اس وجہ سے
نہیں کہ مفعول کے معنی ان پر صادق
نہیں آتے اور فاعل اس وجہ سے
نہیں کہ ظرف ہیں پس یہ کہنا صحیح
نہیں کہ پہلوان مصر یعنی شہر ہے کہ
فعل کی اسناد مصر کی طرف ہو اسی
طرح یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ فلاں
شخص شہر کو زیر کرنے والا ہے اسلئے
کہ یہ بھی صریح البطلان ہے علیٰ
ہذا القیاس کریم البلد میں پس ان دونوں کا غیر معمول کی طرف مضاف ہونا واضح ہو گیا پس مصنف کے غیر صفۃ مضاف الی معمولہا کہنے
سے ضاربُ زیدٍ اور حسن الوجہ خارج ہو گئے اس لئے کہ ان دونوں میں صفۃ کی اضافۃ اپنے معمول قبل الاضافۃ کی طرف ہے یعنی اول میں
اضافۃ مفعول کی طرف ہے اور ثانی میں فاعل کی طرف۔ واللہ اعلم ۱۲ اسلہ قولہ وہی ای الاضافۃ الخ اب یہاں سے مصنف اضافۃ م

معمولہا فاعلہا او مفعولہا قبل الاضافۃ سواء لم یکن صفۃً کغلام زیدٍ او
کان صفۃ ولکن غیر مضافۃٍ الی معمولہا بل الی غیرہ کمصارع مصرٍ وکریم
البلد واحترز بہ عن نحو ضارب زیدٍ وحسن الوجہ (پہلوان ۱۲) وہی ای الاضافۃ
المعنویۃ بحکم الاستقراء (ای بقولہ غیر آہ ۱۲) اما بمعنی اللام فیما ای فی المضاف الیہ
عدا جنس المضاف وظرفہ ای لایکون صادقاً علی المضاف
وغیرہ ولا ظرفاً لہ نحو غلام زیدٍ فان زیداً لیس جنساً للغلام صادقاً
علیہ ولا ظرفہ فاضافۃ الغلام الیہ بمعنی اللام ای غلام لزید

معنویہ کے اقسام کو بیان فرما رہے ہیں شارح نے ہی کی تفسیر سے اس کا مرجع بیان کیا ہے
اور بحکم الاستقراء سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اضافۃ معنویہ کا تین قسموں میں منحصر ہونا
دلیل و استقراء سے ثابت ہے اس لئے کہ مضاف الیہ اگر جنس مضاف سے ہوگا تو اضافۃ بمعنی
من بیانیہ ہے اور اگر مضاف الیہ مضاف کا ظرف ہو تو اضافت بمعنی فی ہے اور اگر دونوں میں
سے کوئی بات نہ ہو تو اضافۃ بمعنی اللام ہے اب رہی یہ بات کہ مصنف نے دلیل حصر کو کیوں
نہیں بیان کیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اضافۃ معنویہ میں اصل یہ ہے کہ بمعنی اللام ہو پھر بمعنی
من بیانیہ پھر بمعنی فی پس اس ترتیب کو مدنظر رکھنے کے باعث مصنف نے دلیل حصر بیان نہیں
کی کیونکہ وجہ حصر سے یہ ترتیب مستفاد نہیں ہو سکتی تھی پس اضافت معنوی یا بمعنے اللام ہے
اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ مضاف الیہ جنس مضاف کا غیر ہو اور مضاف کا ظرف بھی نہ
ہو جیسے غلام زیدٍ کہ اس میں زید جنس غلام سے نہیں کہ مضاف پر صادق آئے اور نہ زید غلام
کا ظرف ہے پس غلام کی اضافۃ زید کی طرف بمعنی اللام ہوئی ای غلامٌ لزیدٍ اب رہی یہ
بات کہ شارح نے ای لایکون صادقاً علی المضاف الخ کا اضافہ کس لئے کیا؟ تو اس سے
اس اعتراض کا دفعیہ مقصود ہے کہ زید غلام کی جنس سے ہے اس لئے کہ دونوں حیوان
ناطق ہیں پس اضافۃ بمعنے اللام نہ ہونی چاہیئے جواب سے ظاہر ہو گیا کہ جنس (باقی بر ص۲۲۱)

(بقیہ ...) مضاف کے نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مضاف الیہ مضاف پر صادق نہ آئے اور ظاہر ہے کہ مثال مذکور میں زید غلام پر صادق نہیں آتا واللہ اعلم ۵۱ قولہ واما بمعنی من الخ اور یا اضافۃ معنویہ بمعنی من بیانیہ ہوگی اس جگہ شارح نے البیانیۃ کا اضافہ کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ من سے مراد اس جگہ حرف نہیں بلکہ عَلَم ہے تاکہ من کا عطف اللام پر صحیح ہو جائے کیونکہ اللام مضاف الیہ اور اسم ہے لہذا معطوف کا بھی اسم ہونا ضروری ہے بہر حال اگر مضاف الیہ جنس مضاف سے ہو اور وہ مضاف و غیر مضاف دونوں پر صادق آسکے تو اضافہ بیانیہ ہوگی جیسے خاتم فضۃ کہ اس میں مضاف الیہ یعنی فضۃ مضاف یعنی خاتم پر بھی صادق آتا ہے اور غیر خاتم پر بھی مثلاً زیور وغیرہ لہذا اس اضافہ معنویہ کو بیانیہ سے تعبیر کریں گے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ احد الیوم پر اضافہ بیانیہ کی یہ تعریف صادق آتی ہے اس لئے کہ الیوم جس طرح احد پر صادق آتا ہے جو کہ مضاف ہے اسی طرح غیر احد پر بھی دیگر ایام پر صادق آتا ہے لہذا اس میں اضافۃ بیانیہ ہونی چاہیے حالانکہ یہ اضافۃ ممتنع ہے جیسا کہ ابھی آتا ہے الشرح لہذا اس کا جواب دینے کیلئے شارح نے بشرط ان یکون المضاف الخ کا اضافہ فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ اضافۃ بیانیہ کیلئے صرف یہی قدر کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ مضاف بھی غیر مضاف الیہ پر صادق آسکے جیسے خاتم فضۃ کہ اس میں مضاف یعنی خاتم غیر مضاف الیہ پر بھی صادق آسکتا ہے جیسا کہ مثلاً خاتم سونے یا کسی اور دھات کی ہو پس ان دونوں کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبۃ ہوگی جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس میں مضاف و مضاف الیہ کے درمیان تین مادے نکالے جائیں گے ایک اجتماع کا اور دو افتراق کے مادہ اجتماعیہ تو یہ ہوگا کہ بعض خاتم فضہ کی بنی ہوئی ہوں پس اس میں موضوع و محمول دونوں جمع ہیں اور افتراقیہ مادے یہ ہونگے کہ بعض خاتم فضہ سے نہ بنی ہوں یا بعض فضہ خاتم نہ ہوں پس اس میں موضوع و محمول دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں اب رہا احد الیوم کا معاملہ تو ظاہر ہے کہ اس میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبۃ نہیں بلکہ اعم مطلق ہے لہذا اس کو لیکر اعتراض نہیں

وَاِمَّا بمعنیٰ[۵۱] مِن البیانیۃ فی جنس[۵۲] المضاف الصادق علیہ و علی غیرہ بشرط ان یکون المضاف ایضا صادقا علی غیر المضاف الیہ فیکون بینہما عموم (ای کالمضاف الیہ ۱۲)

وخصوص من وجہ وَاِمَّا بمعنیٰ[۵۲] فی فی ظرفہ ای ظرف المضاف وَالحاصل[۵۳] ان المضاف الیہ اما مباین للمضاف وح ان کان ظرفا لہ

فالاضافۃ بمعنی فی والا فہی بمعنی اللام وَاِمَّا[۵۴] مساو لہ کلیث اسد و اِمَّا[۵۵] (ای وان لم یکن ظرفا للمضاف ۱۲)

اعم مطلقا کاحد الیوم فالاضافۃ علی التقدیرین ممتنعۃ وَاِمَّا[۵۶] اخص (یکشنبہ ۱۲)

کر سکتے واللہ اعلم ۵۲ قولہ واما بمعنی فی الخ یا اضافۃ بمعنی فی ہوگی جبکہ مضاف الیہ مضاف کا ظرف ہو جیسے ضرب الیوم کہ اس میں الیوم مضاف الیہ ضرب مضاف کا ظرف ہے کیونکہ ضرب یوم میں واقع ہوئی ہے واللہ اعلم ۵۳ قولہ والحاصل الخ اس عبارت سے شارح عبارت مصنف کا حاصل نہیں بلکہ بیان اضافۃ کا حاصل بیان کرنا اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان تینوں اضافتوں میں مضاف و مضاف الیہ کے درمیان نسب اربعہ میں سے کون کون سی نسبتیں پائی جاتی ہیں پس کہتے ہیں کہ مضاف الیہ اگر مضاف کے مباین ہو یعنی دونوں میں نسبت تباین ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں مضاف الیہ مضاف کا ظرف ہوگا یا نہ ہوگا اگر ظرف ہوگا تو اضافۃ بمعنی فی ہے ورنہ بمعنی اللام اور اگر دونوں کے درمیان نسبت تساوی یا اعم مطلق پائی جائے تو دونوں صورتوں میں اضافۃ ممتنع ہوگی صورت اولی میں تو اس وجہ سے کہ اس اضافۃ سے نہ تو تعریف کا فائدہ حاصل ہوگا نہ تخصیص کا کیونکہ اس میں مضاف الیہ کا ذکر کرنا عبث ہے اس لئے کہ مثلاً جب مررت بالاسد کہا تو اس سے سامع کو پورا فائدہ حاصل ہو گیا پس اگر اس کے بجائے مررت بلیث اسد یا مررت باسد لیث کہیں گے تو اس سے مزید کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا پس اضافت لایعنی ثابت ہوگی لہذا یہ ممتنع ہوگی حالانکہ اضافۃ معنویہ سے تعریف و تخصیص مدنظر ہوتی ہے پس جب بھی فائدہ حاصل نہ ہوا تو اضافت بیکار ہوگی لہذا یہ ممتنع ہوگی تو یہ صورت ہی تساوی کی اسی طرح صورت ثانیہ اعم مطلق میں جیسے احد الیوم کہ جب ایام کا شمار ہو رہا ہو اور اس وقت صرف احد کہہ دیا جائے تو اس سے سامع سمجھ لیگا کہ یکشنبہ مراد ہے پس اگر اس میں الیوم مضاف الیہ کا اضافہ کر دیا جائے (باقی بر صفحہ ۲۲۶)

مطلقاً کیوم الاحد و علم الفقہ و شجر الاراک (درخت پیلو ۱۲) فالاضافۃ ایضاً بمعنی اللام

واما اخص من وجہ فان کان المضاف الیہ اصلاً للمضاف فالاضافۃ

بمعنی من والا فہی ایضاً بمعنے اللام فاضافۃ خاتم الی فضۃ بیانیۃ

واضافۃ فضۃ الی خاتم بمعنی اللام کما یقال فضۃ خاتمک خیر من فضۃ

خاتمی واعلم انہ لا یلزم فیما ہو بمعنی اللام ان یصح التصریح بہا بل یکفی افادۃ

نہ ہو مضاف کے واسطے تو اضافۃ بمعنی اللام ہوگی اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مضاف و مضاف الیہ کے درمیان نسبت عموم و خصوص من وجہ ہو تو اس میں اضافۃ بمعنی من ہوگی پس اس جگہ شارح کو اس تفصیل کی کیا ضرورت پیش آئی کہ مضاف الیہ مضاف کے واسطے اصل ہو تو اضافۃ بمعنی من ہے ورنہ بمعنی اللام اس کا جواب یہ ہے کہ شارح نے دراصل نحاۃ پر اعتراض کیا ہے کہ عموم و خصوص من وجہ کی نسبت میں مضاف و مضاف الیہ کے درمیان اضافۃ بمعنے من کہنا مطلقاً صحیح نہیں اس لئے کہ اگر خاتم فضۃ کا عکس کر کے فضۃ خاتم کہیں تو اس میں اضافۃ بمعنی من نہیں ہو سکتی اس لئے کہ مضاف الیہ اس جگہ مضاف کو بوجہ اتم بیان نہیں کر رہا کیونکہ مضاف الیہ اصل نہیں ہے مضاف کے لئے نیز اضافت بمعنی من میں ضروری ہوتا ہے کہ اسم مجرور یعنی مضاف الیہ کا اطلاق مضاف پر ہو سکے اور یہاں مطلقاً یہ اطلاق درست نہیں ہوتا لہذا ضروری ہے کہ اس میں اصل اور غیر اصل کی قید لگائی جائے پس شارح نے اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے مضاف و مضاف الیہ کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت کے بارے میں تعمیم کردی کہ مضاف الیہ مضاف کیواسطے اصل ہوگا تو اضافۃ بمعنی من ہے ورنہ بمعنی اللام پس خاتم کی اضافۃ فضۃ کی طرف بیانیہ ہوگی اس لئے کہ فضۃ خاتم کے لئے اصل ہے اور فضۃ کی اضافت خاتم کی طرف بمعنی اللام (اس لئے کہ مضاف الیہ مضاف کے واسطے اصل نہیں) جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فضۃ خاتمک خیر من فضۃ خاتمی تیری انگشتری کی چاندی میری انگشتری کی چاندی سے بہتر ہے واللہ اعلم ۔ ۱ قولہ واعلم انہ الخ اب شارح ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ اضافۃ بمعنی اللام کے متعلق ہے سوال یہ ہے کہ اضافۃ بمعنی اللام وہاں توصیح ہے جہاں اظہار لام درست ہو اور علم الفقہ یوم الاحد اور شجر الاراک میں اظہار لام درست نہیں (باقی بر صـ۲۲۷)

(بقیہ صـ۲۲۱) تو یہ بیکار محض بھی ہوگا کیونکہ صرف احد سے ہی وہ فائدہ حاصل ہو گیا جو احد الیوم سے مقصود ہے اور اضافۃ خاص کی عام کی طرف بھی لازم آئیگی جو کہ ناجائز ہے اس لئے کہ اس صورت میں بھی تعریف یا تخصیص کا فائدہ حاصل نہیں ہوگا لہذا عدم افادہ کے باعث یہ بھی ممتنع ہے یہ صورت ہے مضاف الیہ کے اعم مطلق ہونے کی اس میں الیوم عام ہے احد اور غیر احد ہر ایک یوم پر صادق آتا ہے اور احد خاص کہ صرف یکشنبہ پر صادق آتا ہے غیر پر نہیں پس اس میں دو مادے نکلیں گے ایک افتراقیہ اور ایک اجتماعیہ ۔ اجتماعیہ تو یہ ہے کہ ہر احد (جبکہ ایام کا تذکرہ ہو) یوم ضرور ہوگا اور افتراقیہ یہ ہے کہ بعض یوم احد نہیں ہوتے پس پہلا قضیہ موجبہ کلیہ ہوگا یعنی کل احدٍ یومٌ اور قضیہ ثانیہ سالبہ جزئیہ یعنی بعض الیوم لیس باحد اور اگر مضاف الیہ اخص مطلق ہو یعنی احد الیوم کا عکس ہو جیسے یوم الاحد ۔ علم الفقہ اور شجر الاراک تو اس وقت بھی ان مینوں میں اضافۃ بمعنی اللام ہوگی اسلئے کہ جب مضاف الیہ اخص مطلق ہو گیا کہ مضاف کا اس پر ہر وقت صادق آنا ضروری نہیں مثلاً علم نحو اور فقہ نہ ہو بلکہ حرف و لغت وغیرہ ہو تو یہ بمنزلہ مباین مضاف کے ہو گیا لہذا اس میں بھی اضافت بمعنی اللام ہوگی ان تینوں مثالوں میں بھی دو دو مادے نکلیں گے ایک اجتماعیہ اور دوسرا افتراقیہ اجتماعیہ تو یہی ہے کہ احد ۔ فقہ اور اراک کے لئے یوم ۔ علم اور شجر ہونا ضروری ہے اور افتراقیہ یہ کہ یوم علم اور شجر کے لئے احد ۔ فقہ اور اراک ہونا ضروری نہیں اراک پیلو کے درخت کو کہتے ہیں جس سے مسواک بنائی جاتی ہے اب رہی یہ بات کہ اگر مضاف الیہ اخص من وجہٍ ہو یعنی مضاف و مضاف الیہ میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت پائی جائے تو اس کے متعلق شارح کہتے ہیں کہ اس کی دو صورتیں ہیں مضاف الیہ مضاف کے واسطے اصل ہوگا یا نہیں اگر اصل ہوگا تو اضافۃ بمعنی من بیانیہ ہوگی اس لئے کہ مضاف الیہ مضاف کو بیان کریگا کیونکہ وہ اس کی جنس اور اصل ہے پس اس کے لئے من بیانیہ مناسب ہے کیونکہ یہ بھی بیان کے لئے آتا ہے اور اگر مضاف الیہ اصل

(بقیہ حاشیہ ۲۲۲) پس ان میں اضافۃ بمعنی اللام کیسے ہو سکتی ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ اضافۃ بمعنی اللام میں یہی ضروری نہیں کہ لام کی تصریح صحیح ہو بلکہ اس اضافۃ سے مقصود تخصیص مضاف الیہ بالمضاف ہوتا ہے پس جب یہ فائدہ تخصیص جو کہ مدلول لام ہے بغیر اظہار لام کے بھی حاصل ہو جاتا ہے تو یہی کافی ہے اور اظہار لام کی ضرورت نہیں پس یوم الاحد علم الفقہ اور شجر الاراک بمعنی اللام ہیں اس لئے کہ مضاف الیہ کی تخصیص مضاف کے ساتھ ہو رہی ہے اور یہ فائدہ لام کر حاصل ہوتا ہے پس اضافۃ لامیہ کے لئے یہی قدر کافی ہے اور ان میں اظہار لام صحیح نہیں اور اسی امر کو پیش نظر رکھتے ہوئے مصنف نے بمعنی اللام کہا ہے بتقدیر اللام نہیں کہا اس لئے کہ اگر بتقدیر اللام کہتا تو اعتراض مذکور لازم آتا ہے اس لئے کہ امثلہ مذکورہ میں تقدیر لام جائز نہیں واللہ اعلم

لہ قولہ: وبہذا الاصل الخ اس جگہ اصل بمعنی ضابطہ اور قاعدہ ہے یعنی جب یہ بیان کر دیا گیا کہ اضافۃ لامیہ میں افادۂ اختصاص ہی کافی ہے اظہار لام ضروری نہیں، تو اس قاعدہ سے بہت سے اعتراضات خود بخود مرتفع ہو گئے جو اضافۃ لامیہ کے بہت سے مواد پر واقع ہوتے تھے مثلاً علم الفقہ وغیرہ پر اور اس اصل کے ہوتے ہوئے تکلفات بعیدہ کی بھی احتیاج نہیں رہی مثل کل رجل وکل واحد کے تفصیل اس مقام کی یہ ہے کہ جس طرح علم الفقہ شجر الاراک وغیرہ پر اعتراض وارد ہوتا تھا اسی طرح کل رجل اور کل واحد پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ان میں اضافت بمعنی اللام ہے مگر اظہار لام ان میں درست نہیں اس لئے کہ کل احاطۂ افراد کے لئے آتا ہے پس بغیر اظہار لام کی صورت میں اس کے معنے ہوا الکل الذی خصوصیتہ برجل کے ہونگے بایں طور کہ رجل اس کل کا ایک فرد ہے اور یہی معنی کل لرجل اظہار لام کی صورت میں ہیں پس اس میں اظہار لام بے فائدہ ہونے کے باعث ممتنع ہوگا نیز یہ کہ کل ہو لازمۃ الاضافۃ سے ہے جیسا کہ عند لدی اور دون وغیرہ ہیں پس اگر اس کے بعد لام ظاہر کریں گے اور کل لرجل یا کل لواحد کہیں گے تو امر لازمۃ الاضافۃ کی اضافۃ کا سلب لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے لہذا ان میں اضافۃ لامیہ کیسے درست ہو گی جبکہ

الاختصاص الذی ہو مدلول اللام فقولک[ع] یوم الاحد وعلم الفقہ وشجر الاراک بمعنی اللام ولا یصح اظہار اللام فیہ ولہذا قال المصنف رح بمعنی اللام ولم یقل بتقدیر اللام وبہذا[لہ] الاصل (القاعدۃ ۱۲) یرتفع الاشکال عن کثیر من مواد الاضافۃ اللامیۃ ولا یحتاج (نہ حاجت شود ۱۲) فیہ الی التکلفات البعیدۃ مثل (وذلک مثل ما قال الفاضل الہندی ۱۲) کل رجل وکل واحد وہو[لہ] ای کون الاضافۃ بمعنی فی قلیل

اظہار لام ہی جائز نہیں تو بعض شارحین نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا تھا کہ ان تمام امثلہ میں مثل علم الفقہ۔ یوم الاحد اور شجر الاراک کے، اظہار لام صحیح ہے بایں طور کہ کل رجل میں کل فرد لرجل ای کل فرد ثابت لرجل کہا جائے یعنی کل چونکہ لازمۃ الاضافۃ ہے اور اظہار لام سے فک اضافت لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے لہذا اس میں تاویل کریں گے کہ کل سے مراد جزئیات یا افراد لیں گے پھر اظہار لام کریں گے جیسے کل فرد لرجل پس اسی تاویل کی بناء پر اظہار لام درست ہو جائیگا علی ہذا القیاس علم الفقہ یوم الاحد اور شجر الاراک میں اظہار لام کے لئے بالترتیب حسب ذیل تاویل سے کام لیں گے یوم مخصوص للاحد اور یہ اس قبیل سے ہوگا کہ مسمی کی اضافت اسم کی طرف کی جائے اس لئے کہ احد ایام ہفتہ میں سے ایک یوم کا نام ہے پس یوم مسمی ہوا اور احد اسم پس یوم کی اضافت اس کے اسم احد کی طرف کر کے اس کے ساتھ یوم کو خاص کر دیا گیا اور علم الفقہ میں علم مخصوص للفقہ کہیں گے اس اعتبار سے کہ فقہ علم کا جزء ہے پس بعلاقہ جزئیۃ کل کی اضافت جزء کی طرف کر کے کل کو جزء کے ساتھ خاص کر دیا گیا اور اسی پر شجر الاراک کو قیاس کر لیا جائے ای شجر مخصوص للاراک۔ پس شارح ان تمام تکلفات کے رد میں کہتے ہیں کہ اظہار لام ضروری نہیں افادہ تخصیص کافی ہے جیسا کہ مصنف نے بمعنی اللام سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے اور کل رجل وکل واحد میں بھی یہی جواب جاری ہوگا اور تمام امثلہ میں تاویل مذکور کا از قبیل تکلف ہونا ظاہر ہے کہ اظہار لام مدخول مضاف میں ہونا چاہیے نہ کہ شئی آخر میں مثلاً علم مخصوص للفقہ جب کہا گیا تو علم کا مدخول مخصوص ہوا نہ کہ الفقہ پس الفقہ شئی آخر ہو گیا اسی طرح کل فرد لرجل میں کل کا مدخول فرد ہوا نہ کہ رجل پس غیر مدخول میں اظہار لام مناسب نہیں واللہ اعلم لہ قولہ وہو الخ اس جگہ شارح نے ای کون الاضافۃ بمعنی فی کہکر ہو کے مرجع مذکر کو ظاہر کر کے ضمیر اور مرجع میں (باقی بر صفحہ ۲۲۴)

(بقیہ صفحہ ۲۲۳) مطابقت دکھائی ہے حاصل عبارت کا یہ ہے کہ استعمالات نحاۃ میں اضافہ بمعنی فی کا استعمال بہت ہی کم ہوتا ہے اسلئے کہ مثلاً ضرب الیوم میں ضرب فاعل کا فعل ہے نہ کہ ظرف لیکن چونکہ ضرب یوم میں واقع ہوئی ہے اس لئے بعلاقہ زمانیہ فعل ضرب کی اضافت یوم کی طرف بطریق مجاز ہوگی اور ظاہر ہے کہ شئے کی اضافہ فاعل حقیقی کی طرف اولی ہوتی ہے اور حقیقہ کا استعمال بکثرت ہوتا ہے لہذا مجاز کی وجہ سے اضافہ بمعنی فے قلیل ہوگی واللہ اعلم [له] قولہ وردہا الخ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ اضافہ بمعنی فی قلیل ہوتی ہے اب شارح اس سے ترقی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ اضافہ قلیل ہی نہیں بلکہ اکثر نحاۃ نے اس کو اضافہ بمعنی اللام میں ہی داخل کر دیا ہے اس لئے کہ ضرب الیوم کے معنی ضربٌ لہٗ اختصاصٌ بالیوم کے ہیں یعنی اس سے بھی فائدہ تخصیص حاصل ہوتا ہے جو کہ اضافہ لامیہ سے حاصل ہوتا ہے اسی فائدہ کی طرف شارح نے لہٗ سے اشارہ کیا ہے کیونکہ لام تخصیص کے لئے آتا ہے اور اس افادہ تخصیص کیلئے یہ ادنیٰ ملابست کافی ہے کہ ضرب یوم میں واقع ہوئی ہے پس اضافہ بمعنی فی کو اضافہ بمعنی اللام کہنا زیادہ بہتر ہے تاکہ ارتکاب مجاز سے احتراز ہو جائے کیونکہ اضافہ بمعنی اللام میں مضاف مضاف الیہ کے ساتھ خاص اور اس کا مملوک ہوتا ہے لہذا یہ اضافہ حقیقیہ ہوگی ایسے ہی اضافہ بیانیہ میں مضاف الیہ اصل ہوتا ہے اور مضاف اس پر متفرع تو یہ اضافہ بھی حقیقیہ ہوگی اور اس فن میں حقیقت پر عمل کرنا اولیٰ ہے لہذا نحاۃ نے اضافہ بمعنے فی کو سرے سے ہی خارج کر دیا واللہ اعلم [عه] قولہ فان قلت الخ اب اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جس طرح اضافہ بمعنی فی کو اضافہ بمعنی اللام قرار دے لیا اسی طرح اضافہ بمعنی من بھی اضافہ بمعنی اللام قرار دی جا سکتی ہے اس لئے کہ مبین اور مبیَّن کے درمیان اختصاص پایا جاتا ہے جیسے خاتم فضۃٍ کہ اس میں خاتم عام ہے جس میں اس بات کی صلاحیت ہے کہ وہ چاندی کی ہو یا غیر چاندی کی پس جب اس کی اضافت فضہ کی طرف کر دی گئی تو فضۃ خاتم کے لئے مخصص ہو گیا اور اس میں اختصاص

في استعمالاتهم وردّها[له] اكثر النحاة الى الاضافة بمعنى اللام فان معنے ضرب اليوم ضربٌ له اختصاصٌ باليوم بملابسة الوقوع فيه فان[عه] قلت فعلى هذا يمكن ردّ الاضافة بمعنى من ايضًا الى الاضافة بمعنى (اى كالاضافة بمعنى فى ١٢) اللام للاختصاص الواقع بين المبيَّن والمبيِّن قلنا نعم لكن[عه] لما كانت الاضافة بمعنى في قليلاً ردوها الى الاضافة بمعنى اللام تقليلاً للاقسام واما الاضافة بمعنى من فهي كثيرة في كلامهم فالاولى بها ان تجعل[عه] قسما على حدة نحو غلام زيدٍ[عه] مثال للاضافة بمعنى اللام اى غلام لزيدٍ وخاتم فضةٍ مثال للاضافة بمعنى من اى خاتمٌ من فضةٍ وضربُ اليوم مثال للاضافة بمعنے في اى ضربٌ واقع في اليوم وتفيد[عه]

پیدا ہو کر خاتم غیر فضہ کی نفی ہو گئی پس اس کی تقدیر عبارت بھی خاتم لہٗ اختصاصٌ بالفضۃ ہو گی اس اعتبار سے کہ خاتم فضہ سے متفرع ہے یعنی بنائی گئی ہے۔ قلنا سے اس کا جواب شارح دے رہے ہیں کہ اگرچہ اعتراض مذکور صحیح ہے لیکن چونکہ اضافہ بمعنی فی قلیل ہے اس لئے نحاۃ نے اس کو اضافہ لامیہ میں مدغم کر دیا تاکہ اقسام میں کمی پیدا ہو جائے اور ضبط سہل ہو اور اضافہ بمعنی من چونکہ کلام میں بکثرت پائی جاتی ہے اس لئے اس میں اولیٰ یہی ہے کہ اس کو علیحدہ قسم رکھا جائے لہذا اس کو اضافہ لامیہ میں مدغم نہیں کیا گیا واللہ اعلم [عه] قولہ نحو غلام زیدٍ الخ غلامُ زیدٍ اضافہ بمعنی اللام کی مثال ہے ای غلامٌ لزیدٍ اور خاتم فضۃٍ اضافہ بمعنی من کی ای خاتمٌ من فضۃٍ اور ضرب الیوم اضافہ بمعنی فی کی ای ضربٌ واقع فی الیوم ہر ایک کی تشریح ظاہر ہے واللہ اعلم [عه] قولہ وتفید الخ یہاں سے مصنف اضافہ معنویہ کا فائدہ بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ اسم کو معرفہ کی طرف مضاف کرنے سے اضافہ معنویہ تعریف مضاف کا فائدہ دیتی ہے شارح نے ای الاضافۃ المعنویۃ سے اولاً تو تفید میں ضمیر کے مرجع کی طرف اشارہ کیا اور ثانیاً یہ بھی واضح کر دیا کہ صرف اضافہ معنویہ (باقی بر صفحہ ۲۲۵)

(بقیہ صفحہ ۲۲۱) تعریف مضاف کا فائدہ دیتی ہے اور تعریفاً کی شرح کر کے شارح نے بتایا کہ اس میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور وہ مضاف الیہ لفظ "مضاف" ہے اب رہی یہ بات کہ تعریف مضاف ہی کیوں حاصل ہوتی ہے اس کا عکس کیوں نہیں ؟ کہ مضاف معرفہ سے تعریف مضاف الیہ کا فائدہ حاصل ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مضاف معرفہ ہوگا تو اضافہ سے افادۂ تعریف میں تحصیل حاصل لازم آئیگی اور اگر مضاف معرفہ ہو اور مضاف الیہ نکرہ تو حصول اعلیٰ کے ہوتے ہوئے طلب ادنیٰ لازم آتی ہے اس لئے کہ مضاف معرفہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ ہوگا اور مضاف الیہ نکارت کے باعث ادنیٰ اور اضافت میں اگرچہ مقصود مضاف ہوتا ہے مگر مضاف الیہ کی جانب بھی توجہ ضروری ہوتی ہے لہٰذا حصول اعلیٰ کے ساتھ طلب ادنیٰ لازم آئی اور یہ ناجائز ہے پس معلوم ہوا کہ افادۂ تعریف جانب مضاف کے ساتھ خاص ہے المضاف الیہ سے مع کے بعد شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ المعرفۃ موصوف محذوف کی صفۃ ہے اس کے بعد لان الھیئۃ الترکیبیۃ الخ سے شارح اس افادۂ تعریف کی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ اضافۃ معنویہ میں مثلاً غلام زید کی ہیئۃ ترکیبیہ معلومیۃ مضاف پر دلالت کرنے کے لئے موضوع ہے یعنی اس سے یہ معلوم ہوگا کہ مضاف واحد متشخص او رمعین ہے بایں طور کہ زید کے بہت سے غلام ہوں پس غلام زید سے اس غلام کی طرف اشارہ کیا جائے کہ جس کو زید کے ساتھ مزید خصوصیت حاصل ہے یعنی اس اعتبار سے کہ وہ اس کے غلاموں میں سب سے بڑا ہے یا سب سے زیادہ مشہور ہے یا یہ کہ وہ متکلم اور مخاطب کے درمیان معہود ہے کہ لفظ غلام سے صرف اسی معہود کا وجود سمجھ میں آئے دوسروں کی طرف التفات نہ ہو تو غلام زید کہنے سے مذکورہ بالا فائدہ حاصل ہوگا یعنی معلومیۃ مضاف اور یہ اس وجہ سے کہ تعریف مضاف الیہ مضاف کی طرف سرایت کر جائیگی کیونکہ دونوں میں اتصال اور امتزاج بدرجۂ اتم موجود ہے اس لئے کہ لفظ مضاف الیہ جب مضاف سے

ای الاضافۃ المعنویۃ تعریفاً ای تعریف المضاف مع المضاف الیہ المعرفۃ لان الھیأۃ الترکیبیۃ فی الاضافۃ المعنویۃ موضوعۃ للدلالۃ علی معلومیۃ المضاف لاان نسبۃ امر الی معین یستلزم معلومیۃ المنسوب ومعہودیتہ فان ذلک غیر لازم کما لایخفی فان قلت قد یقال جاءنی غلام زید من غیر اشارۃ الی واحد معین فلا یکون ھیأۃ الترکیب الاضافی

ممتزج ہوتا ہے حتیٰ کہ مضاف الیہ کے عوض میں مضاف پر صرف تنوین رہ جاتی ہے اور مضاف الیہ لفظوں میں معدوم ہو کر مضاف میں منضم ہو جاتا ہے تو یہ امتزاج معنیٰ کے اعتبار سے بھی حاصل ہوگا تاکہ قدر مرتبۂ معنیٰ قدر مرتبۂ لفظ کے برابر ہو جائے پس مضاف الیہ کی جانب سے مضاف میں تعریف آجائیگی واللہ اعلم **۵۱ قولہ** لاان نسبۃ الخ فاضل ہندی نے افادۂ تعریف کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ امر غیر معین کی نسبت اگر امر معین کی جانب کر دی جائے تو یہ منسوب کی معلومیۃ اور اس کی معہودیت کو مستلزم ہے پس مثلاً جب غلام امر غیر معین کی نسبت زید کی طرف کی گئی تو اس سے منسوب یعنی غلام کی معلومیۃ اور اس کا معہود ہونا سمجھ میں آیا پس شارح جامی فاضل ہندی کے اس قول کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ افادۂ تعریف کے لئے فاضل ہندی کی دلیل یعنی استلزام معلومیۃ منسوب درست نہیں اس لئے کہ یہ استلزام غیر ضروری ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ استلزام علاوہ مضاف او رمضاف الیہ کے بہت سی چیزوں میں جاری و ساری ہوگا مثلاً غلام اور زید کو ہی لے لیا جائے یعنی بجائے غلام زید کہنے کے غلامٌ لزیدٍ کہدیا جائے تو اس میں امر غیر معین یعنی غلام کی نسبت زید کی طرف تو موجود ہے لیکن اس سے منسوب یعنی غلام کی معلومیۃ سمجھ میں نہیں آتی اس لئے کہ تنوین تنکیر کے اوپر دلالت کرتی ہے علیٰ ہذا القیاس فعل کی نسبت فاعل معین کی جانب کی جائے مثلاً ضرب زید کہا جائے تو اس سے فعل کی معہودیت اور اس کی تعریف لازم نہیں آتی پس فاضل ہندی کا یہ قول اعتراضات سے خالی نہیں البتہ اگر موصوف اپنی عبارت اس طرح بیان کرتے انتساب امر الی معین فی الاضافۃ یستلزم الخ تو فی الاضافۃ کہنے سے تمام دوسری شقیں خود بخود خارج ہو جاتیں واللہ اعلم **۵۲ قولہ** فان قلت الخ شارح کی بیان کردہ اوپر کی دلیل پر اگر کوئی اعتراض کرتے ہوئے کہے کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ زید کے (باقی برصفحہ ۲۲۶)

(بقیہ صـ ۲۲۵) غلاموں میں کوئی غیر معین غلام آئے اور اس وقت بغیر کسی ایک معین کی جانب اشارہ کئے جاری غلام زید کہا جائے تو ہیئۃ
ترکیب اضافی معلومیۃ مضاف کے لئے موضوع نہیں ہوگی اس لئے کہ اس سے مضاف معلوم نہیں ہوا بلکہ وہ غیر معین ہونے کی وجہ
سے پردہ خفا میں ہی رہا قلنا سے اس کا جواب شارح یہ دے رہے ہیں کہ ہمارا کلام اصل وضع میں ہے اور اس مثال میں غلام کا نکرہ
ہی رہنا معرفہ نہ ہونا عارض استعمال
کی وجہ سے ہے اور اس سے اصل
وضع میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا
لہٰذا یہ اعتراض قابل اعتناء نہیں
اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ معرف
باللام یعنی لام تعریف اصل وضع
میں معین کے لئے ہے مگر کبھی زائدہ
بھی ہوتا ہے اور اس کا استعمال
معین کی طرف اشارہ کئے بغیر یہی
کرلیا جاتا ہے جیسے قول شاعر ؎
وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِيمِ يَسُبُّنِي ٭
فَمَضَيْتُ ثَمَّةَ قُلْتُ لَا يَعْنِيْنِي۔ کہ
اس میں جملہ یسبنی اللئیم کی صفت
واقع ہو رہا ہے اور جملہ نکرہ کے حکم
میں ہوتا ہے لہٰذا یہ معرفہ کی صفت
واقع نہیں ہو سکتا اور یہاں صفۃ
بن رہا ہے تو معلوم ہوا کہ لئیم معرفہ
نہیں بلکہ اس میں الف لام زائد ہی
اور اگر اس کو زائدہ نہ مانیں بلکہ عہد
خارجی کے لئے لیں تو اس سے شاعر
کا مقصود فوت ہو جاتا ہے کہ وہ
اپنی مدح اور کمال کا اظہار تمام
کمینہ سب وشتم کرنے والوں کے
مقابلہ میں کر رہا ہے کہ میں ہمیشہ کمینہ
لوگوں میں سے کسی کمینہ پر گذرتا ہوں
کہ وہ مجھ کو گالی دیتا ہوا ہوتا ہے تو
میں اس جگہ سے گذر کر کہتا ہوں
کہ وہ مجھے مراد نہیں لے رہا (بلکہ اس
کا مورد سب وشتم کوئی اور ہے)
پس اگر لام عہد خارج کے لئے لیں تو
لئیم خاص مراد ہوگا اور تعمیم مفقود
ہو جائیگی شعر میں واو قسمیہ ہے اور مقسم بہ محذوف ہے ای واللہ اور لقد میں لام جواب قسم کے لئے ہے پس لام تعریف کی اصل وضع اگرچہ
معین کے لئے ہے مگر اس شعر میں خلاف وضع مستعمل ہو رہا ہے اسی طرح اگر غلام زید میں غلام اس خاص مفروضہ صورت میں نکرہ ہو جائے تو
یہ اصل وضع کے لئے مخل نہیں واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ ولیس یجری الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ تمہارا یہ کہنا

موضوعۃ لمعلومیۃ المضاف قلنا ذلک کما ان المعرف باللام فی
اصل الوضع لمعین ثم قد یستعمل بلا اشارۃ الی معین کما فی قولہ ؎ وَلَقَدْ
أَمُرُّ عَلَى اللَّئِيمِ يَسُبُّنِي ٭ وذلک علی خلاف وضعہ ولیس یجری ہذا الحکم فی
نحو غیر ومثل فان اضافتہما لا تفید التعریف وان کان مع المضاف
الیہ المعرفۃ لتوغلہما فی الابہام الا ان یکون للمضاف الیہ ضد واحد
یعرف بغیریتہ کقولک علیک بالحرکۃ غیر السکون وکذا اذا کان
للمضاف الیہ مثل اشتہر بمماثلتہ فی شیٔ من الاشیاء کالعلم والشجاعۃ

(حواشی: علی سبیل المجاز ۱۲ ع ب — یگذرد شتم ۱۲ — دشنام امیدارد مرا ۱۲)

کہ ہیئۃ ترکیب اضافی مضاف کے واسطے افادۂ تعریف کے لئے موضوع ہے جبکہ مضاف الیہ معرفہ ہو
صحیح نہیں اس لئے کہ غیر اور مثل تعریف یا تخصیص کا فائدہ نہیں دیتے اگرچہ مضاف الیہ معرفہ
ہو شارح نے کہا کہ یہ حکم غیر اور مثل اور ان جیسے الفاظ میں جاری نہیں ہوتا اس لئے کہ ان دونوں
کی اضافت تعریف کا فائدہ نہیں دیتی اگرچہ مضاف الیہ معرفہ ہو کیونکہ ان میں ابہام بہت ہے
اس لئے کہ مثلاً غیر زید میں مغایرۃ زید ایسی صفۃ نہیں کہ جس سے ایک ذات کو دوسری ذات سے
تخصیص حاصل ہو اس لئے کہ جو شخص بھی موجود ہے وہ مغایرۃ زید کے ساتھ متصف ہے
پس تعریف یا تخصیص کا احتمال ہی نہیں پیدا ہوتا ہاں البتہ اس صورت میں ایسا ہو سکتا
ہے جبکہ مضاف الیہ کی صرف ایک ضد ہو اور وہ ضد غیریۃ مضاف الیہ سے سمجھ میں آجائے
تو اس صورت میں اس سے افادۂ تعریف حاصل ہو سکتا ہے جیسے علیک بالحرکۃ غیر
السکون کہ اس میں مضاف الیہ کی صرف ایک ضد یعنی حرکت ہے پس لفظ غیر میں اس کی وجہ
سے تعریف آجائیگی اور اس مغایرۃ سے مخصوص مغایرت ہی سمجھی جائیگی اسی طرح ضد واحد
والے اور الفاظ مثلاً صوم یوم علم وغیرہ تو ان میں بھی غیر کی اضافت میں افادۂ تعریف حاصل
ہوگا واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ وکذلک الخ اسی طرح مضاف الیہ کا کوئی مثل ہو کہ وہ اشیاء میں سے
کسی شے کے ساتھ مماثلت میں مشہور ہو جائے مثلاً علم اور شجاعت میں (باقی بر صفحہ ۲۲۷)

فقيل له جارٌ مثلك كان معرفة اذا قصد الذي يماثله في الشيء الفلاني وتفيد الاضافة المعنوية تخصيصاً اي تخصيص المضاف مع المضاف اليه النكرة نحو غلام رجل فان التخصيص تقليل الشركاء ولا شك ان الغلام قبل اضافته الى رجل كان مشتركا بين غلام رجل وغلام امرأةٍ فلما اضيف الى رجل خرج منه غلامُ امرأة وقلّت الشركاء فيه وشرطها اي شرط الاضافة المعنوية تجريد المضاف اذا كان معرفة من التعريف فان كان ذا اللام حذف لامه وان كان علماً نُكّر بان يُجعل واحدا من جملة من سُمّي بذلك الاسم وان لم يكن معرفة فلا حاجة الى التجريد بل لا يمكن او المراد بالتجريد تجرده وخلوه (اي المضاف) من التعريف عند الاضافة سواء كان نكرة في نفسه من غير تجريد او كان

نہیں پس مضاف سے تجرید تعریف کی یہ صورت ہوگی کہ اگر مضاف معرف باللام ہوگا تو لام کو حذف کر دیا جائیگا اور اگر علم ہوگا تو اس کو نکرہ کر دیں گے اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ مثلاً زید نام کے جس قدر افراد ہونگے ان میں سے لاعلی التعیین کسی فرد واحد کا اس کو مدلول قرار دے لیں گے یہ معنے نہیں کہ اس کو نکرہ حقیقی بنالیں گے واللہ اعلم ۳ قولہ او المراد الخ یہ اعتراض سابق کا دوسرا جواب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ تجرید سے مراد مضاف کا بوقت اضافہ تعریف سے خالی ہونا ہو یعنی ملزوم بول کر لازم مراد لیا جائے پس اس میں دو صورتیں آجائیں گی یعنی یہ کہ مضاف بوقت اضافت بغیر تجرید کے فی نفسہ نکرہ ہو جیسے لفظ غلام یا معرفہ کہ جس کو تعریف سے خالی کر لیا گیا ہو پس اس صورت میں یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ تجرید (باقی بر صـ ۲۲۰)

(بقیہ صـ ۲۲۶) اور اس وقت لفظ مثل میں اضافہ کے ساتھ جار مثلک کہیں اور مثل سے مراد وہی صفت علم یا شجاعت ہو جو مضاف الیہ میں پائی جاتی ہے اور وہ اس کے ساتھ مشہور ہے تو اس وقت لفظ مثل میں ابہام نہیں رہیگا بلکہ تعیین پیدا ہو جائیگی لہذا یہ بھی معرفہ ہو جائیگا واللہ اعلم ۱ قولہ وتفید الاضافۃ الخ اس سے شارح نے یہ بتایا ہے کہ تخصیصاً کا عطف تعریفاً پر ہے اور مطلب عبارت کا یہ ہے کہ اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو مضاف میں اضافہ معنویہ تخصیص کا فائدہ دے گی جیسے غلام رجلٍ کہ اس میں مضاف الیہ یعنی رجل نکرہ ہے پس غلام کی اضافت جب اس کی طرف ہوئی تو اس سے تخصیص حاصل ہو گئی اس لئے کہ تخصیص کہتے ہیں تقلیل شرکاء کو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب تک غلام کی اضافہ رجل کی طرف نہیں ہوئی تھی تو غلام غلام رجل اور غلام امرأۃ میں مشترک تھا اس لئے کہ لفظ غلام مطلق تھا اور مرد و عورت کی ملکیت کی کوئی تعین نہیں تھی پس جب اس کی اضافہ رجل کی طرف کر دیگئی تو اس سے غلام امرأۃ خارج ہو گیا اور شرکاء قلیل رہ گئے یعنی صرف مرد اور عورت سے تخصیص حاصل ہو گئی واللہ اعلم ۱۲ ۲ قولہ وشرطہا الخ یہاں سے مصنف اضافہ معنویہ کی شرط بیان کرتے ہیں شارح نے ای شرط الاضافۃ سے ہا ضمیر کا مرجع بیان کیا ہے اور المعنویۃ سے اضافہ لفظیہ کو خارج کرنا مقصود ہے تاکہ الضارب زید سے اعتراض نہ واقع ہو کہ اس میں مضاف لام تعریف سے خالی نہیں ہے پس اضافہ معنویہ کے لئے شرط یہ ہے کہ مضاف تعریف سے خالی ہو یعنی معرفہ نہ ہو اب اگر کوئی کہے کہ تجرید تو اسی وقت متحقق ہوگی جبکہ وجود تعریف ہو اور غلام زید میں غلام نکرہ ما بعد کی طرف مضاف ہو رہا ہے اور اس میں تجرید متحقق نہیں اس لئے کہ وہ پہلے ہی سے نکرہ ہے لہذا مطلقاً تجرید المضاف من التعریف کہنا صحیح نہیں شارح نے اذا کان معرفۃً کے اضافہ سے جواب کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ شرط اس وقت ہے جبکہ مضاف معرفہ ہو اور جب معرفہ نہ ہو تو شرط کی کوئی ضرورت

(بقیہ صد ۲۲۷) سبق وجودِ تعریف کو مستلزم ہے کیونکہ تجرید سے مراد مضاف کو تعریف سے خالی کرنا نہیں بلکہ مضاف کا تعریف سے خالی ہونا ہے بوقت اضافت فافہم واللہ اعلم ۱۲ اسلہ قولہ وانما یجب التجرید الخ یہاں سے شارح وجوب تجرید کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہتے ہیں کہ اس میں تجرید اس لئے واجب ہے کہ مضاف اگر معرفہ ہو تو دو حال سے خالی نہیں مضاف الیہ یا نکرہ ہوگا یا معرفہ پس اگر نکرہ ہو تو طلب ادنیٰ یعنی تخصیص لازم آئیگی باوجودیکہ اعلیٰ یعنی تعریف کا حصول ہو رہا ہے اس لئے کہ اضافۃ میں مضاف مقصود ہوتا ہے اور یہ جب قبل الاضافۃ ہی معرفہ ہے تو حصول اعلیٰ پہلے سے موجود ہے اور مضاف کا مضاف الیہ اگر نکرہ ہو تو اس سے افادہ تخصیص حاصل ہوتا ہے اور یہ تعریف کے مقابلہ میں ادنیٰ ہے پس طلب ادنیٰ باوجود حصول اعلیٰ لازم آئی اور یہ مذموم ہے اور اگر مضاف الیہ بھی معرفہ ہو تو تحصیل حاصل لازم آئیگی کیونکہ جب مضاف بھی معرفہ ہوا اور مضاف الیہ بھی تو اضافت بالکل عبث ہوگی اس لئے کہ یہ نہ تعریف کا فائدہ دے گی نہ تخصیص کا پس ضروری ہوا کہ مضاف کو نکرہ رکھیں تاکہ اس میں تعریف یا تخصیص کا حصول مضاف الیہ سے اصل وضع کے مطابق ہو واللہ اعلم ۱۲ اسلہ قولہ فان قیل الخ یہ ایک اعتراض ہے جو امتناع اضافۃ معرفہ پر وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اضافۃ معرفہ اور معرفہ کو علم بنا دینے میں کوئی فرق نہیں یعنی جس طرح معرفہ کی اضافت ممتنع ہے کہ اس سے تحصیل حاصل یا حصول ادنیٰ مع حصول الاعلیٰ لازم آتا ہے اسی طرح معرفہ کو اگر علم بنائیں گے اور علم از قسم معرفہ ہے تو وہی تحصیل حاصل لازم آئیگی پس کیا وجہ ہے کہ علمیۃ معرفہ کو تو جائز قرار دیدیا اور اضافۃ معرفہ کو ناجائز جیسے النجم، الثریا، الصعق اور ابن عباس وغیرہ کہ ان میں اولاً تو دخول لام اور ابن میں اضافۃ کے باعث تعریف آئی اور پھر مجموعہ کو علم قرار دیدیا گیا اور بعینہ مجموعہ کو علم قرار دے لینا تحصیل حاصل نہیں تو اور کیا ہے؟ پس تحصیل حاصل اور تعریف معرف میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ النجم ایک خاص ستارے کا نام ہوگیا

معرفۃ جُرِّدَت عن التعریف وانما یجب[لہ] التجرید لان المعرفۃ لو اضیفت الی النکرۃ لکان طلبا للادنی وھو[عہ] التخصیص مع حصول الاعلی وھو التعریف ولو اضیفت الی المعرفۃ لکان تحصیل[عہ] الحاصل فتضیع الاضافۃ حیث لا تفید تعریفا ولا تخصیصا فان[۲لہ] قیل لا فرق بین[عہ] اضافۃ المعرفۃ وبین جعلھا علما فی نحو النجم والثریا والصّعق وابن عباس فی لزوم تعریف المعرف فما بالھم جوزوا ھذا دون ذلک قیل[۳لہ] لا نسلم ان فی ھذہ الامثلۃ تعریف المعرف بل فیھا زوال تعریف وھو التعریف الحاصل باللام او الاضافۃ وحصول تعریف آخر وھو التعریف بالعلمیۃ فانھا حین صارت اعلاما لم یبق فیھا الاشارۃ الی معلومیتھا باللام او الاضافۃ

(حاشیہ: اے فما شانہم ۱۲ — مع اختلاف جہتی تعریف ۱۲ — التحاصل ۱۲)

اور ثریا جھمکے کو کہتے ہیں مگر اس سے اب وہ ستارے مراد ہونے لگے جو بہت سے یکجا مجتمع ہوں اور الصعق اس مرد کو کہنے لگے جو بزدل ہو اور ابن عباس سے مراد صرف عبداللہ ابن عباس رض لیے جانے لگے کسی دوسرے شخص کی طرف ذہن منتقل ہی نہیں ہوتا واللہ اعلم ۱۲ اسلہ قولہ قیل لا نسلم الخ یہ اعتراض مذکور کا جواب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو یہ تسلیم نہیں کہ ان امثلہ مذکورہ میں تعریف معرف پائی جاتی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ان میں زوال تعریف ہے یعنی النجم وغیرہ میں الف لام اور ابن عباس رض میں اضافت کے باعث جو تعریف آئی تھی وہ بوقت علمیۃ زائل ہوگئی اور تعریف آخر یعنی تعریف بالعلمیۃ حاصل ہوگئی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان اسماء کو علم قرار دے لیا گیا تو اب ان کے معرفہ باللام اور اضافۃ کی طرف کوئی اشارہ باقی نہیں رہا اس لئے کہ ان میں الف لام اور اضافۃ بمنزلہ جزء کلمہ کے ہو گئے کیونکہ علمیۃ مجموعہ کے اعتبار سے ہے ترک لام اور قطع اضافۃ کے ساتھ نہیں پس ان میں تعریف معرف (باقی بر صفحہ ۲۲۹)

(بقیہ ص ۲۲۵) لازم نہیں آتی بلکہ تبدیل تعریف بتعریف آخر پائی جاتی ہے اور یہ کوئی مضر نہیں پس جب اجتماع تعریفین یا تعریف معرف لازم نہیں آئی تو تحصیل حاصل بھی لازم نہیں آئیگی فلا اشکال فیہ واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ واما اجازہ الخ یہاں سے مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ مضاف سے تجرید مضاف کی شرط ہم کو تسلیم نہیں اس لئے کہ نحاۃ کوفہ کے نزدیک الثلثۃ الاثواب اور اس کے مثل جیسے الخمسۃ الدراہم اور المائۃ الدینار کی تراکیب جائز ہیں یعنی ان میں معرف باللام اپنے معدود کی طرف مضاف ہوتا ہے حالانکہ مضاف کیلئے تعریف سے خالی ہونا شرط ہے پس اگر تجرید کی شرط ضروری ہوتی تو کوفیہ کیوں ان کو جائز رکھتے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ مصنف نحاۃ بصرہ کے پیرو ہیں اور یہ مذہب کوفیہ کا ہے لہٰذا وہ اس اعتراض سے بری ہیں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ تراکیب ضعیف ہیں قیاس کے اعتبار سے بھی اور استعمال کے لحاظ سے بھی۔ قیاس کے اعتبار سے تو وجہ ضعیف یہ ہے کہ تحصیل حاصل لازم آتی ہے اور استعمال کے لحاظ سے وجہ ضعیف ظاہر ہے کہ فصحاء سے ترک لام ثابت ہے یعنی وہ معرف باللام کو بوقت اضافۃ ترک لام کے ساتھ استعمال کرتے ہیں جیسا کہ ذوالرمۃ شاعر نے کہا ہے ع ثلث الاثافی والدیار البلاقع۔ کہ اس میں ثلث کا استعمال بغیر لام کے ہے یہ مصرعہ سابقہ تین مصرعوں سے تعلق رکھتا ہے اسلئے دونوں شعر حاضر ہیں ؎

أیا منزلی سلمیٰ سلامٌ علیکما ہل الأزمن اللاتی مضین و راجع ✽ وہل یرجع التسلیم او یکشف العمی ✽ ثلث الاثافی والدیار البلاقع (ترجمہ) اے میری محبوبہ سلمیٰ کی گرما و سرما کی دونوں قیام گاہو! تم دونوں کے اوپر سلامتی ہو کیا وہ زمانے جو گذر گئے لوٹ آئیں گے اور کیا چولھے پر ہانڈی ٹیکنے کے تین پتھر اور خراب و خستہ مکانات میرے سلام کا جواب لوٹا دیں گے یا سلمیٰ کے حال سے بے خبری کی تاریکی کو دور کردیں گے۔ اس جگہ میں نے دوسرے شعر کا ترجمہ برعکس کیا ہے تاکہ محاورہ کا لحاظ رہے

فلا یلزم فیہا تعریف المعرف بل تبدیل تعریف بتعریف آخر ؎ واما اجازۃ الکوفیون من ترکیب الثلثۃ الاثواب وشبہہ من العدد المعرف باللام المضاف الی معدودہ نحو الخمسۃ الدراہم والمائۃ الدینار ضعیف قیاسا واستعمالا اما قیاسا فلما ذکر من لزوم تحصیل الحاصل واما استعمالا فلما ثبت من الفصحاء من ترک اللام قال ذوالرمۃ ع ثلث الاثافی والدیار البلاقع ✽ واما ما جاء فی الحدیث من قولہ علیہ السلام بالالف الدینار فعلی البدل دون الاضافۃ والاضافۃ اللفظیۃ علامتہا

الاثافی جمع ہے اُثفیۃ کی جس کے معنی ہیں ان پتھروں کے جو ہانڈی رکھنے کیلئے بطور چولھے کے کام میں لائے جاتے ہیں اور بلاقع کے معنی خالی اور خراب کے ہیں اس کا مفرد بلقع آتا ہے واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ واما ما جاء الخ یہ عبارت بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے کہ تم نے شرط تجرید مضاف کو صحیح ثابت کرنے کے لئے تراکیب مذکورہ کو تو ضعیف اور غیر فصیح قرار دیدیا لیکن قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اغتسلوا یوم الجمعۃ ولو اشتریتم نصف الصاع بالالف الدینار میں کیا کہوگے کہ اس میں الف معرف باللام کی اضافۃ اپنے معدود کی طرف بغیر تجرید کے ہورہی ہے کیا یہ بھی غیر فصیح کلام ہے شارح نے جواب دیا کہ یہ بدلیۃ پر محمول ہے اضافۃ پر نہیں یعنی الدینار۔ الالف سے بدل بعض واقع ہورہا ہے یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ الدینار عطف بیان ہے اس لئے کہ یہ تفسیر کے قائم مقام ہے اس لئے کہ جب بالالف کہا گیا تو سوال پیدا ہوا کہ الف سے کیا مراد ہے پس الدینار نے آکر اس کی تفسیر کردی واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ والاضافۃ اللفظیۃ الخ اس جگہ ذکر اضافۃ سے شارح نے یہ بتایا ہے کہ قول مصنف اللفظیۃ موصوف محذوف کی صفۃ ہے اور علامتہا سے اسی سوال و جواب کی طرف اشارہ ہے جو اضافۃ معنویہ میں فالمعنویۃ علامتہا ان یکون الخ کے ضمن میں گذر چکا ہے بہرحال اضافۃ لفظیہ کی علامت یہ ہے کہ صفۃ اپنے معمول کی طرف مضاف ہو خواہ وہ معمول فاعل ہو یا مفعول جیسے ضاربُ زیدٍ (باقی بر صفحہ ۲۲۷)

(بقیہ صفحہ ۲۲۹) کہ اس میں اسم فاعل کی اضافۃ اپنے مفعول کی طرف ہو رہی ہے اور یہ اصل میں ضاربٌ زیداً تھا افادۂ تخفیف کی وجہ سے اضافت کر لی گئی اور جیسے حسن الوجہ کہ اس میں صفت مشبہ کی اضافت اپنے فاعل کی طرف ہو رہی ہے اور یہ اصل میں حسنٌ وجہہٗ تھا پس تخفیف کی وجہ سے اضافت کر لی گئی اور وجہہٗ میں ہٗ ضمیر کے عوض بوقت اضافت مضاف الیہ پر الف لام داخل کر دیا گیا حسن الوجہ ہو گیا اب شارح احترازٌ عما الخ سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عبارت ماتن میں قولہٗ صفۃً وغیرہ قیدِ احترازی ہیں پس صفۃً کہنے سے وہ مضاف خارج ہو گیا جو صفۃ نہ ہو اس لئے کہ اس میں اضافۃ معنویہ ہو گی لفظیہ نہیں جیسے غلام زیدٍ اور اضافۃً الی معمولہا کہنے سے وہ مضاف خارج ہو گیا جو غیر معمول کی طرف مضاف ہو جیسے مصارعُ البلدِ اور کریمُ العصر کہ ان میں صیغۂ صفۃ مصارع (پچھاڑنے والا) اور کریم (سخاوت کرنے والا) اپنے غیر معمول کی طرف مضاف ہیں اس لئے کہ ان کا معمول البلد اور العصر نہیں بنا سکتے کیونکہ شہر کو نہیں پچھاڑا جاتا بلکہ اہل شہر پچھاڑے جاتے ہیں اسی طرح کریم العصر ہے اور من قبیل اضافۃ الخ سے اس امر کو واضح کیا ہے کہ تعدد امثلہ تعدد مثل کی وجہ سے ہے تاکہ کوئی یہ اعتراض نہ کر بیٹھے کہ توضیح کے لئے ایک مثال کافی ہے واللہ اعلم ۔ لہ قولہ ولا تفید الخ اس جگہ الاضافۃ اللفظیۃ کا اضافہ بیان مرجع کے لئے ہے تاکہ کوئی مطلق اضافۃ کو اس کا مرجع سمجھ کر یہ اعتراض نہ کر بیٹھے کہ اضافۃ معنویہ بھی اس ضمن میں آ جاتی ہے اور وہ تخفیف کے علاوہ تخصیص اور تعریف کا بھی فائدہ دیتی ہے لہٰذا قول مصنف الا تخفیفاً غلط ہے اور فائدۃً سے یہ بتایا ہے کہ الا تخفیفاً مستثنیٰ مفرغ ہے لہٰذا مستثنیٰ منہ کی تلاش نہ کی جائے اور لا تعریفاً ولا تخصیصاً سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ قول مصنف تخفیفاً قید احترازی ہے اور اس سے افادۂ تعریف وتخصیص خارج ہے بہر حال عبارت مصنف کا مطلب یہ ہے کہ اضافۃ لفظیہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے تعریف یا تخصیص کا نہیں اس لئے کہ اس میں اگرچہ لفظاً اتصال پایا جاتا ہے مگر یہ درحقیقۃ انفصال کے درجہ میں ہے یعنی

ان یکون المضاف صفۃً احترازٌ عما اذا لم یکن صفۃ نحو غلام زید مضافۃً الی معمولہا احترازٌ عما اذا کانت مضافۃً الی غیر معمولہا نحو مصارعُ البلد وکریمُ العصر مثل ضاربُ زیدٍ من قبیل اضافۃ اسم الفاعل الی مفعولہ وحسنُ الوجہ من قبیل اضافۃ الصفۃ المشبہۃ الی فاعلہا ولا تفید الاضافۃ اللفظیۃ فائدۃً الا تخفیفاً لا تعریفاً ولا تخصیصاً لکونہا فی تقدیر الانفصال فی اللفظ لا فی المعنی بان یسقط بعض المعانی عن ملاحظۃ العقل بازاء ما یسقط من اللفظ بل المعنی علی ما کان علیہ قبل الاضافۃ والتخفیف اللفظی اما فی لفظ المضاف فقط بحذف التنوین (ای من التنوین واقام مقامہ ۱۲) حقیقۃً مثل ضاربُ زیدٍ او حکماً مثل حواجُّ بیت اللہ (والاصل ضاربٌ زیداً ۱۲ عب) وبحذف نونی التثنیۃ والجمع مثل ضاربا زیدٍ وضاربو زیدٍ واما فی لفظ

اس سے اضافۃ کو سلب کر کے مضاف الیہ کو مضاف کا فاعل یا مفعول بنا لیتے ہیں بخلاف معنویہ کے کہ اس میں مضاف الیہ فاعل یا مفعول نہیں بن سکتا پھر یہ تخفیف کا فائدہ لفظ میں ظاہر ہو گا معنی میں نہیں کہ بعض معانی لفظ سے ساقط شدہ حرف کے بدلہ میں نظر انداز کر دیئے جائیں بلکہ قبل الاضافۃ جو معنے تھے وہی معنی بعد تخفیف بھی باقی رہیں گے واللہ اعلم ۔ لہ قولہ والتخفیف اللفظی الخ تخفیف لفظی کی چند صورتیں ہیں (۱) فقط لفظ مضاف میں ہو گی اس کی دو صورتیں ہیں مضاف مفرد ہو گا یا تثنیہ و جمع اگر مفرد ہو گا تو اس کی پھر دو صورتیں ہیں تنوین حقیقۃً حذف کی جائیگی یا حکماً اول کی مثال جیسے ضاربُ زیدٍ کہ یہ اصل میں ضاربٌ زیداً تھا مضاف سے تنوین حذف کر دی گئی اور ثانی کی مثال جیسے حواجُّ بیت اللہ کہ اس میں (باقی بر صفحہ ۲۳۱)

(بقیہ صنہ ۲۳۰) حواج ؐ سے بوجہ عدم الفرات قبل الاضافۃ تنوین ساقط ہوگئی تھی پس اگرچہ یہ لفظاً ساقط تھی مگر حکماً موجود تھی اس لئے بوقت اضافت حکماً اس تنوین کو حذف کردیا گیا اور یہ لفظ جمع ہے اس کا مفرد حاجّ آتا ہے اور اگر مضاف تثنیہ یا جمع ہو تو تثنیہ و جمع کے نون کو حذف کیا جائیگا جیسے ضاربا زیدٍ اور ضاربو زیدٍ (۲) فقط لفظ مضاف الیہ میں تخفیف ہو اس کی صورت یہ ہے کہ ضمیر کو حذف کرکے صفۃ میں پوشیدہ کردیں گے جیسے القائمُ الغلام کہ یہ اصل میں القائمُ غلامُہٗ تھا غلام سے ضمیر مضاف الیہ کو حذف کرکے القائم میں اس کو مستتر مان لیا گیا اور القائم کو اس کی طرف مضاف کردیا گیا پس مضاف الیہ میں تخفیف حاصل ہوگئی۔ (۳) کبھی مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں تخفیف ہوتی ہے جیسے زیدٌ قائمُ الغلام کہ یہ اصل میں زیدٌ قائمٌ غلامُہٗ تھا پس مضاف میں تو تخفیف حذف تنوین کی وجہ سے ہوئی اور مضاف الیہ میں حذف ضمیر اور صفۃ میں مستتر مان لینے سے واللہ اعلم

المضاف اليه فقط بحذف الضمير واستتاره في الصفة كالقائم الغلام
كان [عہ] اصله القائم غلامه حذف الضمير من غلامه واستتر في القائم و
اضيف [عہ] القائم اليه للتخفيف في المضاف اليه فقط واما في المضاف
والمضاف اليه معاً نحو زيدٌ قائم الغلام اصله قائمٌ غلامه فالتخفيف
في المضاف بحذف التنوين وفي المضاف اليه بحذف الضمير و
استتاره في الصفة ومن ثَمّ [لہ] اي من جهة وجوب افادة الاضافة
اللفظية التخفيف وانتفاء كل واحد من التعريف والتخصيص جاز
تركيب مررت برجل حسن الوجه باضافة الصفة الى معمولها وجعلها صفة
للنكرة فمن جهة انها لم تُفِد تعريفا جاز هذا التركيب وامتنع تركيب مررت [وہو رجل ۱۲]
بزيدٍ حسنِ الوجه فلو افادت تعريفا لم يجز الاول للزوم كون المعرفة صفةً
للنكرة ولجاز الثاني لكون المعرفة اذن [دریں وقت ۱۲] صفةً للمعرفة والمراد [عہ] ان المشار
اليه ثم وهو مجموع امور ثلثة وجوب افادة الاضافة اللفظية التخفيف

لہ قولہ ومن ثم الخ یعنی جب یہ معلوم ہوگیا کہ اضافۃ لفظیہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور افادہ تعریف و تخصیص میں سے ہر ایک اس میں منتفی ہے تو اب ترکیب مررت برجلٍ حسنِ الوجہ جائز ہوگی بایں طور کہ صفۃ کو اس کے معمول کی طرف مضاف کردیا جائے اور پھر صفۃ کو نکرہ کی صفۃ قرار دی جائے اور وجہ جواز یہ ہے کہ اس میں بوجہ اضافۃ کے مضاف سے تنوین اور مضاف الیہ سے ضمیر محذوف ہوگئی تعریف یا تخصیص حاصل نہیں ہوئی لہٰذا اس اعتبار سے حسن الوجہ کا نکرہ کی صفت واقع ہونا صحیح ہے ورنہ اگر تعریف یا تخصیص حاصل ہوتی تو اس کا نکرہ کی صفۃ واقع ہونا صحیح نہ تھا اس لئے کہ موصوف وصفت میں مطابقت ضروری ہے بخلاف ترکیب مررتُ بزیدٍ حسنِ الوجہ کے کہ وہ ممتنع ہے اس لئے کہ اس میں موصوف یعنی زید معرفہ اور صفۃ یعنی حسن الوجہ نکرہ ہے پس موصوف وصفۃ میں مطابقت باقی نہیں رہی اسی کو شارح نے فلو افادت تعریفاً الخ سے بیان کیا ہے واللہ اعلم

یہ ہے کہ قول مصنف ومن ثم میں ثم کا مشار الیہ تین امور کا مجموعہ ہے یعنی (۱) اضافۃ لفظیہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے (۲) افادۂ تعریف کا انتفاء (۳) افادۂ تخصیص کا انتفاء۔ پس ان تینوں امور کا مجموعہ ترکیب اول کے جواز اور ترکیب ثانی کے امتناع کو مستلزم ہے حالانکہ انتفاء تخصیص کو ترکیب اول کے جواز اور ترکیب ثانی کے امتناع میں کوئی دخل نہیں (باقی بر صنہ ۲۳۲)

(باقی بر صنہ ۲۳۲)

عہ قولہ والمراد الخ اس عبارت سے شارح ایک اعتراض کا دفعیہ کرنا چاہتے ہیں جس کی تقریر

وانتفاء التعريف[۳] وانتفاء[۳] التخصيص يستلزم جواز التركيب الاول و امتناع الثانى ولا يلزم من ذلك ان يكون لكل واحد من تلك الامور دخل في ذلك الاستلزام بل يجوز ان يكون باعتبار بعضها فلا يرد انه لا دخل في ذلك الاستلزام لانتفاء التخصيص ومن جهة[۱] انها تفيد تخفيفاً جاز تركيب الضارباً زيد والضاربو زيد لحصول التخفيف بحذف النون وامتنع الضاربُ زيدٍ لعدم التخفيف لان تنوين الضارب انما سقط للالف واللام لا للاضافة ولا شك[۲] انه لا دخل في هذا التفريع لانتفاء التعريف والانتفاء التخصيص بل يكفي فيه وجوب التخفيف فقط وعلى هذا كان الانسب تقديم هذا الفرع لكنه آخره لكثرة لواحقه خلافاً[۳] للفراء فانه يجوز تركيب الضارب زيداً ما لانه توهم ان دخول لام التعريف انما هو بعد الاضافة فحصل التخفيف بحذف التنوين

(بقیہ صفحہ ۲۳۱) اس لئے کہ مثال اول میں رجل نکرہ اپنی صفۃ نکرہ کا مقتضی ہے اور مثال ثانی میں زید معرفہ ہے جس کی صفۃ نکرہ نہیں آسکتی پس اس میں انتفاء تخصیص کا بالکل بھی ذکر نہیں حالانکہ مشار الیہ تینوں امور کا مجموعہ ہے اس کا جواب شارح ولا یلزم من ذلک الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس استلزام میں امور مذکورہ میں سے ہر ایک کو بر سبیل مجموع دخل ہو بلکہ جائز ہے کہ تینوں امور میں سے باعتبار بعض کے استلزام مذکور واقع ہو پس دونوں ترکیبوں میں جواز و عدم جواز کے استلزام میں اگر انتفاء تخصیص کو دخل نہیں تو یہ کوئی حرج کی بات نہیں لہذا اعتراض مذکور وارد نہیں ہوگا واللہ اعلم

۱؎ قولہ ومن جہۃ الخ اس سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کا عطف و من ثم پر ہے اور یہ تفریع صرف افادہ تخفیف پر منحصر ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ ترکیب الضاربا زیدٍ اور الضاربو زیدٍ دونوں جائز ہیں اس لئے کہ ان میں اضافۃ کی وجہ سے حذف نون کے ساتھ تخفیف آگئی ہے کیونکہ اگر اضافۃ سلب کرلیں تو باوجود الف لام کے نون محذوف لوٹ آئے گا پس یہ حذف نون اضافۃ کی وجہ سے ہوا نہ کہ امر غیر کے باعث بخلاف ترکیب الضاربُ زیدٍ کے کہ یہ ممتنع ہے اس لئے کہ اضافۃ سے جو تخفیف مقصود تھی وہ اس سے حاصل نہیں ہوئی کیونکہ الضارب کی تنوین الف لام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے اضافۃ کی وجہ سے نہیں ورنہ فک اضافت کے وقت تنوین عود کر آتی حالانکہ عود نہیں کرتی پس جب اسقاط تنوین میں اضافۃ کو کوئی دخل نہیں ہوا تو تخفیف مقصودہ حاصل نہیں ہوئی لہذا یہ ترکیب ممتنع ہے واللہ اعلم ۱۲ ۲؎ قولہ ولا شک الخ اس سے ایک سوال اور اس کا جواب مقصود ہے سوال یہ ہے کہ اس تفریع میں انتفاء تعریف اور انتفاء تخصیص کو کوئی دخل نہیں بلکہ اس میں صرف وجوب تخفیف کافی ہے لہذا مصنف کو مناسب یہ تھا کہ وہ اس تفریع کو تفریع اول پر مقدم کرتے جیسا کہ متفرع علیہ کا حال ہے اس لئے کہ متفرع علیہ یعنی تخفیف تو صریحاً مذکور ہے اور فرعین سابقین یعنی انتفاء

تعریف و تخصیص غیر مذکور بلکہ یہ ضمناً حاصل ہوتے ہیں پس صریح کا مرتبہ غیر صریح سے اعلیٰ ہے لکنہ اخرہ الخ سے شارح نے جواب دیا کہ اس کو اس کے کثرۃ لواحق کی وجہ سے مؤخر کرنا پڑا اور وہ لواحق اس کے آگے آتے ہیں یعنی خلافاً للفراء وغیرہ واللہ اعلم ۱۲ ۳؎ قولہ خلافاً الخ یعنی فراء نحوی ترکیب ممتنع الضاربُ زیدٍ کو جائز کہتا ہے اور اس جواز کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اس کو یہ وہم پیدا ہو گیا کہ مثال مذکور میں دخول لام تعریف اضافۃ کے بعد ہوا ہے پس اضافۃ کے سبب سے حذف تنوین کے باعث تخفیف حاصل ہو گئی پھر اس کو معرف باللام کر دیا گیا ۱۲، کا جواب مصنف نے (باقی بر صفحہ ۲۳۷)

(بقیہ ص۲۳۲) اپنی شرح کافیہ میں یہ دیا کہ یہ دلیل صحیح نہیں اس لئے کہ یہ کہنا کہ دخول لام اضافۃ سے مؤخر ہے (حالانکہ ظاہری طور پر دخول لام اضافۃ پر مقدم ہے) ایک ادعا محض ہے جو ظاہر کے خلاف ہے اس لئے کہ لام تعریف کے اضافۃ پر مقدم ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ دخول لام تعریف سے حذف تنوین کے بعد اضافۃ آئی ہے پس حذف تنوین کو اضافۃ کی طرف کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے؟ اور دوسری

بسبب الاضافة ثم عُرّف باللام واجاب المصنف عنه في شرحه بانه غير مستقيم لان القول بتأخر اللام المتقدمة حسًّا على الاضافة مجردُ ادعاءٍ مخالف للظاهر واما ما وقع في شعر الاعشى من قوله ع الواهبُ المائة الهجان وعبدها. فان قوله وعبدها بالجر معطوف على المائة فصار المعنى باعتبار العطف الواهبُ عبدها فهو من باب الضارب زيدٍ فلما لا يمتنع ذلك حيث اتى به بعض البلغاء لايمتنع هذا فاجاب المصـ عنه بقوله وضُعِّفَ ع الواهبُ المائة الهجانِ وعبدِها. يعني ان هذا القول ضعيف لايقوى في الفصاحة بحيث يستدل به لما عرفت من امتناع مثل الضارب زيدٍ لعدم الفائدة في الاضافة ولا يخفى

قول فراء ۱۲ — غیر ان ۱۲ — رجماً بالغیب ۱۲ — تعلیلیہ ۱۲

وجہ یہ بھی ہے کہ لام تعریف ذات اسم کی تحقیق کے لئے ہے اور اضافۃ اس امر کی تحقیق کے لئے ہے جو اسم کو عارض ہے یعنی تخفیف اور ظاہر ہے کہ جس طرح ذات کا درجہ صفۃ پر مقدم ہے اسی طرح محقق ذات کا مرتبہ محقق صفۃ پر مقدم ہوگا پس دخول لام تعریف اضافۃ پر مقدم ہوا لہٰذا فراء کا یہ وہم باطل ہے واللہ اعلم ۱۲ ؎۱ قولہ واما ما وقع الخ اس کا عطف اما لانہ، تو تم پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ رہا اس جواز ترکیب مذکور کی وجہ اعشیٰ شاعر کا یہ مصرعہ ع الواہب المائۃ الہجان وعبدھا ہے کہ اس میں قولہ وعبدہا جر کے ساتھ المائۃ پر معطوف ہے پس باعتبار عطف کے اس کے معنی الواہب عبدہا کے ہونگے اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ معطوف علیہ سے پہلے جو قید ہوتی ہے وہ معطوف کی طرف لوٹتی ہے پس گویا شاعر نے الواہبُ عبدِہا کہا پس یہ الضاربُ زیدٍ کے قبیل سے ہوگیا دخول لام تعریف اور حذف تنوین میں پس جس طرح الواہب عبدہا ممتنع نہیں کہ اس کو بعض بلغاء اور فصحاء اپنے کلام میں لائے ہیں اور اگر یہ ممتنع ہوتا تو بلیغ ہرگز اس کو جائز قرار نہیں دے سکتا تھا پس اسی طرح الضاربُ زیدٍ بھی جائز ہونا چاہیئے پس مصنف نے اس کا جواب اپنے قول وضعف

کی وجہ سے اس کو ممتنع کہا گیا ہے اسی طرح الواہبُ عبدہا بھی ضعیف ہوگا اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جو قول ضعیف قول پر مشتمل ہوتا ہے وہ خود ضعیف ہوتا ہے لہٰذا یہ قول بھی ضعیف ہوگا اور اس سے استدلال بھی ضعیف ہوگا اس لئے کہ قول ضعیف غیر حجت نہیں ہوسکتا واللہ اعلم ؎۲ قولہ ولا یخفی الخ مصرعہ مذکورہ الواہب الخ سے قول بھی مراد ہوسکتا ہے اور استدلال بھی پس شارح نے اس سے قول مراد لیا مگر یہ چیز اعتراض سے خالی نہیں جس کو شارح ولا یخفی سے بیان کرنا چاہتے ہیں کہتے ہیں کہ اس میں مصادرۃ علی المطلوب کی آمیزش یعنی ملاوٹ ہے جس کو دوسرے معنی میں رائحہ اور بو، سے بھی تعبیر کرتے ہیں مصادرۃ علی المطلوب کے لغوی معنی حمل بر مطلوب کے آتے ہیں اور اصطلاحی اعتبار سے اس کی چار صورتیں (۱) مدعی عین دلیل ہو (۲) مدعی دلیل کا جزء ہو (۳) مدعی پر دلیل موقوف ہو (۴) مدعی پر دلیل کا جزء موقوف ہو اور ان میں سے ہر ایک باطل ہے اس لئے کہ اس سے دور لازم آتا ہے پس اب جاننا چاہیئے کہ شارح نے (باقی بر ص۲۴۳)

الخ سے یہ دیا کہ یہ قول ضعیف ہے فصاحۃ میں ایسا قوی مرتبہ نہیں رکھتا کہ اس سے استدلال کیا جائے اور وجہ ضعیف ظاہر ہے کہ یہ قول الواہب عبدہا پر مشتمل ہے اور وہ الضاربُ زیدٍ کے مثل ہے اور یہ ممتنع ہے کیونکہ اس سے اضافۃ میں فائدہ مطلوبہ حاصل نہیں ہوتا جیساکہ گذر چکا پس جس طرح الضاربُ زیدٍ ضعیف ہے کہ اس میں عدم فائدہ کی وجہ سے اضافۃ بیکار ہے اور اسی بیکاری

(بقیہ صـ ۲۳۳) یہاں کہا کہ مصادرۃ علی المطلوب کی آمیزش پائی جاتی ہے مصادرۃ علی المطلوب نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مصادرۃ علی المطلوب کے چاروں معنی میں سے ایک بھی معنی نہیں پائے جاتے بلکہ کچھ اس سے ملتے جلتے معنی پائے جاتے ہیں کہ جن سے دور لازم آتا ہے اور وہ یہ ہیں کہ اس جگہ مدعی امتناع الضاربُ زیدٍ ہے اور دلیل ہے اس کی اعشیٰ کے قول کا ابطال پس اگرچہ یہاں مدعی عین دلیل یا جزو دلیل نہیں لیکن یہ موقوف ہے دلیل خصم کے ابطال یعنی اعشیٰ کے قول کے باطل کرنے پر اور اس کا ابطال موقوف ہے اثبات مطلوب یعنی امتناع الضاربُ زیدٍ پر جیسا کہ شارح نے لما عرفت من امتناع الخ سے اشارہ کیا ہے پس نتیجہ یہ نکلا کہ امتناع الضاربُ زیدٍ موقوف ہے امتناع الضاربُ زیدٍ پر اور یہ دور ہے اور دور باطل ہوتا ہے لہذا یہ قول بھی باطل پس اسمیں مصادرۃ علی المطلوب کی باعتبار واسطہ یعنی ابطال دلیل خصم آمیزش پائی گئی بلا واسطہ مصادرۃ علی المطلوب نہیں لیکن نتیجہ وہی ہے جو مصادرۃ علی المطلوب کا ہوتا ہے یعنی استلزام دور باطل لہذا یہ قول اعتراض سے خالی نہیں اس کا جواب شارح اللّٰهم الّا ان یقال الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ مصرعہ مذکورہ کی طرف بجائے ہذا القول کے ہم ھذا الاستدلال سے اشارہ کریں گے پس اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ استدلال مذکور ضعیف ہے اس لئے کہ اس مصرعہ میں وعبدہا کے مجرور پڑھنے پر کوئی دلیل قطعی نہیں اگر دلیل قطعی موجود ہوتی تو اس سے استدلال قوی ہوتا لیکن یہاں احتمال ہے کہ وعبدہا کو بفتح الدال پڑھا جائے محل پر حمل کرتے ہوئے اس لئے کہ المائۃ الواہبُ کا مفعول واقع ہونے کی بنا پر محل کے اعتبار سے منصوب ہے یا یہ کہا جائے کہ وعبدہا میں واو بمعنی مع ہے اور یہ مفعول معہٗ واقع ہے یا یہ کہا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ بغیر عطف کے تنہا الواہب عبدہا ممتنع ہو اور عطف کے ساتھ ترکیب الواہب المائۃ وعبدہا جائز ہو اس لئے کہ بسا اوقات معطوف میں وہ امر جائز ہوتا ہے جو معطوف علیہ میں جائز نہیں ہوتا جیسے رُبَّ شاۃٍ وسخلتہا میں کہ یہاں رب کا دخول عطف کے ساتھ

ان فیہ شوب مصادرۃ علی المطلوب اللّٰھم الّا ان یقال المراد بہ انّہ ضعیف

(آمیزش ۱۲ — اشار بذٰلک الی ضعف ہٰذا التوجیہ لانہ خلاف الظاہر من العبارۃ)

فی الاستدلال بہ اذ لا نص فیہ علی الجر فانہ یحتمل النصب حملاً علی

المحل او علی انہ مفعول معہ او لانہ قد یتحمل فی المعطوف ما لا یتحمل فی

المعطوف علیہ کما فی رُبَّ شاۃٍ وسخلتہا حیث جاز ہٰذا الترکیب ولم یجز

(بساگو سفند وبچۂ وے ۱۲)

ربَّ سخلتہا بادخال رب علی سخلتہا بدون العطف والبیت بتمامہ

الواھبُ المائۃِ الھجان وعبدِھا ❊ عُوذًا ازجّی خلفہا اطفالہا

ای ممدوحہ الواہب المائۃ الہجان ای البیض من النوق تستوی فیہ الجمع

(ای ممدوح الشاعر ہو واہب المائۃ ۱۲ عب)

سخلتہا معرفہ پر ہو گیا ہے اور یہ ترکیب جائز ہے اور بغیر عطف کے تنہا اس کا دخول معرفہ پر کرتے اور ربَّ سخلتہا کہتے تو یہ جائز نہ تھا اس لئے کہ رب معرفہ پر داخل نہیں ہوا کرتا پس جس طرح اس میں امر ممتنع عطف کی صورت میں جائز ہے اسی طرح وعبدہا میں بھی بصورت عطف اس کا مجرور پڑھنا جائز ہوگا پس یہ استدلال ضعیف ہوا اور جب یہ استدلال ضعیف ہو گیا تو ہمارا مدعیٰ امتناع الضارب زید اپنی جگہ درست باقی رہا (سخلہ بکری کے بچہ کو کہتے ہیں) اب اگر کوئی کہے کہ جب یہ صورت اعتراض سے خالی ہے تو شارح نے اولاً اسی کو کیوں نہ اختیار کر لیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ شارح نے مصنف کی پیروی کی ہے کیونکہ مصنف نے بھی امالی کافیہ میں یہی طرز اختیار کیا ہے واللہ اعلم ۔ لہ قولہ والبیت بتمامہ الخ الواہبُ مبتدا محذوف کی خبر ہے ای ممدوحہ الواہبُ ہجان بکسر الہاء سفید اونٹنی کو کہتے ہیں اور اس میں واحد و جمع دونوں کے لئے ایک ہی لفظ آتا ہے پھر یہ ترکیب میں یا تو المائۃ کی صفت واقع ہے یا اس سے بدل الکل یا جیسا کہ کوفیہ کہتے ہیں یہ الثلاثۃ الاثواب کے قبیل سے ہے بیض ابیض کی جمع ہے اور نوق ناقہ کی بمعنی اونٹنی عبد غلام کو کہتے ہیں مگر یہاں اس سے مراد چرواہا ہے اس کو عبد کے ساتھ اس وجہ سے تشبیہ دی کہ یہ بھی غلام کی طرح بکریوں کی نگہبانی اور خدمت کے لئے ہر وقت مستعد رہتا ہے جیسا کہ غلام ہر وقت اپنے آقا کی خدمت بجا لاتا ہے یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ عبد حقیقۃً (باقی بر صـ ۲۳۵)

(بقیہ صفحہ ۲۳۳) ان بکریوں کا غلام ہے اس لئے کہ آقا نے اس کو انھیں کی خدمت کے لئے خریدا ہے پس اس ادنی ملابستہ کی وجہ سے عبد کی اضافۃ
ہا ضمیر راجع الی المائۃ کی طرف جائز ہے لہذا دونوں صورتوں پر اب یہ اعتراض نہیں واقع ہو سکتا کہ عبد عبارت ہے مملوکیۃ سے اور مائۃ
میں مملوکیۃ متصور نہیں ہو سکتی عوذاً ذال منقوط کے ساتھ عائذ کی جمع ہے اور عائذ نوزائیدہ کو کہتے ہیں اور یہ مائۃ سے حال واقع ہے

والواحدُ والهجان صفة للمائة او بدلٌ عنها او عطفٌ من قبيل الثلثة الاثواب
كما هو مذهب الكوفية وعَبْدُها ای راعيها تشبيهاً له بالعبد لقيامه بحق
خدمتها او عبدها حقيقة باضافته لادنى ملابسة عوذاً بالذال المعجمة
كما ان العبد يقوم بحق خدمة مولاه ۱۲
جمع عائذ ای حديثات النتاج حال من المائة يزجي بالزاء المعجمة
یعنی نوزائیدہ ۱۲
والجيم على صيغة المعلوم المذكر ای يسوق وفاعله ضمير العبد
واطفالها منصوب على المفعولية او على صيغة المجهول المؤنث
ای مفعول یزجی ۱۲
واطفالها مرفوع على انه مفعول مالم يسم فاعله وحقيقة الامر لا ينكشف
الا بعد معرفة حركة حرف الروی من القصيدة واما لانه قاسه على الضارب
ای الضارب زید ۱۲
الرجل والضاربك فاجاب المصنف رحمه عنه بقوله وانما جاز الضارب

جائز ہیں اور وہ الضاربُ زید کی مثل ہیں لہذا یہ نہ ہوگا کہ الضاربُ الرجل اور الضاربک تو جائز ہوں
اور الضاربُ زید ناجائز پس اس کا جواب مصنف یہ دیتے ہیں کہ قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ ترکیب
الضارب الرجل بھی ناجائز ہو اس لئے کہ اس میں اضافۃ سے کوئی تخفیف نہیں آئی بلکہ تخفیف
اس میں محض لام کی وجہ سے ہے مگر تاہم یہ ایک دوسری وجہ سے جائز ہے وہ یہ کہ ترکیب مذکور
الحسن الوجہ کی وجوہ میں سے وجہ مختار پر محمول ہے اور وہ الوجہ کا اضافت کی وجہ سے مجرور ہونا ہی
اس کے علاوہ اس میں دو وجہیں اور بھی ہیں مگر وہ غیر مختار ہیں اس لئے کہ وہ قبیح اور مخدوش ہیں
اول وجہ یہ ہے کہ الوجہ کو فاعلیۃ کی بناء پر رفع پڑھیں مگر یہ اس وجہ سے قبیح ہے کہ جملہ عائد
موصوف سے خالی رہ جاتا ہے اس لئے کہ جاءنی زیدٌ حسنٌ الوجہُ میں زیدٌ موصوف ہے اور حسنٌ
صفۃ مشبہ اور الوجہ اس کا فاعل پس صفت مشبہ اپنے فاعل سے مل کر جملہ ہو کر زیدٌ کی صفت
واقع ہوگی اور قاعدہ یہ ہے کہ جب جملہ صفت ہو تو اس میں موصوف کی طرف (باقی بر صفحہ ۲۳۶)

یزجی بزائے منقوطہ اور جیم کے ساتھ
باب تفعیل سے صیغۂ واحد مذکر
غائب ہے جس کے معنی یسوق یعنی
چلانے کے آتے ہیں جس کو اردو میں
ہانکنا کہتے ہیں اس کا فاعل ضمیر
مستتر ہے جو عبد کی طرف راجع ہے
اور اطفالہا مفعولیۃ کی بناء پر منصوب
ہے یا یہ کہ یزجی صیغۂ واحد مؤنث
غائب مجہول ہے یعنی تُزجی اور
اطفالہا مفعول مالم یسم فاعلہ کی
بناء پر مرفوع ہے پس شعر کے معنی
یہ ہوں گے شاعر کا ممدوح بخشش
کرنے والا ہے سو اونٹنیوں کی درانحالیکہ
وہ نوزائیدہ بچوں والی ہیں اور سو
غلاموں کی کہ ہنکاتے ہیں وہ ان
اونٹنیوں کے پیچھے ان کے بچوں کو یا
ہنکائے جاتے ہیں ان کے بچے۔ یہ
ترجمہ لفظی ہے بامحاورہ اس طرح
ہے شاعر کا ممدوح نوزائیدہ بچوں
والی سو اونٹنیوں اور سو غلاموں
کی کہ وہ ان کے پیچھے ان کے بچوں کو
ہنکاتے ہیں بخشش کرنے والا ہے
واللہ اعلم سلہ قولہ وحقیقۃ الخ یہاں
سے شارح یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ
یزجی کے معروف و مجہول ہونے
کا پتہ کیسے چلے؟ جواب یہ ہے کہ
اس شعر کے قصیدہ کو دیکھا جائے
کہ اس کے آخر میں حرف روی یعنی
لام کی حرکت کیا ہے اگر تمام قصیدہ
میں لام کی حرکت ضمہ ہے تو اس
میں بھی اطفالہا کو مضموم پڑھیں گے
اور یزجی واحد مونث مجہول پڑھا جائیگا اور دوسرے اشعار میں فتحہ ہے تو صیغۂ معروف مذکر پر اس کو پڑھیں گے حرف روی اس حرف کو
کہتے ہیں جو ہر شعر میں مکرر آئے پس اس قصیدہ کا حرف روی لہا ہے واللہ اعلم سلہ قولہ واما لانہ الخ الضارب زید کو صحیح ثابت کرنے کے لئے
فراء کی یہ تیسری دلیل ہے اور مطلب یہ ہے کہ شاید اس نے یہ قیاس کر لیا ہے کہ جس طرح الضارب الرجل اور الضاربک بالاتفاق

(بقیہ صفحہ ٢٣٥) لوٹنے والی ضمیر کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور یہاں ضمیر نہیں لہذا یہ خلاف اصل ہونے کی وجہ سے قبیح اور غیر مختار ہے دوسری وجہ اس میں یہ ہے کہ اس کو مفعول سے مشابہ قرار دیکر منصوب پڑھیں اور اس تشبیہ بالمفعول کی وجہ یہ ہے کہ یہ مفعول کی طرح کلام کے تمام ہونے کے بعد واقع ہوا ہے جیساکہ مفعول ہوتا ہے اس لئے کہ قول قائل زیدٌ حسن الوجہ میں زیدٌ حسنٌ باعتبار مبتدا و خبر واقع ہونے کے

الرجل یعنی کان القیاس عدم جوازہ لانتفاء التخفیف لزوال التنوین باللام لکنہ جاز حملاً علی الوجہ المختار فی الحسن الوجہ و ہو جر الوجہ بالاضافۃ وفیہ وجہان آخران رفعہ علی الفاعلیۃ ونصبہ علی التشبیہ بالمفعول ووجہ الحمل اشتراکہما فی کون المضاف صفۃً والمضاف الیہ جنساً معرفین باللام وہذا الاشتراک مفقود بین الضارب زیدٍ والحسن الوجہ فقیاسہ علیہ قیاسٌ مع الفارق والضاربک یعنی انما جاز الضاربک مع

لعدم العلۃ المشترکۃ بین المقیس والمقیس علیہ ١٢

ان القیاس عدمُ جوازہ لما عرفت وکذا شبہہٗ وہو الضاربی والضاربتہ وغیرہا فیمن قال ای فی قول من قال یعنی سیبویہ واتباعہ انہٗ ای الضارب فی الضاربک مضاف دون من قال انہ غیر مضاف

فیکون الکاف حینئذ مجرور المحل ١٢ عب

ضاربٌ بمعنی اضرب ہوگا اور کاف مفعول بہ پس ان لوگوں کے قول کے موافق تو استدلال صحیح نہیں ہوگا بلکہ جواز حمل کی احتیاج ہی باقی نہیں رہیگی کیونکہ یہ سرے سے اضافت کے ہی قائل نہیں دوسرے یہ کہ چونکہ اس جگہ اضافت بے فائدہ ہے اس لئے کہ اس سے تخفیف حاصل نہیں ہوتی لہذا قیاس اس کا مقتضی ہے کہ یہ ترکیب اور اسی طرح اس کی مشابہ مثلاً الضاربی اور الضاربہٗ ناجائز ہوں گے مگر بایں ہمہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس جگہ اضافت ہے جیساکہ سیبویہ اور اس کے اتباع کا مذہب ہے تب بھی فراء کا استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ وہ اس ترکیب کو ضاربک پر محمول ہونے کی وجہ سے جائز کہتے ہیں اور ضاربک میں سقوط تنوین اتصال ضمیر کی وجہ سے ہے نہ کہ اضافت کے سبب سے لہذا اس سے فراء کا استدلال درست نہیں ہوگا اور الضارب زید کہنا جائز نہ ہوگا اب جاننا چاہیئے کہ اس جگہ حملاً کی تفسیر ای المحمولیۃ سے کرکے لام سے تو اس طرف اشارہ کیا ہے کہ حملاً مفعول لہٗ ہے جاز کا اور محمولیۃ سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے (باقی بر صفحہ ٢٣٧)

کلام تام ہے اور یہ عین مفعول اس وجہ سے نہیں ہو سکتا کہ حسن لازم ہے مفعول کی حالت نہیں ہوتی پس مشتبہ بالمفعول اس کو قرار دینگے مگر یہ بھی قبیح ہے اس لئے کہ الوجہ میں بالاصالۃ ہے اصالۃ کی وجہ سے اور نصب باعتبار تشبیہ بالمفعول کے ہوگا اور یہ تبعیۃ ہے اور اصالۃ اولیٰ ہوتی ہے تبعیۃ سے لہذا خلاف اصالۃ ہونے کی وجہ سے یہ بھی غیر مختار ہے اب رہی یہ بات کہ الضارب الرجل کو الحسن الوجہ پر کیوں محمول کیا گیا تو اس کا جواب ووجہ الحمل الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ اس حمل کی وجہ یہ ہے کہ یہ اور الحسن الوجہ دونوں دو امروں میں مشارک ہیں ایک یہ کہ دونوں ترکیبوں میں مضاف صیغہ صفۃ اور معرف باللام ہے دوسرے یہ کہ مضاف الیہ دونوں میں اسم جنس اور معرف باللام ہے اور یہ اشتراک الضارب زیدٍ اور الحسن الوجہ میں مفقود ہے پس الضارب زیدٍ کو الحسن الوجہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ مقیس اور مقیس علیہ میں کوئی علۃ مشترکہ نہیں لہذا ترکیب الضارب زیدٍ ناجائز ہوگی واللہ اعلم

قولہ والضاربک الخ یہ فراء کے استدلال ثالث کی شق ثانی والضاربک کا جواب ہے تقریر استدلال کی یہ ہے جو کہ الضارب الرجل کی ہے اس کا جواب مصنف یہ دے رہے ہیں کہ اول تو جمہور نحاۃ اس ترکیب میں اضافۃ کے قائل نہیں کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ مضاف نہیں اور نہ اضافت کے باعث کاف مجرور المحل ہے بلکہ یہ مفعولیۃ کی بنا پر منصوب المحل ہے اور اس کی تنوین اتصال ضمیر کی وجہ سے حذف ہوئی ہے نہ کہ اضافۃ کے سبب سے پس اس صورت میں اس میں الف لام بمعنی الذی اور

والكاف منصوب المحل على المفعولية والتنوين محذوف لاتصال الضمير
لا للاضافة فانه[ع] لايحتاج جوازه الى حملٍ حملاً اى لمحموليته على ضاربك
فاتحد فاعل المفعول له والفعل المعلل به اعني جاز وبيانه[ث] انهم
لان الجواز والمحمولية صفتان للضاربية ۱۲ ع ل
اذا وصلوا اسماء الفاعلين والمفعولين مجردة عن اللام بمفعولاتها
الوصل پیوند کردن ۱۲
وكانت مضمرات متصلات التزموا الاضافة ولم ينظروا الى تحقق تخفيف
فقالوا ضاربك وان لم يحصل التخفيف بالاضافة بل بنفس اتصال الضمير
ثم لما لم يعتبروا التخفيف في ضاربك وجوزوه بدونه حملوا الضاربك
عليه لانهما من باب واحد حيث كان كل منهما اسم فاعل مضافا الى مضمر
متصل محذوفا تنوينه قبل الاضافة لا للاضافة ولم يحملوا الضارب زيد

ناجائز ہے کیونکہ تنوین سے انفصال کا پتہ چلتا ہے اور ضمیر متصل اتصال پر دلالت کرتی ہے پس جب ضاربک میں باوجود التزام اضافت کے تخفیف کی طرف التفات نہیں اور بغیر حصول تخفیف کے اس کو جائز قرار دیدیا گیا تو الضاربک میں بھی تخفیف کا لحاظ نہیں کیا جائیگا اور اس کو ضاربک پر محمول کرلیں گے اس لئے کہ دونوں ایک ہی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ تعلق یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک ایسا اسم فاعل ہے کہ جس کی تنوین قبل الاضافت محذوف ہے نہ کہ اضافت کی وجہ سے اور ہر ایک اسم فاعل ضمیر متصل کی طرف مضاف ہے اب اگر فرا یہ کہے کہ میں الضاربُ زید کو الضاربک کی طرح ضاربک پر محمول کرتا ہوں تاکہ الضاربُ زیدٍ بھی بلا تخفیف کے صحیح ہو جیسا کہ ضاربک میں تخفیف مدنظر نہیں تو جواب یہ ہے کہ الضاربُ زید کو اس پر محمول نہیں کرسکتے اس لئے کہ دونوں باب واحد سے نہیں کیونکہ الضاربُ زیدٍ میں اسم فاعل کی اضافت ضاربک کی طرح ضمیر متصل کی طرف نہیں بلکہ اسم مظہر کی طرف ہے (باقی بر صـ۲۴۳)

(بقیہ صـ۲۳۶) جس کی تقریر یہ ہے کہ مفعول لہٗ میں شرط یہ ہے کہ مفعول لہٗ اور فعل مذکور یعنی فعل معلل بہٖ دونوں کا فاعل ایک ہو اور یہاں ایسا ہے نہیں اس لئے کہ فعل معلل بہٖ یعنی جاز کا فاعل تو الضاربک ہے اور مفعول لہٗ یعنی حملاً کا فاعل متکلم اس لئے کہ حمل کرنے والا متکلم ہی ہوسکتا ہے پس خلاف شرط ہونے کی وجہ سے اس کا مفعول لہٗ ہونا درست نہیں شارح نے جواب دیا کہ حمل مصدر اس جگہ مبنی للمفعول یعنی بمعنے محمول ہے اور محمول وہ ترکیب ہے اور جاز کا فاعل بھی وہی ترکیب الضاربک ہے پس مفعول لہٗ اور فعل معلل بہٖ دونوں کا فاعل متحد ہوگیا اور کوئی اعتراض باقی نہیں رہا اب رہی یہ بات کہ حملاً مصنف دو جگہ لائے ہیں مگر شارح نے اس کی تفسیر دوسری جگہ کی ہے حالانکہ پہلی جگہ کرنی چاہیئے تھی تاکہ ثانی کو اول پر قیاس کرلیا جاتا پس اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ اگرچہ ایک کا بیان دوسرے کے بیان کو مستلزم ہے اور اول جگہ اس کی تفسیر ہونی چاہیئے تھی مگر شارح نے اس خیال سے اول جگہ کو ترک کردیا کہ پہلے کلام کے مقصود اصلی سے فراغت [illegible] ہوجائے پھر حل ترکیب کا بیان کریں گے جو کہ مقصود بالتبع ہے لہٰذا اب بعض معترضین کا یہ کہنا بھی درست نہیں ہوگا کہ شارح سے اس جگہ بموجب الانسان مرکبٌ من الخطاء والنسیان غفلت اور سہو ہوا ہے واللہ اعلم
[۵] قولہ وبیانہ الخ اس جگہ سے شارح ضاربک پر الضاربک کے حمل کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ نحاۃ کا قاعدہ یہ ہے کہ جب وہ اسم فاعل یا اسم مفعول مجرد عن اللام کو اپنے مفعول ضمیر متصل سے ملاتے ہیں تو وہ مفعول کی طرف اضافۃ کا تو التزام کرتے ہیں اگر اضافۃ سے تحقق تخفیف کی طرف ان کی نظر نہیں ہوتی پس ضاربٌ اسم فاعل کے ساتھ جب اس کے مفعول ضمیر منصوب متصل کا الحاق کیا گیا تو ضاربک کہیں گے اضافۃ کے ساتھ اور یہ اضافۃ اس جگہ جائز ہے اگرچہ اضافت سے تخفیف حاصل نہ ہو بلکہ محض اتصال ضمیر سے حاصل ہوجائے یعنی اس جگہ اضافت فائدہ تخفیف کے لئے نہیں ہے کیونکہ تخفیف تو اتصال ضمیر سے بھی حاصل ہوجاتی ہے اس لئے کہ ضمیر متصل کے ساتھ تنوین کا اجتماع

(بقیہ صفحہ ۲۳۱) پس جب یہ دونوں ایک باب سے نہیں تو الضارب زید کو الضاربک پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہوگا اور یہ ناجائز ہے والله اعلم ۔ قولہ والدلیل الخ اب رہا یہ امر کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ سقوط تنوین اتصال ضمیر کی وجہ سے ہے اضافت کے سبب سے نہیں تو اس کا جواب شارح انہ لو سقطت بالاضافة الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اگر تنوین اضافة کی وجہ سے ساقط ہوتی تو مناسب یہ تھا کہ حصول تنوین کا اولاً ایسے طریقہ پر تصور کیا جاتا کہ اسم فاعل پر تنوین کے ساتھ ضمیر منصوب بالمفعولیۃ کو اسم فاعل سے منفصل لا کر ضاربٌ کَ کہتے پھر سقوط تنوین کے ساتھ اسم فاعل کی اضافت کاف کی طرف کر کے ضاربک کہا جاتا جیسا کہ ضاربُ زید کا تصور اولاً ضاربٌ زیداً کے ساتھ کیا جاتا ہے پھر اسم فاعل کو مضاف کر کے ضاربُ زید کہا جاتا ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ ضاربک کا تصور ضاربٌ کَ کے ساتھ ہرگز نہیں کیا جاتا پس معلوم ہو گیا کہ یہ تنوین اتصال کاف کی وجہ سے حذف ہوئی ہے اضافة کے سبب سے نہیں والله اعلم ۔ قولہ ولقائل الخ یہ ایک اعتراض ہے جو تقریر مذکورہ بالا پر وارد ہوتا ہے اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ ضاربک کی اصل ضاربٌ ایاک تنوین کی وجہ سے فصل کے ساتھ ہو پھر جب ضاربٌ کی اضافت کی گئی تو تنوین حذف کر دی گئی اور ضمیر منفصل متصل ہو گئی پس ضاربک ہو گیا اور اس سے بہت زیادہ تخفیف حاصل ہو گئی مضاف میں تو اس لئے کہ تنوین حذف ہوئی ہے اور مضاف الیہ میں اس لئے کہ ضمیر منفصل متصل سے تبدیل ہو گئی جو کہ منفصل سے اخف ہے پھر الضاربک کو ضاربک پر محمول کر دیا گیا اگرچہ اس میں جانبین سے قطعاً تخفیف نہیں پائی جاتی اور اس حمل کی وجہ یہ ہوگی کہ دونوں ایک ہی قبیل سے ہیں یعنی دونوں میں مضاف اسم فاعل ہے اور ضمیر متصل کی طرف اس کی اضافت ہو رہی ہے پھر یہ کہ اس حمل کے ساتھ اس چیز کا اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں رہیگی کہ ان کی تنوین قبل الاضافت حذف

علیہ لانہما لیسا من باب واحد والدلیل علی ان سقوط التنوین فی ضاربک لاتصال الکاف لا للاضافة انہا لو سقطت بالاضافة لکان ینبغی ان یتصور ذلک اولاً علی وجہ یکون الضمیر منصوباً بالمفعولیۃ ثم یضاف ویقال ضاربک کما یتصور ضاربٌ زیداً ثم یضاف و یقال ضاربُ زیدٍ ولن یتصور ضاربٌ کَ فعلم انہا سقطت لاتصال الکاف لا للاضافة ولقائل ان یقول لم لا یجوز ان یکون اصل ضاربک ضاربٌ ایاک للفصل بالتنوین ثم لما اُضیف حذف التنوین وصار الضمیر المنفصل متصلاً فصار ضاربک وحصل التخفیف جداً ثم حُمل الضاربک علیہ لانہما من بابٍ واحدٍ حیث کان کلٌّ منہما اسم فاعلٍ مضافاً الی مضمرٍ متصلٍ من غیر اعتبار حذف

ہوئی ہے اضافة کی وجہ سے نہیں اور نہ اس چیز کا لحاظ ہوگا کہ الضاربُ زید کو اس پر محمول نہیں کیا جائیگا کیونکہ دونوں باب واحد سے نہیں پس جب ایسا ہو سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ یہ جائز نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو اہل عرب سے قبل الاضافة ضاربٌ ایاک ضرور سنا جاتا حالانکہ کسی سے بھی ایسا نہیں سنا گیا لہذا خلاف سماع ہونے کی وجہ سے یہ ناجائز ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ ضاربک ور کلام ہے اور ضاربٌ ایاک اور یعنی اول میں اتصال حقیقی پایا جاتا ہے اور ثانی میں انفصال حقیقی پس ایک کو دوسرے سے تبدیل کر دینا خلاف مشہور ہے لہذا دونوں کو اپنی اصل حقیقۃ پر چھوڑ دیا جائیگا اور ضاربٌ ایاک میں اضافت جائز نہ ہوگی کہ بوقت اضافت ضمیر منفصل کو متصل سے

(باقی بر صفحہ ۲۳۹)

(بقیہ صفحہ ۲۳۸) تبدیل کرسکیں لہذا توجیہ مذکورہ بالا صحیح نہیں تیسرا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ ضاربک کی اصل ضاربٌ ایاک ہے اسلئے کہ استدلال ظاہر سے ہوتا ہے اور ظاہر ضاربک ہے ضمیر متصل کے ساتھ لہذا اس کی اصل ضاربٌ ایاک قرار دینا ظاہر سے عدول کرنا ہی اور یہ ناجائز ہے واللہ اعلم ۱۲ قولہ واعلم الخ اس سے شارح کا منشا اس امر کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ جس طرح اقوال مذکورہ کو فراء کے

تنوینہما قبل الاضافۃ لاللاضافۃ ولم یحملوا الضارب زید علیہ لانہما لیسا من باب واحد واعلم انا حملنا قولہ وضَعُفَ ۔ الواہبُ المائۃ الہجان وعبدہا ۔ وقولہ الضارب الرجل والضاربک حملاً علی نظیرہما علی الاجوبۃ عن استدلالات الفراء علی جواز الضارب زید عن جانب المص علی موافقۃ بعض الشارحین ولک ان تجعل کل واحدۃ منہا اشارۃ الی مسألۃ علی حدۃ مناسبۃ للحکم بامتناع الضارب زید فمعنی قولہ وضعف ۔ الواہب المائۃ الہجان وعبدہا ۔ انہ ضَعُفَ عطف المجرد عن اللام علی المحلّی بہ المضاف الیہ صفۃٌ مصدرۃٌ باللام لانہ بتوسط العطف یصیر مثل الضارب زید کما عرفت وانما لم یحکم علیہ بالامتناع

وہو الشارح الرضی ۱۲

جیسا کہ الضاربُ زید میں زید پس الواہب عبدہا الضارب زید کی مثل ہو جائیگا اور الضارب زید ممتنع ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ اس سے تخفیف حاصل نہیں ہوتی لہذا الواہبُ عبدہا بھی بتوسط عطف ممتنع ہوگا واللہ اعلم ۱۲ قولہ وانما لم یحکم الخ اب سوال پیدا ہوا کہ الضارب زید کا تو امتناع ثابت ہے اور الواہب المائۃ اسی پر متفرع ہے لہذا یہ بھی ممتنع ہوا حالانکہ مصنف نے اس پر امتناع کا حکم نہیں لگایا بلکہ ضعف کا حکم لگایا ہے پس اس کی کیا وجہ ہے اس کا جواب لانہ قد یحتمل الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات معطوف میں وہ امر جائز ہوتا ہے جو معطوف علیہ میں جائز نہیں ہوتا کما مر لہذا اس گنجائش کی بناء پر الواہب المائۃ الخ پر امتناع کا حکم نہیں لگائیں گے بلکہ ضعیف قرار دیں گے پھر وحینئذ الخ سے شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب ان اقوال سے مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ مسئلہ کی طرف اشارہ ہوگا تو ضعف الواہب الخ کی تفسیر میں شارح کے قول اول پر (باقی بر صفحہ ۲۴۰)

استدلال کے جواب میں پیش کیا جاسکتا ہے اسی طرح ہر ایک قول ایک مستقل سوال مقدر کا جواب ہوسکتا ہے چنانچہ اسی کو شارح کہتے ہیں کہ ہم نے قول مصنف وضعف - الواہبُ المائۃ الہجان وعبدہا اور الضارب الرجل والضاربک دونوں کو ان کی نظیروں الحسن الوجہ وضاربک پر حمل کرتے ہوئے تینوں قولوں کو الضاربُ زید کے جواز پر استدلالات فراء سے مصنف کی جانب سے جوابات پر محمول کیا جیسا کہ بعض شارحین اس بات کے موافق ہیں مثلاً شارح رضی لیکن یہ بھی جائز ہے کہ ہر ایک کو ایک علیحدہ مسئلہ کی طرف اشارہ قرار دیا جائے جو کہ امتناع الضارب زید کے حکم کے مناسب ہو یعنی ہر ایک مسئلہ امتناع الضارب زید کی طرح اس مسئلہ کے امتناع پر دلالت کرے پس قول اول وضعف الواہب الخ سے ہم یہ مسئلہ مستنبط کریں گے کہ مجرد عن اللام کا عطف ایسے معرف باللام پر ناجائز ہے کہ جس کی طرف ایسی صفۃ مضاف ہو رہی ہو کہ جس پر الف لام داخل ہو اس لئے کہ عطف کی صورت میں وہ کلام الضاربُ زید کی طرح ہو جائیگا اور الضاربُ زید جیسا کہ معلوم ہو چکا ناجائز ہے لہذا یہ بھی ناجائز ہوگا تفصیل مقام کی یہ ہے کہ الواہب المائۃ الہجان وعبدہا میں عبدہا معطوف ہے اور یہ مجرد عن اللام ہے اور اس کا عطف المائۃ پر ہو رہا ہے جو کہ معرف باللام بھی ہے اور صفۃ معرف باللام یعنی الواہب کا مضاف الیہ بھی پس اس قسم کا عطف ناجائز ہے اس لئے کہ جو حکم معطوف علیہ کا ہوتا ہے وہی معطوف کا بھی ہوتا ہے پس جب معطوف علیہ پر الواہب داخل ہو رہا ہے تو عبدہا معطوف پر بھی یہ داخل ہوگا پس الواہبُ عبدہا ہو جائیگا اور عبدہا معرفہ ہے

(بقیہ ص۲۳۹) شائبۂ مصادرۃ علی المطلوب کا شبہ وارد ہوتا تھا وہ وارد نہیں ہوگا کیونکہ پھر توقف شئی علی نفسہ لازم نہیں آئیگا اس لئے
کہ اس کا تعلق استدلال فراء کے جواب سے نہیں رہیگا بلکہ یہ علیحدہ ایک مستقل مسئلہ بن جائیگا واللہ اعلم ۲۵ قولہ وارجاع الخ مسئلہ
اولی کی طرف شارح نے اشارہ کرکے اخیر کی صورتوں کو ترک کردیا اس لئے کہ ان سے مسئلہ کا استنباط بالکل ظاہر ہے اول صورت یعنی
الضارب الرجل سے استنباط مسئلہ کی تفصیل تو یہ ہے کہ وصف معرف باللام کی اضافۃ اسم معرف باللام کی طرف الحسن الوجہ کی وجہ مختار پر حمل کرتے ہوئے جائز ہے اگرچہ اس اضافۃ سے فائدہ تخفیف حاصل نہ ہو اور الضارب زید اس کی مثل ہے نہیں اور وہ ناجائز ہے لہذا عدم مماثلت کی وجہ سے الضارب الرجل جائز ہوگا اور الضارب زید کو اس پر قیاس نہیں کرسکتے پس ایک مسئلہ کے استنباط کے ساتھ فراء کے استدلال کا بھی رد ہوگیا اب رہی صورت ثانی یعنی الضاربک تو اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ وصف معرف باللام کی اضافۃ ضمیر کی طرف بغیر افادہ تخفیف کے ایسی صفۃ پر حمل کرتے ہوئے جائز ہے کہ جو مجرد عن اللام اور ضمیر کی طرف مضاف ہو اور وہ ضاربک ہے پھر چونکہ الضارب زید اس کی مانند بھی نہیں لہذا فراء اس کو بھی اپنے استدلال میں پیش نہیں کرسکتے ورنہ قیاس مع الفارق لازم آئے گا پس اس سے بھی مستقل مسئلہ کے استنباط کے ساتھ فراء کا رد ہوگیا اسی طرف شارح نے وتضمن الرد الخ سے اشارہ کیا ہے واللہ اعلم ۲۶ قولہ و لایضاف الخ یہاں سے مصنف ایک قاعدہ کلیہ بیان کررہے ہیں کہتے ہیں کہ موصوف کی اضافۃ
اپنی صفت کی طرف نہیں کی جاسکتی درانحالیکہ اضافۃ کے ساتھ وہ معنی بھی بحالہ ملحوظ رہیں جو ترکیب وصفی سے حاصل ہوتے ہیں
اس لئے کہ ترکیب وصفی اور ترکیب اضافی دونوں کے جداجدا معنی ہیں جب ترکیب اضافی مقصود ہوگی تو ترکیب وصفی مراد نہیں ہوسکتی اور
جب ترکیب وصفی ملحوظ ہوگی تو ترکیب اضافی کا تصور نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ معنی ترکیب وصفی کے تو یہ ہیں کہ اتحاد فی المعنی اور اتفاق

بل بالضعف لانه قد يتحمل في المعطوف مالايتحمل في المعطوف عليه وحينئذٍ
يندفع مافيه من توهم شائبة المصادرة على المطلوب على التقدير الاول و (وهو الحمل على الاستدلال ۱۲)
ارجاع كل من الصورتين الاخيرتين الى مسائلة (على حدة ۱۲) ظاهر وتضمن الرد على الفراء
في الاستدلال بهما ولايضاف موصوف الى صفته مع بقاء المعنى
المفاد بالتركيب الوصفي بحاله لان (اسم ان ۱۲) لكل من هيأتي التركيب الوصفي و
الاضافي معنى آخر لايقوم احدهما مقام الآخر (اى لايراد من احدهما معنى الآخر ۱۲) ولهذا المعنى بعينه لاتضاف صفة
الى موصوفها فلايقال مسجد الجامع بمعنى المسجد الجامع وجرد قطيفة بمعنى

فی الاعراب وغیرہ ہو نیز یہ کہ ثانی اول کے تابع ہو اور ترکیب اضافی کے معنی یہ کہ ثانی معنی اور اعراب
وغیرہ میں اول کے مغایر ہو نیز یہ کہ مضاف اور مضاف الیہ میں بواسطہ حرف جر اتصال ہوتا ہے پس
موصوف اپنی صفۃ کی طرف معنی وصفی کی بقا کے باوجود مضاف نہیں ہوسکتا نیز اس لئے کہ صفت
حقیقت میں عین موصوف ہوتی ہے اور مضاف الیہ مضاف کے مغائر ہوتا ہے پس اگر موصوف
کو اس کی صفت کی طرف مضاف کریں تو عینیت میں غیریت لازم آئیگی اور یہ باطل ہے اور جو
امر باطل کو مستلزم ہوتا ہے وہ خود باطل ہوتا ہے لہذا موصوف کا اپنی صفت کی طرف مضاف
ہونا باطل ہے یا یہ کہا جائے کہ موصوف دو حال سے خالی نہیں ہوتا صفۃ سے اخص ہوتا
ہے یا اس کے مساوی اور مضاف الیہ سے مضاف نہ تو اخص ہوتا ہے یا اس کے مساوی اسلئے
کہ اول صورت میں استکمال الاعلیٰ کا ادنیٰ سے لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں اور ثانی صورت میں
تحصیل حاصل لازم آتی ہے اور اس اضافۃ سے کوئی فائدہ نہیں لہذا موصوف کا اپنی صفت
کی طرف مضاف ہونا جائز نہیں واللہ اعلم ۲۷ قولہ ولہذا المعنی الخ یعنی جب یہ معلوم ہوگیا کہ
ترکیب وصفی کی ہیئۃ ترکیب اضافی کی ہیئۃ کے مغایر ہوتی ہے اور ہر ایک کے معنی جدا جدا ہوتے
ہیں تو صفۃ بھی اپنے موصوف کی طرف مضاف نہیں ہوسکتی کیونکہ اس میں اعتراضات بالا کے
علاوہ تابع کی فوقیت متبوع پر لازم آئے گی اور یہ ناجائز ہے پس ترکیب وصفی کو (باقی برص۲۴۱)

(بقیہ صفحہ ۲۴۲) ترکیب اضافی سے بدل کر نہیں المسجد الجامع کے معنی مراد لیتے ہوئے مسجد الجامع نہیں کہہ سکتے اسی طرح قطیفۃٌ جردٌ کے جردُ قطیفۃٍ کا استعمال نہیں کر سکتے ان میں سے پہلی مثال اضافۃ موصوف الی الصفۃ کے عدم جواز سے متعلق ہے اور ثانی اضافۃ صفۃ الی الموصوف کے عدم جواز سے اور ماس میں کوفیہ کا خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ ان دونوں کا استعمال اضافۃ کے ساتھ بغیر کسی

قطیفۃٌ جردٌ خلافاً للکوفیۃ فان مسجد الجامع عندہم بمعنی المسجد الجامع وجرد قطیفۃ بمعنی قطیفۃٌ جردٌ من غیر فرق ویرد[۱] علی القاعدۃ الاولیٰ وہو

قولہ لایضاف موصوف الی صفتہ مثل مسجد الجامع وجانب الغربیّ

وصلوٰۃ الاولیٰ وبقلۃ الحمقاء فان فی کل واحد من ہذہ التراکیب اضیف موصوف الی صفتہ فان الجامع صفۃ المسجد والغربیّ صفۃ الجانب والاولیٰ صفۃ الصلوٰۃ والحمقاء صفۃ البقلۃ وقد اضیف الیہا موصوفاتہا واجیب بان مثل ہذہ التراکیب متاوّلٌ فمسجد الجامع متاوّل بمسجد الوقت الجامع وذلک یحتمل معنیین احدہما ان یکون الوقت مقدرا فی نظم الکلام ویکون المسجد مضافاً الیہ والجامع صفۃ للوقت فیندفع الایراد بوجہین فان الجامع لیس مضافاً الیہ (مسجد الجامع) ولا صفۃً للمضاف وثانیہما ان یکون الوقت محذوفا والجامع قائماً مقامہ منطویاً علیہ فیکون بمنزلۃ الصفات الغالبۃ (التی صفۃ الوقت ۱۲) فیضاف المسجد الیہ فیندفع الایراد بوجہٍ واحدٍ وہو

سے مندفع ہو جائیگا اول تو اس وجہ سے کہ الجامع مسجد کا مضاف الیہ نہیں ہو گا اور ثانی اس وجہ سے کہ مضاف کی صفت واقع نہیں ہو گا بلکہ الوقت کی صفت ہو گا اور دوسرا احتمال یہ کہ الوقت اس جگہ محذوف مانا جائے اور الجامع اس محذوف کے قائم مقام کہ وہ وقت پر مشتمل ہو پس اس وقت الجامع جو کہ موصوف محذوف کے قائم مقام ہو کر معنیٔ وقت پر (باقی بر صفحہ ۲۴۳)

فرق کے کیا جا سکتا ہے اور دلیل اس کی یہ دیتے ہیں کہ اضافۃ تخفیف کے لئے کی جاتی ہے پس جب اضافت سے فائدہ تخفیف حاصل ہو تو اضافت بہر صورت کیف ما کان جائز ہے پس مسجد الجامع میں تو تخفیف حذف لام تعریف کے ساتھ ہو گی اور جرد قطیفۃ میں حذف تنوین کے ساتھ اور دوسری دلیل ان کی یہ ہے کہ اہل عرب بھی اس طرح استعمال کرتے ہیں واللہ اعلم

[۱] قولہ ویرد الخ قاعدۂ اولیٰ ولایضاف موصوف الی صفۃ پر کوفیہ کی جانب سے بصریہ پر اعتراض کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ قاعدہ غلط ہے اس لئے کہ اہل عرب سے اس کے خلاف سنا جاتا ہے جیسے مسجد الجامع جانب الغربی صلوٰۃ الاولیٰ اور بقلۃ الحمقاء کہ ان میں سے ہر ایک ترکیب میں موصوف کی اضافت اس کی صفت کی طرف کی گئی ہے اس لئے کہ الجامع المسجد کی صفت ہے اور الغربی، الجانب کی اور الاولیٰ صفت ہے الصلوٰۃ کی اور الحمقاء البقلۃ کی حالانکہ ان کے موصوف ان کی طرف مضاف ہیں اس کا جواب مصنف نے یہ دیا کہ اس جیسی تراکیب متاول ہیں پس مسجد الجامع متاول ہے مسجد الوقت الجامع کے ساتھ یعنی اس کی اصل مسجد الوقت الجامع تھی اس لئے کہ انسانوں کا جمع کرنے والا نماز کا وقت ہے مسجد نہیں ورنہ تمام اوقات میں انسان مسجد میں جمع رہا کرتے اور یہ باطل ہے پس اس اصل کی بنا پر ان میں دو معنی کا احتمال ہے ایک یہ کہ وقت نظم کلام میں مقدر مانا جائے اور مقدر کالمذکور ہوتا ہے پس لفظ مسجد الوقت کی طرف مضاف ہو گا اور الجامع وقت کی صفت پس ایراد مذکور دو وجہوں

ان الجامع ليس صفةً للمضاف وعلى هذا القياس صفة الاولى وبقلة الحمقاء متاوّل بصلوة الساعة الاولى وبقلة الحبة الحمقاء على الاحتمالين المذكورين لكن[٥١] هذا التاويل لا تمشي في جانب الغربي فانه لا شك ان المقصود توصيف الجانب بالغربية لا توصيف مكان هو جانبه بها اللهم الا ان يقال هناك مكانان جزءٌ وكلٌّ فالمكان الذي اضيف اليه الجانب (اى فى قوله جانب الغربي ۱۲ رحمن) هو الجزء والاضافة بيانية والمكان الذي اُعتبر الجانب بالنسبة اليه هو الكل فيستقيم المعنى ويرد[٥٢] على القاعدة الثانية وهو قوله ولا صفة الى (وهو الغربية ۱۲) موصوفها مثل جرد قطيفة واخلاق ثياب فان اصلهما قطيفةٌ جردٌ (بفتح جامۂ کہنہ شودہ ۱۲ ص / چادر بحیدہ ۱۲ ص) وثيابٌ اخلاقٌ قُدمت الصفة على الموصوف واضيف اليه واجيب عنه بانه متاوّلٌ بانهم حذفوا قطيفة من قولهم قطيفةٌ جردٌ حتى

جزء ہے اور یہ اضافت بیانیہ ہے ای الجانب الذی ہو المکان پس مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے اور دوسرا وہ مکان ہے کہ اس جزء مضاف الیہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے جانب کا اعتبار کیا گیا ہے اور یہ مکان کل ہو گا یعنی غربیۃ پس اس صورت میں جانب المکان الغربی کا مطلب جانب الجزء المنسوب الی الغرب ہو گا پس معنی درست ہو جائینگے واللہ اعلم ۱۲ [۵۲] قولہ ویرد الخ یہ قاعدہ ثانیہ لا تضاف صفۃ الی موصوفہا پر اعتراض ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ یہ قاعدہ بھی غلط ہے اس لئے کہ جرد قطیفۃ اور اخلاق ثیاب صفۃ کی اضافت موصوف کی طرف ہو رہی ہے اس لئے کہ ان دونوں کی اصل قطیفۃ جرد اور ثیاب اخلاق ہے صفۃ کو موصوف پر مقدم کر کے اس کی جانب مضاف کر دیا گیا قطیفۃ چادر کو (باقی بر صفحہ ۲۴۳)

(بقیہ ص ۲۴۱) مشتمل ہو گا تو یہ بمنزلہ صفات غالبہ کے ہو گا اس لئے کہ جب غیر موصوف کیلئے کسی صفۃ کو کسی علاقہ کی وجہ سے صفۃ قرار دیا جاتا ہے تو وہ بمنزلہ صفات غالبہ یعنی مجازیہ کے ہوتی ہے جیسا کہ الحکیم اور العظیم قرآن کی صفۃ قرار دیئے گئے ہیں کما فی قولہ تعالیٰ والقرآن الحکیم ایسے ہی والقرآن العظیم حالانکہ حقیقۃ ان کا موصوف صاحب قرآن یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ ہے پس اسی طرح اس جگہ بھی الجامع کا موصوف الوقت ہے حقیقۃً مگر مجازی طور پر اس کو مسجد کی صفۃ قرار دیدیا گیا پھر اسی حقیقۃ کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ مسجد اصل میں موصوف نہیں ہے بلکہ مضاف ہے مسجد کو الجامع کی طرف مضاف کر دیا گیا پس اس صورت میں بھی اعتراض مذکور مندفع ہو گیا وعلی ہذا القیاس صلوۃ الاولی وبقلۃ الحمقاء، صلوۃ الساعۃ الاولی اور بقلۃ الحبۃ الحمقاء کے ساتھ متاول ہیں پس قاعدہ کلیہ علی حالہ باقی ہے واللہ اعلم [۵۱] قولہ لکن ہذا التاویل الخ تاویل مذکور مسجد الجامع وغیرہ امثلہ میں تو جاری کر لی گئی مگر یہ تاویل جانب الغربی میں نہیں چل سکتی اور جانب المکان الغربی نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اس سے جانب کی وصفیۃ غربیۃ کے ساتھ بیان کرنی مقصود ہے نہ کہ اس مکان کی وصفیۃ کہ وہ جانب اس کی جانب ہے اور یہ جانب کی وصفیۃ غربیۃ کے ساتھ اس وجہ سے بیان کرنی مقصود ہے کہ جانب اسم جنس ہے اگرچہ معرف باللام ہے پس اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ جانب یمین مراد ہو یا یسار ایسے ہی جانب شرق یا غرب پس اس تعمیم کی وجہ سے ہم کو اپنے حصول مقصد کے لئے لامحالہ کسی ایک سمت کے ساتھ جانب کو مخصوص کرنا پڑا پس ہم نے جانب الغربی کہا تو دوسری سمتوں کی اس سے نفی ہو گئی پس جب اس تاویل مذکور کے اعتبار سے ہم اس کا موصوف المکان محذوف نکالیں گے تو غربیۃ جانب کی صفۃ نہیں رہیگی بلکہ مکان کی صفۃ ہو جائیگی اور یہ خلاف مقصود ہے لہذا تاویل مذکور جانب الغربی میں نہیں چل سکتی اس کا جواب اللہم الا ان یقال الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جانب الغربی میں دو مکان ہیں ایک جزء اور ایک کل پس جس مکان کی طرف جانب کی اضافۃ کی گئی ہے وہ

صار کانہ اسمٌ غیر صفۃ فلما قصدوا تخصیصہ لکونہ صالحا لان یکون قطیفۃً وغیرہا مثل خاتم فی کونہ صالحا لان یکون فضۃً وغیرہا اضافوہ الی جنسہ الذی یتخصص بہ کما اضافوا خاتما الی فضۃ فلیس اضافتہ الیہا من حیث انہ صفۃ لہا بل من حیث انہ جنسٌ مبہمٌ اضیف الیہا لیتخصص وعلی ہذا القیاس اخلاق ثیابٍ ولا یضاف اسمٌ مماثلٌ ای مشابہٌ للمضاف الیہ فی العموم والخصوص الی ذلک المضاف الیہ سواءٌ کانا مترادفین کلیثٍ واسدٍ فی الاعیان والحبس ومنعٍ فی المعانی والاحداث او غیر مترادفین بل متساویین فی الصدق کالانسان والناطق لعدم الفائدۃ فی ذکر المضاف الیہ فانک اذا

جواب لما ۱۲ — وہذہ الحیثیۃ مفقودۃ فی ہذہ الاضافۃ ۱۲ رحمن — بتسبیلہ لا اضافۃ ۱۲ — وفیہ اشارۃ الی اختیارہ المماثلۃ علی المرادف ۱۲

(بقیہ ص ۲۴۲) کہتے ہیں اور جرد کہنہ اور ردی کو اور اخلاق بھی پرانے کو کہتے ہیں مگر یہ جمع ہے اس کا جواب بھی مصنف نے یہ دیا کہ یہ بھی متاول ہے اور اس تاویل کی صورت یہ ہے کہ اگرچہ موصوف ذات پر دلالت کرتا ہے اور صفت ذات مبہم پر مع وصف کے دلالت کرتی ہے لیکن کبھی صفت کو ذات کے درجہ میں مطلق ذکر کرتے ہیں اور اس کی صورت یہ ہے کہ قطیفۃ جردٌ سے قطیفۃ کو حذف کر دیا جائے تو اس وقت جردٌ گویا کہ اسم ہوجائیگا غیر صفت پس جب جرد کو ذات کے درجہ میں ذکر کریں گے تو اس میں ابہام پیدا ہوگا کہ جرد کیا چیز ہے آیا قطیفہ ہے یا کچھ اور جیسا کہ خاتم ہے کہ اس میں فضہ اور غیر فضہ سے ہونے کی صلاحیت ہے پس جب رفع ابہام کے لئے اس کی تخصیص کا ارادہ کریں گے تو اس کی اضافہ اس جنس کی طرف کر دیں گے کہ جس سے اس میں تخصیص پیدا ہو کر ابہام دور ہو جائے جیسا کہ خاتم کی اضافہ فضہ کی طرف کر کے خاتم سے ابہام کو دور کیا گیا ہے پس قطیفۃ کو رفع ابہام کے طور پر اس کے بعد ذکر کیا اور جرد کو اس کی طرف مضاف کر دیا تو ابہام جاتا رہا پس معلوم ہوا کہ یہ اضافہ اس حیثیت سے نہیں کہ جرد قطیفہ کی صفت ہے بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ گویا جرد ایک جنس مبہم ہے اس کو قطیفہ کی طرف اس لئے مضاف کیا گیا کہ اس میں تخصیص پیدا ہو جائے اور ابہام جاتا رہے اور اسی پر بعینہ اسی تاویل کے ساتھ اخلاق ثیابٍ کو بھی قیاس کر لینا چاہیے پس حاصل ہوا کہ جرد قطیفۃ اضافۃ صفۃ الی الموصوف کے قبیل سے نہیں ہے واللہ اعلم ۔ لہ قولہ ولا یضاف الخ اور اگر دو اسم عموم اور خصوص میں ایک دوسرے کے مماثل یعنی مشابہ ہوں تو ان میں اضافت جائز نہیں عموم وخصوص ہیں عموم کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ دونوں اسم اس اعتبار سے عام ہوں کہ جس چیز پر ایک اسم کا اطلاق ہو سکے دوسرا بھی اس پر بولا جا سکے جیسے کہ لیث کا اطلاق شیر پر ہوتا ہے اسی طرح اسد کا بھی اس پر اطلاق کیا جاتا ہے اور خصوص کا یہ مطلب ہے کہ جس چیز پر ایک اسم کا اطلاق نہ ہو سکے دوسرا اسم بھی اس پر نہ بولا جا سکے جیسے مثلاً انسان کہ اس پر جس طرح لیث کا اطلاق نہیں کر سکتے اسی طرح اسد کا بھی اس پر اطلاق نہیں کیا جا سکتا اسی طرح ان کا عکس ہے اب رہی یہ بات کہ شارح نے مماثلٌ کی شرح مشابہٌ کے ساتھ کیوں کی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مماثلت سے اشتراک شیئین فی النوع مراد ہوتا ہے جیسا کہ زید وعمرو مشترک ہیں انسان ہونے میں اور لیث واسد کا اشتراک فی الوصف ہے یعنی عموم وخصوص میں اس لئے کہ یہ دونوں اوصاف سے ہیں پس مثال ممثل کے مطابق نہیں رہتی پس جب شارح نے مماثلت کی تفسیر مشابہت سے کر دی تو اس میں اشتراک فی الوصف بھی سمجھ میں آ گیا اور مثال ممثل کے مطابق ہوگئی بہر حال جب دو اسم ایسے ہوں کہ دونوں میں سے ایک کی اضافت دوسرے کی طرف نہ ہوگی خواہ وہ دونوں اعیان اور جثہ کے اعتبار سے مترادف ہوں جیسے لیث واسد یا معانی اور احداث کے لحاظ سے جیسے حبس ومنع کہ دونوں کے معنی ایک ہیں یا غیر مترادف ہوں بلکہ صدق میں متساوی ہوں جیسے انسان اور ناطق کہ یہ دونوں مترادف تو نہیں مگر مصداق دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے مثلاً زید (باقی بر ص ۲۴۴)

(بقیہ ۲۴۳) اور اس عدم اضافہ کی یہ وجہ ہے کہ مضاف الیہ کے ذکر کرنے میں اس اضافہ سے کچھ فائدہ نہیں اس لئے کہ مثلاً جب رئیت لیث اسدٍ کہا گیا تو اس سے وہی فائدہ حاصل ہوا جو رئیت لیثاً سے حاصل ہوتا ہے بغیر ذکر اسد اور مضاف الیہ کے پس اسد کا ذکر اور لیث کی اس کی طرف اضافۃ لغو ہوئی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا لہذا اس قسم کی اضافۃ ناجائز ہے واللہ اعلم ۱۲ ؎۵۱ قولہ بخلاف الخ یعنی بخلاف اس اضافہ کے جو عام کی خاص کی طرف ہو تو یہ جائز ہے اس لئے کہ یہ مفید ہوتی ہے اور مضاف میں تخصیص آجاتی ہے جیسے کل الدراہم اور عین الشیٔ کہ ان دونوں مثالوں میں مضاف عام ہے اس لئے کہ کل اضافہ سے پیشتر دراہم اور دنانیر دونوں کو شامل تھا اضافہ سے اس میں تخصیص آگئی اور کل دراہم کے ساتھ خاص ہو گیا ایسے ہی لفظ عین اضافہ سے قبل عام تھا موجود اور معدوم دونوں پر اس کا اطلاق عام ہوتا تھا اضافت سے اس میں تخصیص پیدا ہو گئی اور یہ موجود کے ساتھ خاص ہو گیا اس لئے کہ اس کا مضاف الیہ خاص ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ شئی کا حمل صرف موجود پر ہوتا ہے پس اس اضافہ سے چونکہ مضاف اپنے مضاف الیہ کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے اپنے عموم پر باقی نہیں رہتا لہذا یہ جائز ہو گی پھر واضح رہے کہ اس ضمن میں جو لفظ تخصیص آیا ہے وہ بمعنی تخصیص مقابل تعریف نہیں بلکہ اس کے غیر ہے اور یہاں اس اضافہ سے افادۂ تعریف یا تخصیص سے کوئی بحث نہیں جو بھی حاصل ہو جائے صحیح ہو سکتی ہے خواہ تعریف ہو یا ... تخصیص مثال مذکور میں کل کا عموم تو ظاہر ہے رہا عین کا عموم مقابلہ میں شئے کے تو اس کے متعلق شارح کہتے ہیں کہ الشئے میں اگر الف لام عہد کے واسطے لیا جائے تب تو شئے کا خاص ہونا اور عین کا عام ہونا ظاہر ہے لیکن اگر الشئی میں الف لام جنس کے لئے ہو تو عین کی اعمیۃ میں خفا پیدا ہو جاتا ہے اس لئے کہ الف لام جنس کے لئے ہونے کی وجہ سے شئی میں بھی عمومیۃ آجاتی ہے پس اعمیۃ عین کو شئے سے ثابت کرنے کے لئے وہی تقریر عمدہ ہے جو ہم نے اوپر کی ہے کیونکہ

قلت رأيت ليثَ اسدٍ لايفيد الامايفيده رأيت ليثا بدون ذكر الاسد واضافةِ الليث اليه فيكونُ ذكرُ الاسد واضافةُ الليث اليه لغواً لافائدة فيه بخلاف ؎۵۱ اضافة العامّ الى الخاص في مثل كلّ الدراهم وعينُ الشئ فانّه اي المضاف فيهما يختصّ به اي يصير خاصًا بسبب اضافته الى المضاف اليه ولايبقى على عمومه سواء افادت الاضافةُ التعريفَ او التخصيص واعمية العين عن الشئ اذا كان اللام فيه للعهد ظاهرةٌ واما اذا كان للجنس ففيها خفاء ويَرِدُ ؎۵۲ على قولهم لايضاف (فان المراد من الشئ حينئذٍ هو الشئ المتعين ۱۲ رحمن) اسمٌ مماثلٌ للمضاف اليه في العموم والخصوص قولهم سعيدُ كرزٍ فان سعيداً وكرزاً اسمان للمسمّى واحدٍ كليثٍ واسدٍ مع انه اضيف احدهما الى الآخر فاجيب بانه متأوّل بحمل احدهما على المدلول والآخر على اللفظ فكانك

اس میں کسی قسم کا خفا نہیں پایا جاتا واللہ اعلم ؎۵۲ قولہ ویرد الخ یہاں سے مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں جو اوپر کے قاعدہ کلیہ پر وارد ہوتا ہے تقریر سوال کی یہ ہے کہ سعید اور کرز دونوں ایک ذات کے علم ہیں جیسے کہ لیث و اسد ہیں پس دونوں ایک دوسرے کے مماثل ہیں لہذا ان میں اضافہ نہ ہونی چاہیے تھی حالانکہ سعید کی اضافہ کرز کی طرف ہے اس کا جواب بھی مصنف نے یہ دیا کہ یہ بھی متاول ہے بایں طور کہ مضاف سے مراد مسمی کی ذات ہے اور مضاف الیہ سے مراد نفس لفظ پس گویا کہ جب جاءنی سعید کرزٍ کہا گیا تھا تو جاءنی مدلول ہذا اللفظ کہا گیا یعنی وہ ذات آئی جو لفظ کرز کے ساتھ مسمی اور ملقب ہے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں میں مماثلت نہیں لہذا قاعدہ کلیہ اپنی جگہ پر بالکل درست ہے اب (باقی برصفحہ ۲۴۵)

(بقیہ صفحہ ۲۴۴) رہا یہ اعتراض کہ اس کا عکس کر کے کرزُ سعید کیوں نہیں کیا گیا حالانکہ یہ اولیٰ ہے اس لئے کہ لقب عارضی ہوتا ہے اور
نام اصل پس لقب کی اضافۃ اسم کی طرف کرنی چاہیئے تاکہ نام کی وجہ سے مضاف میں مضاف الیہ کے اعتبار سے تخصیص پیدا ہوجا
اس کا جواب ولم یقولوا کرزُ سعید الخ سے شارح نے یہ دیا کہ اس قسم کی اضافۃ سے مضاف کی توضیح مقصود ہوتی ہے اور لقب
اسم سے زیادہ واضح ہوتا ہے
اس لئے کہ لقب عوام کا عطا کردہ
ہوتا ہے اور نام والدین کا رکھا
ہوا پس عوام کی عطا کردہ شئی زیادہ
مشہور ہوگی بمقابلہ والدین کی
عطا کردہ شئے کے پس اس کا عکس
نہیں ہو سکتا واللہ اعلم ۱۲ سے قولہ
واذا اضیف الخ یعنی جب اسم صحیح
یا ملحق بالصحیح کی اضافت یاء متکلم
کی طرف کی جائے گی تو اسم کے آخر
کو مناسبت یاء کی وجہ سے کسرہ
دیں گے اور یاء متکلم کو مفتوح یا
ساکن پڑھیں گے مفتوح اس
لئے کہ فتحہ اخف الحرکات ہے
اور سکون میں تخفیف ظاہر ہے
اب جاننا چاہیئے کہ اصطلاح
نحاۃ میں صحیح اس اسم کو کہتے ہیں
کہ جس کے آخر میں حرف علۃ نہ ہو
جیسے ثوب اور دار اور ملحق بالصحیح
وہ ہے کہ اسم کے آخر میں واو یاء
ہو اور ان کا ماقبل ساکن ہو جیسے
دلوٌ و ظبیٌ پس بوقت اضافت
صحیح کی مثال ثوبی اور داری
ہوگی اور ملحق بالصحیح کی دلوی و
ظبیی واللہ اعلم ۱۲ سے قولہ وانما
کان الخ یہاں سے شارح یہ بتانا
چاہتے ہیں کہ جس اسم کے آخر میں
واو یا یاء ہو اور ماقبل ساکن ہو
تو اس کو ملحق بالصحیح کیوں کہتے
ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ
سکون کے بعد حرف علۃ پر حرکت
ثقیل نہیں ہوتی اس لئے کہ خفۃ سکون ثقل حرکت کو معارض ہو جاتی ہے اور نیز اس لئے کہ سکون کے بعد حرف علۃ اس حرف علۃ
کی مانند ہے کہ جس سے کلمہ کی ابتداء کی جائے اور اس سے پہلے حرف پر سکوت کے ساتھ استراحۃ زبان کے بعد واقع ہو اور
سکوت کے بعد اس حرف علت پر بوقت ابتداء حرکت ثقیل نہیں ہوتی بس ایسے ہی سکون کے بعد بھی حرف علت پر حرکت

اذا قلت جارٌ نی سعید کرزٍ قلت جاءنی مدلول ہذا اللفظ ولم یقولوا
لان نسبۃ المجی الی الدال غیر صحیح ۱۲ غف
کرزُ سعید لان قصدہم بالاضافۃ التوضیح واللقبُ اوضح من الاسم
غالبًا واذا اُضیف الاسم الصحیح وہو فی عرف النحاۃ ما لیس فی آخرہ
حرفُ علۃ او الملحق بہ وہو ما فی آخرہ واو او یاءٌ قبلہما ساکن وانما
لان نصرہم فی احوال آخر الکلم ۱۲ غف وذلک
کان ملحقا بالصحیح لان حرف العلۃ بعد السکون لا تثقل علیہا الحرکۃ
لمعارضۃ خفۃ السکون ثقل الحرکۃ ولان حرف العلۃ بعد السکون مشابہا
بعد السکوت فی الوقوع بعد استراحۃ اللسان ولا تثقل علیہا الحرکۃ
ای الابتداء ۱۲
بعد السکوت یعنی فی الابتداء کذا بعد السکون الی یاء المتکلم کسر آخرہ للتناسب
مثل ثوبی و داری فی الصحیح وظبیی و دلوی فی الملحق بہ الیاءُ مفتوحۃ او ساکنۃ وقد اختلف
الواو للحال ۱۲

ثقیل نہیں ہوگی مزید توضیح یہ ہے کہ مثلاً ہم نے جارٍ نی وسّم کہا تو جارنی کی یاء پر ایک قسم کا سکوت
حاصل ہو گیا اور زبان کو راحت مل گئی پس جب اس سکوت کے بعد وسّم کہا گیا اور واو اس
میں حرف علۃ ہے تو اس حرف پر حرکت ثقیل نہیں معلوم ہوتی بس ایسے ہی دلوٌ میں مثلاً
ساکن کے بعد حرف علۃ پر حرکت ثقیل نہیں معلوم ہوگی لہٰذا اس کو ملحق بالصحیح قرار دیں گے
واللہ اعلم ۱۲ سے قولہ وقد اختلف الخ یعنی یاء متکلم مضاف الیہ کے مفتوح یا ساکن ہونے
میں تو سب کا اتفاق ہے لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں فتحہ اصل
ہے یا کسرہ پس بعض فتحہ اصل قرار دیتے ہیں اور بعض کسرہ لیکن صحیح یہ ہے کہ فتحہ اصل ہے
اس لئے کہ جب کلمہ حرف واحد ہو تو اس میں اصل حرکت ہے جیسے واو عطف، ہمزہ استفہام
کاف تشبیہ وغیرہ تاکہ ابتداء بالساکن لازم نہ آئے نہ حقیقۃً اور نہ حکماً حقیقۃً کی صورت
تو یہ ہے کہ وہ صدر کلام میں واقع ہو جیسے کزید اور حکماً کی میں کاف تشبیہ (باقی بر صفحہ ۲۴۶)

(بقیہ صـ ۲۴۵) اور حکماً کی یہ صورت ہے کہ صدر کلام میں نہ ہو جیسے یاء کہ اس کے مبنی علی السکون ہونے کی بناء پر اگرچہ ابتداء بالساکن حقیقۃً لازم نہیں آتی لیکن حکماً ضرور لازم آتی ہے اس لئے کہ اس کے استقلال کی وجہ سے اس کا ابتداء میں واقع ہونا صحیح ہے اگرچہ عارض کی وجہ سے واقع نہیں پھر جب کلمہ واحدہ حرکت کا اصل ہونا ثابت ہو گیا تو اب سوال پیدا ہوا کہ حرکت میں کونسی حرکت اصل ہے اس کا جواب والاصل فی مابنی الخ سے شارح نے یہ دیدیا کہ کلمۂ واحدہ کی بناء کی جائے تو اس میں حرکۃ فتحہ اصل ہے کیونکہ ضمہ اور کسرہ ثقیل حرکتیں ہیں اور حرف اپنے ضعف کے باعث ان کا تحمل کر نہیں سکتا لہذا ضعیف کو اخف سے مناسبت کی وجہ سے فتحہ دیا جائیگا اور حرف اس وجہ سے ضعیف ہوگا کہ وہ تنہا ہے پس جب فتحہ اصل ہوا تو اب جو سکون آئے گا وہ عارض کی وجہ سے آئیگا اور وہ عارض تخفیف ہے اور یہ تخفیف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ اس کے ساتھ دوسرا کلمہ ملا ہوا ہو اس لئے کہ حرف واحد میں تخفیف متعذر ہے کیونکہ ابتداء بالسکون لازم آتی ہے اور وہ محال ہے واللہ اعلم ۱۲

لـہ قولہ فان کان الخ یعنی اگر اسی اسم کے آخر میں جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہے الف ہو تو اس کو لغت فصیحہ کے مطابق ثابت و باقی رکھا جائیگا اس لئے کہ اس جگہ ابدال کا سبب متحقق نہیں یعنی نہ تو اس کے ماقبل ضمہ ہے کہ وہ اس کو واؤ سے بدلنا چاہیئے اور نہ کسرہ کہ یاء تبدیل کا مقتضی ہو جیسے عصای اور رحای اور ھذیل جو کہ عرب کا ایک قبیلہ ہے وہ الف کو مشاکلۃ یاء متکلم کی وجہ سے یاء سے بدل دیتا ہے بشرطیکہ وہ الف تثنیہ کے لئے نہ ہو اور پھر یاء کا یاء میں ادغام کر دیا جاتا ہے جیسے عصیّ اور رحیّ اور مشاکلۃ یاء متکلم کا مطلب یہ ہے کہ یاء متکلم اپنے ماقبل کسرہ چاہتی ہے اور عصای میں ماقبل کسرہ ہے نہیں پس مشاکلہ مفقود ہوئی لہذا ضروری ہوا کہ الف کو یاء سے تبدیل کریں تاکہ یاء متکلم سے مشاکلہ پیدا ہو جائے اور الف تثنیہ کو اس وجہ سے یاء سے تبدیل نہیں کرتے کہ اس تبدیلی کی وجہ سے مرفوع کا التباس غیر مرفوع سے لازم

فی ان ایہما الاصل والصحیح انہ الفتح اذ الاصل فی الکلمۃ التی علی حرف واحد ہو الحرکۃ لئلا یلزم الابتداء بالساکن حقیقۃً او حکماً والاصل فی مابنی علی الحرکۃ الفتح والسکون انما ہو عارض للتخفیف فان کان آخرہ ای آخر الاسم المضاف الی یاء المتکلم الفاً تثبت ای الالف علی اللغۃ الفصیحۃ لعدم موجب الانقلاب نحو عصای ورحای وھذیل وہی قبیلۃ من العرب تقلبہا ای الالف حال کونہا لغیر التثنیۃ یاءً لمشاکلۃ یاء المتکلم وتدغم فی الیاء مثل عصیّ ورحیّ ولا تقلب الف التثنیۃ کغلامی لالتباس المرفوع بغیرہ بسبب القلب وان کان آخر الاسم المضاف الی یاء المتکلم یاءً ادغمت فی یاء المتکلم لاجتماع المثلین فیما ہو کالکلمۃ الواحدۃ مثل مسلمیّ اذا اضیف الی یاء المتکلم واسقطت النون

آتا ہے جیسے غلامای کہ اس کا اعراب حالت رفع میں الف کے ساتھ ہے اور حالت نصب و جری میں یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ پس اگر اس میں بھی الف کو یاء سے تبدیل کر دیں گے تو حالت رفع حالت نصب و جر کے ملتبس ہو جائیگی واللہ اعلم لـہ قولہ وان کان الخ یعنی اگر اسی اسم کے آخر میں جو کہ یاء متکلم کی طرف مضاف ہے یاء ہو تو اس کو یاء متکلم میں مدغم کر دیں گے اس لئے کہ ایسے دو کلمے جو بمنزلہ کلمۂ واحدہ کے ہوں ان میں دو حرف ایک جنس کے جمع ہوں تو ادغام کر دیا جاتا ہے جیسے مسلمین (تثنیہ و جمع) جبکہ اسکی اضافت یاء متکلم کی طرف کی جائے اور نون کو اضافت کی وجہ سے ساقط کر دیا جائے تو اس میں مضاف اور مضاف الیہ بمنزلہ کلمۂ واحدہ کے ہونگے پس جب یاء کا یاء میں ادغام کر دیا گیا تو مسلمیّ ہو گیا واللہ اعلم ۱۲

للاضافة وادُغمت الیاء فی الیاء فصار مسلمیّ وان[1] کان آخره واواً
قُلبت الواو یاءً لاجتماع الواو والیاء والاُولی ساکنة مثل مسلمون اذا
اضیف الی یاء المتکلم قلبت واوه یاءً وادغمت الیاء فی الیاء
وکُسر ماقبلها لانها لما انقلبت یاءً ساکنةً یوجب بقاءُ الضمة قبلها
تغیّرها فحرکت بالحرکة المناسبة لها فقیل مسلمی وان کانت قبل الیاء
اوالواو فتحةٌ بقی ماقبلها مفتوحاً کقولک فی مسلمین مسلمیّ وفی مصطفون
مصطفیّ لخفة الفتحة وفُتحت[2] الیاء ای یاء المتکلم فی الصور الثلث
للساکنین ای للزوم التقاء الساکنین ان لم تحرّک واختیر الفتح لخفته
واما الاسماء[3] الستة التی مر البحث عنها مضافة الی غیر یاء المتکلم فاخ
واب ای فالحال فی اخ واب منها اذا اضیف الی یاء المتکلم ان
یقال اخی وابی مثل یدی ودمی بلا رد المحذوف بجعله نسیاً منسیاً واجاز المبرد[4] فیهما

ان دونوں کو یاء متکلم کی طرف مضاف کرتے وقت رد لام کلمہ یعنی واو کی اجازت دی ہے پس وہ بجائے ابی اور اخی کے ابیّ اور اخیّ کہتے ہیں اس لئے کہ واو مشاکلہ یاء کی وجہ سے یاء سے بدل جائیگا اور پھر یاء کا یاء میں ادغام ہو جائیگا اور انہیں صورت رد لام کلمہ کے بارے میں دلیل میں شاعر کا یہ شعر پیش کرتے ہیں ؎ قدرٌ احلّکِ ذاالمجاز وقد أریٰ + وأبیّ مالکَ ذوالمجاز بدارٍ + کہ اس میں بوقت اضافت الی یاء المتکلم اب کا لام کلمہ لوٹا لیا گیا ہے اسی واسطے ابیّ کہا گیا ہے یاء کی تشدید کے ساتھ شعر کی تشریح یہ ہے کہ قدر بمعنی تقدیر ہے دباقی ص ۲۴۸

[1] قولہ وان کان الخ اور اسم کے آخر میں واو ہو تو واو کو یاء سے بدل دیا جائیگا اجتماع واو اور یاء کی وجہ سے درانحالیکہ پہلا ساکن ہے جیسے مسلمون کہ جب اس کی اضافت یاء متکلم کی طرف ہوگی تو واو یاء سے تبدیل ہو جائیگا اور یاء کا یاء میں ادغام کردیا جائیگا اور یاء کے ماقبل کو کسرہ دیدیا جائیگا اس لئے کہ جب واو یاء ساکنہ سے منقلب ہو گیا تو اس یاء منقلبہ کے ماقبل کا ضمہ اس یاء کے تغیر کو واجب کرتا ہے اس لئے کہ ضمہ واو کا مقتضی ہے پس اگر ضمہ ماقبل باقی رہتا ہے واو کو یاء سے بدل دینے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا لہذا یاء ساکن کے مناسب جو حرکت ہے اس سے اس ضمہ کو تبدیل کرلیا جائیگا اور وہ مناسب حرکت کسرہ ہے لہذا اس کو کسرہ دیدیں گے پس مسلمون سے مسلمیّ ہو جائیگا اور اگر یاء اور واو سے پہلے فتحہ ہو تو خفۃ فتحہ کی وجہ سے ان کا ماقبل علی حالہ مفتوح باقی رہیگا جیسے مسلمین (تثنیہ) سے مسلمیّ اور مصطفی کی جمع مصطفون سے مصطفیّ واللہ اعلم [2] قولہ وفتحت الخ اس کا تعلق مذکورہ سابق تینوں صورتوں سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ یاء متکلم کو التقاء ساکنین سے بچنے کے لئے تینوں صورتوں میں فتحہ دیں گے اس لئے کہ فتحہ اخف الحرکات ہے اور التقاء ساکنین ناجائز واللہ اعلم [3] قولہ واما الاسماء الخ یعنی اسماء ستہ مکبرہ ہیں (کہ جن کی بحث غیر یاء متکلم کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں گذر چکی ہے) اخ اور اب کا حال جبکہ یہ یاء متکلم کی طرف مضاف ہوں یہ ہے کہ یدی اور دمی کی طرح اخی اور ابی کہیں گے اور محذوف کو رد نہ کریں گے یعنی ید اور دم کی طرح اخ وغیرہ سے جو لام کلمہ حذف کردیا جاتا ہے اور وہ نسیاً منسیاً کے درجہ میں محذوف ہو چکا ہے تو اس کو یاء متکلم کی طرف اضافت کے وقت رد نہیں کرینگے اس لئے کہ ان دونوں کا کثرت استعمال تخفیف کو چاہتا ہے اور رد کرنا تخفیف کے منافی ہے اس جگہ شارح نے ای فالحال الخ سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ الاسماء الستۃ مبتدا متضمن معنی شرط کو ہے اور جزا جملہ ہوتی ہے اور فاخی وابی جملہ ہے نہیں پس شرح سے اس کا جملہ ہونا معلوم ہو گیا اور اخ واب کی اصل اخوٌ اور ابوٌ تھی فعلٌ کے وزن پر واللہ اعلم [4] قولہ واجاز الخ یعنی مبرد نے

(بقیہ صـ ۲۴۷) اور احل احلال باب افعال سے ہے اس کے معنی ہیں اترنا اور ذوالمجاز عرفات سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر ایام جاہلیت کے بازاروں میں سے ایک بازار کا نام ہے اور اُرٰی علی صیغۃ المجہول بمعنی اظُنّ علی صیغۃ المعلوم ہے اور وابیّ مقسم بہ ہے اور مالک میں ما نافیہ ہے ترجمہ یہ ہے۔ قدرت خداوندی نے تجھکو اے نفس اس بازار میں اتار دیا در انحالیکہ میں گمان کرتا ہوں اور اپنے باپ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ذوالمجاز (باوجود اپنے شرف کے) تیری منزل بننے کے لائق نہیں (اس لئے کہ تو اس سے عنقریب کوچ کرجائے گا) اب رہا اخی میں استدلال مبرد تو اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اخ کو اب کے اوپر محمول کرلیں گے کیونکہ دونوں لفظاً و معنیً متقارب ہیں لفظاً تو اس وجہ سے کہ دونوں کے شروع میں ہمزہ اور آخر میں حرف علۃ یعنی واو محذوف ہے اور معنیً اس طرح کہ جب باپ نہیں ہوتا تو مال وغیرہ میں بھائی تصرف کرتا ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ ضرورۃ شعری پر محمول ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جو مصنف نے اپنی شرح میں دیا ہے کہ قول شاعر میں ابیّ خلاف قیاس اور خلاف استعمال فصحاء ہے نیز یہ کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ مقسم بہ یعنی ابیّ اَبٌ کی جمع ہو پس اس کی اصل اَبِینَ تھی نون اضافۃ کی وجہ سے ساقط ہوگیا پھر دو یاء کے اجتماع کی وجہ سے اولیٰ کا ثانیہ میں ادغام کردیا گیا پس ابیّ ہوگیا اور اس جمع پر دلیل میں شاعر کا یہ شعر پیش کیا جاسکتا ہے ؎ فلمّا تبیّنَّ اصواتنا ۔ بکَیْنَ وفدّیننا بالابینا کہ اس میں اب کی جمع اَبِینَ آئی ہے شعر کا مطلب شارح نے یہ بیان کیا ہے کہ جب ان عورتوں نے سنا اور ہماری آواز کو پہچان لیا تو وہ روئیں اور ہمارے متعلق کہا کہ ہمارے آباء تم پر فدا ہوں پس ان جوابات کے ہوتے ہوئے مبرد کا یہ قول درست نہیں واللہ اعلم سلہ قولہ وتقول الخ اس جگہ تقول واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ عورت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ حَمٌ اور ہَنٌ کی یاء متکلم کی طرف اضافہ کرتے وقت بغیر محذوف کے واپس لائے حمی اور ہنی کہے پھر ان دونوں کو اخی اور ابی سے اس لئے جدا کیا ہے کہ ان دونوں میں جمہور کے ساتھ مبرد کی مخالفت

اَخِیّ وَاَبِیّ بردّ لام الفعل فیہما وہی الواو وجعلہا یاءً وادغام الیاء
(لان اصلہما اخوو ابوبدلیل اخوان وابوان ۱۲)
فی الیاء و تمسّک فی ذلک بقول الشاعر ع واَبِیّ مالک ذوالمجاز
(ای فی جواز اخی وابی ۱۲ — سوگند بپدر من یا سوگند بپدران من کہ)
بدار ۔ وحَمَلَ الاخ علی الاب لتقاربہما لفظاً ومعنیً واجاب عنہ المصنّف فی
(ای تمسک المبرد ۱۲ — وہو ظاہر ۱۲)
شرحہ بان ذلک خلاف القیاس واستعمال الفصحاء مع انہ یحتمل ان
(ای ابی فی قول الشاعر ۱۲)
یکون المقسم بہ ای ابی جمع اب فاصلہ ابین سقطت النون فی الاضافۃ
فاجتمعت یاآن فادغمت الاولیٰ فی الثانیۃ فصار ابی وقد جاء جمعہ ہکذا
(الیاء ۱۲)
فی قول الشاعر شعر فلمّا تبیّنَّ اصواتنا ۔ بکَیْنَ وفدّیننا بالابینا ۔
(بتشدید الیاء والنون صیغۃ الجمع المؤنث ۱۲ — بالتشدید ۱۲)
ای لما سمعن وعلمن اصواتنا بکین وقلن لنا آباؤنا فداؤکم وتقول
ای امرأۃ قائلۃ لامتناع اضافۃ الحم الی المذکر حمی وہنی بلا ردّ المحذوف عند
الاضافۃ الی یاء المتکلم وانما فصلہما عن اخی وابی لانہ لم ینقل عن المبرد فیہما فی المشہور
(مرفوع محلا لقصبہ ۱۲ — بعضہم ۱۲)
مایخالف مذہب الجمہور وان نقل عنہ ۔ ذلک بخلاف فی الاسماء الاربعۃ ویقال
(وہو ابن یعیش وابن مالک ۱۲ منہ)

مشہور نہیں اگرچہ بعض نے یہ مخالفت اَبٌ اَخٌ وغیرہ چاروں میں ذکر کی ہے اور صیغہ مؤنث کا تقول اس وجہ سے لایا گیا ہے کہ حم بمعنی دیور کی اضافۃ مذکر کی طرف ممتنع ہے اس لئے کہ رشتہ دیور صرف عورت سے تعلق رکھتا ہے (دیور عورت کے شوہر کے چھوٹے بھائی کو کہتے ہیں) واللہ اعلم سلہ قولہ ویقال الخ فم اصل میں فوہ تھا ہاء کو خلاف قیاس حذف کرکے نسیاً منسیاً کا درجہ دیدیا گیا اور پھر عین کلمہ کے واو کو میم سے بدل لیا فم ہوگیا پس جب لفظ فم کی اضافت یاء متکلم کی طرف کریں گے تو اس کا عین کلمہ جو کہ واو مبدل عن المیم تھا وہ لوٹ آئیگا پھر واو کو مشاکلۃ یاء کیلئے

(باقی بر صـ ۲۴۹)

(بقیہ صفحہ ۲۴۵) یا سے بدل کر آپس میں ادغام کردیں گے پس فیّ کہیں گے اور اکثر موارد استعمالات میں فیّ ہی کہا جاتا ہے لیکن بعض مواقع میں اس کا استعمال اس طرح بھی ہوا ہے کہ اس میم کو باقی رکھیں جو کہ واو کے عوض میں ہے اور بوقت عدم اضافت اسی میم کے ساتھ اس کا استعمال کیا جاتا ہے پس اس صورت میں بجائے فیّ کے فمی کہیں گے جیسا کہ اس کے نظائر اخ وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے واللہ اعلم ۱۵ قولہ

فی فم حال اضافته الی یاء المتکلم فیَّ بالرد والقلب والادغام فی الاکثر ای فی اکثر موارد استعمالاته وفمی فی بعضها ابقاءً للمیم المعوض عن الواو عند قطعه عن الاضافة واذا قُطعت هذه الاسماء الخمسة عن الاضافة قیل اخٌ وابٌ وحمٌ وهنٌ وفمٌ بالحرکات الثلث ولکن فتح الفاء افصح منهما ای من الضم والکسر وجاء حمٌ مثل یدٍ فیقال هذا حمٌ او حمک ورایت حماً او حمکَ ومررت بحمٍ او حمکِ ومثل خبءٌ بالهمزة فیقال هذا حمءٌ او حموءک ورایت حمأً او حماءک ومررت بحمءٍ او حمءکِ ومثل دلوٍ بالواو فیقال هذا حموٌ او حموک ورایت حمواً او حموک ومررت بحموٍ او حموک ومثل عصاً بالالف فیقال هذا حماً وحماکِ ورایت حماً وحماکِ ومررت بحماً وحماکِ مطلقاً ای جواز حمٍ مثل هذه الاسماء الاربعة مطلقاً غیر مقید بحال الافراد والاضافة بل تجئ هذه الوجوه فیه فی کل من حالتی الافراد والاضافة وجاء هنٌ مثل یدٍ مطلقاً ای فی الافراد والاضافة

(حاشیہ: فی الحالات الثلث ۱۲ — متعلق بالضم ۱۲ — هن المرأة ای فرجها ۱۲ بحر الجواهر)

ہویانہ ہو پس اس میں وجوہ اربعہ مذکورہ افراد عن الاضافۃ اور اضافہ ہر ایک صورت میں جاری ہوں گی واللہ اعلم ۱۲ ۱۷ قولہ وجاء ہنٌ الخ یعنی ہنٌ میں علاوہ لغت مذکورہ کے ایک لغت اور ہے وہ یہ کہ اس کو حالت اضافت اور غیر اضافہ میں مثل ید کے پڑھیں محذوف کو واپس نہ لائیں پس رفع نصب اور جر میں اس پر حرکات ثلثہ جاری کریں گے پس کہا جائے گا (باقی بر صفحہ ۲۵)

واذا قطعت الخ یعنی جب اسماء ستہ مکبرہ میں سے اسماء خمسہ مذکورہ کو اضافت سے قطع کریں گے تو ان پر مطلقاً اعراب بالحرکات جاری کریں گے پس اخٌ ابٌ الخ کہیں گے اور فمٌ میں تین لغت ہیں فاء کا فتحہ ضمہ کسرہ لیکن تینوں لغتوں میں فاء کا فتحہ اس کے ضمہ اور کسرہ سے افصح ہے اب اگر کوئی کہے کہ صرف فم میں ہی تینوں لغات کیوں ہیں اس کے نظائر اخٌ وابٌ وغیرہ میں کیوں نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس کی اضافہ بغیر میم کے غیر یاء متکلم کی طرف ہوتی ہے تو اس میں فتحہ کسرہ اور ضمہ تینوں حرکات جاری ہوتی ہیں یعنی فوک (حالت رفعی میں) فاک (حالت نصبی میں) اور فیک (حالت جری میں) پس حرکات اعرابیہ کی متابعت کرتے ہوئے فمٌ میں تینوں لغتیں جائز قرار دی گئیں واللہ اعلم ۱۲ ۱۶ قولہ وجاء الخ یعنی حمٌ میں چند لغت ہیں ایک یہ کہ وہ اعراب میں یدٌ کی طرح ہے پس جس طرح حالت اعراب میں ہذا یدٌ۔ رئیت یداً وغیرہ کہا جاتا ہے اسی طرح ہذا حمٌ یا ہذا حمک اور رئیت حماً اور حمک اور مررت بحمٍ اور حمک کہیں گے دوسرے یہ کہ وہ مہموز الآخر ہو خبءٌ کی طرح پس ہذا حمءٌ او حموک۔ رئیت حمأً او حماک اور مررت بحمءٍ او حمئک کہیں گے تیسرے یہ کہ اس کے آخر واو ہو اور ماقبل اس کا ساکن ہو جیسے دلوٌ پس ہذا حموٌ او حموک الخ کہیں گے چوتھے یہ کہ لام فعل الف سے بدل جائے اور وہ حالت رفع ونصب وجر میں عصاً کی مثل ہو جائے چنانچہ حالت اضافہ میں عصاک کی طرح حماک کہیں گے اور حالت غیر اضافہ میں اس کو عصاً پر قیاس کریں گے جیسے ہذا حماً او حماک الخ اور مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ اسماء اربعہ مذکورہ کی طرح حمٌ کا جواز کسی قید کے ساتھ مقید نہیں یعنی خواہ اس کی اضافہ

يقال هذا هن ورأيت هنا ومررت بهن وهذا هنك ورأيت هنك

ومررت بهنك وذو لا يضاف الى مضمر [١] لانه وضع (اي شيئا ١٢ق) وصلة الى الوصف

باسماء الاجناس والضمير ليس باسم جنس وقد اضيف اليه على سبيل

الشذوذ كقول الشاعر شعر انما يعرف ذا الفضل من الناس ذووه

[٢] ولو قيل لا يضاف الى غير اسم الجنس لكان اشمل وكانه خص المضمر بالذكر

لانه كان لبعض تلك الاسماء حكم خاص عند اضافته الى ياء المتكلم فنفي

اضافته الى المضمر مطلقا نفيا لاختصاصه بحكم خاص باعتبار اضافته اليه [٣] ولا

ينقطع اي ذو عن الاضافة لان جعله وصلة الى اسماء الاجناس ليس الا باضافته اليها

(بقیہ صـ ۲۴۹) ہذا ہنٌ۔ رئیتُ ہنا مررت بہنٍ اور بوقت اضافة ہذا ہنک۔ رئیتُ ہنک۔ مررت بہنک واللہ اعلم ۱ قولہ وذو لایضاف الخ اسماء ستہ مکبرہ میں سے پانچ کا حکم بیان ہوگیا اب چھٹے اسم ذو کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ضمیر کی طرف مضاف نہ ہوگا اس لئے کہ ذو اس واسطے وضع کیا گیا ہے کہ اسم جنس کی طرف مضاف ہوکر اس کو کسی دوسری چیز کی صفت قرار دے پس اگر وہ ضمیر کی طرف مضاف ہوگا تو خلاف وضع لازم آئیگا اس لئے کہ ضمیر اسم جنس نہیں ہوتی لیکن کبھی علی سبیل الشذوذ ذو اس کی اضافة ضمیر کی طرف بھی ہوجاتی ہے جیسا کہ قول شاعر ہے انما یعرفُ ذا الفضلِ من الناس ذووہٗ میں ذووہ اضافة الی الضمیر کے ساتھ واقع ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ فضل والا ہی فضل والے شخص کو پہچانتا ہے اس جگہ اگر فارسی کی یہ مثل پیش کردی جائے تو مزید تحسین کا باعث ہوگا وہ مثل یہ ہے قدر زر زرگر شناسد قدر جوہر جوہری، پس اس جواز کی وجہ یہ ہے کہ ضمیر غائب چونکہ ابہام میں اسم جنس کی طرح ہے تو ذو کی اضافة اس کی طرف جائز قرار دیدی گئی مگر چونکہ اس کا مرجع سابق ہے اور اس میں ابہام بدرجۂ اتم نہیں کیونکہ مرجع متعین ہونے کی وجہ سے یہ معرفہ کے حکم میں ہے لہذا اس کی طرف اضافہ کو شاذ قرار دیدیا گیا واللہ اعلم ۱۲ ۲ قولہ ولو قیل الخ یعنی جب دلیل مذکور سے یہ معلوم ہوگیا کہ ذو غیر اسم جنس کی طرف مضاف نہیں ہوتا تو اس وقت اس تخصیص سے کوئی فائدہ نہیں تھا کہ لا یضاف الی مضمر کہا جاتا بلکہ اگر لا یضاف الی غیر اسم الجنس کہتے تو یہ اشمل و افضل تھا اس لئے کہ غیر اسم جنس اعم ہے کہ وہ ضمیر ہو یا کوئی اسم ظاہر اسم جنس کا غیر ہو مثلاً زید۔ عمرو وغیرہ اس کا جواب شارح یہ دے رہے ہیں کہ گویا کہ مصنف نے مضمر کو ذکر کے ساتھ اس وجہ سے خاص کیا کہ اسماء ستہ میں سے بعض کے لئے حکم خاص ہے جو بعض آخر میں نہیں پایا جاتا مثلاً اخی اور ابی میں رد محذوف عند المبرد اور قلب واو ادغام وغیرہ فی میں فی الاکثر اور یہ حکم خاص اس وقت ہے جبکہ ان بعض اسماء کی اضافة یاء متکلم کی طرف ہو پس مصنف نے مضمر کی طرف مطلقاً ذو کی اضافة کی ہی نفی کردی تاکہ ذو کی اضافة الی یاء متکلم کے اعتبار سے کسی حکم خاص کے ساتھ ذو کا اختصاص سمجھ میں نہ آئے یعنی جس طرح کہ ذو کے اخوات کیلئے باعتبار ان کے یاء متکلم کی طرف مضاف ہونے کے کوئی نہ کوئی حکم خاص ہے تو لا یضاف الی مضمر سے گویا کہ مصنف نے یہ بتادیا کہ ذو مطلقاً کسی ضمیر کی طرف مضاف ہی نہیں ہوتا چہ جائیکہ اس کے یاء متکلم کی طرف مضاف ہونے کے اعتبار سے اس کے لئے اس کے نظائر کی طرح کوئی حکم خاص ہو پس اس فائدہ دقیقہ کے پیش نظر مصنف نے لا یضاف الی مضمر کہا واللہ اعلم ۱۲ ۳ قولہ ولا ینقطع الخ یعنی چونکہ اس لئے وضع کیا گیا ہے کہ وہ اسم جنس کی طرف مضاف ہوکر اس کو دوسری چیز کی صفت قرار دے اور یہ چیز اسم جنس کی طرف اضافة کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی لہذا اس کی اضافت اسم جنس کی طرف لازم ہوئی اور جب اس کو اضافة لازم ہوئی تو اس کو اضافة سے علیحدہ نہیں کیا جائیگا ورنہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا پس اس کے حسب وضع جاءنی رجلٌ ذو مالٍ کہیں گے اس میں مال اسم جنس ہے اور بواسطہ ذو کے رجل کی صفت ہے واللہ اعلم ۱۲ تمت المجرورات بعون اللہ وتوفیقہ

التوابع[1]

وهو جمع تابع منقولٍ عن الوصفية الى الاسمية والفاعل الاسمي يجمع على فواعل كالكاهل على الكواهل والمراد بها توابع المرفوعات والمنصوبات والمجرورات التي هي اقسام الاسم فلا ينتقض حدها بخروج نحو اِنَّ اِنَّ وضرب ضرب لعدم كونهما من افراد المحدود وكل ثانٍ (وهو اعم من ان يكون حقيقة او حكما ۱۲ ع) اي كل متاخر متى لوحظ مع سابقه كان في الرتبة الثانية منه فدخل فيه التابع الثاني

موافق ہو اور دونوں کے اعراب کی جہۃ ایک ہو یعنی اگر پہلے کلمہ پر اعراب مثلاً جہۃ فاعلیت سے آیا ہی تو دوسرے کلمہ پر بھی اسی جہت سے آئے اور اگر اولیٰ پر جہت مفعولیت سے اعراب آیا ہو تو ثانیہ پر بھی مفعولیت ہی کی جہت سے اعراب آئے اب رہا یہ امر کہ شارح نے ثانٍ کی تفسیر ای کل متاخر کے ساتھ کیوں کی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ثانی سے متاخر عن الاول مراد نہیں لینگے تو مثلاً جاءنی زید وعمرو وبکر میں بکر پر یہ تعریف صادق نہیں آئیگی اس لئے کہ وہ مرتبہ ثانیہ کے بجائے مرتبہ ثالثہ میں ہے حالانکہ یہ بھی تابع ہے پس جب ثانٍ سے مراد متاخر لیں گے اور متاخر کو سابق کے اعتبار سے دیکھیں گے تو متاخر رتبہ ثانیہ میں ہو جائیگا خواہ وہ تابع ثانی ہو یا ثالث یا اس سے بھی نائد پس تعریف درست ہو جائیگی پھر شارح نے متلبس کا اضافہ کرکے اشارہ کر لیا کہ باعراب سابقہ میں جار مجرور محذوف کے متعلق ہے پھر اپنے متعلق محذوف سے مل کر متاخر یا ثانٍ کی صفت واقع ہے پھر ای بجنس اعراب سابقہ اس وجہ سے کہا کہ عرض واحد کا محلین مختلفین میں قیام لازم نہ آئے اس لئے کہ یہ بداہۃً سمجھ میں آتا ہے کہ جو اعراب سابق کا ہوگا وہی متاخر کا ہوگا پس اعراب ایک ہوا اور محل دو پس عرض واحد کا قیام دو محلوں کے ساتھ لازم آیا اور یہ ناجائز ہے پس جب لفظ جنس کا اضافہ کر دیا گیا تو یہ اشکال دور ہو گیا اس لئے کہ اصل سے بعینہ وہ اعراب مراد نہیں ہوگا جو سابق کا ہے بلکہ سابق کی جنس والا اعراب (باقی برصـ۲۵۲)

ل قولہ التوابع الخ توابع تابع کی جمع ہے نہ کہ تابعۃ کی اس لئے کہ توابع اسمار کی صفت ہے یعنی اسمار توابع کے ساتھ متصف ہوتے ہیں پس اسم کی جمع اسمار کے مقابلہ میں توابع لفظ جمع بولا گیا پس جب جمع کے مقابلہ میں جمع ہوئی تو ان کے آحاد کے مقابلہ میں آحاد صفۃ واقع ہوں گے اور اسمار کا واحد اسم ہوگا اور توابع کا تابعۃ پس اسم اور تابعۃ موصوف وصفۃ کے درمیان تذکیر و تانیث کے اعتبار سے مطابقت نہیں رہتی لہذا جب ہم اس کو تابع کی صفت قرار دیں گے تو یہ اعتراض رفع ہو جائیگا پھر سوال پیدا ہوا کہ تابع کی جمع توابع درست نہیں اسلئے کہ فاعل صفتی یعنی جب اسم فاعل میں وصف کے معنی پائے جائیں اس کی جمع فواعل کے وزن پر نہیں آتی بلکہ فاعل وصفی کی جمع الف تار کے ساتھ فاعلات کے وزن پر آتی ہے اس کا جواب منقولٍ عن الوصفیۃ الخ سے شارح نے یہ دیا کہ اگرچہ حقیقۃ میں فاعل وصفی ہے مگر اس جگہ وصفیۃ سے اسمیۃ کی طرف منقول کر لیا گیا ہے پس گویا کہ اسم فاعل کے وزن پر آیا اور فاعل اسمی کی جمع فواعل کے وزن پر آتی ہے جیسا کہ کاہل بمعنی ما بین الکتفین کی جمع کواہل آتی ہے اور فرق تابع اور کاہل کے درمیان یہ ہے کہ کاہل بحسب الاصل اسم ہے اور تابع بحسب النقل اس لئے کہ یہ وصفیۃ سے اسمیۃ کی طرف منقول ہے پھر یہ کہ توابع سے مراد توابع مرفوعات ومنصوبات ومجرورات ہیں جو کہ اسم کی اقسام ہیں پس توابع بھی اپنے متبوع کے اعتبار سے اسم ہونگے لہذا وہ توابع کہ جو اسم نہ ہوں گے تعریف سے خارج ہو جائیں گے مثلاً اِنَّ اِنَّ ضرب ضرب کہ ان میں سے اِنَّ ثانی اور ضرب ثانی تابع کا فرد ہے اس لئے کہ یہ دونوں اول کی تاکید واقع ہو رہے ہیں اور تاکید تابع کا ایک فرد ہے مگر ان پر باعراب سابقہ من جہۃ واحدۃ صادق نہیں آتا اس لئے کہ ان پر سرے سے اعراب ہی نہیں کیونکہ یہ مبنی الاصل ہیں پس یہ اسم نہ ہونے کی وجہ سے افراد محدود میں داخل نہیں ہونگے اور تعریف دخول غیر سے مانع ہو جائیگی واللہ اعلم

ع قولہ کل ثانٍ الخ تابع اصطلاح نحاۃ میں ہر اس ثانی اسم کو کہتے ہیں جو اپنے سابق اسم کے اعراب میں

والثالث فصاعداً متلبس باعراب سابقة اى بجنس اعراب سابقة بحيث يكون اعرابه من جنس اعراب سابقة ناشئ كلاهما من جهة واحدة شخصية مثل جاءنى زيد العالم فان العالم اذا لوحظ مع زيد كان فى الرتبة الثانية منه واعرابه من جنس اعرابه وهو الرفع والرفع فى كل منهما ناشئ من جهة واحدة شخصية هى فاعلية زيد العالم لان المجئ المنسوب الى زيد فى قصد المتكلم منسوب اليه مع تابعه لا اليه مطلقاً فقوله كل ثان يشمل التوابع وخبر المبتداء وخبرى كان وان واخواتهما و ثانى مفعولى ظننت واعطيت وقوله باعراب سابقة يخرج الكل الا خبر المبتداء وثانى مفعولى ظننت واعطيت وقوله من جهة واحدة يخرج هذه الاشياء لان العامل فى المبتداء والخبر وان كان هو الابتداء

مفعول اور قولہ باعراب سابقۃ بمنزلہ فصل کے ہے کہ اس سے سوائے خبر مبتداء اور مفعول ثانی باب ظننت واعطیت کے سب خارج ہوگئے پھر قولہ من جہۃ واحدۃ سے یہ بھی خارج ہوگئے اس لئے کہ مبتدا و خبر میں اگرچہ ابتداء عامل ہے یعنی ان کا اسناد کے واسطے عوامل لفظیہ سے خالی ہونا لیکن یہ معنی اس حیثیت سے ہیں کہ باعتبار مسند الیہ ہونے کے مبتدا میں عامل ہوں گے اور باعتبار اقتضاء مسند کے خبر میں پس ان دونوں کا رفع جہۃ واحدہ سے نہیں اور ایسے ہی ظننت ہے کہ یہ دونوں مفعولوں میں اس حیثیت سے عامل ہے کہ اس کو مظنون فیہ اور مظنون کی ضرورت پیش آتی ہے پس ان دونوں مفعولوں کا انتصاب بھی جہۃ واحدہ سے نہیں ہوا لہذا یہ بھی تعریف سے خارج ہیں اسی طرح اعطیت کا مفعول اول وثانی کہ اس میں (باقی بر صفحہ ۲۵۲)

(بقیہ صفحہ ۲۵۱) مراد ہوگا پھر بحیث یکون الخ سے اس طرف اشارہ ہوگیا کہ یہ ضروری نہیں کہ اگر اول کا اعراب حرفی ہوگا تو ثانی کا بھی حرفی ہو بلکہ رفع ونصب وجر میں مطابقت ہونی چاہیے خواہ حرکت وحرف کے اعتبار سے اعراب تابع ومتبوع میں مطابقت نہ ہو اور ناشئ کلاہما سے یہ مقصد ہے کہ من جہۃ واحدۃ محذوف کے متعلق ہوکر اعراب سابقۃ کی صفت واقع ہے اور من جہۃ واحدۃ ظرف لغو نہیں مستقر ہے پھر شارح نے شخصیۃ کے اضافہ سے یہ ارادہ کیا ہے کہ جہۃ واحدۃ میں وحدت سے مراد وحدت شخصیہ ہے نوعیہ نہیں پس اس سے باب علمت و ظننت کے دونوں مفعول خارج ہوگئے اس لئے کہ ان دونوں کے نصب کی جہت باعتبار نوع یعنی مفعولیت کے متحد ہے شخصی اعتبار سے نہیں اس لئے کہ اس کا مفعول ثانی اول کا غیر ہے اسی طرح اس سے خبر بھی خارج ہوگئی اس لئے کہ وہ وحدت شخصیہ کے ساتھ معرب نہیں ہوتی بلکہ مبتداء کا اعراب عامل ابتداء سے باعتبار مسند الیہ ہونے کے حاصل ہوتا ہے اور خبر کا باعتبار مسند بہ ہونے کے واللہ اعلم

۵ قولہ مثل جاءنی الخ یہ شارح کی جانب سے بطور ایضاح کے تابع کی مثال ہے اس میں العالم تابع ہے اس لئے کہ جب عالم کا زید کے ساتھ لحاظ کیا گیا تو وہ بہ نسبت زید کے دوسرے مرتبہ میں ہے اور اس کا اعراب زید کے اعراب کی جنس سے ہے یعنی جس طرح زید پر رفع ہے اسی طرح العالم بھی مرفوع ہے پھر دونوں ایک ہی جہۃ شخصیہ سے مرفوع ہیں اور وہ جہت فاعلیت ہے اس لئے کہ زید العالم موصوف صفت سے مل کر جاء کا فاعل ہے اسلئے کہ متکلم کے قصد وارادہ میں جو مجئ زید کی طرف منسوب ہے وہ زید کے اپنے تابع کے ساتھ منسوب ہے مطلقاً زید کی طرف نہیں پس دونوں کا رفع ایک ہی جہت اور حیثیت سے ہے واللہ اعلم ۱۲

۵ قولہ فقولہ کل الخ اس سے شارح فوائد قیود بتا رہے ہیں کہتے ہیں کہ قولہ کل ثان بمنزلہ جنس کے ہے کہ ہر اسم موخر کو شامل ہے خواہ وہ توابع ہوں یا مبتدا کی خبر یا کان اور ان اور ان کے اخوات کی خبر یا باب ظننت واعطیت کا ثانی

(بقیہ ۲۵۲) آخذ اور ماخوذ کی ضرورت پیش آتی ہے پس یہ دونوں مفعول اسی حیثیت سے معرب ہوں گے اور ان کا انتصاب بھی جہۃ واحدہ سے نہیں ہوگا لہذا یہ بھی تعریف سے خارج ہیں واللہ اعلم ۱۲ قولہ واعلم الخ اس سے شارح کا منشا ایک سوال کا جواب دینا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ یہ تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں اس لئے کہ اس سے الرجالُ۔ العاقلُ اور ظریفاً خارج ہو جاتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل مثالوں میں موجود ہیں۔ جاءنی ہٰؤلاء الرجالُ یا زیدُ العاقلُ۔ لا رجلَ ظریفاً اس نحو ان میں سے ہر ایک اپنے ماقبل کا تابع ہے مگر اعراب سابق کے ساتھ معرب نہیں اس لئے کہ سابق یا تو مبنی ہے یا اعراب تقدیری کے ساتھ معرب ہے پس شارح نے کہا کہ اس تعریف میں جو اعراب معتبر ہے وہ بہ نسبت لاحق اور سابق کے ہے یعنی باعتبار تابع و متبوع ہونے کے ہے اور یہ اس بات سے اعم ہے کہ ان دونوں میں اعراب لفظی ہو یا تقدیری یا محلی اور حقیقی ہو یا حکمی یہ ضروری نہیں کہ اگر متبوع کا اعراب مثلاً تقدیری ہوگا تو تابع کا بھی تقدیری ہو پس الرجال وغیرہ سب تعریفات میں داخل ہو جائیں گے اور تعریف اپنے افراد کو جامع ہو جائیگی واللہ اعلم ۱۲ قولہ ثم ان الخ یہ ایک اعتراض ہے جو مصنف کی عبارت پر وارد ہوتا ہے تقریر اس کی یہ ہے کہ قولہ کل ثانٍ الخ میں لفظ کل موقع کے اعتبار سے مناسب نہیں اسلئے کہ کلمہ کل احاطہ افراد کے لئے آتا ہے پس اس وقت تعریف بالافراد لازم آئیگی حالانکہ تعریف بالجنس ہوا کرتی ہے پھر یہ کہ محدود میں بھی لفظ جمع مناسب نہیں اس لئے کہ لفظ توابع سے اس کے افراد کی طرف اشارہ ہو رہا ہے پس اس سے تعریف للافراد لازم آئی حالانکہ تعریف للجنس ہوا کرتی ہے پس دونوں شقوں کو ملا کر نتیجہ یہ نکلا کہ اس جگہ تعریف للافراد بالافراد ہے یعنی توابع کے افراد کی تعریف اُن افراد کے ساتھ کی جا رہی ہے کہ جن کو کل افرادی محیط ہے تعریف للجنس بالجنس نہیں ہوئی اور یہ ناجائز ہے اس کا جواب فالمحدود الخ سے شارح نے یہ دیا کہ محدود اس جگہ توابع نہیں کہ تعریف للافراد کا اعتراض وارد ہو بلکہ محدود حقیقۃ میں تابع ہے جو کہ احد التوابع ہے التوابع نہیں پس

اعنی التجرد عن العوامل اللفظیۃ للاسناد ولکن ہذا المعنی من حیث انہ

ای لاجل انہ مسند الیہ او مسند ۱۲ عب

یقتضی مسندا الیہ صار عاملاً فی المبتداء ومن حیث انہ یقتضی مسنداً

مثل زیداً فی ظننت زیداً فاضلاً ۱۲

صار عاملاً فی الخبر فلیس ارتفاعہما من جہۃٍ واحدۃٍ وکذا ظننت من حیث انہ یقتضی مظنوناً فیہ ومظنوناً عمل فی مفعولیہ فلیس انتصابہما

شیئا ۱۲ مثل فاضلاً مثلاً ۱۲

من جہۃ واحدۃ وکذلک اعطیت من حیث انہ یقتضی آخذاً و ماخوذاً عمل فی مفعولیہ فلیس انتصابہما من جہۃٍ واحدۃ واعلم ان الاعراب المعتبر فی ہذا التعریف بالنسبۃ الی اللاحق والسابق اعم من ان یکون لفظیاً او تقدیریاً او محلیاً حقیقۃ او حکماً فلا یرد نحو

وہی تبیان لقولہ لفظیا ۱۲ عب

جاءنی ہٰؤلاء الرجالُ ویا زیدُ العاقلُ ولا رجلَ ظریفاً ثم ان لفظۃ کل ہہنا لیست فی موقعہا لان التعریف انما یکون للجنس وبالجنس لا للافراد

وکذا لفظۃ التوابع ۱۲ عف

وبالافراد فالمحدود بالحقیقۃ التابع والحد مدخول کل وہو ثانٍ باعراب سابقۃ من جہۃ واحدۃ لکنہ لما

محدود و محذوف نکالا جائیگا جو کہ التوابع کے ضمن میں پایا جاتا ہے اور پھر تعریف میں محدود کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ضمیر لائیں گے پس عبارت اس طرح ہوگی التابع ہو کل ثانٍ الخ اور تعریف میں جو لفظ کل ہے تو اس کے متعلق ہم یہ کہیں گے کہ تعریف میں کل سے قطع نظر کر کے مدخول کل یعنی ہو ثانٍ باعراب سابقۃ من جہۃ واحدۃ مراد ہے پس تعریف للجنس بالجنس ہو جائیگی اور اعتراض مذکور وارد نہ ہوگا واللہ اعلم ۱۲ قولہ لکنہ الخ اب سوال پیدا ہوا کہ اگر تعریف میں لفظ کل کا اعتبار نہیں تو اس کو تعریف میں لایا ہی کیوں گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے تعریف کا دخول غیر دباقی بر ۲۵۴

(بقیہ صد ۲۵۳) سے مانع کرنا مقصود ہے یعنی جب تعریف پر لفظ کل داخل کیا گیا تو اس سے یہ فائدہ حاصل ہو گیا کہ محدود تعریف کے تمام افراد پر صادق آئیگا کوئی فرد اس صدق سے باہر نہ ہوگا پس تعریف مانع ہو جائیگی اس لئے کہ یہ جب تمام افراد پر صادق آئیگی تو غیر افراد حد پر اس کا صادق آنا درست نہ ہوگا اس لئے کہ جو شئی کسی شئے پر دلالت کیا کرتی ہے اور وہ اس شئے کے لئے خاص ہوتی ہے تو اس کا اس شئے کے غیر پر صادق آنا اور اس پر دلالت کرنا جائز نہیں ہوا کرتا پھر سوال پیدا ہوا کہ تعریف مانع تو ہو گئی مگر جامع نہیں ہوئی اس لئے کہ توابع میں محدود تابع کو قرار دیا گیا ہے اور حد افراد ہوئے پس محدود تو تمام افراد حد پر صادق آئیگا مگر محدود واحد ہونے کے اعتبار سے اس کے جو بقیہ افراد ہیں ان کا صدق تعریف پر سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ تعریف تابع کی کیگئی ہے توابع کی نہیں پس تعریف سے توابع خارج ہوئے جاتے ہیں اسکا جواب والظاہر الخ سے شارح نے یہ دیا کہ ظاہر یہ ہے کہ افراد حد میں محدود کا انحصار ہے کیونکہ غیر تابع کا تعریف میں ذکر نہیں پس محدود کے تمام افراد اس میں منحصر ہو گئے کیونکہ بہر حال وہ تابع ہیں جیسا کہ محدود میں لفظ جمعیۃ یعنی توابع اس پر دلالت کر رہا ہے پس جمعیۃ محدود کی وجہ سے جامعیۃ تعریف پر دلالت ہوئی اور محدود میں لفظ جمع لانا قابل اعتراض نہیں رہا جیسا کہ ابھی اس پر اعتراض کیا گیا تھا پس تعریف جامع ہو گئی اس لئے کہ جمع کے معنے یہ ہیں کہ جس چیز پر محدود صادق آئے حد بھی اس پر صادق آئے۔ اب جاننا چاہیئے کہ معترض نے لفظ کل اور التوابع کی جمعیۃ پر جو اعتراض تعریف للافراد بالافراد کا کیا تھا وہ اس جگہ بدستور باقی ہے اس لئے کہ اس کا جو جواب شارح نے فالمحدود بالحقیقۃ الخ سے دیا تھا وہ اس جگہ چنداں کارگر نہیں ہوا اس لئے کہ لفظ کل اور توابع کی جمعیۃ کو تعریف کے جامع مانع ہونے میں دخل ہے پس اصل اعتراض اپنی جگہ پر باقی رہا لہٰذا اس کا جواب یہ ہے کہ تعریف سے کبھی تو مقصود ماہیت کا پہچاننا ہوتا ہے اور کبھی انحصار افراد فقط پس اگر معنی اول مراد ہوں تو تعریف للافراد بالافراد نا جائز ہوتی ہے

أدخل کلٌ علیہ افادہ صدق المحدود علی کل افراد الحد فیکون مانعًا والظاہرُ انحصار المحدود فیہا العدم ذکر غیرہا فیکون جامعًا فیحصل حدٌ جامعٌ و مانع یکون جمعہ ومنعہ کالمنصوص علیہ النَّعتُ تابعٌ جنسٌ شاملٌ للتوابع کلّہا وقولہ یدل علی معنیً فی متبوعہ ای یدُلّ بہیأۃ ترکیبہ مع متبوعہ علی حصول معنی فے متبوعہ مطلقًا ای دلالۃً مطلقۃً غیر مقیدۃٍ بخصوصیۃ مادۃ من المواد احتراز عن سائر التوابع

(حواشی: فیفیدان کل ہو تابع ۔ باعراب سابقہ فہو تابع ۱۲ عب ۔ مبتدا ۱۲ ۔ وجہ ۱۲ ۔ خبر ۱۲)

اس لئے کہ اس سے نفس ماہیت کا علم حاصل نہیں ہوتا اور اگر معنی ثانی مراد ہوں تو چونکہ منشار تعریف انحصار افراد ہوتا ہے اور وہ تعریف للافراد بالافراد سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا اس کے ساتھ تعریف کر سکتے ہیں پس چونکہ یہاں تعریف سے مراد انحصار افراد ہے معنیٰ اول نہیں لہٰذا اس تقدیر پر تعریف للافراد میں کوئی قباحت نہیں پس مذکورہ بالا توجیہ کے مطابق لفظ کل اور توابع کی جمعیۃ کے افادہ کی وجہ سے ایسی جامع مانع تعریف حاصل ہو گئی کہ جس کا جامع مانع ہونا منصوص علیہ کی مانند ہے مانع کا منصوص علیہ کی مانند ہونا تو اس واسطے کہ تعریف میں لفظ کل لایا گیا اور جامع کا دعوی ظہور کی وجہ سے محدود کی جمعیۃ کے باعث پس اگر حد میں لفظ کل اور محدود میں لفظ جمع نہ لایا جاتا تو تعریف کا جامع ہونا مصرح نہ ہوتا بلکہ ضمنًا حاصل ہوتا واللہ اعلم **قولہ** النعت الخ یعنی نعت اس تابع کو کہتے ہیں کہ جو اپنے متبوع کے معنے اور وصف پر مطلقًا ہر حال میں دلالت کرے اس عبارت میں تابعٌ بطور جنس کے ہے کہ جس میں تمام توابع داخل ہیں اور قولہ یدل الخ بطور فصل کے کہ اس سے تمام توابع خارج ہو جاتے ہیں اب اگر کوئی کہے کہ یہ تعریف صحیح نہیں اس لئے کہ جاءنی زیدٌ ہذا میں ہذا زید کی صفت ہے مگر اس کے باوجود یہ اپنے متبوع کے معنی پر دلالت نہیں کرتا اس لئے کہ اس کے معنی اشارہ کے ہیں اور وہ اس کے موصوف زید میں موجود نہیں اس کا جواب دینے کے لئے شارح نے ای یدل بہیئۃ ترکیبہ الخ کا اضافہ فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ نعت اس چیز سے عبارت ہے کہ جو اپنے متبوع کے ساتھ ہیئۃ ترکیب میں ان معنی پر دلالت کرے کہ جو اس کے (باقی بر صد ۲۵۵)

(بقیہ ص۲۵۴) متبوع میں موجود ہیں پس مثال مذکور میں جب ہذا کی ترکیب اس کے متبوع زید کے ساتھ کی گئی تو ہذا زید کے مشار الیہ ہونے پر دلالت کریگا پس تعریف صحیح ہوگئی پھر مطلقاً کی تفسیر ای دلالۃ الخ سے کرکے اس طرف اشارہ کردیا کہ مطلقاً باعتبار موصوف محذوف دلالۃً کے بدل کا مفعول مطلق ہے اور غیر مقیدۃ الخ سے مطلقاً کے معنی بتلا دیئے اور قولہ احترازٌ عن سائر التوابع قولہ شارح و قولہ بدل الخ مبتدا کی خبر ہے واللہ اعلم ۱۲ ۔ ۵ قولہ ولا یرد الخ اس سے شارح کا منشاء ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے سوال یہ ہے کہ نعت کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اسلئے کہ اس میں بدل معطوف اور تاکید داخل ہوئے جاتے ہیں جیسا کہ قول قائل اعجبنی زیدٌ علمہٗ اور اعجبنی زیدٌ و علمہٗ۔ اور جاءنی القوم کلھم میں علمہٗ و علمہٗ اور کلھم علی الترتیب بدل۔ معطوف اور تاکید ہیں اور تینوں ان معنی پر دلالت کرتے ہیں کہ جو ان کے متبوع میں ہیں اس لئے کہ علم زید میں موجود ہے اور کلھم شمول فی القوم کے معنی پر دلالت کرتا ہے پس اس کا جواب شارح یہ دے رہے ہیں کہ تعریف نعت میں مطلقاً کی قید ملحوظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ نعت کی دلالت اپنے متبوع کے معنی پر کسی مادہ کے ساتھ خاص نہ ہو پس بدل تاکید اور معطوف اگرچہ ان معنی پر کہ جو ان کے متبوع میں ہیں دلالت کرتے ہیں مگر یہ دلالت ہمیشہ نہیں بلکہ بعض مواد کے ساتھ خاص ہے اس لئے کہ ان امثلہ کو اگر مذکورہ مواد سے مجرد کرکے کسی دوسرے مادے کے ساتھ ذکر کریں اور ان کے بجائے اعجبنی زیدٌ غلامہٗ یا اعجبنی زیدٌ و غلامہٗ یا جاءنی زیدٌ نفسہٗ کہیں تو ان امثلہ کے توابع کی دلالت اپنے متبوعات کے معنی پر نہیں ہوگی کما ہو الظاہر بخلاف صفۃ کے کہ اس کی ہیئۃ ترکیبیہ ہر حال در ہر مادہ میں معنی متبوع پر دلالت کرتی ہے لہذا بدل وغیرہ تعریف نعت سے خارج ہوگئے اور تعریف نعت دخول غیر سے مانع ہوگئی واللہ اعلم ۶ قولہ وفائدتہ الخ یعنی نعت کا فائدہ نکرہ میں تخصیص پیدا کرتا ہے جیسے جاءنی رجلٌ عالمٌ اور معرفہ میں توضیح جیسے جاءنی زید الظریف پھر توضیح سے مراد یہ ہے کہ متبوع سے اجمال کو دور کیا جائے جیسا کہ مثال مذکور میں کہ صفۃ سے پیشتر

ولا یرد علیہ البدل فی مثل قولک اعجبنی زیدٌ علمہٗ والمعطوف فی مثل

(فان معناہ ای اعجبنی علمہ فیدل علی معنی فی متبوعہ ۱۲)

قولک اعجبنی زید و علمہ ولا التاکید مثل قولک جاءنی القوم کلھم

لدلالۃ کلھم علی معنی الشمول فی القوم فان دلالۃ التوابع فی ہذہ الامثلۃ

(دلیل للمنفی ۱۲)

علی حصول معنًی فی المتبوع انما ہی بخصوص موادہا فلو جردت عن

ہذہ المواد کما یقال اعجبنی زید غلامہ او اعجبنی زید و غلامہ او جاءنی زید

نفسہ لا تجد لہا دلالۃ علی معنًی فی متبوعاتہا بخلاف الصفۃ فان الہیأۃ

الترکیبیۃ بین الصفۃ والموصوف تدل علی حصول معنًی فی متبوعہا فی ای مادۃٍ

کانت وفائدتہ ای فائدۃ النعت غالباً تخصیص فی النکرۃ کرجل عالم او

(نحو جاءنی زید العالم او الفاضل او الشاعر او الکاتب او غیر ذلک)

توضیح فی المعرفۃ کزید الظریف وقد یکون لمجرد الثناء من غیر قصد تخصیص

زید میں اجمال تھا کہ کون سا زید آیا ظریف یا غیر ظریف پس اس کی صفت ظرافت نے زید سے اجمال کو دور کردیا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عبارت میں اصل ایجاز و اختصار ہے لہذا مصنف کو چاہیئے تھا کہ وہ اپنی عبارت اس طرح ذکر کرتے وفائدتہ تخصیص او توضیح او ثناء او ذم الخ اس کی کیا وجہ ہے کہ وقد یکون لمجرد الثناء کہا؟ اس کا جواب شارح نے غالباً سے یہ دیا کہ فائدہ تخصیص و توضیح افادۂ نعت میں غالب ہے بخلاف فائدہ ثناء وغیرہ کے کہ وہ قلیل فی الافادہ ہے لہذا اس تقلیل پر دلالت کرنے کے لئے وقد یکون الخ کہا گیا واللہ اعلم ۱۲ ۔ ۷ قولہ وقد یکون الخ یعنی کبھی نعت کو مجرد ثناء یا ذم یا تاکید کے لئے لاتے ہیں تخصیص و توضیح کا اس سے قصد نہیں کیا جاتا اور یہ اس جگہ ہوتا ہے کہ منعوت معرفہ ہو اور نعت منعوت میں ضمناً معلوم ہو پس ثناء کی مثال بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے اور ذم کی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہ ان میں اللہ اور شیطان منعوت ہیں اور ان کے ضمن میں نعت معلوم ہے اور تاکید کی مثال

(باقی بر ص۲۵۶)

(بقیہ صفحہ ۲۵۵) نفخۃٌ واحدۃٌ ہے کہ اس میں اگرچہ تاء سے وحدۃ کے اوپر دلالت ہو رہی ہے مگر اس کی تاکید واحدہ کے ساتھ لائی گئی واللہ اعلم ۱۲ سلہ قولہ ولما کان الخ اس سے شارح قول مصنف ولا فصل الخ کے متعلق کہنا چاہتے ہیں کہ یہ ان بعض نحاۃ پر رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نعت میں اشتقاق شرط ہے حتی کہ اگر کہیں کوئی صفۃ غیر مشتق آجاتی ہے تو اس کو بتاویل مشتق کر لیتے ہیں پس جبکہ یہ مذہب مصنف کا

وتوضیح نحو بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم او المجرد الذم نحو اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم او المجرد التاکید مثل نفخۃٌ واحدۃٌ اذ الوحدۃ تفہم من التاء فی نفخۃ فاکدت بالواحدۃ ولما کانؑ غالب موادّ الصفۃ المشتقات توہّم کثیر (خبر کان ۱۲) من النحویین ان الاشتقاق شرط فی النعت حتی تاوّلوا غیر المشتق الی المشتق وؑلما لم یکن ہذا مرضیا للمصنف ردّہ بقولہ ولا فصلؑ ای لافرق بین ان یکون النعت مشتقا او غیرہ فی صحّۃ وقوعہ نعتًا اذا کانؑ وضعہ ای وضع غیر المشتق لغرض المعنی ای لغرض الدلالۃ علی المعنی الواقع فی المتبوع عمومًا ای فی جمیع الاستعمالات مثل تمیمیّ وذی مالٍ فان التمیمیّ یدل دائما علی ان لذاتٍ ما نسبۃً الی قبیلۃ تمیم وذی مالٍ یدل علی ان ذاتًا ما صاحبُ مالٍ (وکذا یجب ان یکون لہ موصوف لفظا او تقدیرا ۱۲ غف) او خصوصًا ای فی بعض الاستعمالات بان یدل فی بعض المواضع علی حصول معنًی لذاتٍ ما وحینئذٍ یجوز ان یقع نعتا فی بعضہا لا یدل علی ذلک وحینئذٍ لا یصح جعلہ نعتا مثل مررتُ برجلٍ ایّ رجلٍ

پسندیدہ نہیں ہے تو اس پر رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نعت کے مشتق اور غیر مشتق ہونے میں کوئی فرق نہیں پس جس طرح نعت مشتق ہوتی ہے اسی طرح غیر مشتق بھی ہوتی ہے بشرطیکہ اس کی وضع ان معنی پر (کہ جو متبوع میں پائے جاتے ہیں) دلالت کرنے کے لئے بطریق عموم ہو یعنی اس کی وحدۃ معنی متبوع پر جمیع استعمالات میں پائی جاتی ہو جیسے تمیمیٌّ اور ذو مالٍ کہ تمیمی کی دلالت تو ہمیشہ اس ذات پر ہے کہ جو قبیلہ بنی تمیم کی طرف منسوب ہے اور... ذو مال کی دلالت ہمیشہ اس ذات پر کہ جو صاحب مال ہے اس جگہ شارح نے فی صحۃ وقوعہ نعتًا کا اضافہ کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ صفۃ مشتق اور غیر مشتق میں کسی فرق کا نہ ہونا غیر مسلم ہے اس لئے کہ صفۃ جب مشتق ہوتی ہے تو اس میں موصوف کی طرف عائد کی ضرورت پیش آتی ہے اور غیر مشتق میں ضرورت نہیں ہوتی پس یہ فرق کیا کم ہے ؟ جواب یہ ہے کہ عدم فرق سے ہماری مراد غیر مشتق سے بطور نعت کے وقوع کا صحیح ہونا ہے پس جس طرح نعت مشتق واقع ہو سکتی ہے اسی طرح غیر مشتق بھی اس سے کوئی بحث نہیں کہ کسی میں عائد کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی میں نہیں اور ای لغرض الدلالۃ الخ سے شارح نے لغرض المعنے کے مطلب کی تشریح کی ہے اور بس واللہ اعلم ۱۲ ۵ے قولہ او خصوصًا الخ اس کا عطف عمومًا پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ بالاس غیر مشتق کی وضع ان معنی پر دلالت کرنے کے لئے کہ جو متبوع میں ہیں بطریق خصوص بعض استعمالات میں ہو یعنی بعض مواضع میں وہ اس معنی پر دلالت کرتا ہو کہ جو ذات متبوع میں پائے جاتے ہیں پس اس وقت اس کا نعت واقع ہونا صحیح ہوگا اور بعض مواضع میں وہ ذات متبوع کے

معنی پر دلالت نہ کرے پس اس وقت اس کا نعت واقع ہونا صحیح نہ ہوگا واللہ اعلم ۳ے قولہ مثل مررت الخ یہ صحت نعت کی مثال ہے اس میں ای رجلٍ کمالِ رجولیۃ پر دلالت کرتا ہے اور یہ معنی اس کے متبوع میں پائے جاتے ہیں لہٰذا وہ رجل کی نعت واقع ہو سکتا ہے پھر یہ کہ یہ معنی اسی جگہ کے ساتھ خاص ہیں کیونکہ اس جگہ ای کا استعمال اس کی اصل وضع یعنی استفہام (باقی بر صفحہ ۲۵۷)

(بقیہ صـ٢٥٦) کے خلاف معنی کمال میں ہوا ہے پس جہاں اس کا استعمال اصل وضع کے مطابق ہوگا وہاں اس کا لغت واقع ہونا درست نہ ہوگا جیسے مررت برجلٍ ایّ رجل عندک کہ اس میں ای اپنی اصل وضع کے مطابق معنیٔ استفہام میں مستعمل ہے واللہ اعلم لـہ قولہ ومثل الخ یہ مثل مذکور کی دوسری مثال ہے اس میں الرجل اس معنی پر دلالت کرتا ہے جو متبوع میں ہیں اس لئے کہ ہٰذا ذات مبہم پر دلالت کرتا ہے اور الرجل ذات متعین پر اور چونکہ ذات معین کی خصوصیۃ بمنزلہ ایسے معنی کے ہے کہ جو ذات مبہم میں پائے جاتے ہیں اس لئے اس اعتبار سے الرجل کا ہٰذا کی صفۃ واقع ہونا صحیح ہو جائیگا اور ان مواضع میں کہ جہاں رجل کی دلالت ان معنی پر مقصود نہ ہو کہ جو بمنزلہ ایسے معنے کے ہیں جو ذات مبہم میں پائے جاتے ہیں یا متبوع میں حاصل ہیں تو اس کا صفۃ واقع ہونا صحیح نہ ہوگا واللہ اعلم سلـہ قولہ وذہب الخ مذکورہ بالا توجیہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ مررت بہٰذا الرجل میں الرجل کو ہٰذا کی صفت قرار دیا گیا تھا لیکن بعض نحاۃ اس توجیہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں الرجل اسم اشارہ سے بدل الکل ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ عطف بیان ہے اس لئے کہ الرجل ان معنی پر دلالت نہیں کرتا جو اس کے متبوع میں ہیں بلکہ ذات پر دلالت کرتا ہے لہٰذا اس کا صفۃ واقع ہونا کیسے درست ہوگا پس یہ یا تو بدل الکل ہے یا عطف بیان واللہ اعلم سلـہ قولہ ومثل الخ یہ تیسری مثال ہے اس میں چونکہ ہٰذا اس معنی پر دلالت کرتا ہے جو زید میں پائے جاتے ہیں لہٰذا وہ زید کی صفت واقع ہو جائے گا بخلاف ان مواضع کے کہ جہاں اسم اشارہ ان معنی پر دلالت نہ کرے جو ذات مشارٌ الیہ میں پائے جاتے ہیں تو اس کا صفت واقع ہونا درست نہ ہوگا واللہ اعلم سلـہ قولہ وتوصف الخ یعنی کبھی نکرہ کی صفت جملہ خبریہ لائی جاتی ہے معرفہ کی صفت جملہ نہیں ہو سکتی اس جگہ شارح نے لا المعرفۃ سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ متن میں نکرہ کی قید احترازی ہے اب رہی یہ بات

ای کامل[عصـ] فی الرجولیۃ فای رجل باعتبار دلالتہ فی مثل ہٰذا الترکیب علی کمال الرجولیۃ یصح ان یقع نعتا وفی مثل[لہ] ای رجل عندک لا یدل علی ہٰذا المعنی فلا یصح ان یقع نعتا[ہٰذا الاعتبار ١٢] ومثل مررت بہٰذا الرجل فان ہٰذا یدل علی ذات مبہمۃ والرجل علی ذات معینۃ وخصوصیۃ الذات المعینۃ بمنزلۃ[٢] معنیً حاصلٍ فی الذات المبہمۃ فلہٰذا صح ان یقع الرجل صفۃ لہٰذا وفی المواضع الاُخر التی[عصـ] لا یدل علی ہٰذا المعنی[٢] لا یصح ان یقع صفۃً وذہب[سلـہ] بعضہم[فیہ لطافۃ تامل ١٢] الی ان الرجل بدلٌ[ای لانہ مقصود ١٢] عن اسم الاشارۃ وبعضہم الی انہ عطف بیان ومثل[سلـہ] مررت بزید ہٰذا ای بزید المشار الیہ فہٰذا فی ہٰذا الموضع یدل علی معنی حاصل فی ذات زید فوقع صفۃً لہ وفی[لفظ ١٢] المواضع الاُخر التی لا یدل علی ہٰذا المعنے لا یصح ان یقع صفۃ وتوصف[عـہ] النکرۃ[سلـہ] لا المعرفۃ بالجملۃ الخبریۃ التی ہے

کہ معرفہ کی صفۃ جملہ کیوں نہیں ہو سکتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے اس لئے کہ وہ ادوات تعریف سے خالی ہوتا ہے اور موصوف وصفۃ میں باعتبار تعریف وتنکیر کے مطابقت ضروری ہے پس اگر موصوف معرفہ ہوگا اور اس کی صفت جملہ لائی جائیگی تو مطابقت فوت ہو جائیگی پس اس کی صفت جملہ نہیں لائی جا سکتی نہ خبریہ نہ انشائیہ پھر نکرہ سے ہر وہ نکرہ ہے جو حقیقۃً ہو یا اس کے حکم میں پس معرف بلام عہد ذہنی چونکہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے اس لئے اس کی صفۃ جملہ خبریہ لائی جا سکتی ہے (باقی برصـ٢٥٨)

(بقیہ صـ۲۵۷) پھر چونکہ جملہ خبریہ کو نکرہ کا حکم دیا گیا ہے حقیقۃً تو نکرہ ہوتا ہے اور نہ معرفہ لہٰذا اب یہ اعتراض واقع نہیں ہو سکتا کہ نکرہ کا اتصاف جملہ خبریہ کے ساتھ جائز نہیں اس لئے کہ موصوف وصفۃ کے درمیان مطابقت ضروری ہے تعریف وتنکیر میں اور اس جگہ یہ مطابقت نہیں پائی جاتی اس لئے کہ جملہ صفات اسم سے ہونے کی وجہ سے نہ نکرہ ہوتا ہے نہ معرفہ پس التی ہی فی حکم النکرۃ کہنے سے اعتراض رفع ہو گیا اس لئے کہ یہ حکم میں نکرہ کے ہے کیونکہ جس طرح مفرد مبہم پر دلالت کرتا ہے اسی طرح جملہ بھی کسی مضمون مبہم پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ مثلاً ضرب زیدٌ کا مضمون ضرب زید ہوا پس یہ اس حیثیت سے مبہم ہے کہ ضرب میں آیا تشدید ہے یا تخفیف پھر یہ کہ زمان ومکان غیر متعین ہے پس یہ اس ابہام کی وجہ سے نکرہ کے حکم میں ہو گیا پس جس طرح نکرہ کی صفت مفرد لائی جائیگی اور وہ اپنے متبوع کے معنی کے حصول پر دلالت کرے گی اسی طرح یہ دلالت جملہ خبریہ میں بھی معنی متبوع کے حصول پر پائی جائیگی واللہ اعلم ۱؎ قولہ وانما قید الخ اب رہا یہ امر کہ نکرہ کی صفۃ کو جملہ خبریہ کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انشائیہ صفۃ واقع نہیں ہوا کرتا اس لئے کہ صفۃ کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر موصوف نکرہ ہے تو اس میں تخصیص پیدا کر دے اور معرفہ ہے تو اس کی توضیح کرے کما مر پس موصوف کا پہلے سے موجود ہونا ضروری ہے تاکہ اس کی تخصیص یا توضیح ہو سکے اور جملہ انشائیہ فی الحال ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ اس میں ہر ایک حکم آئندہ کے لئے ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کو صدق وکذب کے ساتھ بھی متصف نہیں کر سکتے پس انشائیہ صفۃ لانے سے نہ تخصیص حاصل ہو سکتی ہے اور نہ توضیح پس انشائیہ نہ نکرہ کی صفت بن سکتا ہے اور نہ معرفہ کی ہاں البتہ تاویل بعید سے صفۃ واقع ہو سکتا ہے جیسا کہ مثلاً جاءنی رجلٌ اضربہٗ کہا جائے تو اس میں یہ تاویل کی جائیگی جاءنی رجلٌ مقولٌ فی حقہ اضربہٗ پھر یہ کہ مقولٌ سے بھی مقولیتہ بالفعل مراد نہیں ہو گی بلکہ یہ مراد ہو گی کہ وہ ضرب کا حکم دیے جانے کا مستحق ہے

فی حکم النکرۃ لان الدلالۃ علی معنیً فی متبوعہ کما توجد فی المفرد کذلک توجد فی الجملۃ الخبریۃ وانما[1] قیدّ الجملۃ بالخبریۃ لان الانشائیۃ لاتقع صفۃ

(المصدر ۱۲)

الا بتاویل بعیدٍ کما اذا قلت جاءنی رجل اضربہ ای مقول فی حقہ اضربہ ای مستحق لان یومر بضربہٖ ویلزم[2] فیھا الضمیر الراجع الی تلک النکرۃ للربط نحو جاءنی رجل ابوہ قائم واذا لم یکن فیھا الضمیر الرابط تکون اجنبیۃ بالنسبۃ الی الموصوف فلا یصح ان تقع صفۃ لہ مثل جاءنی رجلٌ زیدٌ عالم ویوصف[3] بحال الموصوف ای بحال قائمۃ بہ نحو مررت برجلٍ

(الجار والمجرور مفعول عالم اسم فاعل ۱۲ عطف)

حسن اذا الحسن بحال الرجل وصفۃ وبحال متعلقہ ای متعلق الموصوف

اس لئے کہ اگر مقولٌ کو اپنے معنی پر رکھتے ہوئے رجلٌ کی صفت قرار دیا جائے تو یہ غلط ہو گا کیونکہ رجل میں معنی مقولیتہ میں موجود نہیں پس اس سے لامحالہ استحقاق مراد ہو گا واللہ اعلم ۲؎ قولہ ویلزم الخ یعنی جب نکرہ کی صفت جملہ خبریہ لائی جائیگی تو موصوف وصفت ارتباط پیدا کرنے کیلئے صفۃ میں ضمیر لانا ضروری ہے جو کہ موصوف کی طرف راجع ہو جیسے جاءنی رجلٌ ابوہ قائمٌ اسلئے کہ اگر صفت میں ضمیر عائد الی الموصوف نہیں ہو گی تو ربط کے بغیر بہ نسبت موصوف کے صفت بطور اجنبی کے ہو گی پس اس کا صفت واقع ہونا صحیح نہیں ہو گا جیسے جاءنی رجلٌ زیدٌ عالمٌ کہ اس میں زیدٌ عالم جملہ خبریہ ہے مگر چونکہ اس میں کوئی عائد نہیں لہٰذا یہ رجل کی صفت واقع نہیں ہو سکتا واللہ اعلم ۳؎ قولہ ویوصف الخ اس سے مصنف صفۃ کی تقسیم بیان کرنا چاہتے ہیں کہتے ہیں کہ صفۃ کی دو قسمیں ہیں ۱ صفۃ بحال موصوف اور ۲ صفۃ بحال متعلق موصوف۔ صفت بحال موصوف تو وہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو ذات موصوف میں جاتے ہیں جیسے مررتُ برجلٍ حسنٍ کہ اس میں صفۃ حسن اس کے موصوف یعنی رجل میں پائی جاتی ہے اور صفۃ بحال متعلق موصوف اس کو کہتے ہیں کہ جو اس معنی پر دلالت کرے

(باقی بر صـ۲۵۹)

يعني بصفةٍ اعتبارية تحصل له بسبب متعلقه نحو مررت برجلٍ حسنٍ غلامُه
اذ كون الرجل حسن الغلام معنًى فيه وان كان اعتباريا فالاول اي النعت
بحال الموصوف يتبعه اي الموصوف في عشرة امور يوجد منها في كل تركيب
وانما تبعه في تلك الاشياء لكونه اياه في المعنى اي
اربعة في الاعراب رفعا ونصبا وجرا والتعريف والتنكير والافراد و
التثنية والجمع والتذكير والتانيث الا اذا كان صفة يستوي فيها المذكر
استثناء عن متابعة الوصف للموصوف في التذكير والتانيث ١٢
والمؤنث كفعول بمعنى فاعل نحو رجل صبورٍ وامرأة صبورٍ او فعيل بمعنى
مفعول كرجلٍ جريحٍ وامرأة جريحٍ او كان صفة مؤنثة تجري
على المذكر كعلّامة والثاني اي النعت بحال متعلق الموصوف يتبعه
فانه صفة جارية على المذكر فقط ولا تقع صفة للمؤنث ١٢ عب
في الخمسة الاول وهي الرفع والنصب والجر والتعريف والتنكير و
يوجد منها في كل تركيب اثنان وفي البواقي من تلك الامور العشرة و
هي ايضا خمسة الافراد والتثنية والجمع والتذكير والتانيث كالفعل
لشبهه به يعني يُنظر الى فاعله فان كان مفردا او مثنى او مجموعا افرد
كما يفرد الفعل وان كان مذكرا او مؤنثا حقيقيا بلا فصل طابقه وجوبا كما
اي الوصف ١٢
يطابق الفعل فاعله في التذكير والتانيث وان كان فاعله مؤنثا
اي الوصف ١٢

(بقیہ صفحہ ۲۵۸) جو بالذات متعلق موصوف ہیں اور بالاعتبار موصوف میں پائے جاتے ہیں جیسے مررتُ برجلٍ حسنٍ غلامُہ کہ اس میں رجل کا حُسنِ الغلام ہونا ایسے معنی ہیں جو رجل میں پائے جاتے ہیں اگرچہ یہ معنی اعتباری ہیں واللہ اعلم ۵۱ قولہ فالاول الخ یعنی صفۃ کی قسم اول قائم بحال الموصوف اپنے موصوف کے ساتھ دس امور میں تابع ہوتی ہے جن میں سے ہر ترکیب میں چار امور کا موجود ہونا ضروری ہے تمام کا موجود ہونا ضروری نہیں اس لئے کہ تضاد کی وجہ سے تمام ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے پس اعراب کی تینوں قسموں رفع ونصب وجر میں سے ایک کا موجود ہونا ضروری ہے اس جگہ شارح نے رفعاً ونصباً وجراً اس وجہ سے کہا کہ اعراب کی تین قسمیں ملاکر دس امور ہوتے ہیں کیونکہ اگر صرف اعراب مراد لیا جائے تو کل آٹھ امور ہوتے ہیں پس اعراب میں سے ایک افراد و تثنیہ وجمع میں سے ایک تعریف و تنکیر میں سے ایک اور تذکیر و تانیث میں سے ایک کا موجود ہونا ضروری ہے ہاں اگر صفۃ ایسی ہو کہ جس میں تذکیر و تانیث برابر ہو جیسے فعول کا وزن بمعنی فاعل جیسے صبور بمعنی صابر اور امرأۃ صبور بمعنی امرأۃ صابرۃ یا فعیل کا وزن بمعنی مفعول جیسے رجل جریح بمعنی مجروح مرد یا امرأۃ جریح بمعنی مجروح عورت یا صفۃ ہو تو مؤنث مگر جاری ہوتی ہو مذکر کے لئے تو اس وقت موصوف و صفۃ میں تذکیر و تانیث کے اعتبار سے مطابقت ضروری نہیں پس اس وقت چار میں سے تین امور برائے مطابقت باقی رہ جائیں گے واللہ اعلم ۵۲ قولہ والثانی الخ یعنی صفۃ کی قسم ثانی اپنے موصوف کے ساتھ اوصاف عشرہ مذکورہ میں سے اُن پانچ میں تابع ہوگی جو اولاً مذکور ہیں یعنی رفع۔ نصب جر اور تعریف و تنکیر پھر ترکیب میں ان پانچ میں سے دو امور ایک ساتھ پائے جائیں گے واللہ اعلم ۵۳ قولہ وفی البواقی الخ باقی رہے پانچ امور یعنی افراد تثنیہ جمع تذکیر اور تانیث تو ان میں صفۃ مثل فعل کے ہوگی اس لئے کہ وہ اپنے مابعد کی طرف مسند ہونے میں فعل کے مشابہ ہے کیونکہ فعل بھی اپنے مابعد یعنی فاعل کی طرف مسند ہوتا ہے پس اس صفۃ کے فاعل کو دیکھا جائیگا پس اگر وہ مفرد یا تثنیہ

(بقیہ حاشیہ ۲۵۱) یا جمع ہو تو صفت کو مفرد لایا جائیگا جیسا کہ فعل کو مفرد لایا جاتا ہے اور اگر فاعل مذکر یا مونث حقیقی ہے اور صفۃ و اس کے
فاعل کے درمیان فاصلہ نہیں ہے تو صفۃ کو وجوباً فاعل کے مطابق لایا جائے گا جیسا کہ فعل تذکیر و تانیث میں فاعل کے مطابق لایا
جاتا ہے مونث حقیقی اس کو کہتے ہیں جس کے مقابلہ میں جاندار مذکر ہو جیسا کہ عورت کے مقابلہ میں مرد ناقہ کے مقابلہ میں جمل وغیرہ وغیرہ
اور اگر فاعل مونث غیر حقیقی ہو
یا حقیقی ہو مگر صفۃ اور اس کے
فاعل کے درمیان فاصلہ ہو تو فاعل
کا مذکر یا مونث لانا برابر ہے یعنی اس
کی تذکیر و تانیث میں اختیار ہے
واللہ اعلم ۵۱ قولہ تقول الخ یہاں سے
شارح ہر ایک کی مثال بیان کر رہے
ہیں پس مررت برجلٍ قاعدٍ غلامُہ اس
صفۃ کی مثال ہے کہ جس کا فاعل
مفرد ہے اور اس میں قاعدٌ غلامُہ
یقعد غلامُہ کی مانند ہے اور برجلین
قاعدٍ غلاماہما فاعل مثنی کی مثال ہے
اور رجلین تثنیہ کی صفت مفرد ہے
اس میں قاعد غلاماہما یقعد غلاماہما
کی مانند ہے اور برجالٍ قاعدٍ غلمانہم
فاعل مجموع اور افراد صفۃ کی مثال
ہے اور یہ یقعد غلمانہم کی مثل ہے
ان تینوں مثالوں میں موصوف و
صفۃ میں مطابقت باعتبار فاعل
صفۃ کے ہے اور مررتُ بامرأۃٍ
قائمٍ ابوہا اس موصوف مونث کی
مثال ہے کہ جس کی صفۃ فاعل کے
مذکر ہونے کی وجہ سے مذکر لائی گئی
ہے پس اس میں قائمٌ ابوہا، یقوم ابوہا
کی مثل ہے اور برجلٍ قائمۃٍ جاریتہٗ
اس موصوف مذکر کی مثال ہے
کہ جس کی صفت فاعل کے مونث
ہونے کی بنا پر مونث لائی گئی
ہے پس اس میں قائمۃٌ جاریتہٗ
تقوم جاریتہٗ کی مثل ہے یہ تمام
امثلہ اس صفۃ کی ہیں کہ جس کا فاعل
مذکر یا مونث حقیقی بلا فصل کے واقع ہے لہذا صفۃ اور اس کے فاعل میں تذکیر و تانیث کے اعتبار سے مطابقت واجب ہے اور
اس کے کہنے کی تو ضرورت ہی نہیں کہ یہ تمام امثلہ صفۃ کی قسم ثانی یعنی نعت بحال متعلق الموصوف سے تعلق رکھتی ہیں اب رہی صفۃ
کے فاعل مونث غیر حقیقی یا حقیقی مفصول کی مثالیں تو برجلٍ معمورٍ یا معمورۃٍ دارُہٗ اس صفۃ کی مثال ہے کہ جس کا فاعل مونث غیر حقیقی

غیر حقیقی او حقیقیا مفصولا یذکرا و یؤنث جوازا تقول[۵۱] مررت برجل

ای الوصف ۱۲ — مثال للفاعل المفرد ۱۲

قاعدٍ غلامُہ مثل یقعد غلامُہ و برجلین قاعدٍ غلاماہما مثل یقعد غلاماہما و

مثال للفاعل المثنی مع کون الصفۃ مفردا ۱۲

برجالٍ قاعدٍ غلمانُہم مثل یقعد غلمانُہم و مررت بامرأۃٍ قائمٍ ابوہا

ویجوز ایضا قاعدۃ غلمانہم لانہ جمع غیر حقیقی ۱۲ — مثال للفاعل المذکر مع تذکیر الصفۃ ۱۲

مثل یقوم ابوہا و برجلٍ قائمۃٍ جاریتُہ مثل تقوم جاریتُہ و برجلٍ معمورٍ او

معمورۃٍ دارُہ مثل یعمر او تعمر دارہ و برجلٍ قائمٍ او قائمۃٍ فی الدار جاریتُہ

عص[۵۲]

مثل یقوم او تقوم فی الدار جاریتہ فان[۵۲] قلت اذا نظرت حق النظر

مثال للفاعل المونث الحقیقی مع الفصل ۱۲

وجدت الاول و ہو الوصف بحال الموصوف ایضا فی الخمسۃ البواقی

ای کالوصف بحال المتعلق ۱۲

کالفعل لان فاعلہ کالضمیر المستکن فیہ الراجع الی موصوفہ والفعل

الکاف زائدۃ والضمیر خبر ان والا لایصح ۱۲ — الحالیۃ ۱۲

اذا اسند الی الضمیر یلحقہ الالف فی التثنیۃ والواو فی جمع المذکر العاقل

ہے یعنی غیر جاندار ہے پس اس میں صفۃ کا مذکر یا مونث لانا برابر ہے اور اس میں معمورٍ او معمورۃٍ دارُہٗ
یعمر او تعمر دارہٗ کی مثل ہے اور برجلٍ قائمٍ او قائمۃٍ فی الدار جاریتہٗ، اس صفۃ کی مثال ہے کہ جس
کا فاعل اگرچہ مونث حقیقی ہے مگر وہ صفۃ سے مفصول ہے پس اس میں بھی تذکیر و تانیث
برابر ہوگی اور قائمٌ او قائمۃٌ فی الدار جاریتہٗ، یقوم او تقوم فی الدار جاریتہٗ، کی مانند ہوگا
واللہ اعلم ۵۲ قولہ فان قلت الخ یہ ایک اعتراض ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اگر بنظر انصاف
دیکھا جائے تو نوع اول یعنی وصف بحال الموصوف بھی پانچ باقی امور یعنی افراد و تثنیہ الخ میں
فعل کی مانند ہے اس لئے کہ صفۃ کا فاعل اس ضمیر کی مانند ہے جو فعل میں پوشیدہ ہو کر
موصوف فعل کی طرف راجع ہوتی ہے پس ضروری ہوا کہ وہ ضمیر باقی پانچ امور میں اپنے
موصوف کے مطابق ہو پس نعت بحال الموصوف ضمیر مستکن راجع الی الموصوف کی وجہ
سے پانچ باقی امور میں فعل کی مانند ہوگی اور حال یہ ہے کہ فعل کی اسناد جب (باقی بر صفحہ ۲۶۱)

(بقیہ صفہ ۲۶۰) ضمیر کی طرف کی جاتی ہے تو مرجع کے تثنیہ ہونے کی صورت میں فعل میں الف لاحق کیا جاتا ہے اور جمع مذکر عاقل ہونے کی صورت میں واو اور مرجع ضمیر کے جمع مؤنث ہونے کی صورت میں نون اور واحد مؤنث ہونے کی صورت میں فعل مؤنث لایا جاتا ہے اور اسی واسطے کہ وصف بحال موصوف خمسہ بواقی میں فعل کی مثل ہے مررت برجلٍ ضاربٍ و برجلین ضاربینِ الخ کہا جاتا ہے تاکہ موصوف

والنون فی جمع المؤنث ویؤنث فی الواحد المؤنث ولذلک قلت مررت برجل ضارب وبرجلین ضاربین وبرجال ضاربینَ وبامرأة ضاربة وبامرأتین ضاربتین وبنسوةٍ ضاربات کما تقول فی الفعل یضرب ویضربان ویضربون وتضرب وتضربان ویضربن فلم خصصت الثانی بهذا الحکم قلنا المقصود الاصلی فی هذا المقام بیان نسبة الوصفین الی الموصوف بالتبعیة وعدمها ولما کان الوصف الاول یتبعه فی الامور العشرة وکان لا تخرجه مشابهته للفعل فی الخمسة البواقی عن هذه التبعیة لما عرفت اکتفی فیه بالحکم علیه بالتبعیة بخلاف الوصف الثانی فانه لما حکم علیه بالتبعیة فی الخمسة الاول لم یکتف فیه بالحکم بعدم التبعیة فانه غیر مضبوط بل بین ضابطة عدم تبعیته لکونه کالفعل بالنسبة الی الظاهر بعده تتبین حاله عند عدم التبعیة ومن ثم ای ومن اجل کون الوصف الثانی فی الخمسة

وصفہ میں باعتبار مرجع ضمیر کے مطابقت پیدا ہو جائے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ فعل کی اسناد ضمیر کی طرف کر کے یضرب۔ یضربان۔ یضربون الخ کہا جاتا ہے پس کیا وجہ ہے کہ نوع ثانی کو تو اس حکم کے ساتھ خاص کر دیا اور اول کو ترک کر دیا واللہ اعلم ۵۱ قولہ قلنا الخ یہ اعتراض مذکور کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اس مقام میں موصوف کی طرف دونوں وصفوں کی نسبت اس اعتبار سے بیان کرنا مقصود ہے کہ وصف کی نوع اول تمام امور میں موصوف کی تابع ہوتی ہے اور نوع ثانی میں یہ تبعیت بعض امور کے لحاظ سے پائی جاتی ہے یعنی رفع نصب وجر تعریف اور تنکیر کے اعتبار سے پس جبکہ وصف اول امور عشرہ میں موصوف کا تابع ہوتا ہے اور اس کا فعل کے مشابہ ہونا خمسہ بواقی میں اس کو اس تبعیت سے نہیں نکالتا جبکہ معلوم ہو چکا ہے تو اس میں مصنف نے صرف تبعیت کا حکم لگانے پر اکتفا کی اور مشابہت للفعل کی نفی نہیں کی بخلاف وصف ثانی کے کہ جب اس پر اول کے پانچ امور میں تبعیت کا حکم لگایا گیا تو خمسہ بواقی میں اس پر عدم تبعیت کا حکم لگانے پر اکتفا نہ کی اس لئے کہ وہ غیر مضبوط یعنی غیر منضبط ہے کیونکہ اس میں کہیں تو افراد مناسب ہوتا ہے اگرچہ موصوف

رفع ہو گیا واللہ اعلم ۵۲ قولہ من ثم الخ یعنی چونکہ صفت بحال متعلق موصوف خمسہ بواقی میں فعل کی مثل ہے اس لئے ترکیب قام رجلٌ قاعدٌ غلامہ حسن ہے جیسا کہ یقعد غلامہ حسن ہے اس لئے کہ صفت جب اسم ظاہر کی طرف مسند ہوتی ہے تو صفت چونکہ فعل کی مثل ہو جاتی ہے اس لئے اس کا مفرد لانا حسن ہے اسی طرح قام رجلٌ قاعدةٌ غلمانہ کی ترکیب بھی حسن ہے دباقی برصفحہ ۲۶۲)

تثنیہ یا جمع ہو جیسا کہ اس وقت جبکہ فاعل صفت تثنیہ یا جمع ہو اور کہیں تذکیر و تانیث واجب ہوتی ہے کما مر بلکہ اس کی عدم تبعیت کے لئے ایک ضابطہ بیان کر دیا کہ وصف ثانی بہ نسبت ظاہر مابعد یعنی متعلق کے اعتبار سے فعل کی مانند ہے تاکہ جب وصف ثانی اپنے موصوف کا تابع نہ ہو خمسہ بواقی میں تو معلوم ہو جائے کہ اس کا حال فعل کی مثل ہے لہذا یہ خمسہ بواقی میں تابع نہیں پس اعتراض مذکور

البواقي كالفعل حَسُنَ قام رجل قاعد غلمانه كما حسن يقعد غلمانه وحسن (ای جاز استحسانا ١٢)
ايضا قاعدة غلمانه لان الفاعل مؤنث غير حقيقي كما حسن يقعد غلمانه (ای کقاعد غلمانه ١٢)
وضعف قام رجل قاعدون غلمانه لانه بمنزلة يقعدون غلمانه و
الحاق علامتي المثنى والمجموع في الفعل المسند الى ظاهر هما ضعيف (ای مسند ١٢)
ويجوز من غير حسن ولا ضعف قعود غلمانه وان كان قعود جمعا ايضا
كقاعدون لانك اذا كسرت الاسم المشابه للفعل خرج لفظا عن موازنة (نعدم الصفة علة في مثل قعود الخ ١٢)
الفعل ومناسبته لان الفعل لا يكسر فلم يكن قعود غلمانه مثل يقعدون
غلمانه الذي اجتمع فيه فاعلان في الظاهر الا ان تخرج الواو (في مثل يقعدون)
من الاسمية الى الحرفية او يجعل المظهر بدلا من المضمر او يجعل الفعل
خبرا مقدما على المبتدأ والمضمر لا يوصف لان ضمير المتكلم والمخاطب (ای لا يقع موصوفا ١٢)
اعرف المعارف واوضحها فلا حاجة لهما الى التوضيح وحمل عليهما ضمير الغائب

(بقیہ صد ۲۶۱) اس لئے کہ فاعل یعنی غلمانہ مؤنث غیر حقیقی ہے اس لئے کہ غلمانہ جمع ہے اور جمع بمعنی الجماعۃ ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے
اور ترکیب تقعد غلمانہ کی طرح حسن ہے پس اگر وصف ثانی خمسہ بواقی میں فعل کی مثل نہ ہوتا تو یہ ترکیب بوجہ عدم مطابقت کے ناجائز
ہوتی مگر چونکہ یہ فعل کی مثل ہے اس لئے ترکیب مذکور جائز ہی نہیں بلکہ حسن ہوئی اور ترکیب قام رجلٌ قاعدون غلمانہ ضعیف ہے
اس لئے کہ یہ بمنزلہ یقعدون غلمانہ
کے ہے اور یہ اس لئے ضعیف ہے
کہ جو فعل ظاہر کی طرف مسند ہوتا ہے
اس میں علامت تثنیہ وجمع کا الحاق
ضعیف ہوتا ہے اور اس میں علامت
جمع کا الحاق ہے لہذا یہ بھی ضعیف
ہوا اور الحاق کی وجہ ضعف یہ ہے
کہ اس سے فاعل کا تعدد لازم آتا ہے
کیونکہ واو اور نون بھی فاعل ہے اور
پھر غلمانہ بھی فاعل ہے اگرچہ خلاف
قاعدہ ہے مگر ممتنع نہیں اس لئے
کہ اس میں تاویل کر کے کہہ سکتے ہیں
کہ واو اور نون علامت فاعل ہیں
فاعل نہیں پس تعدد فاعل لازم نہ آئیگا
مگر چونکہ احتمال فاسد سے خالی نہیں
لہذا یہ ترکیب ضعیف ہے واللہ اعلم
لـه قولہ ویجوز الخ یعنی ترکیب قعودٌ
غلمانہ، جائز ہے مگر نہ حسن ہے نہ ضعیف
اس لئے کہ قعود اگرچہ قاعدون کی
طرح جمع ہے اور غلمانہ، اس کا
فاعل ہے مگر چونکہ وہ جمع تکسیر ہے
اور جمع تکسیر حکم میں مفرد کے ہوتی ہے
پس جب اسم مشابہ للفعل کو مکسر کر دیا
گیا تو یہ لفظاً موازنۃ ومناسبۃ
فعل سے خارج ہو گیا اس لئے کہ
فعل کی تکسیر نہیں کی جاتی ہے پس
قعودٌ غلمانہ، نہ تو قاعدٌ غلمانہ، کی
طرح ہے کہ جو حسن ہے اس لئے کہ
قعود جمع ہے اور قاعدٌ مفرد اور
نہ قاعدون بمعنی یقعدون غلمانہ، کی
مثل ہوگا کہ جو ضعیف ہے اور جس
میں دو فاعل ضمیر مرفوع اور غلمانہ بظاہر موجود ہیں مگر یہ کہ یقعدون کے واو کو اسمیۃ سے حرفیۃ کی طرف نکالا جائے پس اس صورت
میں واو اور نون علامت فاعل ہوں گے اور غلمانہ، فاعل یا غلمانہ، کو ضمیر مرفوع واو اور نون سے بدل قرار دیا جائے یا کہا جائے
کہ غلمانہ مبتدا مؤخر اور یقعدون اپنے فاعل ضمیر کے ساتھ خبر مقدم ہے پس کوئی اعتراض ضعف باقی نہیں رہے گا پس چونکہ قعودٌ غلمانہ،
جمع تکسیر ہے اور یہ یقعدون غلمانہ، کی طرح نہیں ہے لہذا اس کو ضعیف بھی نہیں کہہ سکتے واللہ
اعلم ١٢ سـه قولہ والمضمر الخ یعنی ضمیر کسی صفت کے ساتھ موصوف نہیں ہوتی اس لئے کہ ضمیر
متکلم اور مخاطب معرفہ کی تمام قسموں میں اعرف اور اوضح ہیں پس ان دونوں کی توضیح کی حاجت
نہیں ہوگی پھر رہی ضمیر غائب کہ یہ اعرف واوضح نہیں ہوتی اور دعوی مطلق ضمائر کی عدم
توصیف کا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضمیر متکلم اور مخاطب پر محمول ہے اسی طرح اگرچہ دلیل
سے ضمیر کے موصوف ہونے کی عدم احتیاج بطور وصف موضح کے معلوم ہوئی ہے (باقی بر صد ۲۶۳)

(بقیہ صـ۲۶۲) کیونکہ معرفہ کی جب صفۃ لائی جاتی ہے تو افادہ توضیح مقصود ہوتا ہے اور یہاں چونکہ ضمیر خود واضح ہے لہذا اس کو توضیح کی ضرورت نہیں پس اس کی عدم موصوفیت سے وصف موضح کی نفی ہوئی مطلق وصف کی نہیں مثلاً وصف دال علی المدح او الذم وتوان کو طرداً للباب وصف موضح پر محمول کرلیا جائیگا یعنی وصف موضح کی طرح وصف دال علی المدح وغیرہ کے ساتھ بھی ضمیر کو موصوف نہیں کیا جائیگا واللہ اعلم

وعلى الوصف الموضح الوصف المادح والذام وغيرهما طرداً للباب

ولا يوصف به[1] لانه[ع] ليس في المضمر معنى الوصفية وهو الدلالة على (كالوصف المؤكد ۱۲ من التاكيد و)

قيام معنى بالذات لانه يدل على الذات لا على قيام معنى بها (وبعبارة اخرى لانه لا يدل على معنى كرفي تبوعه فلا يقع صفة ۱۲ عب)

وكانه[2] لم يقع في بعض النسخ قوله ولا يوصف به ولهذا اعتذر الشارح

الرضي وقال ولم يذكر[ع] المصنف انه لا يوصف بالضمير لانه تبين (اى ولعدم وقوعه في) ذلك

بقوله والموصوف[3] اخص او مساو اى الموصوف المعرفة اشد

اختصاصاً بالتعريف والمعلومية من الصفة يعنى اعرف منها لانه

المقصود الاصلى فيجب ان يكون اكمل[ع] من الصفة في التعريف

او مساوياً[ع] لها لانه لو لم يكن اكمل منها فلا اقل من ان لا

يكون ادون منها والمنقول[4] عن سيبويه وعليه جمهور

النحاة ان اعرفها المضمرات ثم الاعلام ثم اسماء الاشارة

ثم المعرف[ع] باللام والموصولات فبينهما مساواة

[1] قولہ ولا یوصف الخ یعنی ضمیر کسی چیز کی صفت بھی واقع نہیں ہوگی کیونکہ ضمیر میں وصفیۃ کے معنی نہیں ہیں یعنی قیام معنی بالذات پر دلالت کرنا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ یہ ان معنی پر دلالت نہیں کرتی کہ جو اس کے متبوع میں پائے جاتے ہیں بلکہ یہ ذات پر دلالت کرتی ہے لہذا یہ صفۃ نہ ہوگی واللہ اعلم

[2] قولہ وکانہ الخ بعض نسخوں میں کافیہ کے قولہ ولا یوصف بہ نہیں ہے اور اسی نسخہ سے شارح رضی نے اپنی شرح کی ہے لہذا اپنی شرح میں رضی نے عذر پیش کیا کہ مصنف نے یہ قول اس وجہ سے ذکر نہیں کیا کہ اس کا منشا یعنی عدم وصفیۃ ضمیر قولہ والموصوف اخص او مساو سے ظاہر ہوجاتا ہے پس کوئی شخص رضی پر یہ اعتراض نہ کرے کہ اس کا اعتذار درست نہیں اس لئے کہ کافیہ کے نسخوں میں قولہ ولا یوصف بہ موجود ہے واللہ اعلم ۱۲

[3] قولہ والموصوف الخ یعنی موصوف معرفہ صفۃ سے تعریف اور معلومیۃ کے اعتبار سے قوی الاختصاص یعنی صفۃ سے زیادہ اعرف ہوتا ہے اس لئے کہ موصوف وصفۃ میں موصوف مقصود اصلی ہے پس ضروری ہوا کہ موصوف تعریف میں یا تو صفۃ سے اکمل ہو یا صفۃ کے مساوی اس لئے کہ اگر اکمل نہیں ہوسکتا تو اس بات سے کم بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ صفۃ سے کمتر ہو ورنہ تابع کی متبوع پر فوقیت لازم آئیگی اور یہ ناجائز ہے اس جگہ شارح نے الموصوف کی تفسیر میں المعرفۃ کی قید اس لئے لگائی ہے کہ موصوف نکرہ صفت سے اخص نہیں ہوتا بلکہ اس کے مساوی ہوتا ہے لہذا کوئی یہ اعتراض نہ کر بیٹھے کہ موصوف نکرہ میں قوۃ اختصاص تو درکنار محض اختصاص بھی نہیں پایا جاتا واللہ اعلم

[4] قولہ والمنقول الخ اس سے شارح یہ بتا رہے ہیں کہ اقسام معرفہ میں سب زیادہ اعرف کون ہے؟ کہتے ہیں کہ سیبویہ سے جو بات نقل کی گئی ہے اور جس پر جمہور نحاۃ ہیں یہ ہے کہ اعرف المعارف مضمرات ہیں پھر اعلام پھر اسماء اشارہ پھر معرف باللام اور موصولات اور ان دونوں یعنی معرف باللام اور موصولات میں مساواۃ ہے یعنی ایک دوسرے سے اعرف ہونے میں کمی و بیشی نہیں ہے ۱۲

لے قولہ ومن ثم الخ یعنی اس وجہ سے کہ موصوف اخص یا مساوی ہوتا ہے ذو اللام کی صفت ذو اللام ہی لائی جاسکتی ہے یا موصول کیونکہ یہ بھی ذو اللام کا اس حیثیت سے مماثل ہے کہ دونوں میں مساواۃ فی التعریف ہے کما عرفت آنفاً پس اس کی وجہ یہ ہے کہ معرف باللام معرفہ کی تمام قسموں سے کمتر ہے لہٰذا اگر اس کی صفۃ کسی دوسرے معرفہ کے ساتھ سوائے موصول کے لائی جائیگی تو تابع کی متبوع پر فوقیت لازم آئیگی اور یہ ناجائز ہے اور ذو اللام کی مثال یہ ہے جیسے جاءنی الرجل الفاضل کہ موصوف وصفۃ دونوں معرف باللام ہیں اور جیسے جاءنی الرجل الذی کان عندک امس کہ اس میں موصوف کی صفۃ موصول واقع ہے واللہ اعلم ۔ ۲ے قولہ او بالمضاف الخ یعنی یا معرف باللام کی صفت اس اسم کے ساتھ ہوگی جو اس جیسے معرفہ کی طرف مضاف ہے پھر اس اسم مضاف الی المعرف باللام میں تعمیم ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہو جیسے جاءنی الرجل صاحب الفرس کہ اس میں صاحب مضاف اور الفرس کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں یا فاصلہ ہو جیسے جاءنی الرجل صاحب لجام الفرس کہ صاحب اور الفرس کے درمیان لجام فاصلہ و واسطہ ہے اور یہ اضافۃ الی مثلہ اس وجہ سے ضروری ہے کہ سیبویہ کے نزدیک تعریف مضاف تعریف مضاف الیہ کے مساوی ہے یعنی مضاف الیہ کی وجہ سے مضاف میں جو تعریف آئیگی اس کے اعتبار سے دونوں مساوی ہیں اور غیر سیبویہ یعنی مبرد یہ کہتے ہیں کہ تعریف مضاف تعریف مضاف الیہ سے انقص ہوتی ہے لہٰذا قول اول کے مطابق ذو اللام کی صفت جب مضاف الی مثلہ لائی جائیگی تو موصوف وصفۃ میں مساوات پیدا ہو جائیگی کیونکہ موصوف تو پہلے سے معرف باللام ہوگا ہی صفۃ مضاف میں بھی مضاف الیہ معرف باللام کی وجہ سے تعریف باللام آجائیگی کیونکہ مضاف و مضاف الیہ دونوں میں مساوات ہے اور قول ثانی کے مطابق موصوف اخص اور صفۃ مضاف انقص من المضاف الیہ ہونے کی وجہ سے موصوف سے کم ہیں والموصوف

ومن ثم[۱] ای ومن اجل ان الموصوف اخص او مساوٍ ولم یوصف (بشئی ۱۲) ذو اللام الا بمثلہ ای ذی اللام الآخر او الموصول فانہ ایضا مماثل (ای ما فیہ لام التعریف ۱۲) لذی اللام لما عرفت (الآن ۱۲) بینہما من المساواۃ فی التعریف نحو جاءنی الرجل الفاضل او الرجل الذی کان عندک امس او بالمضاف[۲] الی مثلہ ای مثل المعرف باللام بلا واسطۃ نحو جاءنی الرجل صاحب الفرس او بواسطۃ نحو جاءنی الرجل صاحب لجام الفرس لان تعریف المضاف مساوٍ لتعریف المضاف الیہ او انقص[۳] منہ علی الخلاف الواقع بین سیبویہ وغیرہ (فیہ لف ونشر مرتب ۱۲) بخلاف (ہو المبرد ۱۲) سائر المعارف فانہا اخص من ذی اللام فلو وقع اخص نعتا بغیر اخص فہو محمول علی البدل عند صاحب ہذا المذہب وانما التزم[۴] وصف باب ہذا

اخص او مساوٍ کا ضابطہ درست ہو جائیگا واللہ اعلم ۳ے قولہ بخلاف الخ اس کا تعلق لم یوصف ذو اللام الا بمثلہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ چونکہ ذو اللام اور موصول کے علاوہ باقی معارف ان سے اخص ہیں لہٰذا ان کی صفت ذو اللام اور موصول آسکتی ہے مگر ذو اللام یا موصول کی صفت اسم مضاف الی المضمر یا علم وغیرہ نہیں آسکتی پس اگر کہیں ایسا ہو جائے کہ صفت موصوف سے اخص ہو مثلاً مضاف الی العلم معرف باللام کی صفۃ واقع ہو جائے تو صفت عند المصنف بدلیۃ پر محمول ہوگی جیسے جاءنی الرجل صاحب زید کہ اس میں صاحب زید کو الرجل سے بدل قرار دیں گے واللہ اعلم ۴ے قولہ وانما التزم الخ اس سے مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں سوال کی تقریر یہ ہے کہ اسم اشارہ کی صفۃ کو معرف باللام (رباقی برصفحہ)

(بقیہ صہ ۲۶۴) کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا جبکہ قیاس اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کی صفت اسم اشارہ ذی اللام موصول اور مضاف
ذی اللام والموصول جائز ہونی چاہیئے کیونکہ ذو اللام اور موصول میں تو مساوات ظاہر ہے رہا معرف باللام اور مضاف بسوئے معرف
تو اس کے متعلق سیبویہ کا مذہب شاہد ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں رتبہ میں یکساں ہیں پس کیا وجہ ہے کہ اسم اشارہ کی صف

ای باب اسم الاشارة بذی اللام مثل مررت بهذا الرجل مع ان القیاس
یقتضی جواز وصفه بذی اللام والموصول والمضاف الی احدهما
للابهام الواقع فی هذا الباب بحسب اصل الوضع المقتضی لبیان
الجنس فاذا ارید رفعه لا یتصور بمثله لابهامه ولا یلیق بالمضاف لمکتسب
(ای حقیقة الذات لانه مبهمة الذات یقتضی صفة تعیین ذاته ۱۲ عل)
التعریف عن المضاف الیه لانه کالاستعارة من المستعیر والسؤال عن
المحتاج الفقیر فتعین ذو اللام لتعینه فی نفسه وحمل الموصول علیه لانه
مع صلته مثل ذی اللام مثل مررت بهذا الذی کرم ای الکریم ومن ثم
(ای فی رفع الابهام ۱۲ رحمن)
ای ومن اجل ان التزام وصف باب هذا بذی اللام لرفع الابهام
ببیان الجنس ضعف مررت بهذا الابیض لانه لا یتبین به جنس المبهم
لان الابیض عام لا یختص بجنس دون جنس وحسن مررت
بهذا العالم لانه یتبین به ان المشار الیه انسان بل رجل

صرف معرف باللام لائی جاتی
جواب یہ دیا کہ ہذا میں ابہام
کیونکہ اس کی اصل وضع ہی ا
کے لیئے ہے جوکہ بیان جنس ک
ہے پس جب رفع ابہام کا ار
جاتا ہے تو یہ رفع ابہام اس
مثل سے متصور نہیں ہوسکت
وہ خود مبہم ہوتا ہے پس اس
صفۃ اسم اشارہ نہیں لا سکتے
مضاف الی ذی اللام اوا
تو چونکہ مضاف بھی مبہم ہوتا
اسی وجہ سے اس کو مضاف ا
اپنا ابہام دور کرنا پڑتا ہے پس
دوسرے کے ابہام کو کیسے دو
اور اگر اس کی صفت مضاف
معرف باللام یا مضاف بسو
موصول لائی جائیگی تو یہ ایس
ہوگا جیسا کہ مستعیر سے استع
کرنا اور محتاج وفقیر سے سوال
پس اس کی صفت کے لیئے ا
جنس معرف باللام متعین ہو
لتعینہ فی نفسہ یعنی اس اعتبا
کہ الف لام تعریف کے لیئے مو
پس یہ معرفہ بنفسہ ہوگا اور ج
پر دلالت کریگا اب رہی اس
صفت موصول تو اس کو ا
سے بیان نہیں کیا کہ یہ ذو اللا
محمول ہے جیسا کہ معلوم ہو ج
دونوں میں مساوات ہے اور ا
لیئے کہ موصول اپنے صلہ کے س
رفع ابہام میں ذو اللام کی ط

معرف باللام بھی نہیں ہوگی پس اس قاعدہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے مررت بہذا الابیض کہنا ضعیف ہے
اس لیئے کہ الابیض سے جنس مبہم واضح نہیں ہوتی اس لیئے کہ ابیض عام ہے وہ کسی جنس کے
ساتھ بھی خاص نہیں خواہ وہ جنس انسان ہو یا فرس غنم وغیرہ پھر یہ کہ اس کو خلاف قاعدہ ہونے
کی وجہ سے ممتنع کیوں نہیں کیا گیا ضعیف کیوں کہا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے فی الجملہ
ابہام رفع ہوجاتا ہے کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف اسود یا احمر وغیرہ نہیں ابیض ہے لہذا ترکیب
مذکور ممتنع نہ ہوئی بلکہ ضعیف ہے اور ترکیب مررت بہذا العالم حسن ہے اس لیئے کہ (باقی بر صہ ۲۶۱)

ہوتا ہے جیسے مررت بہذا الذی کرم ای الکریم کہ الذی کرم الکریم کے معنی میں ہے فلا اشکال فیہ واللہ اعلم ۵ قولہ ومن ثم الخ یعنی اس و
کہ باب ہذا کی صفت ذو اللام اس وجہ سے لائی جاتی ہے کہ وہ بیان جنس کے ساتھ رفع ابہام کرتا ہے تو جہاں کہیں اس کی صفۃ معر
باللام بھی رفع ابہام نہیں کریگی وہاں وہ بھی جائز نہیں ہوگی پس یہ قول قول اول سے ترقی ہے کہ ہذا کی صفۃ معرف باللام تو کیا بعض

(بقیہ ص ۲۶۵) عالم سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ مشارٌ الیہا انسان ہی نہیں بلکہ عورت سے بھی خاص ہو کر مرد ہے پس ہذا سے ابہام بدرجۂ اتم رفع ہوگیا واللہ اعلم ۵۱ قولہ العطف الخ عطف کی چونکہ دو قسمیں ہیں عطف بیان اور عطف بحرف لہٰذا شارح نے تعیین کرنے کے لئے یعنی المعطوف بالحرف کا اضافہ فرمایا اور قرینہ اس پر یہ ہے کہ معطوف بالحرف کو مطلقاً عطف کے ساتھ پکارتے ہیں بخلاف عطف بیان کے کہ اس میں لفظ بیان ضرور ہوتا ہے پس عطف بحرف وہ تابع ہے جو اپنے متبوع کے ساتھ نسبتہ میں مقصود ہو اس جگہ شارح نے مقصودٌ کی تفسیر ای قصد نسبتہ الی شئ الخ سے کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قولہٗ بالنسبۃ ماضی مجہول یعنی قصد کے متعلق ہے کہ جس کا نائب فاعل نسبتہ ہے پس اگر اس کی تفسیر نہ کی جاتی تو مقصودٌ کی ضمیر مستتر تابعٌ کی طرف راجع ہوتی اور مطلب یہ ہوجاتا کہ تابع مقصود بالنسبۃ ہے حالانکہ مقصود یہ نہیں بلکہ مقصود بالنسبۃ نسبتہ تابع ہے پس ظاہر ہوگیا کہ سبب فساد بالنسبۃ کا مقصودٌ سے متعلق ہونا ہے کہ جس کی ضمیر تابعٌ کی طرف راجع ہے اس لئے کہ معنی اس صورت میں یہ ہوجاتے ہیں کہ تابع مقصود اور مراد من النسبۃ ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ مقصود اور مراد نسبتہ سے نسبتہ تابع ہے پس قولہ بالنسبۃ قصد کے متعلق ہے جو کہ مقصودٌ سے سمجھا جاتا ہے پھر نسبتہ میں تعمیم ہے کہ تابع کی نسبتہ کسی شئے کی طرف ہو جیسے زیدٌ قائمٌ و ذاہبٌ کہ اس میں نسبتہ ذہاب زید کی طرف ہے اور یا کسی شئے کی نسبتہ تابع کی طرف ہو جیسے جاءنی زیدٌ و عمروٌ کہ اس میں مجیئۃ کی نسبتہ عمرو کی طرف ہو رہی ہے پھر شارح نے بالنسبۃ کے بعد الواقعۃ فی الکلام سے یہ بتایا ہے کہ النسبۃ میں الف لام عہد کے لئے ہے اور اس سے نسبتہ کلامیہ مراد ہے اور مع متبوعہ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح معطوف مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے اسی طرح معطوف علیہ یعنی متبوع بھی مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے جیسے جاءنی زیدٌ و عمروٌ پس عمرو تابع ہے اس لئے کہ وہ زید پر معطوف بحرف عطف ہے اور عمرو کی طرف اس نسبت مجیئ کے ساتھ جو کلام یعنی جاءنی زیدٌ میں واقع ہے نسبتہ مجیئ کا قصد کیا گیا ہے

العطف^له یعني المعطوف بالحرف تابع مقصود^ای قصد نسبته الی شئ او نسبته شئ الیه بالنسبة الواقعة في الکلام فقوله بالنسبة متعلق بالقصد المفهوم من المقصود مع متبوعه ای کما یکون هو مقصوداً بتلک النسبة یکون متبوعه ایضاً مقصوداً بها نحو جاءني زید وعمروٌ فعمرو تابع لانه معطوف على زید قصد نسبة المجئ الیه بنسبة المجئ الواقعة في الکلام وکما ان نسبة المجئ الیه مقصودة کذلک نسبته الی زید الذي هو متبوعه ایضاً مقصودة فقوله^۵۲ مقصود بالنسبة احتراز عن غیر البدل من التوابع لانها غیر مقصودة بل المقصود متبوعاتها وقوله مع متبوعه احتراز عن البدل لانه المقصود دون متبوعه قیل^۵۳ تخرج بقوله مع متبوعه المعطوف بلا وبل ولکن و

الواقعة في الکلام ۱۲ — تاکید لذلک — ومالہ غذم جامعیة التعریف ۱۲ عب

اور جیسا کہ مجیئ کی نسبت عمرو کی طرف مقصود ہے ایسے ہی مجیئ کی نسبتہ زید کی طرف بھی مقصود ہے جو کہ عمرو کا متبوع ہے واللہ اعلم ۵۲ قولہ فقولہ الخ یعنی اس تعریف میں قولہٗ تابع بمنزلہ جنس کے ہے کہ تمام توابع کو شامل ہے اور قولہ مقصودٌ الخ بمنزلہ فصل کے کہ مقصودٌ بالنسبۃ سے نعت تاکید اور عطف بیان سوائے بدل کے خارج ہوجاتے ہیں اس لئے کہ یہ مقصود بالنسبۃ نہیں ہوتے بلکہ ان کے متبوعات مقصود بالنسبۃ ہوتے ہیں اور بدل چونکہ مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے اس لئے وہ داخل رہتا ہے پس قولہٗ مع متبوعہ سے بدل بھی خارج ہوگیا اس لئے کہ وہ اپنے متبوع کے بغیر مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے واللہ اعلم ۵۳ قولہ قیل الخ یہ ایک اعتراض ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ قول مصنف مع متبوعہ سے معطوف بلا و بل و لکن و اَم و اِمّا و اَوْ خارج ہوجاتا ہے اس لئے کہ ان حروف میں سے کسی کے ساتھ جو بھی معطوف آئے گا تو اس سے مقصود بالنسبۃ احد الامرین ہوں گے یعنی صرف تابع یا صرف متبوع (باقی بر صفحہ ۲۶۷)

ام وأما او ولان المقصود بالنسبة معها احد الامرين من التابع و
المتبوع لا كلاهما واجيب[ع] بان المراد بكون المتبوع مقصودا[بيانية ١٢] بالنسبة
ان لا يذكر لتوطية ذكر التابع وبكون التابع مقصودا بالنسبة ان لا
يكون كالفرع على المتبوع من غير استقلال به ولا شك ان المعطوف
والمعطوف عليه بتلك الحروف الستة مقصودان بالنسبة معا
بهذا المعنى ولما[ع ٥] تم الحد[المص] بما ذكره جمعا ومنعا اردفه لزيادة التوضيح بقوله [جواب لما ١٢]

يتوسط بينه اى بين ذلك التابع وبين متبوعه احد الحروف العشرة

وسياتي تفصيلها في قسم الحروف ان شاء الله تعالى مثل قام زيدٌ
وعمروٌ ولم يكتف[ع ٥] بقوله تابع يتوسط بينه وبين متبوعه احد الحروف العشرة
لان[ع] الحروف قد تتوسط بين الصفات مثل جاءني زيد العالم والشاعر
والدبير فالصفة الداخل عليها حرف العطف كالشاعر والدبير لها
جهتان احدهما[اى الكائنتين ١٢] كونها صفة لزيد تابعة له بتبعية المعطوف عليه[وهو الصفة الاولى ١٢ ح] و

يتوسط بينہ وبين متبوعہ احد الحروف العشرة پر اکتفاء کرتے کیونکہ اس سے دوسرے توابع سے امتیاز
حاصل ہو جاتا ہے پس اس پر اکتفاء کیوں نہیں کیا اس کا جواب لان الحروف الخ سے یہ دیا کہ
حروف کبھی صفات کے درمیان بھی آتے ہیں جیسے جاءنی زیدٌ العالم والشاعرُ والدبیرُ کہ اس
میں الشاعر اور الدبیر پر صفات پر حروف عطف داخل ہے پس ان دونوں (باقی برصـ ٢٦٥)

(بقیہ صـ ٢٦٦) دونوں مقصود نہیں ہوتے پس تعریف عطف اپنے افراد کو جامع نہیں رہی واجیب سے شارح نے جواب دیا کہ متب
کے مقصود بالنسبۃ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ ذکر تابع کے توطیہ وتمہید کے لئے ذکر نہ کیا جائے اور تابع کے مقصود بالنسبۃ ہونے سے
مراد ہے کہ وہ متبوع کے لئے بطور فرع کے نہ ہو یعنی تابع غیر مستقل نہ ہو جیسا کہ نعت منعوت کے لئے بطور فرع منعوت کے ہو
ہے بلکہ تابع مستقل ہو پس جـ
دونوں سے مراد حسب مذکور ہـ
تو ظاہر ہو گیا کہ دونوں معطوف
معطوف علیہ حروف ستہ کے سـ
اس معنی کے اعتبار سے اک سـ
مقصود بالنسبۃ ہوتے ہیں کیـ
متبوع کا ذکر جب بطور تمہید کے
ہوا تو بطور استقلال کے ہو گا
تابع بھی مستقل ہو گا تو دونو
مقصود بالنسبۃ ہو گئے فلا اـ
فیہ واللہ اعلم ١٢ ؎ قولہ ولمـ
الخ مصنف کی عبارت یتوسـ
بینہ الخ میں دو احتمال ہیں ا
یہ کہ تعریف سے یہ ایک حکم خا
ہے اور اس سے مثال کو اس
متاخر کر دیا کہ اس حکم سے زیاد
توضیح میں بصیرت حاصل ہو
ہے پس گویا کہ یہ حکم تعریف
تتمہ کے بطور ہے یا یہ کہ مثال
اس حکم کی تمثیل بھی مقصود ہے
دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ تعریف
داخل ہے جیسا کہ بادی النظر
سمجھا جاتا ہے اور تاخر مثال اس
تائید کرتا ہے لیکن اس کو تعریـ
کے جامع اور مانع ہونے میں کو
دخل نہیں پس شارح نے دو تو
احتمالوں کی طرف اشارہ کرتے
ولما تم الحد الخ کہا کہ اب تک جو
مصنف نے کہا تھا اس سے تعـ
جامع مانع ہو گئی تھی لہذا اس قـ
کو اس کی جمعیۃ ومنعیۃ میں کو
دخل نہیں اور یہ تعریف میں شامل بھی نہیں بلکہ زیادہ توضیح کے لئے اس کو لایا گیا ہے بہر حال عبارت کا مطلب یہ ہے کہ تابع
متبوع کے درمیان حروف عشرہ میں سے کوئی نہ کوئی ایک حرف ہونا چاہیئے اور حروف کی تفصیل عنقریب آجائیگی واللہ اعلم ١٢ ؎
ولم یکتف الخ اب اگر کوئی کہے کہ عبارت میں ایجاز واختصار اصل ہے پس مصنف کو مناسب یہ تھا کہ وہ اپنی تعریف میں تا

اخرلہا کونہا معطوفاً علی الصفۃ المتقدمۃ تابعۃً لہا ویصدق علی
ہذہ الصفۃ من جہتہا الاولی انہا تابعۃ لانہا صفۃ لزید یتوسط بینہا
وبین زید حرف العطف لان توسط حرف العطف بین شیئین لایلزم
ان یکون لعطف الثانی علی الاول فلو لم یکن قولہ مقصودا بالنسبۃ مع
متبوعہ لدخل ہذہ الصفۃ من جہتہا الاولی فی حد المعطوف وہی من
ہذہ الجہۃ لیست معطوفۃ فلم یبق مانعا وقیل قد جوّز الزمخشری وقوع
الواو بین الموصوف والصفۃ لتاکید اللصوق فی مواضع عدیدۃ
من الکشاف وحکم المص فی شرح المفصل فی مباحث الاستثناء
ان قولہ تعالیٰ ولہا منذرون فی قولہ وما اہلکنا من قریۃ الا لہا
منذرون صفۃ لقریۃ فلو اکتفیٰ بقولہ تابع یتوسط لدخل فیہ مثل ہذہ
الصفۃ ونقل عن المصنف انہ قال فی امالی الکافیۃ ان
العاقل فی مثل جاءنی زید العالم والعاقل تابع یتوسط بینہ و

(بقیہ صفحہ ۲۶۷) صفات میں دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ یہ دونوں زید کی صفۃ ہیں جو کہ بواسطہ معطوف علیہ زید کے تابع ہیں اور دوسرے یہ کہ یہ دونوں صفۃ متقدمہ یعنی العالم پر معطوف ہونے کی وجہ سے العالم کے تابع ہیں پس اول حالت کے اعتبار سے ان صفات پر یہ صادق آتا ہے کہ یہ تابع ہیں اس لئے کہ یہ زید کی صفت ہیں اور ان کے اور زید کے درمیان حرف عطف ہے اور دو چیزوں کے درمیان حرف عطف کے آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ثانی کا اول پر عطف ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ واو ابتدائیہ یا استینافیہ یا حالیہ وغیرہ ہو پس جہۃ اول کے مطابق زید اور الشاعر کے درمیان جو حرف عطف آئیگا وہ واجب نہیں قرار دیتا کہ زید پر اس کا عطف ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ عطف نہ ہو پس الشاعر زید کی صفت واقع ہوگا باوجودیکہ دونوں کے درمیان حرف عطف موجود ہے اور دونوں معطوف علیہ و معطوف نہیں پس اگر مصنف قولہ مقصودٌ بالنسبۃ مع متبوعہ ذکر نہ کرتے تو یہ صفت حالت اول کے اعتبار سے تعریف معطوف میں داخل ہو جاتی حالانکہ اس جہت سے معطوف نہیں صفت ہے پس تعریف عطف دخول غیر سے مانع نہ رہتی لہذا مصنف نے صرف تابعٌ یتوسط الخ پر اکتفار نہیں کیا واللہ اعلم ۱۲

له قولہ وقیل الخ اس سے شارح ماقبل کی تاکید کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ صفات کے درمیان حرف آجاتا ہے کہتے ہیں کہ زمخشری نے موصوف وصفت کے درمیان واو عاطفہ کے وقوع کو جائز قرار دیا ہے تاکہ موصوف کے ساتھ صفۃ کے اتصال کی تاکید ہو جائے اور اس جواز کی طرف تفسیر کشاف کے چند مواقع میں اشارہ ہے ان میں سے ایک یہ قول باری تعالیٰ ہے ویقولون سبعۃ وثامنہم کلبہم کہ اس میں سبعۃ موصوف ہے اور ثامنہم کلبہم جملہ ہو کر اس کی صفۃ ہے پس اس میں واو تاکید اتصال کی وجہ سے آیا ہے اور مصنف نے مفصل کی شرح ایضاح میں استثناء کی مباحث میں بیان کیا ہے کہ قول باری تعالیٰ وما اہلکنا من قریۃ الا لہا منذرون میں ولہا منذرون قریۃ کی صفۃ ہے درانحالیکہ واو عاطفہ موجود ہے پس اگر مصنف قولہ تابع یتوسط الخ پر اکتفار کرتے تو اس میں اس جیسی صفۃ بھی داخل ہو جاتی واللہ اعلم

سله قولہ ونقل الخ اس سے بھی موصوف وصفۃ کے درمیان توسط حرف عطف کی تائید مقصود ہے کہتے ہیں کہ امالی کافیہ میں مصنف سے نقل کیا گیا ہے کہ جاءنی زیدٌ العالمُ والعاقلُ میں العاقل تابع ہے کہ اس کے اور متبوع کے درمیان حروف عشرہ میں سے ایک حرف ہے اور یہ بظاہر تو معطوف ہی (باقی برصفحہ ۲۶۹)

(بقیہ ص۲۶۵) مگر علی وجہ التحقیق معطوف نہیں اس لئے کہ اُس حرف عطف کا حذف کرنا جائز ہے پس اگر یہ معطوف ہوتا حقیقۃً تو حذ[ف]
حرف عطف جائز نہ ہوتا پس یہ باوجود حرف عطف کے اپنی حالیۃ وصفیۃ پر باقی رہتے ہوئے وصف ہے اور موصوف وصفۃ [کے]
درمیان دخول عاطف اس لئے مستحسن ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف میں مغایرت ہونے کے سبب سے موصوف وصفۃ ا[ور]

بین متبوعہ احد الحروف العشرۃ ولیس بعطف (ای بمعطوف ۱۲) علی التحقیق وانما ہو باقٍ علی
ماکان علیہ فی الوصفیۃ وانما حسن دخول العاطف لنوع من الشبہ
بالمعطوف لما بینہما من التغایر فلو حدّ العطف کذلک لدخل فیہ بعض الصفات
مع انہ لیس بمعطوف وقال بعضہم فیہ نظر لان الحروف المتوسطۃ
بینہا عاطفۃ لدلالتہا فیہا علی ما تدل علیہ فی غیرہا من الجمع والترتیب
وغیر ذلک ففی جعلہا غیر عاطفۃ فی الصفات وعاطفۃً فی غیرہا ارتکاب
امر بعید من غیر ضرورۃ داعیۃ الیہ واذا عطف (ای اذا ارید ان یعطف ۱۲) علی الضمیر المرفوع
لا المنصوب والمجرور المتصل بارزاً کان او مستتراً اُکّد المنفصل (المرفوع ۱۲)
بمنفصل اولاً ثم عطف علیہ وذلک لان المتصل المرفوع کالجزء
مما اتصل بہ لفظاً من حیث انہ متصل (ای بمرفوع منفصل ۱۲) لا یجوز انفصالہ ومعنیً من حیث

۲ قولہ واذا عُطف الخ یعنی جب ضمیر مرفوع متصل پر عطف کیا جائیگا خواہ وہ ضمیر متصل مرفوع بارز
ہو یا مستتر منصوب ومجرور اور منفصل نہ ہو تو بوقت عطف اولاً ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ
تاکید لائی جائیگی پھر اس تاکید پر عطف کیا جائیگا اور یہ اس لئے کہ ضمیر متصل مرفوع جس فعل سے
یہ ملی ہوئی ہے اس کے جزء کی مانند ہے لفظاً بھی اور معنیً بھی لفظاً تو اس حیثیۃ سے کہ یہ اس سے
اس طرح ملی ہوئی ہے کہ اس کا انفصال فعل سے جائز نہیں اس لئے کہ ضمیر میں اصل اتصال ہے
اور معنیً اس حیثیۃ سے کہ یہ فاعل ہے اور فاعل فعل کے جزء کی مانند ہوتا ہے پس اگر بلا تاکید کے
اس پر عطف کر دیا جائے تو یہ ایسا ہوگا جیسا کہ کلمہ کے بعض حروف پر عطف کر دیا جائے اور یہ
ناجائز ہے پس اولاً اس کی تاکید منفصل کے ساتھ لائیں گے اس لئے کہ امر تاکید (باقی بر ص۲۶۷)

کے مشابہ ہیں کیونکہ صفۃ اور [موصوف]
کے درمیان بھی تغایر ہوتا ہے
بھی اور معنیً بھی لفظاً تو اس طر[ح]
کہ عاقل لفظ زید کے مغایر ہے
معنیً اس طرح کہ زید کے معنی حیوا[ن]
ناطق مع التشخص کے ہیں اور عا[قل]
کے معنی ذات متصف بالتعقل
مگر چونکہ ذات متصف بالعقل
یہ احتمال ہے کہ وہ ذات زید
لہذا عاقل کو اس کے مناسب
گیا جیسا کہ معطوف و معطوف [علیہ]
ہیں باوجود مغایرت کے بوجہ
مناسبت ہوتی ہے اور اسی منا[سبت]
کی وجہ سے اس پر حرف عطف
ہوتا ہے پس اگر عطف کی تعریف
تابع یتوسط الخ سے کی جاتی تو ا[س]
ہیں باوجود معطوف نہ ہونے کے
بعض صفات داخل ہو جاتیں
واللہ اعلم ۱۲ سلہ قولہ وقال بعضہم
الخ یہ جواب مذکور پر اعتراض ہے
معترض کہتا ہے کہ یہ جواب محل
نظر ہے اس لئے کہ صفات کے
درمیان حروف متوسط عاطفہ ہیں
کیونکہ یہ حروف جس طرح غیر صفۃ
یعنی معطوف و معطوف علیہ میں
جمع و ترتیب وغیرہ پر دلالت کرتے
ہیں اسی طرح صفات میں بھی
جمع و ترتیب وغیرہ پر دلالت کرتے
ہیں پس ان حروف کو صفات میں
غیر عاطفہ اور غیر صفات میں عاطفہ
قرار دینا بلا ضرورۃ داعیہ امر بعید کا
ارتکاب کرنا ہے یعنی حقیقۃ کو چھوڑ کر مجاز اختیار کر لینا ہے باوجودیکہ حقیقۃ اختیار کی جا سکتی ہے جواب یہ ہے کہ اس صفۃ کو
معطوف قرار نہ دینا اس وجہ سے ہے کہ یہ مقصود بالنسبۃ نہیں ہوتی جیسا کہ موصوف مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے بخلاف معطوف
کے کہ وہ اپنے معطوف علیہ کی طرح مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے لہذا ان دونوں کے درمیان حروف متوسطہ کو عاطفہ قرار دینگے واللہ اعلم

(بقیہ صـ ۲۶۹) سے یہ ظاہر ہو جائیگا کہ یہ ضمیر متصل اگرچہ فعل کے جزء کی مانند ہے مگر من حیثیۃ الحقیقۃ منفصل اور مستقل کلمہ ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ بوقت تاکید اس کو اپنے فعل سے منفصل کر کے علیحدہ لاتے ہیں پس اس ضمیر متصل منفصل بالتاکید کو ایک قسم کا استقلال حاصل... ہو جائیگا پس جس طرح اسم ظاہر پر عطف کرنا حسن ہوتا ہے اسی طرح اس پر عطف کرنا حسن ہوگا واللہ اعلم ۱۲ ــــہ قولہ ولا یجوز الخ

انہ فاعل والفاعل کالجزء من الفعل فلو عطف علیہ بلا تاکید کان کما

لو عطف علی بعض حروف الکلمۃ.. فاکد اولاً بمنفصل لانہ بذلک (اے بالتاکید ۱۲) ظہر ان

ذلک المتصل وان کان کالجزء منفصل من حیث الحقیقۃ بدلیل

جواز افرادہ مما (متصل ۱۲) اتصل بہ بتاکیدہ فیحصل لہ نوع استقلال ولا یجوز ان

یکون العطف علی ہذا التاکید لان المعطوف فی حکم المعطوف علیہ

فکان یلزم ان یکون ہذا المعطوف ایضا تاکیداً وہو باطل فان

(ای للمتصل ۱۲ رضی) کان الضمیر منفصلاً نحو ماضرب الا انت وزید لم یکن کالجزء لفظا

(بل معنی فقط ۱۲) وکذا ان کان متصلا منصوبا نحو ضربتک وزیدا لم یکن کالجزء

(اے کالمنفصل ۱۲) معنیً فلا حاجۃ فیہما الی التاکید بمنفصل مثل ضربتُ انا وزیدٌ وزید

(بل لفظا فقط ۱۲ ع) ضرب ہو وغلامہ الا ان یقع فصلٌ بین الضمیر المرفوع المتصل

وبین ما عطف علیہ فیجوز ترکہ ای ترک التاکید لانہ قد طال الکلام

بوجود الفصل فحسن الاختصار بترک التاکید (منفصل ۱۲) سواء کان الفصل قبل

دیا واجب کیوں نہیں کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ باوجود فصل کے کبھی منفصل کے ساتھ ضمیر مرفوع متصل کی تاکید لے آتے ہیں جیسے قول باری تعالیٰ فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ کہ اس میں الغاوون کا عطف کبکبوا کی ضمیر مرفوع متصل پر ہے اور فیہا اس میں فاصل ہے مگر اس کے باوجود ہم کے ساتھ ضمیر مرفوع متصل کی تاکید لائی گئی ہے (فائدہ) کبکبوا کے معنی (باقی بر صـ ۲۷۱)

یعنی یہ بات جائز نہیں کہ اس تاکید پر عطف کیا جائے اس لئے کہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے پس اس سے یہ لازم آئے گا کہ معطوف علیہ کی طرح معطوف بھی تاکید ہو اور یہ باطل ہے پس عطف درحقیقت ضمیر مرفوع متصل ہی پر ہوگا اور تاکید اس کے لئے واسطہ ہو گی واللہ اعلم ۱۲ ــــہ قولہ فان کان الخ اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ متن میں مرفوع متصل کی قید احترازی ہے پس اگر ضمیر مرفوع متصل نہ ہو منفصل ہو جیسے ماضرب الا انت وزیدٌ تو یہ ضمیر لفظاً فعل کے جزء کی مانند نہیں ہو گی کیونکہ یہ فعل سے جدا ہے اور ایسے ہی اگر متصل منصوب ہو جیسے ضربتک وزیداً تو یہ معنیً فعل کے جزء کی مانند نہیں ہوگی اس لئے کہ فعل اپنے فاعل پر تمام ہو جاتا ہے اور مفعول بطور فضلہ کے رہ جاتا ہے پس ان پر عطف کرتے وقت ان کی تاکید منفصل لانے کی ضرورت نہیں واللہ اعلم ــــہ قولہ مثل ضربتُ الخ یہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کی مثال ہے کہ یہاں زید اور غلامہ کا عطف کرنے کے لئے انا اور ہو ضمیر منفصل لائی گئی ہے واللہ اعلم ــــہ قولہ الا ان یقع الخ یعنی جب ضمیر مرفوع متصل اور معطوف کے درمیان فصل واقع ہو جائے تو تاکید کا ترک کر دینا جائز ہے اس لئے کہ اگر تاکید لائی جائیگی تو فصل کی وجہ سے کلام طویل ہو جائیگا پس ترک تاکید کے ساتھ اختصار اچھا ہے پھر فصل میں تعمیم ہے کہ یہ حرف عطف سے پہلے ہو جیسے ضربتُ الیومَ وزیدٌ یا بعد میں جیسے قولہ تعالیٰ ما اشرکنا ولا آباؤنا کہ اس میں معطوف آباؤنا ہے اور لا حرف عطف کے بعد تاکید نفی کے لئے زائدہ ہے اب رہی یہ بات کہ مصنف نے ترک کو جائز کیوں قرار

(بقیہ صہ ۲۷) اوندھا کردینے کے آتے ہیں اور کبکبہ کے بار بار اوندھا کرنا کیونکہ تکرار لفظ تکرار معنی پر دلالت کرتا ہے ہا ضمیر جہنم کی طر
راجع ہے اور ہم کی معبودان باطل کی طرف اور غاوون غوی بغوی سے گمراہ کو کہتے ہیں آیۃ کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ دوزخ
داخل کیئے جائیں گے وہ مرۃ بعد مرۃ منہ کے بل اوندھے کئے جائیں گے حتی کہ قعر دوزخ میں پہنچ جائیں گے نعوذ باللہ منہ

حرف العطف نحو ضربتُ الیومَ وزیدٌ او بعدہ کقولہ تعالیٰ مَا اَشْرَکْنَا
وَلَآ اٰبَاؤُنَا فان المعطوف ہو آباؤنا ولا زائدۃٌ بعد حرف العطف
لتاکید النفی وانما قال یجوز ترکہ فانہ قد یؤکد بالمنفصل مع الفصل
کقولہ تعالیٰ فَکُبْکِبُوْا فِیْہَا ہُمْ وَالْغَاوٗنَ وقد لا یؤکد والامران یتساویان[حنفیہ ۱۲]
ہذا واعلم[سلہ] ان مذہب البصریین ان التاکید بالمنفصل ہو الاَولی و
یجوزون العطف بلا تاکید ولا فصل لکن علی قبح والکوفیون یجوزونہ
بلا قبح واذا عطف[سلہ] علی الضمیر المجرور اُعید الخافضُ[سلہ] حرفا کان او اسمًا
لان اتصال الضمیر المجرور بجارہ[ای الخافض ۱۲] اشد من اتصال الفاعل المتصل
بالفعل لان الفاعل ان لم یکن ضمیرًا متصلاً جاز انفصالہ والمجرور
لا ینفصل من جارہ[او شبہہ ۱۲] فکرہ العطف علیہ اذ یکون کالعطف علی بعض
حروف الکلمۃ ولیس للمجرور ضمیرٌ[مطلقا ۱۲] منفصل کما یجیئی فی المضمرات حتی
یؤکد بہ اولا ثم یعطف علیہ کما عمل فی المرفوع المتصل وفی استعارۃ
المرفوع لہ مذلۃ ولا یکتفی[سلہ] بالفصل لان الفصل لا تاثیر لہ الا فی جواز

سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ محذور مذکور یعنی کلمہ کے بعض حروف پر عطف کی بنا پر
ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ جار مجرور کے درمیان فصل پر اکتفا کر لیں جیسا کہ مرفوع (باقی بر صہ ۲۷۲)

انتہی پس کبھی تو اس کی تاکید
لے آتے ہیں اور کبھی نہیں لا
دونوں امر تساوی ہیں اس
مصنف نے یجوز کہا یجب نہ
کہا واللہ اعلم سلہ قولہ واعلم
یعنی ضمیر مرفوع متصل پر عطف
کرنے کے بارے میں بصریین کا
یہ ہے کہ منفصل کے ساتھ تاکید
لانا اولیٰ ہے اور بلا تاکید اور فص
کے بھی عطف جائز ہے مگر قبیح
اس لئے کہ کلام فصیح میں اس ط
واقع نہیں ہوا اور کوفیین کے
نزدیک بغیر تاکید اور فصل کے عط
بلا قبح جائز ہے اس لئے کہ
اگرچہ فعل کے جزء کی مانند ہے م
مستقل کلمہ ہے اسم ظاہر کی طرح و
اعلم ۱۲ سلہ قولہ واذا عطف الخ
جب ضمیر مجرور پر عطف کریں گے
جار کا اعادہ ضروری ہوگا خوا
جاز حرف ہو یا اسم اس لئے کہ ض
مجرور کا جار کے ساتھ التباس اس
فاعل کے اتصال سے بھی اشد
جو فعل سے متصل ہو اس لئے ک
فاعل اگر ضمیر متصل نہ ہو تو فا
تو ضمیر منفصل بھی لانا جائز ہو
ہے مگر مجرور اپنے جار سے جدا نہیں
ہو سکتا پس ضمیر مجرور پر عطف کر
ہوگا اس لئے کہ بعض حروف کلم
عطف کی مانند ہو جائیگا اور مجر
کے لئے ...... ضمیر منفصل
ہوتی نہیں (جیسا کہ مضمرات میں

معلوم ہو جائیگا انشاء اللہ تعالیٰ) کہ اس کے ساتھ اولاً تاکید لائی جا سکے پھر اس پر عطف کیا جا سکے جیسا کہ مرفوع متصل میں
کہا گیا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ضمیر مرفوع کو اس کے لئے مستعار لے سکیں اس لئے کہ اس کے لئے مرفوع کو مستعار لینے میں مذلۃ
بھی ہے اور مرفوع و مجرور میں التباس بھی لازم آتا ہے پس معطوف پر اعادۂ جار ضروری ہوا واللہ اعلم سلہ قولہ ولا یکتفی الخ یہ ایک

(بقیہ صفحہ ۲۷۱) متصل میں کیا جاتا ہے کہ جس کو مصنف نے الا ان یقع فصل ۵۱ فیجوز ترکہ سے بیان کیا ہے حاصل یہ ہوا کہ جار و مجرور کے درمیان
فصل واقع ہو جائے اور پھر اس ضمیر مجرور پر عطف کر دیا جائے جواب یہ دیا کہ اس جگہ فصل پر اکتفار نہیں کی جا سکتی اس لئے کہ فعل میں
فصل اس وجہ سے تھا کہ منفصل کے ساتھ تاکید کو ترک کر دیا جائے یعنی جب ضمیر مرفوع متصل اور معطوف کے درمیان فصل آجائے تو
اس تقدیر پر ترک منفصل جائز تھا
اور اس جگہ چونکہ تاکید بالمنفصل
موجود نہیں اس لئے کہ مجرور میں
منفصل کا وجود نہیں تو اس وقت
فصل کے لئے کسی اثر کا تصور نہیں
کیا جا سکتا یعنی جواز ترک تاکید
بالمنفصل کا اس جگہ کوئی اثر نہیں
پس فصل پر اکتفار نہیں کر سکتے سوائے
اس کے اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی
کہ عامل اول کا معطوف پر اعادہ
کر دیا جائے خواہ وہ عامل حرف
ہو یا اسم مضاف واللہ اعلم ۵۱
قولہ نحو مررت الخ یہ ضمیر مجرور پر
عطف کی صورت میں اعادۂ حرف
جار کی مثال ہے کہ اس میں زید کا
عطف کَ کے اوپر ہو رہا ہے اور
المال بینی وبین زید بصورت عطف
علی الضمیر اعادۂ اسم مضاف کی
مثال پس اس میں معطوف فقط
مجرور یعنی زید ہے اور عامل مکرر ہے
اور اس کا جر عامل اول کی وجہ سے
ہے اور عامل ثانی معنیً کالعدم ہے
اس لئے کہ معنی اور عمل میں اس کی
کوئی احتیاج نہیں کیونکہ اس کو صرف
صحت عطف کے لئے لایا گیا ہے
اگرچہ لفظاً احتیاج ہے کہ اس کے
بغیر عطف جائز نہیں پس معنیً یہ
اس لئے کالعدم ہے کہ لفظ بین
سوائے متعدد کے اور کسی شے کی
طرف مضاف نہیں ہو سکتا پس
مناسب یہ تھا کہ المال بینہما کہا جاتا
تاکہ اس کا مضاف الیہ متعدد ہو جاتا لیکن چونکہ اس جگہ شرکا کو علیحدہ علیحدہ ظاہر کرنا مقصود ہے اس لئے اولاً تو شرکا کو علیحدہ کیا اور پھر چونکہ
علیحدگی کی وجہ سے اس کے مضاف الیہ کا تعدد ختم ہو جاتا ہے اس لئے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے مکرر لفظ بین لائے تاکہ اس کے تکرار سے
معطوف و معطوف علیہ بمنزلہ متعدد کے بھی ہو جائیں اور دونوں کے کمال امتیاز و افتراق پر دلیل ہی قائم ہو جائے اور بعض نے یہ بھی

ترک التاکید بالمنفصل للاختصار فحیث لا یمکن التاکید بالمنفصل
لعدمہ لا یتصور لہ اثر فکیف یکتفی بہ فلم یبق الا اعادۃ العامل الاول

نحو مررت ۵۱ بک وبزید والمال بینی وبین زید فالمعطوف ہو المجرور و

(وہذا المثال لا یکون الخافض اسما وہو المضاف ۱۲)

العامل مکرر وجرہ بالاول والثانی کالعدم معنی بدلیل قولہم بینی وبینک

(ای بالجار الاول اسما کان او حرفا فما یصح قولہ بدلیل الخ ۱۲ عب)

اذ بین لا یضاف الا الی المتعدد وقیل جرہ بالثانی کما فی الحرف الزائد

فی کفی باللہ وہذا ۵۲ الذی ذکرناہ اعنی لزوم اعادۃ الجار فی حال السعۃ

(مبتدا ۱۲) (ای یجوز ترک اعادۃ الجار ضرورۃ ۱۲ عب)

والاختیار مذہب البصریین ویجوز عندہم ترکہا اضطرارا واجاز

(خبر ۱۲)

الکوفیون ترک الاعادۃ فی حال السعۃ مستدلین بالاشعار

فان ۵۳ قیل کیف جاز تاکید المرفوع المتصل فی نحو جاؤنی کلہم و

کہا ہے کہ زید کا جر عامل ثانی کی وجہ سے ہے جیسا کہ کفی باللہ میں با حرف زائد ہے مگر اس کی وجہ
سے لفظ اللہ مجرور ہے پس اس صورت میں خافض اول معطوف و معطوف علیہ دونوں سے
تعلق رکھے گا اور خافض ثانی زائد ہوگا مگر معطوف علیہ پر جر ثانی ہی کی وجہ سے ہوگا واللہ اعلم
۵۲ قولہ وہذا الذی الخ یعنی اعادۂ جار کے لزوم کے متعلق حالت وسعۃ کلام اور اختیار میں جو
کچھ بیان کیا گیا ہے یہ بصریین کا مذہب ہے اور بوقت ضرورت اضطرار کی حالت میں ترک
اعادہ بھی کر سکتے ہیں اور کوفیین وسعۃ یعنی نثر کلام میں بھی ترک اعادہ کو جائز قرار دیتے ہیں
اور یہ اپنا استدلال اشعار سے پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اشعار میں ترک اعادۂ جار
کر سکتے ہیں تو نثر کلام میں کیوں نہیں کر سکتے واللہ اعلم ۱۲ ۵۳ قولہ فان قیل الخ یہ اعتراض ضمیر
مرفوع متصل میں بوقت عطف تاکید لانے پر وارد ہوتا ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ مرفوع
متصل سے تاکید و ابدال کے اور اس سے عطف کے مابین کوئی فرق نہیں (باقی بر صفحہ ۲۷۳)

(بقیہ ص۲۷۲) پس کیا وجہ ہے کہ عطف میں تو اعادۂ منفصل ضروری ہو اور تاکید و ابدال میں اعادۂ منفصل ضروری نہیں پس جار و
میں کلہم سے ضمیر مرفوع متصل کی تاکید اور اعجبتنی جمالک میں جمالک کا تا اعجبتنی سے بدل قرار دیا جانا بغیر شرط تقدم تاکید بالمنفصل
کیسے جائز ہے اسی طرح ضمیر مجرور کی تاکید اور اس سے بلا اعادۂ جار ابدال بھی جائز ہے جیسے مررت بک نفسک میں نفسک تا

الابدال منه نحو اعجبتني جمالك من غير شرط تقدم التاكيد بالمنفصل و

(فان جمالك بدل من الياء ١٢)

جاز ايضا تاكيد الضمير المجرور في نحو مررت بك نفسك والابدال منه
نحو عجبت بك جمالك من غير اعادة الجار ولم يجز العطف في الاول الا
بعد التاكيد بالمنفصل وفي الثاني الا مع اعادة الجار قلنا[١] التاكيد عين
المؤكد والبدل في الاغلب اما كل المتبوع او بعضه او متعلقه والغلط قليل
نادر فهما ليسا باجنبيين بمتبوعهما ولا منفصلين عنه لعدم تخلل فاصل بينهما
وبين متبوعهما فلا حاجة في ربطهما الى متبوعهما الى تحصيل مناسبة زائدة
بخلاف العطف فان المعطوف يغاير المعطوف عليه وتخلل بينهما العاطف
فلا بد فيه من تحصيل مناسبة بينهما بتاكيد المتصل بالمنفصل في
المرفوع وباعادة الجار في المجرور ليخرج المتصل المرفوع عن صرافة
الاتصال ويناسب المعطوف عليه بتاكيده بالمنفصل وقوي مناسبة
المجرور بانضمام الجار اليه كما في المعطوف عليه والمعطوف[٥] في حكم

اور عجبت بک جمالک میں ج...
بدل ہیں اس کے جواز کی کیا...
اور اول صورت یعنی ضمیر مرفو...
متصل میں عطف بغیر تاکید...
اور ثانی میں بغیر اعادۂ جار کیو...
ہو سکتا واللہ اعلم [۱] قولہ...
جواب یہ ہے کہ تاکید عین ہو کر...
ہے اور بدل اکثر یا تو کل متبوع...
ہے یا بعض متبوع یا اس کے...
جیسا کہ بالترتیب بدل الکل - ب...
البعض - بدل الاشتمال ہیں...
بدل الغلط سو چونکہ وہ نادر اور ق...
الاستعمال ہے لہٰذا اس کا ا...
کے مغایر ہونا کوئی مضر نہیں...
کہ یہ ندرت کی وجہ سے مرتبۂ ا...
سے ساقط ہے بحث صرف اغ...
اعتبار سے ہے پس تاکید اور ب...
متبوع کے لئے اجنبی نہیں ہو...
اور نہ اس سے منفصل ہوں گے...
کہ تاکید و بدل اور دونوں کے مت...
کے درمیان کوئی فاصلہ متخلل...
ہوتا جیسا کہ عطف میں حرف عط...
فاصل ہو جاتا ہے پس دونوں...
اپنے متبوع سے ربط دینے کے...
کسی مناسبت زائدہ کے حصو...
ضرورت نہیں ہوگی بخلاف عط...
کے کہ معطوف معطوف علیہ کے...
ہوتا ہے اور دونوں کے درمیا...
حرف عطف متخلل ہوتا ہے پس...
معطوف و معطوف علیہ میں منا...
پیدا کرنے کے لئے ضروری ہوا کہ...

کے حکم میں ہوتا ہے اور یہ حکم اس اعتبار سے ہے کہ ماقبل کے احوال عارضہ پر نظر کرتے ہوئے معطوف
علیہ کے لئے جو چیز جائز ہوتی ہے وہ معطوف کے واسطے بھی جائز ہوتی ہے اور معطوف علیہ کے
لئے جو چیز ممتنع ہوتی ہے وہ معطوف کے لئے بھی ممتنع ہوتی ہے مثلاً جاءنی زیدٌ و عمرٌو میں زید
کو جاء کا فاعل ہونے کی وجہ سے رفع جائز ہے اور نصب ممتنع تو عمرو کو بھی (باقی بر ص۲۷۴)

میں متصل کی تاکید منفصل سے لائی جائے اور مجرور میں اعادۂ جار کیا جائے تاکہ متصل مرفوع اتصال محض سے نکل کر منفصل سے ہو
ہو کر معطوف علیہ کے مناسب ہو جائے اور معطوف میں مجرور کی مناسبت انضمام جار کی وجہ سے قوی ہو جائے جیسا کہ معطوف
علیہ میں جار کی موجودگی سے مجرور کی مناسبت باعتبار تحقق اور وقوع کے قوی ہو واللہ اعلم [۵] قولہ والمعطوف الخ یعنی معطوف معطو...

(بقیہ صـ٢٧٣) رفع جائز اور نصب ممتنع ہوگا پس یہ جواز وامتناع ماقبل یعنی جاء کے عارض کی وجہ سے ہوا پھر اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ جو مقتضا ر احوال اعراب وغیرہ معطوف علیہ بھی ہے وہ معطوف میں منتفی نہ ہو ورنہ معطوف اس اعتبار سے معطوف علیہ کے حکم میں نہیں ہوگا واللہ اعلم ۔ لـہ قولہ وانما قلنا الخ اب رہی یہ بات کہ شارح نے من الاحوال العارضۃ لہ الخ کیوں کہا ؟ تو اس کی وجہ شارح یہ بتاتے ہیں کہ اس سے معطوف علیہ کے وہ احوال

المعطوف علیہ فیما یجوز لہ ویمتنع من الاحوال العارضۃ لہ نظرا الی ما قبلہ بشرط ان لا یکون ما یقتضیہا منتفیا فی المعطوف وانما قلنا من الاحوال العارضۃ لہ نظرا الی ما قبلہ احترازا عن الاحوال العارضۃ لہ من حیث نفسہ کالاعراب والبناء والتعریف والتنکیر والافراد والتثنیۃ والجمع

ای لکون الاسم مع الاعراب معربا وکونہ مبنیا ومعرفۃ ونکرۃ ۱۲ عب

فان المعطوف فیہا لیس فی حکم المعطوف علیہ وانما قلنا بشرط ان

ہذہ المذکورات ۱۲

لا یکون ما یقتضیہا منتفیا فی المعطوف احترازا عن مثل قولنا یا رجل والحارث فان الحارث معطوف علی الرجل ولیس فی حکمہ من حیث تجردہ عن اللام فان ما یقتضی تجردہ عن اللام ہو اجتماع اللام وحرف النداء وہو مفقود فی المعطوف واما نحو رب شاۃ وسخلتہا فبتقدیر التنکیر لقصد عدم التعیین ای رب شاۃ وسخلۃ لہا او محمول علی

بناء علی ان الاضافۃ للعہد الذہنی ۱۲ عف

نکارۃ الضمیر کربہ رجلا علی الشذوذ ای رب شاۃ وسخلۃ شاۃ

بچہ پس اس وقت سخلۃ میں تنکیر آجائیگی دوسرا جواب یہ ہے کہ ربہ رجلا کی طرح سخلتہا کو نکارت ضمیر پر محمول کیا جائے بایں طور کہ ضمیر سے نکارت کی طرف اشارہ کیا جائے یعنی سخلتہا کی ضمیر شاۃ مذکورہ کی طرف راجع نہ ہو بلکہ شاۃ مطلقہ کی طرف عائد ہو پس رب شاۃ وسخلتہا کا مطلب رب شاۃ وسخلۃ شاۃ کا ہوگا یعنی کوئی سی بکری کا بچہ پھر یہ حمل بطور شذوذ کے ہوگا اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ ضمیر سے بعینہ سابق مراد لیا جاتا ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم ۔

عارضہ خارج کرنے مقصود ہیں جو من حیث النفس اس کو عارض ہوتے ہیں مثلاً اعراب وبناء ۔ تعریف و تنکیر ۔ افراد وتثنیہ وجمع اس لئے کہ ان مذکورات میں معطوف معطوف علیہ کے حکم میں نہیں ہوتا اور بشرط ان لا یکون الخ کی قید اس لئے لگائی کہ اس سے یا رجل والحارث کو خارج کرنا مقصود ہے اس لئے کہ حارث رجل پر معطوف ہے لیکن اس کے حکم میں نہیں کیونکہ رجل پر الف لام نہیں اور الحارث پر موجود ہے اس لئے کہ مقتضاء تجرد عن اللام جو کہ معطوف علیہ میں موجود ہے کہ الف لام اور حرف ندا ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے وہ معطوف میں مفقود ہے پس اس پر الف لام آئیگا واللہ اعلم ۔ ـلہ قولہ واما نحو الخ اب اگر کوئی کہے کہ رب شاۃ وسخلتہا میں کیا کہوگے کہ اس میں سخلتہا کا عطف شاۃ پر ہے باوجود یکہ اس میں شرط عطف منتفی ہے اسلئے کہ معطوف علیہ کا مقتضاء حال عارض باعتبار اپنے ماقبل کے معطوف میں منتفی ہے اس لئے کہ رب اس امر کا مقتضی ہے کہ اس کا مدخول نکرہ ہو جیسا کہ شاۃ نکرہ ہے حالانکہ سخلتہا جو کہ بواسطہ عطف اس کا مدخول ہے نکرہ نہیں بلکہ ضمیر کی طرف اضافہ کے باعث معرفہ ہے اس کے شارح نے تین جوابات دیئے اول تو یہ ہے کہ سخلۃ میں تنکیر فرض کی جائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس سے عدم تعیین مقصود ہو بایں طور کہ اس کی اضافۃ ضمیر کی طرف عہد ذہنی کے لئے قرار دی جائے اگرچہ ضمیر اسی شاۃ مذکورہ کی طرف راجع ہے پس اس صورت میں اس کا مطلب رب شاۃ وسخلۃ لہا ہوگا کہ لا علی التعیین کوئی سی بکری اور کوئی سا اس کا

ـه قوله وكذا المعطوف الخ یعنی اگر افراد و تعریف وغیرہ میں معطوف معطوف علیہ کی مانند ہو تو معطوف علیہ کے ان احوال عارضہ میں جو اس
باعتبار اس کی ذات اور صفت کے عارض ہوتے ہیں معطوف بھی اس کے حکم میں ہوتا ہے پس اسی وجہ سے معطوف علیہ کے مبنی ہو
کی بنار پر معطوف کو بھی مبنی کرنا واجب ہے جیسے یا زیدُ و عمرُو میں اس لئے کہ زید کا ضمہ واجب ہے باعتبار اس کے ماقبل حرف ندا

وكذا المعطوف في المعطوف عليه في احوال عارضة له بالنظر الى نفسه
وغيره ان كان المعطوف مثل المعطوف عليه فلذا وجب بناء
المعطوف في نحو يا زيدُ وعمرو لان ضم زيد بالنظر الى حرف النداء والى كونه
مفردا معرفة في نفسه وعمرو مثل زيد في كونه مفردا معرفة وامتنع بناؤه
في يا زيد وعبد الله فان عبد الله ليس مثل زيد فان زيدا مفرد معرفة وعبد الله
مضاف ومن ثم اى ومن اجل ان المعطوف في حكم المعطوف عليه
فيما يجوز ويمتنع لم يجز في تركيب ما زيد بقائم او قائما ولا ذاهبٌ عمرو
الا الرفع في ذاهب اذ لو نصب او خفض لكان معطوفا على قائم او
قائما فيكون خبرا عن زيد وهو ممتنع لخلوه عن الضمير الواقع في المعطوف
عليه العائد الى اسم ما فتعين الرفع على ان يكون خبرا مقدما على المبتداء
وهو عمرو ويكون من قبيل عطف الجملة على الجملة ولا مانع منه ولما
كان لقائل ان يقول هذه القاعدة منتقضة بقولهم الذي يطير

ہے مگر ضمیر سے خالی ہے اس لئے کہ اس کا فاعل موجود ہے اس کا جواب مصنف نے یہ دیا کہ
اس ترکیب میں فار عطف کے لئے نہیں بلکہ سببیۃ کے لئے ہے پس اب قاعدہ مذکورہ پر کوئی
نقض وارد نہیں ہوتا اس لئے کہ کلام عطف میں ہے اور یہ عطف کی قسم سے نہیں یا یہ کہا جائے
کہ اس جگہ فار عطف اور سببیت دونوں کے لئے ہے لیکن چونکہ سبب اور مسبب کے درمیان (باقی بر ۲۸۰)

اس کے مفرد معرفہ فی نفسہ ہو
اور عمرو افراد و تعریف کے اعتبار
زید معطوف علیہ کے موافق ہے
وہ بھی مفرد معرفہ فی نفسہ ہو
وجہ سے زید کی طرح ہوگا او
اس کو بھی ضمہ واجب ہوگا ا
یا زیدُ و عبد اللہ میں چونکہ دو
افراد میں ایک جیسے نہیں اس
کہ زید مفرد معرفہ ہے اور عبد ا
مضاف لیکن عبد اللہ میں ز
پر قیاس کرتے ہوئے بنار ممنو
ہوگی واللہ اعلم ـه قوله ومن
الخ یعنی اسی وجہ سے کہ جواز
امتناع میں معطوف معطوف عل
کے حکم میں ہوتا ہے ترکیب ما ز
بقائم یا ما زیدٌ قائما ولا ذاہبٌ عم
میں ذاہبٌ سوائے رفع کے ا
کچھ جائز نہ ہوگا اس لئے کہ اگر
بقائمٍ پر عطف کرتے ہوئے ذا
کو جر یا قائماً پر عطف کی صورت
میں اس کو نصب دیتے ہیں
اس کا عطف قائمٍ یا قائماً پر
پس یہ بواسطہ عطف زید کی خ
ہوگا اور یہ ممتنع ہے اس لئے
ذاہبٌ میں معطوف علیہ کی
طرح ضمیر نہیں جو زید کی طرف
عائد ہو کیونکہ ذاہبٌ کا فا
عمروٌ موجود ہے لہٰذا ذاہبٌ
زید کی خبر واقع ہونا ممتنع ہو
پس اس کا رفع متعین ہو جائے
اور وہ اس بنار پر کہ یہ خبر مقدم

اور عمروٌ مبتدا مؤخر ہوگا اور از قبیل عطف جملہ علی الجملہ ہوگا اور اس میں کوئی مانع بھی موجود نہیں واللہ اعلم ـه قوله ولما كان الخ
ایک سوال مقدر کی تقریر ہے جس کا جواب مصنف نے وانما جاز الذي الخ سے دیا ہے تقریر اعتراض کی یہ ہے کہ یہ قاعدہ قو
عرب الذي يطير الخ سے منقوض ہے اس لئے کہ یطیر میں ضمیر ہے جو موصول کی طرف عائد ہے اور نغضب باوجودیکہ یطیر پر معطوف

فیغضب زید الذباب فان یطیر فیہ ضمیر یعود الی الموصول و یغضب المعطوف علیہ لیس فیہ ذلک الضمیر فاجاب عنہ بقولہ وانما جاز الذی یطیر فیغضب زید الذباب لانہا ای الفاء فی ہذا الترکیب فاء السببیۃ ای فاء لہا نسبۃ الی السببیۃ بان یکون معناہا السببیۃ لا العطف فلا یرد نقضاً علی تلک القاعدۃ او یکون معناہا السببیۃ مع العطف لکنہا تجعل الجملتین کجملۃ واحدۃ فیکتفی بالربط فی الاولی والمعنی الذی اذا یطیر فیغضب زید الذباب او یفہم منہا سببیۃ الاولی للثانیۃ فالمعنی الذی یطیر فیغضب زید بسببہ الذباب و یمکن ان یقدر فیہ ضمیر ای الذی یطیر فیغضب زید بطیرانہ الذباب واذا عطف ای اذا وقع العطف بناء علی وجود عاملین بان عطف اسمان علی معمولیہما بعاطف واحد وقال بعض شارحی اللباب الاظہر عندی ان العطف ہہنا محمول علی معناہ اللغوی ای

جواب سے ظاہر ہو گیا کہ علیٰ اس جگہ صلہ کے لئے نہیں بلکہ بمعنی بناء ہے اور مطلب یہ ہے واذا عطف علی المعمولین بناء وجود العاملین بعاطف واحد یعنی جب دو معمولوں پر دو عاملوں کے وجود کی بناء پر دو اسموں کا عاطف واحد کے ساتھ عطف کیا جائے واللہ اعلم ۱۲ قولہ و قال بعض الخ یہ اعتراض مذکور کا دوسرا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ لباب کے بعض شارحوں نے کہا ہے کہ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ عطف معنی لغوی پر محمول ہے اور اس کے معنی لغوی امالہ کے آتے ہیں پس مطلب یہ ہو گا ای امالۃ الاسمین نحو العاملین (باقی بر ص ۲۷۷)

(بقیہ ص ۲۷۵) اتصال ہوتا ہے اور اس وجہ سے دو جملے بمنزلہ جملہ واحدہ کے ہو جائیں گے لہذا جملہ اولیٰ کے ربط پر اکتفاء کر لیا جائے گا اور ضمیر لانے کی ضرورت نہیں ہوگی اور دونوں صورتوں میں معنے یہ ہوں گے الذی اذا یطیر فیغضب زید الذباب یعنی وہ چیز جبکہ اڑتی ہے پس زید غضبناک ہو جاتا ہے مکھی ہے یا یہ کہا جائے کہ فاء عطف کے لئے ہے لیکن اس سے ثانی جملہ کے لئے اول کی سببیت سمجھ میں آتی ہے پس اس صورت میں معنی یہ ہوں گے الذی یطیر فیغضب زید بسببہ الذباب یعنی جو چیز کہ اڑتی ہے پس زید اس کے سبب سے غضبناک ہو جاتا ہے مکھی ہے۔ چوتھی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ فاء کو محض عطف کے لئے لیں اور ضمیر رابط محذوف نکالیں پس اس صورت میں عبارت یوں ہو گی الذی یطیر فیغضب زید بطیرانہ الذباب یعنی جو چیز کہ اڑتی ہے پس زید اس کے اڑنے کے سبب سے غضبناک ہو جاتا ہے مکھی ہے فلا اشکال فیہ واللہ اعلم ۱۲ اسلہ قولہ واذا عطف الخ یعنی جب ایک حرف عطف سے دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر دو اسموں کا عطف کیا جائے گا تو یہ عطف جمہور کے نزدیک ناجائز ہو گا اس لئے کہ ایک حرف عطف اپنے ضعف کی وجہ سے دو مختلف عاملوں کا قائم مقام نہیں ہو سکتا اس جگہ شارح نے ای اذا وقع العطف سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فعل مصدر کی طرف مسند ہے اور یہ جائز نہیں اس لئے کہ جزا شرط پر مترتب یعنی اذا عطف پر مترتب نہیں ہوتی اس لئے کہ اذا اور صیغۂ ماضی تحقق وجود کو مقتضی ہیں اور لم یجز سے اس کا عدم ظاہر ہو رہا ہے پس شارح نے بتا دیا کہ یہ بوقت اسناد الی مصدرہ اوقع اور اوجد کے معنی میں ہوتا ہے اور اس صورت میں جزا کا ترتب شرط پر صحیح ہے اور بناءً سے یہ ظاہر کیا ہے کہ علیٰ اس جگہ بنائیہ ہے اور مضاف یعنی وجود محذوف ہے پس یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ فی الدار زید والحجرۃ عمرو میں عاملین پر نہیں بلکہ معمولین پر عطف واقع ہے پس کلمۂ علیٰ کو عطف کا صلہ قرار دینا کیسے صحیح ہے

امالة الاسمين نحو العاملين بان يجعلا معموليهما واكثر الشارحين على ان المعنے

على معمولي عاملين وانما قال على معمولي عاملين لا على معمولي عامل واحد

فانه جائز اتفاقا نحو ضرب زيد عمراً وعمرو خالداً ولا على اكثر من اثنين فانه

لاخلاف في امتناعه مختلفين اي غير متحدين بان لايكون الثاني

عين الاول وذلك لدفع وهم من يتوهم ان مثل ضرب ضرب زيد

عمراً وبكر خالدا من هذا الباب مع انه ليس منه لعدم تعدد العامل فيه

اذالعامل هو الاول والثاني تاكيد له وذلك العطف كما وقع فے

قولهم ماكل سوداء تمرة ولا بيضاء شحمة وفي قول الشاعر شعر

أكُلَّ امرءٍ تحسبين امرأً ✦ ونارٍ توقَّدُ بالليل ناراً

فهذا وان كان بحسب الظاهر جائزا لكنه لم يجز عند الجمهور

(حواشی: مختلفين ۱۲ — اي قوله مختلفين لدفع وهم من آه ۱۲ — مشبه بليس ۱۲ — خبرها ۱۲ — اي هذا العطف ۱۲)

دوسرے لفظ کل مضاف پھر بیضاء شحمۃ بیضاء کا عطف سوداء پر ہے جو کہ کل کا معمول ہے اور شحمۃ کا عطف تمرۃ پر جو کہ کلمہ ما کی خبر ہے پس دو اسموں کا عطف دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر متحقق ہو گیا دوسری مثال قول شاعر ہے شعر اکل امرئ تحسبین امرأ ✦ ونار توقد باللیل نارا کہ اس میں ہمزہ استفہام انکار کے لئے ہے اور کل مضاف ہے امرئ کی طرف پھر مفعول اول ہے تحسبین کا اور امرأ مفعول ثانی پس اس میں کل اور تحسبین دو عامل مختلف ہوئے پھر ونار توقد الخ میں نار کا عطف امرئ پر ہے جو کہ کل کا مضاف الیہ ہے اور نارا کا عطف امرأ پر جو کہ تحسبین کا مفعول ثانی ہے پس دو اسموں کا عطف دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر لازم آیا توقد اصل میں تتوقد تھا (باقی بر صفحہ ۲۸۲)

(بقیہ صفحہ ۲۷۶) بان یجعلا معمولیہما یعنی دو اسموں کا دو عاملوں کی جانب بایں طور امالہ کیا جائے کہ ان دونوں اسموں کو ان دونوں عاملوں کا معمول بنا دیا جائے تو اس صورت میں بھی اعتراض واقع نہیں ہوگا اس لئے کہ اس سے بھی دو معمولوں پر عطف سمجھ میں آتا ہے اور تیسرا جواب واکثر الشارحین الخ سے یہ ہے کہ علی عاملین کے معنی علی معمولی عاملین کے ہیں پس اس سے بھی فی الدار زید الخ خارج ہو جاتا ہے پھر مصنف نے معمولی عاملین تو کہا لا علی معمول عامل واحد نہیں کہا تو اس کی وجہ یہ کہ عامل واحد کے دو معمولوں پر عطف جائز ہے اتفاقاً جیسے ضرب زید عمراً وعمرو خلداً کہ اس میں ضرب کے دونوں معمولوں زید عمر پر عمرو خالداً دو اسموں کا عطف ہے اور پھر ولا علی اکثر من اثنین بھی نہیں کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حرف واحد اپنے ضعف کی وجہ سے دو مختلف عاملوں کا قائم مقام نہیں ہو سکتا تو دو سے زائد کا کیسے ہوگا؟ پس اس کے امتناع میں کوئی خلاف نہیں واللہ اعلم **لہ** قولہ مختلفین الخ یہ قید احترازی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ متحد نہ ہوں یعنی ثانی عین اول نہ ہو پس اس سے واہم کے اس وہم کو دور کرنا مقصود ہے کہ مثلاً ضرب ضرب زید عمراً وبکر خالداً اسی باب سے ہے یعنی اس میں دو عامل موجود ہیں لہٰذا بکر خالداً کا عطف زید عمراً پر ناجائز قرار دیا جائے پس یہ اس باب سے نہیں اس لئے کہ عاملین کا اختلاف ضروری ہے اور یہاں اختلاف ہے نہیں بلکہ اتحاد ہے پس یہ عطف ناجائز نہ ہوگا کیونکہ اس میں عامل ایک ہی ہے یعنی ضرب اول اور ثانی اس کی تاکید ہے واللہ اعلم **لکہ** قولہ وذلک العطف الخ یہاں سے شارح عطف ناجائز کی مثالیں بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ ایسا عطف جس میں دو اسموں کا عطف دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر پایا جائے قول عرب کل سوداء تمرۃ وبیضاء شحمۃ ہے کہ اس میں ما نافیہ مشبہ بلیس ہے اور کل مضاف مضاف الیہ سے مل کر اس کا اسم ہے اور تمرۃ اس کی خبر پس اس میں دو عامل ہوئے ایک ما نافیہ

(بقیہ صفحہ ۱) شاعر اپنی زوجہ کو مخاطب کرکے کہتا ہے کیا ہر وہ شخص جو لباس و عمامہ وغیرہ سے مرد کی صورت میں نظر آتا ہے تو
گمان کرلیتی ہے کہ وہ مرد کامل ہے اور کیا ہر آتش جو رات کو روشن کی جاتی ہے تو سمجھتی ہے کہ کسی کریم اور ذی مروۃ کی آتش ہو اسلئے
کہ ہوسکتا ہے کہ وہ چوروں کی آگ ہو، بہرحال ان جملوں میں چونکہ عطف واقع ہے اس لئے اگرچہ بحسب الظاہر اس میں عطف
جائز معلوم ہوتا ہے لیکن وہ بحسب
الحقیقۃ جمہور کے نزدیک جائز
نہیں اس لئے کہ حرف واحد میں
اس قدر قوت نہیں کہ وہ عاملین
مختلفین کا قائم مقام ہوسکے واللہ
اعلم ۱۲ **سلہ قولہ** خلافاً الخ یعنی مذکورہ
عطف کے عدم جواز میں فراء نحوی کا
خلاف اس لئے کہ وہ اس عطف کو
بحسب الحقیقۃ جائز قرار دیتا ہے
جیسا کہ بحسب الصورت جائز ہے
اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حرف عطف
خود تو عامل ہوتا نہیں بلکہ اس کی
وضع نیابۃ عامل کے لئے ہے پس جس
طرح یہ ایک عامل کا نائب ہوسکتا
ہے اسی طرح دو مختلف عاملوں کا
بھی نائب ہوسکتا ہے البتہ دو سے
زیادہ کا نائب فراء کے نزدیک بھی
نہیں ہوسکتا پھر جو امثلہ بصورت
عطف وارد ہوئی ہیں فراء ان میں
تاویل بھی نہیں کرتا اور یہ بات بھی
نہیں کہ وہ صرف سماع از اہل عرب
کی وجہ سے اس کو جائز قرار دے کر
اس پر اقتصار کرتا ہو بلکہ وہ ان کو
عموماً جائز قرار دیتا ہے اور ان کے
علاوہ دیگر امثلہ بھی جائز ہوسکتی
ہیں لہذا فراء کی طرف سے کوئی
یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس میں تاویل
اور سماع پر اقتصار کی وجہ سے جواز
کا قائل ہے واللہ اعلم **سلہ قولہ** و
عدم الخ یعنی مذکورہ عطف کا ناجائز
ہونا اور فراء کے ساتھ اختلاف
تمام مذکورہ جیسے مواد میں جمہور کے نزدیک جاری ہوگا مگر صرف ایک مادہ فی الدار زیدٌ والحجرۃ عمروٌ میں یہ اختلاف نہیں ہوگا اس جگہ نحو
نحو سے مراد یہ ہے کہ مجرور مقدم ہو اور مرفوع یا منصوب مؤخر پھر معطوف بھی اسی طرح ہو منصوب مؤخر کی مثال جیسے ان فی الدار
زیداً والحجرۃ عمراً پس اس کے جواز کی یہ وجہ ہے کہ یہ کلام عرب میں آیا ہے اور اہل عرب سے مسموع ہے اور اس کا جواز صرف

بحسب الحقیقۃ لان الحرف الواحد لم یقو ان یقوم مقام عاملین
مختلفین خلافاً[۱] للفراء فانہ یجوز ہذا العطف بحسب الحقیقۃ کما جاز
بحسب الصورۃ ولا یؤول الامثلۃ الواردۃ علیہا ولا یقتصر علی صورۃ
السماع بل یعمہا وغیرہا وعدم[۲] جواز ذلک العطف مع خلاف الفراء جارٍ
فی جمیع المواد عند الجمہور الا فی نحو فی الدار زیدٌ والحجرۃ عمروٌ وان فی الدار
زیداً والحجرۃ عمراً یعنی الا فی صورۃ تقدیم المجرور وتاخیر المرفوع او المنصوب
کما فی مثال المتن او تقدیم المجرور وتاخیر المنصوب کما فی مثال الشرح
المجیئہ فی کلامہم واقتصر الجواز علی صورۃ السماع لان ما خالف القیاس[۱۲]
یقتصر علی مورد السماع خلافاً لسیبویہ فانہ لا یجوز ہذا العطف بحسب
الحقیقۃ فی ہذہ الصورۃ ایضاً بل یحملہا علی حذف المضاف وابقاء
(ای فی الدار زید والحجرۃ عمرو وفی الحجرۃ فی غیرہ ۱۲)

سماع پر منحصر ہے اگرچہ خلاف قیاس ہے پس جو چیز خلاف قیاس مسموع ہوتی ہے وہ مورد سماع پر منحصر
ہوتی ہے اس پر کسی دوسری چیز کو قیاس کرنا جائز نہیں ہوتا پس سوائے اس مثال یا اس جیسی مثال
اور کسی میں یہ عطف جائز نہیں ہوگا پس ان زیداً فی الدار وعمراً فی الحجرۃ تقدیم منصوب وتاخیر
مجرور کے ساتھ کہنا جائز نہیں واللہ اعلم ۱۲ **سلہ قولہ** خلافاً الخ اس عطف کے جواز میں سیبویہ کا اختلاف
ہے اس لئے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ بحسب الحقیقۃ باوجود سماع کے بھی اس صورت میں عطف جائز
نہیں بلکہ وہ اس میں تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ اس امر پر محمول ہے کہ اس میں سے مضاف
کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کے اعراب اول پر باقی رکھا گیا ہے پس والحجرۃ عمروٌ میں فی
جار محذوف ہے جو کہ حکماً مضاف ہے اس لئے کہ جس طرح مضاف اپنے مدخول کو مجرور کرتا ہے
اسی طرح حرف جر بھی مجرور کرتا ہے پس اس کی عبارت یوں ہوگی فی الدار زیدٌ وفی الحجرۃ عمروٌ
اور یہ عطف جائز ہے کیونکہ جملہ کا عطف جملہ پر ہوگا اور وبیضاء شحمۃ میں (باقی بر صفحہ ۲۷)

(بقیہ صفحہ ۲) کل مضاف محذوف ہوگا اور عبارت یوں ہوگی ما کل سوداء تمرۃً وکل بیضاء شحمۃً (ہر سیاہ چیز کھجور نہیں ہوتی اور ہر سفید چیز چربی نہیں ہوتی) اسی طرح ونارٍ توقد الخ میں کل محذوف نکالیں گے ای کل نارٍ توقد الخ پس تمام امثلہ میں عطف جائز ہو جائے گا اس لئے کہ اس وقت دو اسموں کا عطف دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر لازم نہیں آئے گا فتدبر پھر نحو تریدون الخ قول باری تعالیٰ سے شارح حذف مضاف کی مثال دے رہے ہیں سیبویہ کی جانب سے کہتے ہیں کہ یہ حذف مضاف ایسا ہے جیساکہ قول باری تعالیٰ تریدون عرض الحیوۃ الدنیا واللہ یرید الاخرۃ میں الآخرۃ سے مضاف محذوف ہے ای عَرَضَ الآخرۃِ اور یہ حذف مضاف بعض قراءتوں کی بناء پر ہے ورنہ اکثر قراء نے اس کو منصوب پڑھا ہے عَرَض آبرو اور عزت کو کہتے ہیں آیۃ کا ترجمہ ظاہر ہے واللہ اعلم **۵۱** قولہ التاکید الخ تاکید وہ تابع ہے جو متبوع کے حال کو اس کے منسوب یا منسوب الیہ ہونے میں عند السامع ثابت کرتا ہے پس سامع کے نزدیک یہ ثابت اور متحقق ہو جاتا ہے کہ اس نسبت میں منسوب یا منسوب الیہ وہ متبوع ہی ہے نہ کہ غیر اس جگہ شارح نے ای حالہٗ وشانہٗ سے امر کی تفسیر کرکے یہ بتایا کہ امر اس جگہ حکم کرنا او بمعنے صیغۂ مشہور نہیں بلکہ اس کے معنی حال اور شان کے ہیں پھر یہ کہ تاکید کا منشا ذہن سامع میں متبوع کی حالت کو ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے متکلم کو تو اس کی ضرورت ہی نہیں ہوتی لہٰذا شارح نے عند السامع کا اضافہ فرمایا پھر یہ کہ تقریر کے معنی اس چیز کے بھی آتے ہیں جس کا دل سے تصور کیا جائے اور زبان سے اظہار اور وہ اس جگہ متحقق نہیں

المضاف الیہ علی اعرابہ نحو تریدون عرض الحیوۃ الدنیا واللہ یرید الآخرۃ (قولہ تعالیٰ ۱۲) بجر الآخرۃ کما جاء فی بعض القراءۃ ای عرض الآخرۃ التاکید تابع یقرر امر المتبوع ای حالہ وشانہ عند السامع یعنی یجعل حالہ ثابتا مقررا عندہ فی النسبۃ ای فی کونہ منسوبا او منسوبا الیہ فیثبت عندہ ویتحقق (بصیغۃ اسم مفعول ۱۲) (ولذا اطلق النسبۃ ۱۲ عب) ان المنسوب او المنسوب الیہ فی ہذہ النسبۃ ہو المتبوع لا غیرہ وذلک (فانہ یظہر ذلک بایراد التاکید ۱۲ عب) اما لدفع ضرر الغفلۃ عن السامع او لدفع ظنہ بالمتکلم الغلط وذلک الدفع یکون بتکریر اللفظ نحو ضرب زیدٌ زیدٌ او ضرب ضرب زیدٌ او لدفع ظن السامع بہ تجوزا اما فی المنسوب نحو قولک زید قتیل قتیل دفعا لتوہم السامع ان یرید بالقتل الضرب الشدید فیجب حینئذ ایضا تکریر اللفظ حتی لا یبقی شک فی ارادۃ المعنی الحقیقی او

یہ ہے کہ یا تو لفظ منسوب الیہ کو مکرر لایا جائے جیسے ضرب زیدٌ زیدٌ کہ اس میں زید منسوب الیہ ہے کیونکہ اس کی طرف ضرب کی نسبت ہے اور متبوع منسوب یا لفظ منسوب کو مکرر لائیں جیسے ضرب ضرب زیدٌ یا منسوب اور منسوب الیہ دونوں کو مکرر لائیں جیسے ضرب ضرب زیدٌ زیدٌ پس اس سے سامع کی غفلت کا ضرر بھی دفع ہو جائیگا اور تکرار کی وجہ سے سامع کو متکلم کی نسبت یہ گمان بھی نہیں ہوگا کہ وہ غلطی کر رہا ہے یا تاکید سامع کے اس گمان کو دور کرنے کے لئے لائی جاتی ہے کہ متکلم لفظ سے معنے حقیقی ترک کرکے معنیٔ مجازی کا ارتکاب کر رہا ہے پھر یہ تجوز کا گمان یا تو منسوب میں ہوتا ہے جیسے زیدٌ قتیلٌ قتیلٌ کہ اس میں قتیلٌ منسوب ہے پس اس کا تکرار کرکے سامع کے اس وہم کو دور کر دیا گیا کہ متکلم نے قتل سے مراد ضرب شدید لی ہے یعنی اس سے مراد ضرب شدید نہیں (باقی برصفحہ ۲۸۰)

لہٰذا یعنی یجعل حالہ الخ سے یہ بتا دیا کہ اس کے معنی اس جگہ تثبیت کے ہیں یعنی تاکید متبوع کے حال کو سامع کے نزدیک ثابت اور مقرر کر دی اور متبوع کا منسوب یا منسوب الیہ ہونا ابھی معلوم ہوگا انشاء اللہ واللہ اعلم ۱۲ **۵۲** قولہ وذلک الخ یعنی تاکید کا فائدہ یہ ہے کہ یہ یا تو سامع سے غفلت کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے لائی جاتی ہے یا سامع کے متکلم کی نسبت غلطی کے گمان کو دفعیہ کے لئے پس اس دفعیہ کی صورت

(بقیہ صفحہ ۲۷۹) بلکہ قتل ہے پس اس وقت سامع کے ظن کو دور کرنے کیلئے لفظ منسوب کا تکرار واجب ہے تاکہ معنی حقیقی کے مراد ہونے میں کوئی شک باقی نہ رہے یا یہ گمان منسوب الیہ میں ہوتا ہے اس لئے کہ بسا اوقات کسی شیٔ کی طرف فعل کی نسبت کی جاتی ہے اور مراد اس سے اس شئے کے بعض متعلقات کی طرف نسبتہ ہوتی ہے جیسا کہ قطع الامیر اللص میں قطع بہ کی نسبت امیر کی طرف ہے مگر مراد اس سے اس کا غلام ہے اس لئے کہ امیر صرف حکم دیتا ہے پس اس وقت توہم سامع کو دور کرنے کے لئے منسوب الیہ کا تکرار واجب ہوتا ہے لفظاً بھی اور معنیً بھی لفظاً جیسے ضرب زیدٌ زیدٌ یعنی زید ہی نے مارا اس کے قائم مقام نے نہیں مارا اور معنیً جیسے ضرب زید نفسہ یا عینہ مطلب اس کا بھی وہی ہے صرف اس میں لفظ زید کی بجائے اس کا ہم معنی لفظ استعمال ہوا ہے واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ او فی الشمول الخ اس کا عطف فی النسبۃ پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ تاکید وہ ہے جو متبوع کے حال کو ثابت فی النسبۃ کرے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا یا تاکید وہ تابع ہے جو شمول میں اپنے متبوع کے حال کو ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام افراد کو اس حکم میں شامل ہے جو کہ اس کے لئے ہے پھر اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ متکلم کی نسبت سامع کے اس گمان کو دور کریگا کہ متکلم مجاز کے ساتھ تکلم کر رہا ہے نفس منسوب الیہ میں دفع ضرر غفلت عن السامع وغیرہ کسی شئے کو ثابت نہیں کریگا بلکہ یہ اثبات و تقرر متبوع کے اپنے افراد کو شمول میں ہوگا اس لئے کہ ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ فعل کی نسبت جمیع افراد منسوب الیہ کی طرف ہوتی ہے اور اس کے باوجود بعض افراد کی طرف نسبت کا ارادہ کیا جاتا ہے پس لفظ کل اور اجمع اور اس کے اخوات اور کلاہما ثلثتہم وغیرہا لاکر اس وہم کو دور کر دیا جائیگا اور ظاہر کر دیا جائیگا کہ اس جگہ متبوع سے مراد اپنے تمام افراد کو شمول ہے اس کے بعض افراد مراد نہیں پس خواہ تقریر متبوع فی النسبۃ ہو یا فی الشمول جمیع الفاظ تاکید سے غرض یہی ہے جو بیان ہوئی واللہ اعلم ۱۲ ؎ قولہ واذا عرفت الخ یعنی جب تاکید کی غرض اور تعریف معلوم ہو چکی تو اب فوائد قیود

فی المنسوب الیہ فانہ ربما نسب الفعل الی الشئ والمراد نسبتہ الی بعض متعلقاتہ کما فی قطع الامیر اللص ای قطع غلامہ فیجب حینئذٍ تکریر المنسوب الیہ لفظاً نحو ضرب زید زید ای ضرب ہو لا من یقوم مقامہ او تکریرہ معنیً نحو ضرب زید نفسہ او عینہ او فی الشمول ای تاکید ما یقرر امر المتبوع فی النسبۃ بالتفصیل الذی ذکرناہ او فی شمول المتبوع افرادہ دفعاً لظن السامع تجوزاً لا فی نفس المنسوب الیہ بل فی شمولہ لافرادہ فانہ کثیراً ما ینسب الفعل الی جمیع افراد المنسوب الیہ مع انہ یرید النسبۃ الی بعضہا فیدفع ہذا الوہم بذکر کل واجمع واخواتہ و کلاہما و ثلثتہم و اربعتہم ونحوہا فہذا ہو الغرض من جمیع الفاظ التاکید واذا عرفت ہذا فنقول اخرج المص الصفۃ والعطف والبدل عن حد التاکید بقولہ یقرر امر المتبوع اما البدل والعطف فظاہر خروجہما

سن لیجیے پس قولہ یقرر امر المتبوع سے توصفۃ۔ عطف اور بدل تعریف تاکید سے خارج ہو گئے بدل اور عطف کا خروج تو ظاہر ہے کہ یہ امر متبوع کی تقریر کے لئے نہیں ہوتے عطف میں تو عدم تقریر ظاہر ہے اور بدل میں اگرچہ امر متبوع کی تقریر ہوتی ہے مگر وہ مقصود اصلی نہیں بلکہ ضمناً حاصل ہوتی ہے کیونکہ بدل میں مبدل منہ یعنی متبوع سے بالکلیہ بحث نہیں ہوتی بلکہ ضمناً ہوتی ہے پس یہ دونوں تعریف تاکید سے خارج ہیں اب رہی صفۃ تو اس کی وضع متبوع کے معنی پر دلالت کے لئے ہوتی ہے تقریر امر متبوع کے لئے نہیں (باقی بر صفحہ ۲۸۱)

(بقیہ صفحہ ۲۸۰) اب اگر کوئی کہے کہ صفۃ کبھی توضیح یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے اور یہ دونوں احوال متبوع سے ہیں لہذا اس سے خا
نہیں بلکہ اس میں داخل ہوئی اس کا جواب وافادتہا الخ سے یہ دیا کہ اگر یہ بعض مواضع میں توضیح متبوع کا فائدہ دیتی ہے تو
اس کی اصل وضع نہیں اور یہاں اس کا اخراج کرنا ہے اصل وضع کے اعتبار سے لہذا یہ خارج ہے اور قولہ فی النسبۃ ا

به واما الصفة فلان وضعها للدلالة على معنىً في متبوعها وافادتها توضيح متبوعها في بعض المواضع ليست بالوضع واما عطف البيان (مبتدا ۱۲) وهو لتوضيح متبوعه فهو يقرر امر متبوعه وتحقيقه (خبر ۱۲) لكن لا في النسبة والشمول هذا حاصل ما ذكره المصنف في شرحه وهو اى التاكيد لفظي اى منسوب الى اللفظ لحصوله من تكرير اللفظ ومعنوي اى منسوب الى المعنى لحصوله من ملاحظة المعنى فاللفظي منه تكرير اللفظ الاول اى مكرر اللفظ الاول و معاده (اى المعنى اللفظ الاول ۱۲ عب — فهو اشارة الى ان التكرير مصدر بمعنى اسم) حقيقة نحو جاءني زيد زيد او حكما نحو ضربت انت وضربت انا فان ذلك في حكم تكرير اللفظ وان كان مخالفا للاول لفظا اذ الضرورة داعية الى المخالفة لانه لا يجوز تكريره متصلا ويجري اى التكرير مطلقا لا التكرير الذي هو التاكيد الاصطلاحي

تو ظاہر ہے کہ اس میں مخالفت کی طرف ضرورت داعی ہے کیونکہ لفظ اول کی تکریر نہ تو متصلاً ہو سکتی ہے اور نہ منفصلاً اور شق ثانی کا یہ ہے کہ اس میں مخالفت کی طرف ضرورت داعی نہیں ہوتی بلکہ بلا ضرورت لفظ اول کا مرادف مکرر لاتے ہیں اس لئے کہ جاءنی القوم کلہم میں جاءنی القوم القوم کہہ سکتے ہیں پس لفظ قوم کی مخالفت اس میں بلا ضرورت ہوئی اور ضرورت و عدم ضرورت میں فرق ہے لہذا ضربت انت اس میں داخل ہو گیا اور تاکید معنوی اس سے خارج ہو گئی واللہ اعلم ۱۲ قولہ ویجری الخ اس جگہ شارح نے ای التکریر مطلقاً سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ یجری کی ضمیر غائب تاکید اصطلاحی (باقی بر صفحہ ۲۸۲)

الشمول سے عطف بیان خار
ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہ اپ
متبوع کی توضیح کے لئے آتا
پس یہ امر متبوع کو ثابت اور مح
کرتا ہے لیکن نسبۃ اور شمول میں نہ
لہذا یہ بھی خارج ہو گیا اور تعریف
جامع مانع ہو گئی واللہ اعلم
قولہ وہو الخ یعنی تاکید کی دو قسمیں ہ
ایک لفظی جو کہ لفظ کی طرف منسو
ہے اس لئے کہ یہ تکرار لفظ متبو
سے حاصل ہوتی ہے اور دوسر
معنوی جو معنی کی طرف منسوب
اور معنی کے ملاحظہ کے بعد حاصل
ہوتی ہے پس تاکید لفظی لفظ او
کے مکرر لانے سے حاصل ہو جا
ہے پھر اس میں تعمیم ہے کہ لفظ او
کا اعادہ حقیقۃً ہو جیسے جاءنی
زیدٌ زیدٌ کہ لفظ زید حقیقۃً مکرر ہے
یا حکماً ہو جیسے ضربت انت او
ضربتُ انا کہ اس میں انت اور
تکریر لفظ متبوع کے حکم میں ہے
اگرچہ لفظاً لفظ اول یعنی ضربتُ کی
تاء کے مخالف ہے مگر چونکہ لفظ او
کی تکریر متصلاً نہیں ہو سکتی کہ ثانی
بھی اس سے ملا دیا جائے اور نہ
منفصلاً ہو سکتی ہے اس لئے کہ
اول جبکہ بلا مانع متصل ہے تو اس
کا انفصال جائز نہیں پس اس تع
کی وجہ سے مخالفت کی طرف ضرو
داعی ہوئی کہ لفظ اول متصل ہے
اور لفظ ثانی منفصل لہذا اب یہ

اعتراض نہ کیا جائے کہ اگر تاکید لفظی میں تکریر لفظ اول بعینہ مراد ہے تو اس سے ضربت انت وغیرہ خارج ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں تکر
لفظ اول بعینہ نہیں ہے اور اگر تکریر سے مطلقاً تکریر مراد لی جائے خواہ لفظ اول کا مرادف ہی آ جائے تو اس میں تاکید معنوی بھی داخ
ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں لفظ اول مرادف مکرر آتا ہے جیسے جاءنی القوم کلہم میں کلہم القوم کے مرادف ہے پس شق اول کا جواب

فی الالفاظ کلہا اسماءً او افعالاً او حروفاً او جملاً او مرکبات تقییدیۃً او غیر ذلک ولا یبعد ارجاع الضمیر الی التاکید اللفظی الاصطلاحی و تخصیص الالفاظ بالاسماء و یکون المقصود من ہذا التعمیم عدم اختصاصہ بالفاظٍ محصورۃٍ کالتاکید المعنوی والتاکید المعنوی مختصٌ بالفاظٍ محصورۃٍ ای معدودۃٍ محدودۃٍ وہی نفسہ وعینہ وکلاہما وکلّہ واجمعُ واکتعُ وابتعُ وابصعُ بالصاد المہملۃ وقیل بالضاد المعجمۃ قیل لا معنی لہذہ الکلمات الثلث فی حال الافراد مثل حَسَن بَسَن وقیل اکتع مشتق من حول کتیع ای تام وابصع بالمہملۃ من بصع العرق ای سال وبالمعجمۃ من بضع ای روی وابتع من التبع وہو طول العنق مع شدۃ مغرزہ ویمکن استنباط مناسباتٍ خفیۃٍ بین ہذہ المعانی ومعناہا التاکیدی بالتامل

نے یہ دیا کہ ان دونوں کے درمیان تامل صادق اور کامل توجہ کے ساتھ مناسباتِ خفیہ کا استنباط کر لینا ناممکن نہیں بلکہ بہت ممکن ہے پس اکتع کے معنی تمام کے آتے ہیں اور اس کے معنی تاکیدی عموم کے اور عموم تمام الافراد والاجزاء کو کہتے ہیں پس دونوں کے درمیان مناسبت ہو گئی اور ابصع کے معنی سیلان واجتماع کے آتے ہیں اور معنی تاکیدی عموم کے اور سیلان بھی عام ہوتا ہی پس ان دونوں میں بھی مناسبت ہے اور ابضع کے معنے علیٰ وجہ التمام پانی پینے کے آتے ہیں اور معنی تاکیدی عموم کے پس ان دونوں میں بھی مناسبت ظاہر ہے اور ابتع (باقی بر صفحہ ۲۸۳)

(بقیہ صفحہ ۲۸۱) کی طرف راجع ہے پس اس وقت اس میں اور فی الالفاظ کلہا میں منافات ہوئی اس لئے کہ تاکید اسم کی قسم سے ہے اور الفاظ میں اسم وفعل وحرف سب آجاتے ہیں پس شارح نے کہا کہ اس کا مرجع تاکید اصطلاحی نہیں بلکہ تکریر مطلق ہے پس مطلب یہ ہوا کہ مطلقاً تکریر تمام الفاظ میں جاری ہوتی ہے خواہ وہ الفاظ اسماء ہوں یا افعال یا حروف یا جملے یا مرکبات تقییدیہ یا غیر تقییدیہ وغیر ذلک اور یہ بھی ممکن ہے کہ یجری کی ضمیر تاکید لفظی اصطلاحی کی طرف لوٹائی جائے اور الفاظ کو اسماء کے ساتھ خاص کر لیا جائے اور الفاظ کی اس تعمیم سے تاکید لفظی کا الفاظ محصورہ میں عدم اختصاص مقصود ہو جیسا کہ تاکید معنوی الفاظ مخصوصہ میں محصور ہے پس یہ معنی ہوں گے کہ تکریر کسی ایک اسم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام اسماء میں جاری ہو سکتی ہے پس اس وقت مصنف کا یہ قول اصطلاح کے مطابق ہو جائیگا واللہ اعلم ۱۲ **سلہ** قولہ والتاکید الخ یعنی تاکید معنوی الفاظ محصورہ محدودہ معدودہ کے ساتھ مختص ہے تمام الفاظ میں سوائے معدودے چند کے جاری نہیں ہو سکتی اور وہ الفاظ یہ ہیں نفسہٗ عینہٗ۔ کلاہما۔ کلہٗ۔ اجمع۔ اکتع ابتعُ۔ ابصعُ صاد مہملہ کے ساتھ اور بعض ضاد معجمہ کے ساتھ ابضعُ کہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بغیر تاکید کے اکتع۔ ابتع۔ ابصعُ کے کوئی معنی نہیں آتے بلکہ یہ حَسَنؒ اور بَسَنؒ کی طرح مہمل ہوتے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ مہمل نہیں بلکہ اکتع حول کتیع سے مشتق ہے کہ جس کے معنی تمام ہونے کے آتے ہیں یعنی تمام سال اور ابصعُ۔ بصع العرقُ سے مشتق ہے جس کے معنے بہنے کے آتے ہیں یعنی پسینہ بہا اور ابضعُ مشتق ہے بَضَعُ سے جس کے معنی رویؔ یعنی سیراب ہونے کے آتے ہیں اور ابتع التبعُ سے مشتق ہے کہ جس کے معنی اس لمبی گردن کے آتے ہیں کہ جس میں سختی ہو اب سوال پیدا ہوا کہ جب یہ الفاظ معانی لغویہ سے معانی تاکیدی کی طرف منقول ہیں تو ان دونوں کے درمیان کوئی مناسبت ضرور ہونی چاہیئے اس کا جواب ویمکن استنباط الخ سے شارح

(بقیہ ص۲۸۲) کے معنی طول مع الشدۃ کے آتے ہیں اور معنی تاکیدی قوی اور عام کے اور عام میں بھی من حیث الوجود طول پایا جاتا ہے پس
ان دونوں کے درمیان بھی مناسبت موجود ہے واللہ اعلم ۱۲ ف قولہ فالاولان الخ یعنی تاکید معنوی کے الفاظ میں سے اول کے دو لفظ
اور عین عام ہیں یعنی واحد۔ تثنیہ۔ جمع۔ مذکر۔ مؤنث سب کے لئے آتے ہیں البتہ متبوع کے لحاظ سے ان کا صیغہ اور ضمیر بدلتی رہ

جوکہ متبوع موکد کی طرف راج
ہوتی ہے لیکن پھر متبوع ک
لحاظ سے صیغہ کا بدلنا حر
واحد اور جمع میں ہوگا تثن
کے لئے جمع کا صیغہ مستعمل ہو
ہے جیسے جاء زیدٌ نفسہٗ وجا
الزیدان انفسہما وجاءت
خالدۃٌ نفسہا پس واحد مذ
میں نفسہٗ کہیں گے اور وا
مؤنث میں نفسہا اور تثنیہ مذ
و مؤنث میں لفظ نفس کو جم
لاکر ضمیر تثنیہ کو اس کے سا
لاحق کرکے انفسہما کہتے ہیں
بعض عرب سے نفساہما
اور عیناہما مسموع ہے اور جمع
مذکر عاقل میں انفسہم او
جمع مؤنث عاقل وجمع مذکر
غیر عاقل میں انفسہن کہتے ہ
واللہ اعلم ۱۲ ف قولہ والثا
الخ یعنی حقیقت کے اعتبار سے ی
ثانی نہیں بلکہ ثالث ہے مگر
چونکہ نفس اور عین کو تغلیب
اولین سے موسوم کیا گیا
جیسا کہ شمس وقمر کو قمرین ا
اب وام کو ابوین سے موسو
کرتے ہیں تو ثالث کو ثانی نام
دیا گیا اور وہ کلاہما ہے تو تثن
مذکر کے لئے کلاہما اور تثنیہ مؤن
کے لئے کلتاہما کہا جائیگا اور ا
جو باقی رہے تو وہ سب غیر تثنی
یعنی واحد اور جمع کے لئے آ

الصادق فالاولان[۱] ای نفس والعین یُعمّان ای یقعان علی الواحد و
المثنی والمجموع والمذکر والمؤنث باختلاف صیغتهما افرادا وتثنیةً و
جمعًا واختلاف ضمیرهما العائد الی المتبوع المؤکد تقول نفسه فی المذکر
الواحد نفسُها فی المؤنث الواحدة انفسُهُما بایراد صیغة الجمع فی
(ای جاءتنی امرأة نفسها ۱۲)
تثنیة المذکر والمؤنث وعن بعض العرب نفساهما وعیناهما
انفسهم فی جمع المذکر العاقل انفسهنّ فی جمع المؤنث وغیر العاقل
من المذکر والثانی[۲] لما سمی النفس والعین اولین تغلیبا کالقمرین
سمی الثالث ثانیا للمثنی کلاهما للمذکر وکلتاهما للمؤنث والباقی
بعد الثلثة[۳] المذکورة لغیر المثنی مفردا کان اوجمعا باختلاف الضمیر
العائد الی المتبوع المؤکد فی کله نحو قرأت الکتاب کله وکلها نحو
قرأت الصحیفة کلها وکلهم نحو اشتریت العبید کلهم وکلهن نحو
طلقت النساء کلهن وباختلاف الصیغ فی الکلمات البواقی و

علاوہ جتنے باقی الفاظ ہیں وہ باختلاف صیغہ آئے ہیں اور وہ باقی یہ ہیں اجمع۔ اکتع۔ ابتع
ابصع بالصاد اور بالضاد پس مذکر واحد میں اجمع اور مؤنث واحد یا جمع مذکر تاویل الجماعۃ میں
جمعاء اور جمع مذکر میں اجمعون اور جمع مؤنث میں جمع کہا جائیگا ایسے ہی اکتع اکتعاء اکتعون
کتع اور ابتع بتعاء ابتعون بتع اور ابصع بصعاء ابصعون بصع بالصاد و بالضاد کہینگے ۱۲

ہیں اور ان میں صرف لفظ کل باختلاف ضمیر کے ساتھ آتا ہے جو کہ متبوع موکد کی طرف راجع ہوتی ہے پس واحد مذکر میں
کلہ جیسے قرأت الکتاب کلہ اور واحد مؤنث میں کلہا جیسے قرأت الصحیفۃ کلہا اور جمع مذکر میں کلہم جیسے اشتریت العبید
کلہم اور جمع مؤنث میں کلہن جیسے طلقت النساء کلہن کہیں گے واللہ اعلم ۱۲ ف قولہ وباختلاف الخ یعنی کلہ وغیرہ کے

لـه قولہ ولا یؤکد الخ یعنی لفظ کل اور اجمع کے ساتھ اس چیز کی تاکید کی جاتی ہے جو ذو اجزاء ہو پھر وہ ذو اجزاء مفرد ہو جیسے عبد کہ اس کی خرید میں بہت سے افراد شریک ہو سکتے ہیں یا جمع ہو جیسے قوم اس لئے کہ لفظ کل کی کلیۃ اور اجمع کا اجتماع صرف ذو اجزاء میں ہی متحقق ہو سکتا ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف پر یہ لازم تھا کہ وہ الا ذو اجزاء کے ساتھ ذو افراد بھی کہتے اس لئے کہ جائز ہے کہ ان کی تاکید ذو افراد کے ساتھ بھی لائی جائے مثلاً انسان ذو افراد ہے اس کی تاکید دونوں کے ساتھ لائی جا سکتی ہے شارح نے ولا حاجۃ الخ سے جواب یہ دیا کہ ذکر افراد کی ضرورت نہیں اس لئے کہ جب تک کلی کے افراد کا بحیثیت مجتمع ہونے کے لحاظ نہیں کیا جائیگا اور وہ افراد مجتمع ہو کر جب تک اجزاء نہیں بن جائیں گے اس وقت تک اس کلی کی تاکید لفظ کل اور اجمع کے ساتھ نہیں لائی جا سکتی یعنی جب کلی کے افراد مجتمعۃ ملحوظ ہوں گے تو اس حیثیت سے اس کے افراد اجزاء بن جائیں گے پس قولہ ذو اجزاء ذو افراد کو بھی شامل ہے واللہ اعلم ۱۲ لـه قولہ ویجب الخ ان اجزاء کے لئے ضروری ہے کہ ان کا افتراق حسًا یا حکمًا صحیح ہو سکے جیسے حسًا اجزاء قوم کا افتراق اور حکمًا اجزاء عبد کا افتراق صحیح ہے حسًا کا مطلب یہ ہے کہ نظر آسکے اور لفظ کل اور جمع کے ساتھ ذو اجزاء کی تاکید اسلئے لائی جائیگی کہ ان دونوں کے ساتھ تاکید لانے میں فائدہ ہو جیسے اکرمت القوم کلہم اور اشتریت العبد کلہ کہ اس میں عبد کے بوقت شراء بہت سے اجزاء ہو سکتے ہیں

وہی اجمع واکتع وابتع وابصع بالمهملة او المعجمة تقول اجمع فی المذکر الواحد وجمعاء فی المؤنث الواحدة او الجمع بتاویل الجماعة واجمعون فی جمع المذکر وجُمَع فی جمع المؤنث وکذا اکتع اکتعاء اکتعون کُتَع (ای العاقل ۱۲) وابتع بتعاء ابتعون بُتَع وابصع بصعاء ابصعون بُصَع ولا یؤکد[1] بکل واجمع الا ذو اجزاء مفردا کان او جمعا اذ الکلیة والاجتماع لا یتحققان الا فیه ولا حاجة الی ذکر الافراد لان الکلی مالم تلاحظ افراده مجتمعة ولم تصر اجزاء لا یصح تاکیده بکل واجمع ویجب[2] ان تکون تلک الاجزاء بحیث یصح افتراقها حسا کاجزاء القوم او حکما کاجزاء العبد لیکون فی التاکید بکل واجمع فائدة (علة لقوله ولا یؤکد بکل واجمع ۱۲) مثل اکرمت القوم کلهم واشتریت العبد کله فان العبد قد یتجزأ فی الاشتراء فیصح تاکیده بکل لیفید الشمول بخلاف جاء زید کله لعدم صحة افتراق اجزائه (ای انہ لا یتجزی بعدم الی آخرہ ۱۲) لا حسا ولا حکما فی حکم المجیء واذا اکد[3] الضمیر المرفوع المتصل بارزا کان او مستکنا بالنفس والعین ای اذا ارید تاکیده بهما اُکِّدَ ذلک الضمیر

ارادہ کریں گے تو اولاً اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ لائیں گے پھر نفس اور عین کے ساتھ جیسے ضربتَ انت نفسک کہ اس میں پہلے ضربتَ کی تاء ضمیر کی تاکید (باقی بر صفحہ ۲۸۵)

اور ان کا افتراق حکمًا صحیح ہے پس اس کی تاکید لفظ کل کے ساتھ صحیح ہے تاکہ اس سے اشتراء میں جمیع اجزاء عبد کے شمول کا فائدہ حاصل ہو بخلاف جاء زید کلہ کے کہ حکم مجیٔ میں زید کے اجزاء کا افتراق نہ تو حسًا صحیح ہے اور نہ حکمًا لہذا یہ ناجائز ہے واللہ اعلم ۱۲ سـه قولہ واذا اکد الخ یعنی جبکہ ضمیر مرفوع متصل کی خواہ وہ بارز ہو یا مستتر لفظ نفس اور عین کے ساتھ تاکید لانے کا

(بقیہ صفحہ ۲۸۴) انت منفصل کے ساتھ لائی گئی پھر نفسک کے ساتھ اور یہ اس لئے ضروری ہے کہ اگر ایسا نہ کریں گے تو بعض مواقع میں
کا التباس فاعل کے ساتھ ہو جائیگا مثلاً جب کہ تاکید مستکن کی واقع ہو جیسے زیدٌ اکرمنی ہو نفسہ کہ جب ہم متصل کے ساتھ
لائے بغیر زیدٌ اکرمنی نفسہٗ کہیں گے تو یہ معلوم نہ ہوگا کہ تاکید یعنی نفسہٗ فاعل ہے یا اس میں ضمیر مرفوع مستتر ہے اور وہ فاعل ہے

اولاً بالمنفصل ثم بالنفس والعین مثل ضربت انتَ نفسَک
وضربت انا نفسی ۱۲
فنفسک تاکید لتاء الضمیر بعد تاکیدہ بمنفصل ہو انت اذ لولا
ذلک لالتبس التاکیدُ بالفاعل اذا وقع تاکیداً للمستکن نحو زید
اکرمنی ہو نفسہ فلو لم یؤکد الضمیر المستکن فی اکرمنی بقولہ ہو ویقال
زید اکرمنی نفسہ لالتبس نفسہ الذی ہو التاکید بالفاعل ولما وقع
الالتباس فی ہذہ الصورۃ اُجرِی بقیۃ الباب علیہا وانّما قید الضمیر
بالمرفوع لجواز تاکید الضمیر المنصوب والمجرور بالنفس والعین
بلا تاکیدہما بالمنفصل نحو ضربتک نفسک ومررتُ بک نفسک
لعدم اللبس وبالمتصل لجواز تاکید المرفوع المنفصل بالنفس والعین
بلا تاکیدہ بمنفصل نحو انت نفسک قائم لعدم اللبس وانما
قید بالنفس والعین لجواز تاکید المرفوع المتصل بکلٍ واجمعین
بلا تاکید نحو القومِ جاروني کلہم اجمعون لعدم التباس التاکید
فان کلہم تاکید الضمیر فی جاروني وہو ہم ۱۲
بالفاعل لان کُلّاً واجمعین یَلیانِ العوامل قلیلا بخلاف النفس

نفسہٗ اس کی تاکید ہے پس ا[...]
التباس سے بچنے کے لئے ضرو[...]
ہے کہ اولاً ضمیر متصل کی ضمیر منف[...]
کے ساتھ تاکید لائیں پھر لفظ نف[...]
اور عین سے تاکید کریں پھر چو[...]
اس صورت میں التباس وا[...]
ہوا ہے لہذا جن صورتوں میں الت[...]
نہیں ہوتا ان میں بھی اس پر قیا[...]
کرتے ہوئے ضمیر منفصل کے سا[...]
اولاً تاکید لانا ضروری قرار دیا گیا[...]
واللہ اعلم ۱۲ ملہ قولہ وانما قید ا[...]
یعنی متن میں ضمیر مرفوع کی قید اختی[...]
ہے اس لئے کہ ضمیر مجرور اور منصوب
کی لفظ نفس اور عین کے ساتھ
اولاً منفصل کے ساتھ تاکید لائے
بغیر تاکید لائی جا سکتی ہے جیسے
ضربتک نفسک اور مررت بک
نفسک کیونکہ اس سے کسی قسم کا
التباس لازم نہیں آتا اور متن میں
متصل کی قید بھی احترازی ہے
اس لئے کہ مرفوع منفصل کی تاکید
نفس اور عین کے ساتھ اولاً منفصل
کے ساتھ تاکید لائے بغیر جائز ہے
جیسے انت نفسک قائم کیونکہ اس
سے بھی کوئی التباس لازم نہیں آتا
اور قید نفس و عین بھی احترازی ہے
اس لئے کہ مرفوع متصل کی کل اور
اجمعین کے ساتھ اولاً منفصل کے
ساتھ تاکید لائے بغیر تاکید لانی
جائز ہے جیسے القومُ جاروني
کلہم اجمعون اس لئے کہ اس سے
بھی تاکید کا فاعل کے ساتھ التباس نہیں ہوتا اس لئے کہ کل مضمر کی طرف اضافۃ کی صورت میں اور اجمعین عوامل سے بہت کم متصل
واقع ہوتے ہیں پس ان دونوں کا فاعل واقع ہونا صحیح نہیں ہو سکتا پس القوم جار کلہم نہیں کہہ سکتے جار کل القوم کہہ سکتے
ہیں لہذا ان کے ساتھ تاکید لاتے ہوئے اولاً تاکید بالمنفصل کی ضرورت نہیں بخلاف نفس اور عین کے کہ وہ اکثر فعل کے متصل
ہوتے ہیں اور وہ فاعل ہو سکتے ہیں جیسے زیدٌ جار نفسہٗ لہذا ان کے تاکید اور فاعل ہونے میں
تمیز کے لئے اولاً تاکید بالمنفصل ضروری ہے واللہ اعلم ۱۲

لـه قوله واكتع الخ یعنی اکتع اور اس کی دونوں نظیر ابتع اور ابصع لفظ اجمع کے تابع ہیں یعنی یہ الفاظ تابع ہونے کی حیثیت سے مستعمل ہوتے ہیں بالاصالۃ نہیں کیونکہ اجمع مقصود یعنی جمعیۃ پر ان سے زیادہ واضح طور پر دلالت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ نہ تو اجمع پر مقدم ہوتے ہیں اگر یہ اجمع کے ساتھ مقدم ہوں اور نہ اُن کا ذکر اجمع کے بغیر قوی ہے بلکہ ضعیف ہے اس لئے کہ ان الفاظ

والعين فانهما يليانها كثيراً واكتع واخواه يعني ابتع وابصع اتباع

بفتح الهمزة على ما هو المشهور لاجمع يعني تستعمل هذه الكلمات الثلث

فيصح وقوعهما فاعلا فيحتاج الى التاكيد لو قوع

بتبعية لا بالاصالة لكونه اول منها على المقصود وهو الجمعية

فلا يتقدم يعني اكتع واخويه عليه اى على اجمع لو اجتمعت معه وذكرها

اى ذكر اكتع مع اخويه دونه اى دون ذكر اجمع ضعيف لعدم ظهور

دلالتها على معنى الجمعية وللزوم ذكر ما من شانه التبعية بدون

الاصل البدل تابع مقصود بما نسب الى المتبوع اى تقصد

وهو باطل ۱۲

النسبة اليه بنسبة ما نسب الى المتبوع دونه اى دون المتبوع

اى لا تكون النسبة الى المتبوع مقصودة ابتداءً بنسبة ما نسب

اليه بل تكون النسبة اليه توطية وتمهيد النسبة الى

التابع سواء كان ما نسب اليه مسنداً او غيره مثل جاءني

اى الى المتبوع ۱۲

زيد اخوك ضربت زيدا اخوك وضربت زيدا اخاك

توطیہ اور تمہید کے ہو پھر اس میں تعمیم ہے کہ جو فعل متبوع کی طرف منسوب ہے وہ اپنی متبوع کی طرف مسند ہو یا نہ ہو جیسے جاءنی زید اخوک کہ اس میں جاء متبوع کی طرف مقصود ہے اور جیسے ضربت زیداً اخاک کہ اس میں فعل کا اسناد متبوع یعنی زید کی طرف نہیں بلکہ ضربت کی ضمیر انا کی طرف ہے واللہ اعلم ۱۲

کی دلالت معنی جمعیۃ پر ظاہر نہیں نیز ان کی تقدیم اور ذکر سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ فرع اصل پر مقدم ہو یا بغیر اصل کے پائی جائے اور یہ باطل ہے اس جگہ قول ماتن اتباع بفتح الہمزہ ہے اس لئے کہ یہ تبع بفتح العین کی جمع ہے جیسے فرس کی جمع افراس واللہ اعلم ۵۲ قولہ البدل الخ یعنی بدل وہ تابع ہے کہ جو اس چیز کی نسبت سے کہ متبوع کی طرف ہے بغیر متبوع کے مقصود ہو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عبارت متن سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ متبوع کی طرف فعل کی نسبت سے بدل مقصود ہوتا ہے حالانکہ ایسا نہیں اس لئے کہ جاء زید اخوک میں زید کی طرف مجیئۃ کی نسبت کر اخوک مقصود نہیں بلکہ جب زید کی طرف نسبت مجیئۃ ہے تو وہی مقصود ہے اس کا جواب ای تقصد النسبۃ الخ سے شارح نے یہ دیا کہ مقصود تابع کی صفت باعتبار اس کے حال کے نہیں بلکہ اس کے متعلق کے اعتبار سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ متبوع کی طرف فعل کی نسبت سے تابع کی طرف فعل کی نسبت کا قصد کیا جائے پس جاءنی زید اخوک میں اخوک تابع ہے اس لئے کہ اس فعل کے سبب سے کہ جس کی نسبت متبوع یعنی زید کی طرف ہے یعنی مجیئۃ کے سبب سے فعل کی نسبت کا تابع یعنی اخوک کی طرف قصد کیا گیا ہے پس اس معنی کے اعتبار سے زید مقصود نہیں ہوگا بلکہ اخوک ہوگا پھر یہ کہ اس میں متبوع کی طرف نسبت کا قصد نہ ہو یعنی متبوع کی طرف فعل کی نسبت ابتداءً مقصود نہ ہو بلکہ وہ صرف اپنے تابع کے لئے بطور توطیہ اور تمہید کے آیا ہو یعنی متبوع کی طرف فعل کی نسبۃ تابع کی طرف فعل کی نسبت کے لئے بطور

واحترز[1] بقوله مقصودٌ بما نسب الى المتبوع عن النعت والتاكيد وعطف البيان لانها ليست مقصودةً بما نسب اليه بل المتبوع مقصود به وبقوله دونه احترز عن العطف بحرف فان المتبوع فيه مقصودٌ بما نسب اليه مع التابع ولا يصدق الحد على المعطوف ببل لان متبوعه مقصود ابتداءً ثم بداله فاعرض عنه وقصد المعطوف فكلاهما مقصودان بهذا المعنى فان[2] قيل هذا الحد لا يتناول البدل الذي بعد الا مثل ما قام احدٌ الا زيدٌ فان زيداً بدل من احد وليست نسبتهُ ما نسب اليه من عدم القيام مقصودةً بالنسبة الى زيد بل النسبة المقصودة بنسبة ما نسب الى احد نسبة القيام الى زيد قلنا[3] ما نسب الى المتبوع ههنا هو القيام فانه نسب اليه نفياً ونسبة القيام بعينه الى التابع مقصودةٌ ولكن اثباتاً فيصدق على زيد انه تابع مقصودٌ نسبتهُ بنسبة ما نسب الى المتبوع فان النسبة الماخوذة في الحد

---

[1] قوله واحترز الخ اس کے فوائد قیود یہ ہیں کہ قولہ مقصودٌ بما نسب الی المتبوع سے نعت تاکید اور عطف بیان خارج ہو گئے لئے کہ یہ توابع نسبتہ سے مقصود نہیں ہوتے بلکہ ان کے متبوع مقصود ہوتے ہیں اور قولہ دونہ سے عطف بحرف خارج ہو گیا اس لئے کہ اس میں نسبتہ سے متبوع مع التابع مقصود ہوتا ہے اب کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ تعریف معطوف ببل پر صادق آ ہے گا اس میں متبوع کے بغیر تا مقصود من النسبۃ ہوتا ہے ا لئے کہ ہم کہیں گے کہ یہ اعتراض ہے اس لئے کہ اس میں ابتداءً مقصود ہوتا ہے پھر متکلم پر ظاہر ہو جاتا ہے اور وہ اس اعراض کرکے معطوف کا قص کرتا ہے پس اس معنی کے اعتب سے متبوع اور تابع دونوں مقص ہوئے لہذا دونہ سے یہ بھی خ ہو گیا واللہ اعلم [2] قولہ فا قیل الخ پھر اعتراض وارد ہوا یہ تعریف اس بدل کو شامل نہیں جو ما قام احدٌ الا زیدٌ میں الا کے بعد واقع ہے اس لئے کہ زیدا سے بدل ہے مگر فعل منسوب ال یعنی عدم قیام کی نسبت بہ نسبت زید کے مقصود نہیں بلکہ جس فع کی نسبت احد کی طرف کی گئی ہے اس سے نسبتہ مقصودہ زید کی طر قیام کی نسبتہ ہے اور ان دو میں مغایرت ہے اس لئے ک احد کی طرف نسبتِ مقصودہ قیام کی نفیاً ہے اور زید کی طرف ایجاباً اور شرط بدل میں یہ ہے کہ تابع اور متبوع دونوں کی نسبتی ایجاب و سلب میں متحد ہوں پس مثال مذکور میں زید کا احد سے بدل واقع ہونا صحیح نہیں واللہ اعلم [3] قولہ قلنا الخ جواب یہ ہے کہ اس جگہ متبوع کی طرف جس فعل کی نسبت ہے وہ قیام ہے اس لئے کہ وہ نفیاً متبوع کی طرف منسوب ہے اور بعینہ قیام کی نسبت تابع کی طرف بھی مقصود ہے لیکن اثباتاً پس اگرچہ دونوں میں نفی اور اثبات کا فرق ہے مگر قیام کے اعتبار سے دونوں نسبتیں متحد ہیں پس زید پر تعریف مذکور صادق آتی ہے کہ زیداً تابع ہے کہ جس کی نسبت بہ نسبت اس فعل کے جو متبوع کی طرف منسوب ہے مقصود ہے

اس لئے کہ تعریف میں جو نسبتہ مذکور ہے وہ اس بات سے اعم ہے کہ خواہ بطریق اثبات ہو یا بطور نفی اب اگر کوئی کہے کہ اس بنا پر توطیہ نقیض بالنقیض لازم آیا اس لئے کہ متبوع میں نسبتہ مقصودہ نفیاً ہے جو کہ بطور توطیہ کے ہے اور تابع میں ایجاباً جو کہ مقصود بہ نسبت الی الاول ہے اس کا جواب ویمکن ان یقصد الخ سے شارح نے دیا کہ (باقی برص ۲۸۵)

(بقیہ ص۲۸۷) اس سے کوئی حرج نہیں واقع ہوتا کیونکہ ممکن ہے کہ تعریف سے اس بات کا قصد ہو کہ شئ اول کی طرف فعل منسوب کی نسبت بطور نفی کے ہو اور شئے آخر کی طرف اثباتاً اس کی نسبۃ کا قصد کیا جائے اور اول ثانی کے لئے بطور توطیہ اور تمہید کے واقع ہو واللہ اعلم ۱۲ ۵ قولہ وہو الخ یعنی بدل کی چار قسمیں ہیں ۱ بدل الکل جو کہ مبدل منہ کا عین ہوتا ہے اور ۲ بدل البعض جو کہ مبدل منہ کا بعض یعنی جزء ہوتا ہے پس بدل کی اضافۃ کل اور بعض کی طرف اس جگہ ایسی ہے جیسی کہ خاتم فضۃٍ میں اضافۃ ہے یعنی اضافۃ بیانیہ اور ۳ بدل الاشتمال یعنی وہ بدل جو احد المبدلین کے آخر پر اشتمال کی وجہ سے بطور تغلیب کے ہوتا ہے یعنی اس بدل کا سبب احد المبدلین کا آخر پر اشتمال ہے پس اس کی دونوں صورتیں ہیں کہ بدل مبدل منہ پر شامل ہو یا عکس ہو اول کی مثال جیسے سُلِبَ زیدٌ ثوبُہٗ کہ اس میں ثوب بدل زید کو شامل ہے اور ثانی کی مثال جیسے قول باری تعالیٰ یسئلونک عن الشہر الحرام قتالٍ فیہ کہ اس میں الشہر الحرام مبدل منہ قتالٍ بدل کو شامل ہے اس لئے کہ شہر حرام سے مراد وہ مہینہ ہے جو حالت جنگ و قتال میں واقع ہو جائے پس شہر حرام قتال کو مشتمل اور اس کا ظرف ہوا اس لئے کہ قتال اس مہینہ میں واقع ہوا اس جگہ غالباً سے اس طرف اشارہ ہے کہ بدل الاشتمال کی وجہ تسمیہ اشتمال کے ساتھ تغلیباً ہے اس لئے کہ بعض صورتوں میں بدل الاشتمال پایا جاتا ہے مگر اشتمال بالکل نہیں ہوتا جیسے جاءنی زیدٌ حمارُہٗ کہ اس میں بدل الاشتمال کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا مگر حمار زید پر مشتمل نہیں اور نہ اس کا عکس ہے پس یہ احدہما کا آخر پر اشتمال باعتبار اکثر اور اغلب کے ہے اور ۴ بدل الغلط یعنی جس کے ایراد کا سبب اول میں غلطی ہوتی ہے پس اخیر کی دو صورتوں کی طرف بدل کی اضافۃ اضافۃ مسبب الی السبب کے قبیل سے ہے ادنیٰ ملابست کی وجہ سے پس یہ اضافۃ لامیہ ہوگی واللہ اعلم ۱۲ ۶ قولہ

اعم من ان یکون بطریق الاثبات او النفی ویمکن ان یقصد بنسبتہ الی شئ نفیاً لنسبتہ الی شئ آخر اثباتاً ویکون الاول توطیۃ للثانی وهو[۵] ای البدل انواعٌ اربعۃٌ بدل الکل ای بدلٌ ہو کل المبدل منہ وبدل البعض ای بدلٌ ہو بعض المبدل منہ فالاضافۃ فیہما مثلہا فی خاتم فضۃ وبدل الاشتمال ای بدلٌ مسبب غالباً عن اشتمال احد المبدلین علی الآخر اما اشتمال البدل علی المبدل منہ نحو سُلِبَ زیدٌ ثوبہ او بالعکس نحو یسئلونک عن الشہر الحرام قتالٍ فیہ وبدل الغلط ای بدلٌ مسبب عن الغلط فالاضافۃ فی الاخیرین من قبیل اضافۃ المسبب الی السبب لادنی ملابستہ فالاول[۶] ای بدل الکل مدلولہ مدلول الاول یعنی متحدان ذاتاً لا ان یتحد مفہوماً ہما لیکون مترادفین نحو جاءنی زید اخوک فزید واخوک وان اختلفا مفہوماً فہما متحدان

فالاول الخ یعنی بدل کل میں تابع اور متبوع کے معنی ازروئے ذات کے متحد ہوتے ہیں مفہوم کے اعتبار سے اتحاد نہیں ہوتا تاکہ دونوں مترادف نہ ہو جائیں اگرچہ بعض صورتوں میں کبھی اتحاد مفہومی ہو جاتا ہے جیسے زیدٌ ضربتہ اباہ پس بدل الکل کی مثال یہ ہے جیسے جاءنی زیدٌ اخوک کہ اس میں اگرچہ زید اور اخ کا مفہوم مغایر ہے (باقی بر ص۲۸۹)

(بقیہ صـ۲۸۵) مگر دونوں ذات کے اعتبار سے متحد ہیں کیونکہ ذاتِ زید اور ذاتِ اخوک ایک ہے اور مغایرت فی المفہوم بایں طور
کہ مفہوم اخ مفہوم زید کا مغایر ہے اس لئے کہ اول کا مفہوم جنسیۃ ہے کہ ہر اخ کو شامل ہے اور ثانی کا مفہوم شخصیۃ واللہ ا
ـلہ قولہ قال الشارح الخ شارح رضی کہتے ہیں کہ مجھے اب تک بدل الکل اور عطف بیان کے درمیان کوئی جلی فرق معلوم نہیں ہو

ذاتا قال[۱] الشارح الرضی وانا الی الآنَ لم یظهر لی فرق جلی[۲] بین بَدَلِ
الکل من الکل و بین عطف البیان بل لا ارای عطف البیان (ظاہر ۱۲)
الا بدلَ الکل وما قالوا من ان الفرقَ بینهما ان البدل هو المقصود
بالنسبة دون متبوعه بخلاف عطف البیان فانه بیان والبیان فرع (ہذا من کلام الرضی ۱۲)
المبین فیکون المقصود هو الاول فالجواب انا لا نُسَلِّم ان المقصود
فی بدل الکل هو الثانی فقط ولا فی سائر الابدال الا الغلط و قال
بعض المحققین فی جوابه الظاهر انهم لم یریدوا انه لیس مقصودا
بالنسبة اصلا بل ارادوا انه لیس مقصودا اصلیا (السید السند ۱۲) والحاصل[۲] ان مثل
قولک جاءنی اخوک زیدٌ ان قصدت فیه الاسناد الی الاول (ای المتبوع ۱۲) وجئت (ای حاصل الفرق بینهما ۱۲)
بالثانی تتمة له توضیحا فالثانی عطف بیان وان قصدت فیه الاسناد
الی الثانی وجئت بالاول توطئة له مبالغةً فی الاسناد فالثانی بدل و
حینئذ یکون التوضیح الحاصل به مقصودا تبعا والمقصود اصالة هو الاسناد
الیه بعد التوطئة فالفرق ظاهر والثانی[۳] ای بدل البعض جزؤه ای
(لان البدل مقصود اصلی بخلاف عطف البیان فانه لیس مقصودا اصلیا بل ہو)

مبدل منہ کا جز ہوتا ہے جیسے ضربت زیدا راسہ اور ثالث یعنی بدل الاشتمال تو اس کی تعریف
یہ ہے کہ اس کے اور مبدل منہ کے درمیان ملابست ہو بایں طور کہ متبوع (باقی بر صـ۲۸۹)

بلکہ میں تو عطف بیان کو بدل ا
ہی سمجھتا ہوں اور جن لوگوں ـ
دونوں میں یہ فرق بتایا ہے کہ
اپنے متبوع کے بغیر مقصود بالنسـ
ہوتا ہے بخلاف عطف بیان ـ
کہ وہ بیان ہے اور بیان مبیـ
کی فرع ہوتا ہے پس عطف بیا
میں مقصود اول ہوا اور بد
الکل میں ثانی لہذا فرق ظاہر ـ
تو اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیـ
کہ یہ بات ہمیں تسلیم نہیں کہ بدل
الکل میں حرف ثانی ہے مقصو
ہے اول نہیں اسی طرح سوائـ
بدل الغلط کے دیگر ابدال میـ
بھی حرف ثانی مقصود نہیں ہو
اس کا جواب سید السند نے حوا
رضی میں دیا ہے جس کو شارح ـ
قال بعض المحققین سے بیان فرما
ہیں کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے دونو
کے درمیان فرق بتلایا ہے انھوں
نے یہ ارادہ نہیں کیا کہ متبوع بالکل
مقصود بالنسبۃ ہوتا ہی نہیں نہ اصالۃ
نہ تبعاً بلکہ ان کا ارادہ یہ ہے کہ متبوع
مقصود اصلی نہیں ہوتا اور عطف
بیان میں متبوع مقصود اصلی ہوتا
ہے پس دونوں میں فرق ظاہر ہے
واللہ اعلم ـلہ قولہ والحاصل الخ
یعنی فرق کا حاصل یہ ہوا کہ جاءنی
اخوک زیدٌ سے اگر اخوک کی طرف
اسناد فعل کا قصد کیا جائے اور
ثانی یعنی زید کو اول کے لئے بطور
تتمہ اور توضیح کے لایا جائے تو ثانی عطف بیان ہوگا اور اگر فعل کی اسناد ثانی یعنی زید کی طرف مقصود ہو اور اول کو اس کے توطیہ اور تمہید
کے لئے لایا جائے تاکہ اسناد مبالغہ ہو تو ثانی بدل ہوگا اور اس وقت اس سے جو توضیح حاصل ہوگی وہ مقصود بالتبع ہوگی اور
مقصود اصلی توطیہ کے بعد تابع کی طرف فعل کا اسناد ہوگا پس فرق ظاہر ہے واللہ اعلم ـلہ قولہ والثانی الخ یعنی بدل البعض

(بقیہ صفحہ ۲۸۹) کی طرف نسبت سے ملابس یعنی تابع کی طرف اجمالاً نسبت واجب ہو جیسے اعجبنی زیدٌ علمہٗ کہ اس سے ابتداءً یہ معلوم ہوا کہ زید اپنی بعض صفات (نہ باعتبار ذات) کے اعتبار سے باعث تعجب ہے پھر زید کی طرف اعجاب کی نسبت اس کی صفات میں سے ایک صفت کی طرف نسبت کو اجمالاً متضمن ہے اس جگہ اجمالاً کا مطلب یہ ہے کہ ملابِس بالکسر اور ملابَس بالفتح دونوں ایک نہ ہوں یعنے دونوں کے درمیان کلیۃ اور جزئیت کے علاوہ کوئی اور تعلق و علاقہ ہو اور اعجبنی الخ کی طرح سلب زیدٌ ثوبہٗ میں بھی تابع کی طرف اجمالاً نسبت سمجھ میں آ رہی ہے بخلاف ضربتُ زیداً حمارہٗ اور ضربت زیداً غلامہٗ کے کہ ان میں زید کی طرف ضرب کی نسبت تامہ ہے اور اس نسبۃ کے صحیح ہونے میں غیر زید کی طرف نسبت کا اعتبار لازم نہیں آتا پس یہ باب بدل الغلط سے ہوگا بدل... الاشتمال سے نہیں واللہ اعلم

جزء المبدل منہ نحو ضربت زیدًا راسہ والثالث ای بدل الاشتمال
بینہ وبین الاول ای المبدل منہ ملابسۃ بحیث توجب النسبۃ
الی المتبوع النسبۃ الی الملابس اجمالًا نحو اعجبنی زید علمہ حیث یعلم
ابتداءً انہ یکون زید معجبا باعتبار صفاتہ لا باعتبار ذاتہ وتتضمن نسبۃ الاعجاب
الی زید نسبتہ الی صفۃ من صفاتہ اجمالًا وکذا فی سُلِبَ زیدٌ ثوبہ
بخلاف ضربت زیدا حمارہ وضربت زیدا غلامہ لان نسبۃ
الضرب الی زید تامۃ ولا یلزم فی صحتہا اعتبار غیر زید فیکون من باب
بدل الغلط بغیرھما ای تکون تلک الملابسۃ بغیر کون البدل کل المبدل
منہ او جزءہ فیدخل فیہ ما اذا کان المبدل منہ جزءًا من البدل و
یکون ابدالہ منہ بناءً علی ہذہ الملابسۃ نحو نظرت الی القمر فلکہ والمناقشۃ
بان القمر لیس جزءًا من فلکہ بل ہو مرکوز فیہ مناقشۃ فی المثال ویمکن
لاجزءً منہ ۱۲ ای ثابت فیہ من غیر الجزئیۃ ۱۲ عب
ان یورد للمثال مثل رأیت درجۃ الاسد برجہ فانہ لامجال لہذہ المناقشۃ
ای لا یکون المبدل منہ جزءًا للمبدل ۱۲ عب شانہ ۱۲
فیہ فان البرج عبارۃ عن مجموع الدرجات وانما لم یجعل ہذا البدل
قسما خامسا ولم یسم ببدل الکل عن البعض لقلتہ وندرتہ بل قیل لعدم

۵ قولہ بغیرہما الخ یعنی وہ ملابسۃ اس طرح ہو کہ بدل کل مبدل منہ یا جزء مبدل منہ نہ ہو پس اس میں وہ چیز داخل ہو جائیگی کہ جس میں مبدل منہ بدل کا جزء ہو پس بدل کا مبدل منہ سے ابدال اس ملابسۃ کی بناء پر ہو جیسے نظرتُ الی القمر فلکہٗ کہ اس میں قمر بدل مبدل منہ فلک کا جزء ہے اور یہ ابدال اسی ملابست کی وجہ سے ہے واللہ اعلم ۱۲ ۵ قولہ والمناقشۃ الخ یعنی مثال مذکور میں مناقشۃ ہے اس لئے کہ قمر اپنے فلک کا جزء نہیں ہے بلکہ وہ بغیر علاقہ جزئیۃ کے فلک میں مرکوز و ثابت ہے پس ایسی مثال کہ جس میں مناقشۃ نہ ہو یہ ممکن ہے کہ رأیتُ درجۃ الاسد برجہٗ سے دی جائے اس لئے کہ اس میں مناقشۃ کی کوئی گنجائش ہی نہیں کیونکہ برج مجموعۂ درجات سے عبارت ہے پس درجہ برج کا جز ہوگا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم یعنی بدل الکل عن البعض کو قسم خامس قرار دینا چاہیے تھا اس لئے کہ اس میں مبدل منہ بدل کا جز ہوتا ہے اور یہ تمام ابدال کے مغایر ہے جو اس کا جواب

(بقیہ صفحہ ٢٩) والمام بحیل الخ سے شارح نے یہ دیا کہ اس کو قسم خاص اور اس کا نام بدل الکل عن البعض اس وجہ سے قرار نہیں
گیا کہ قلیل اور نادر ہے بلکہ اس کے کلام عرب میں عدم وقوع کی بناء پر کہا گیا ہے کہ یہ امثلہ مصنوعہ ہیں .... وقوع سے ان
کوئی تعلق نہیں واللہ اعلم ۵۱ قولہ والرابع الخ یعنی بدل الغلط وہ ہے کہ مبدل منہ کو غلط ذکر کرنے کے بعد دونوں کے درمیان

وقوعه في كلام العرب فان هذه الامثلة مصنوعة والرابع اي بدل الغلط
ان تقصد اي ان يكون بان تقصد انت اليه اي الى البدل من
غير اعتبار ملابسة بينهما بعد ان غلطت بغيره اي بغير البدل وهو
المبدل منه ويكونان اي البدل والمبدل منه معرفتين نحو ضرب زيد
اخوك ونكرتين نحو جاءني رجل غلام لك ومختلفين نحو بالناصية
ناصية كاذبة وجاء رجل غلام زيد واذا كان البدل نكرة مبدلة
من معرفة فالنعت اي نعت البدل النكرة واجب لئلا يكون المقصود
انقص من غير المقصود من كل وجه فاتوا فيه بصفة تكون كالجابر
لما فيه من نقص النكارة مثل بالناصية ناصية كاذبة ويكونان ظاهرين
نحو جاءني زيد اخوك ومضمرين نحو الزيدون لقيتهم اياهم ومختلفين نحو
اخوك ضربته زيدا واخوك ضربت زيدا اياه ولا يبدل ظاهر من مضمر

بدل ہے اور کبھی دونوں مختلف ہوتے ہیں جیسے اخوک ضربتہ زیداً کہ اس میں مبدل منہ مضمر اور
بدل مظہر ہے اور جیسے اخوک ضربت زیداً ایاہ کہ اس میں مبدل منہ مظہر اور بدل مضمر ہے واللہ اعلم
۵۴ قولہ ولا یبدل الخ یعنی اسم ظاہر سوائے ضمیر غائب کے کسی اور ضمیر سے بدل الکل
نہیں ہوتا جیسے ضربتہ زیداً اس لئے کہ اگر بدل کل کی صورت میں مبدل منہ ضمیر متکلم یا ضمیر
مخاطب ہو اور بدل اسم ظاہر تو لازم آئے گا کہ متکلم اور مخاطب غائب بن جائیں اس لئے کہ
جتنے اسم ظاہر ہیں سب بمنزلہ غائب کے ہیں پس ضمیر متکلم اور مخاطب (باقی بر صفحہ ٢٩٢)

قسم کی ملابستہ کا اعتبار کئے
بغیر جس کا قصد کیا جائے جیسے
جاءنی زید حمار کہ اس مثال
حمار بدل غلط ہے اس لئے
متکلم جاءنی حمار کہنا چاہتا
تھا غلطی سے اس کی زبان پر
آگیا اور اس نے اس غلطی
تدارک کے لئے زید کے بعد ح
کہا پھر یہ کہ بدل اور مبدل
دونوں معرفہ بھی ہوتے ہیں او
نکرہ بھی اور تعریف وتنکیر میں مختلف
بھی اول کی مثال جیسے ضرب
زید اخوک کہ اس میں زید بھی
ہے اور اخوک بھی ثانی کی مثال
جیسے جاءنی رجل غلام لک ک
اس میں رجل اور غلام دونوں
نکرہ ہیں ثالث کی مثال جیسے
قول باری تعالی بالناصیت
ناصیۃ کاذبۃ کہ اول ناصیۃ
معرف باللام ہے اور ثانی منک
اور جیسے جاء رجل غلام زید ک
اول نکرہ اور ثانی زید کی طرف
اضافہ کے باعث معرفہ ہے
واللہ اعلم ۵۲ قولہ واذا کان الخ
یعنی جب بدل نکرہ ہو اور مبدل
منہ معرفہ تو اس وقت نکرہ کی
نعت لانا واجب ہے تاکہ
مقصود غیر مقصود من کل الوجہ
انقص نہ ہو جائے کیونکہ نکرہ
بہ نسبت معرفہ کے انقص ہوتا
ہے پس نکرہ کی صفت لائیں

تاکہ وہ نقص نکارت کے لئے بطور جبر نقصان اور عوض کے ہو کر اس سے نقص نکارت زائل ہو جائے جیسے قول باری تعالی
بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ کہ اس میں ناصیۃ کی صفت کاذبۃ لائی گئی ہے واللہ اعلم ١٢ ۵۳ قولہ ویکونان الخ یعنی کبھی بدل و
مبدل منہ اسم ظاہر ہوتے ہیں جیسے جاءنی زید اخوک اور کبھی مضمر جیسے الزیدون لقیتہم ایاہم کہ اس میں ہم مبدل منہ اور ایاہم

بدل الكل الا من الغائب نحو ضربته زيدا لان مضمر المتكلم والمخاطب
(اى من ضمير الغائب مثل ضربته زيدا ١٢ عب)
اقوى واخص دلالة من الظاهر فلو ابدل الظاهر منهما بدل الكل لزم
ان يكون المقصود انقص من غير المقصود مع كون مدلوليهما واحداً
بخلاف بدل البعض والاشتمال والغلط فان المانع فيها مفقودٌ
اذ ليس مدلول الثاني فيها مدلول الاول فيقال اشتريتك نصفك
واشتريتني نصفي واعجبتني علمك واعجبتك علمي وضربتك
الحمار وضربتني الحمار عطف[1] البيان تابعٌ شامل لجميع التوابع غير
صفةٍ احترز به عن الصفة يوضح متبوعه احترز به عن البدل والعطف
بالحرف والتاكيد ولا يلزم من ذلك ان يكون عطف البيان اوضح
من متبوعه بل ينبغي ان يحصل من اجتماعهما ايضاح لم يحصل من احدهما
على الانفراد فيصح ان يكون الاول اوضح من الثاني مثل[2] اقسم بالله
ابو حفصٍ عمر فابو حفص كنية امير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله
عنه وعمر عطف بيانٍ له وقصته انّه اتى اعرابيٌّ الى عمر بن الخطاب رض

(بقیہ صد ۲۹۱) اسم ظاہر سے دلالۃً اقوی اور اخص ہوئیں پس اگر اسم ظاہر کو ان دونوں میں بدل الکل لایا جائے تو لازم آئے گا کہ مقصود غیر مقصود سے انقص ہو باوجودیکہ دونوں کا مدلول واحد ہوتا ہے یعنی بدل کل میں بدل کا مدلول عین مبدل منہ ہوتا ہے پس لازم آئیگا کہ متکلم اور مخاطب عین بدل ہو کر غائب ہو جائیں اور یہ باطل ہے بخلاف بدل البعض۔ بدل الاشتمال اور بدل الغلط کے کہ ان میں مانع مفقود ہے اس لئے کہ ان میں مدلول ثانی عین اول نہیں ہوتا پس ان میں اسم ظاہر ضمیر مخاطب اور متکلم سے بدل واقع ہو سکتا ہے جیسے بدل البعض کی مثال اشتریتک نصفک کہ اس میں اسم ظاہر ضمیر مخاطب سے بدل ہے اور اشتریتنی نصفی کہ اس میں ضمیر مخاطب سے بدل ہے اور بدل الاشتمال کی مثال جیسے اعجبتنی علمک اور اعجبتک علمی اور بدل الغلط کی مثال جیسے ضربتک الحمار اور ضربتنی الحمار واللہ اعلم

سلہ قولہ عطف البیان الخ یعنی عطف بیان وہ تابع ہے جو صفۃ نہ ہونے کے باوجود اپنے متبوع کو واضح کرے پھر اس کے صفۃ نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ صفۃ کی طرح اس معنی پر دلالت نہیں کرتا کہ جو ذات متبوع کے ساتھ قائم ہیں اس تعریف میں تابع بمنزلہ جنس کے ہے کہ تمام توابع کو شامل ہے پھر غیر صفۃ سے صفت یعنی نعت خارج ہو گئی اور یوضح متبوعہ سے بدل۔ عطف بحرف اور تاکید خارج ہو گئے پھر یہ کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عطف بیان اپنی متبوع سے اوضح ہو بلکہ اس میں تابع اور متبوع کے اجتماع سے ایسا ایضاح حاصل ہو جائے جو علی الانفراد احدہما سے حاصل نہیں پس اگر متبوع تابع سے اوضح واظہر ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں جیسے جاءنی سیبویہ عمرو کہ اس میں سیبویہ زیادہ اوضح واشہر ہے بہ نسبت عمرو کے اور ان دونوں میں علی الانفراد ایضاح نہیں اس لئے کہ سیبویہ کہنے سے اس کا نام واضح نہیں ہوتا اور عمرو کہنے سے غیر سیبویہ سے امتیاز پیدا نہیں ہوتا پس دونوں کے اجتماع کما حقہٗ ایضاح حاصل ہو گیا واللہ اعلم

سلہ قولہ مثل الخ اس میں ابوحفص امیر المومنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ہے اور عمر اس کا عطف بیان ہے اس میں بھی ایضاح کے متعلق (باقی بر صد ۲۹۳)

(بقیہ صـ ۲۹۲) سابقہ تقریر ہے ماتن نے مثال میں پورا مصرعہ پیش فرمایا ہے جس کا قصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک اعرابی
آیا اور کہا کہ میرا وطن دور ہے اور میں ایسی اونٹنی پر سوار ہوں کہ جس کی پشت زخمی جسم لاغر اور پاؤں گھسے ہوئے ہیں اور آپ
سواری چاہی آپ نے اعرابی کو کاذب سمجھا اور اس کو دوسری اونٹنی نہیں دی پس اعرابی چل دیا اور اپنی اونٹنی کو ہنکانے چلا

فقال ان اھلی بعید وانی علی ناقۃ دبراء عجفاء نقباء
واستحملہ فظنہ کاذبا فلم یحملہ فانطلق الاعرابی فحمل بعیرہ ثم استقبل البطحاء
وجعل یقول وھو یمشی خلف بعیرہ شعر
اقسم باللہ ابو حفص عمر ۔ ما مسہا من نقب ولا دبر ۔ اغفر لہ
اللھم ان کان فجر ۔ وعمر مقبل من اعلی الوادی فجعل اذا قال
اغفر لہ اللھم ان کان فجر ۔ قال اللھم صدق صدق حتی
التقیا فاخذ بیدہ فقال ضع عن راحلتک فوضع فاذا ھی نقباء
عجفاء فحملہ علی بعیرہ وزودہ وکساہ وفصلہ ای فرقہ من البدل
لفظا ای من حیث الاحکام اللفظیۃ واقع فی مثل انا ابن
التارک البکری بشر ۔ فان قولہ بشر ان جعلت عطف بیان
للبکری جاز وان جعل بدلا منہ لم یجز لان البدل فی حکم تکریر العامل
فیکون التقدیر انا ابن التارک بشر وھو غیر جائز کما ذکرنا فیما سبق
فی الضارب زید وآخرہ ۔ علیہ الطیر ترقبہ وقوعا
وعلیہ الطیر ثانی مفعولی التارک ان جعلناہ بمعنی المصیر والا فھو

بطحا کی طرف متوجہ ہو کر یہ کہنا
شروع کیا اور ادھا لیکہ وہ اپنی نا
کے پیچھے چل رہا تھا شعر
اقسم باللہ ابو حفص عمر
ما مسہا من نقب ولا دبر
اغفر لہ اللھم ان کان فجر
یعنی حضرت ابو حفص رضی اللہ عنہ
نے اس سے بدظن ہو کر گویا کہ اللہ
قسم کھالی کہ اس کی ناقہ کے نہ تو
پاؤں گھسے اور نہ پشت زخمی ہے
دیا یہ کہ حقیقۃً آپ نے اللہ کی
قسم کھالی ہو) اے اللہ ان کی
مغفرت فرما اگر انھوں نے یہ حلف
جھوٹا اٹھایا ہو۔ پس جس وقت
اس نے یہ شعر پڑھا حضرت عمر رضی
وادی کی بلندی سے اس کے کلام
کو سن کر اس کے روبرو آئے اور
جس وقت اعرابی نے اغفر لہ
اللھم ان کان فجر کہا تو آپ نے
فرمایا کہ اے اللہ اگر میں گنہ گار ہوں
تو اس اعرابی کے قول کو سچا فرما
اور میری مغفرت کر حتی کہ آپ نے
اس کے قریب آکر اس کا ہاتھ
پکڑ کر فرمایا کہ اپنی اونٹنی سے سامان
اتار پس اس نے اتارا اور آپ نے
دیکھا کہ وہ واقعی حسب بیان اعرابی
تھی پس آپ نے اس کو اپنے ذاتی
اونٹ پر سوار کر دیا اور اس کو عطا
فرما دیا اور اس کو زاد راہ دیا اور
کپڑا پہنایا واللہ اعلم ۲ اسلہ قولہ
وفصلہ الخ یہاں سے مصنف

عطف بیان اور بدل میں لفظی فرق بتانا چاہتے ہیں کہتے ہیں کہ ان دونوں میں احکام لفظیہ کے اعتبار سے مثل انا ابن التارک
البکری بشر میں فرق واقع ہے اس لئے کہ بشر کو اگر البکری کا عطف بیان قرار دیا جائے تو جائز ہے اور اگر اس کو البکری سے
بدل قرار دیں تو ناجائز اس لئے کہ بدل تکریر عامل کے حکم میں ہوتا ہے پس اس کی تقدیر انا ابن التارک بشر ہوگی اور یہ

(بقیہ صـ ۲۹۳) ناجائز ہے جیسا کہ اس کی تفصیل الضارب زید کے عدم جواز میں مجرورات میں گذر چکی اس کا آخری مصرعہ یہ ہے علیہ الطیر ترقبہ وقوعا ۔ شعر میں تارک کے معنی قاتل اور مصیّر کے ہیں بکر شہر کا نام ہے اور یاء اس میں نسبت کے لئے ہے اور مراد البکری سے نقب پہلوان ہے بشر اس کا نام ہے اور التارک البکری میں اضافۃ الضارب الرجل کی طرح ہے اور علیہ الطیر التارک کا مفعول ثانی ہے بشرطیکہ التارک کو مصیّر کے معنی میں لیں پس یہ جار مجرور اپنے متعلق سے مل کر مفعول ثانی ہوگا اور اگر اس کو بمعنی مصیر نہ لیں تو یہ مفعول التارک یعنی البکری سے حال واقع ہوگا اور قولہ ترقبہ الطیر سے حال ہے بشرطیکہ اس کو عبد کا فاعل قرار دیں یعنی علیہ ثبت یا وقع کے متعلق ہو اور الطیر اس محذوف کا فاعل ہو اور اگر لفظ الطیر مبتدا اور علیہ خبر ہو تو ترقبہ علیہ کی ضمیر مستکن یعنی اس کے متعلق کی ضمیر مستتر سے حال واقع ہوگا اور وقوعا واقع کی جمع ہے اور یہ ترقبہ کے فاعل سے حال واقع ہے اور یہ مطلب ہے واقعۃ حولہ مترقبۃ الخ یعنی وہ پرندے البکری کے گرداگرد واقع ہو کر اس کی روح کے نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں" اس لئے کہ انسان میں جب تک کچھ بھی جان باقی ہوتی ہے پرندے اس کے قریب نہیں آتے مکمل شعر کا ترجمہ یہ ہے میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو بکری بشر کو پچھاڑنے والا ہے اور حال یہ ہے کہ پرندے اس کے اردگرد واقع ہو کر اس کی روح کے نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں شعر کی حل ترکیب کے مطابق ترجمہ خود کر لیا جائے اب رہا عطف بیان اور بدل کے درمیان فرق معنوی تو اس کے ذکر کی یہاں حاجت نہیں اس لئے کہ وہ دونوں کی تعریفوں میں گذر چکا واللہ اعلم ۔ قولہ والمراد یعنی اس جگہ مثل سے ہر وہ ترکیب مراد ہے کہ جس میں عطف بیان کا متبوع وہ معرف باللام ہو جو صفۃ معرف باللام کا مضاف الیہ ہے جیسے الضارب الرجل زید اور انا ابن التارک البکری بشر پس مثال مذکور میں بشر عطف بیان اور البکری

حال وقوله ترقبه حال من الطير ان كان فاعلا لعليه وان كان مبتدأ فهو حال من الضمير المستكن في عليه ووقوعا جمع واقع حال من فاعل ترقبه اى واقعة حوله مترقبة لانزهاق [خروج ۱۲] روحه لان الانسان مادام به رمق [بقیہ جان ۱۲] فان الطير لا تقربه واما الفرق المعنوى بينهما فقد تبين فيما سبق والمراد بمثل ۰۰ انا ابن التارك البكرى بشر كل ما كان عطف بيان للمعرف باللام الذى اضيف اليه الصفة المعرفة باللام نحو الضارب الرجل زيد ويمكن ان يراد به ما هو اعم من هذا الباب

اس کا متبوع ہے جو کہ التارک صفۃ معرف باللام کا مضاف الیہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے وہ چیز مراد ہو جو اس سے عموماً سمجھ میں آتی ہے یعنی یہ کہ ہر وہ لفظ کہ جب وہ عطف بیان واقع ہو تو اس کا حکم اس لفظ کے بدل واقع ہونے کے حکم کے مخالف ہو جیسا کہ مثال مذکور میں ہے کہ بشر کو عطف بیان قرار دینا تو صحیح ہے مگر اس کو بدل قرار دینا جائز نہیں پس اس صورت میں قول مصنف صورت نداء کو بھی شامل ہو جائے گا جیسے یا غلامُ زیدٌ و زیداً لفظ پر حمل کرتے ہوئے تنوین رفع کے ساتھ اور محل منادیٰ یعنی نصب بالمفعولیۃ پر حمل کرتے ہوئے تنوین منصوب کے ساتھ جبکہ زید کو عطف بیان قرار دیا جائے اور جب اس کو بدل قرار دیں گے غلامُ سے تو زیدُ پڑھا جائے ضمہ کے ساتھ اس لئے کہ اس صورت میں اس کا مبنی ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ منادیٰ مستقل کے حکم میں ہوگا (باقی بر صفحہ ۲۹۵)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۴)

اور اس کو بصورت افراد علامت رفع پر مبنی کیا جاتا ہے اور مثل کے جو دو معنی بیان کئے گئے ہیں ان میں سے اول معنی اظہر ہیں اس لئے کہ التارک البکری بشر سے متبادر یہی معنی ہوتے ہیں اور ثانی معنی زیادہ مفید ہیں اس لئے کہ اس وقت ان کے عموم کے باعث اس میں صورت ندار بھی داخل ہو جاتی ہے

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

تمت بالخیر

ای کل ما خالف حکمہ اذا کان عطف بیان حکمہ اذا کان بدلا فیتناول صورۃ النداء ایضا فانک تقول یا غلام زیدٌ و زیداً بالتنوین مرفوعاً حملا علی اللفظ ومنصوبا حملا علی المحل اذا جعلتہ عطف بیان ویا غلام زیدُ بالضم اذا جعلتہ بدلا والمعنی الاول اظہر والثانی افید۔

وہو قولہ کل ماکان عطف بیان الخ ۱۲ لانہ یتناول بابہ فقط ۱۲ وہو قولہ کل ما خالف حکمہ ۱۲

تمت بالخیر

چند جدید مطبوعات کتب خانہ امدادیہ دیوبند

اشرفی قرآن پاک مصری ۱۵ سطری
صفحات ۶۰۰ خوشخط جلی قلم [illegible]
اشرفیہ بہشتی زیور مکمل مدلل مع
اضافات جدیدہ وقدیمہ [illegible]
مکمل مناجات مقبول کلاں
مع اضافات جدیدہ وقدیمہ [illegible]
اصلاح الرسوم مکمل مدلل [illegible]
جزاء الاعمال ۶/
آداب المعاشرت ۴/
مجموعہ نیت نامہ سفید عمدہ کاغذ ۶/
انتباہات المفیدہ ۸/
صفائی معاملات ۶/
الجواب المتین ۹/
فیصلہ شرعی اردو در
رد بدعت [illegible]
تجوید القرآن ۴/
سیرت خاتم الانبیاء صلعم ۱۲/
آداب المساجد ۶/
کریما سفید کاغذ ۳/
کتب انجمن [illegible]
اردو کی پہلی وغیرہ

مساوات اسلامی ۶/
داڑھی کا فلسفہ از حضرت
مولانا مدنی ۱/
تعبیر نامہ خواب ہر دو حصہ [illegible]
نزہۃ القاری ۲/
گلزار سنت ۲/
تیسیر المنطق مع اضافات
جدیدہ و قدیمہ ۶/
رہنمائے تجوید ۵/
فتاوی احتیاط ظہر ۱/
حق السماع ۵/
خطبہ ماثورہ مکمل ۸/
اسرار قرآنی ۳/
انوار العلوم شرح اردو سلم العلوم
از مولینا عبد السمیعؒ صاحب رحمہ
دار العلوم دیوبند للعہ
مصباح الفتاح مکمل شرح
اردو تلخیص المفتاح [illegible]
مصفات شرح اردو مرقات [illegible]
مصباح الحواشی مکمل شرح اردو
اصول الشاشی مع اضافہ مقدمہ [illegible]

مصباح النحو شرح اردو
ہدایت النحو [illegible]
مصباح العوامل ترجمہ و شرح اردو
شرح مائۃ عامل [illegible]
مصباح التہذیب شرح اردو
شرح تہذیب جدید [illegible]
ایضاح المطالب شرح اردو
کافیہ ابن حاجبؒ مع اضافہ
جدیدہ و مفیدہ [illegible]
مصباح المعانی شرح اردو
شرح جامی بحث اسم مرفوعات
جلد اول۔ قیمت للعہ
فیوض عثمانی شرح اردو
فصول اکبری [illegible]
مصباح المنیر شرح اردو نحو میر
قیمت تین روپے [illegible]
تسہیل المنطق۔ جو فن منطق
میں نہایت کارآمد ہے ۳/
عزیز النحاۃ ترجمہ اردو نحو میر ۸/
عزیز المبتدی ترجمہ اردو
میزان منشعب ۸/

اردو ہدایت النحو یعنی ہدایۃ النحو
کا اردو ترجمہ [illegible]
نفحۃ الیمن کلاں نادر س
سفید عمدہ کاغذ قیمت [illegible]
مرقات مع حاشیہ مرآت عربی
کلاں عمدہ سفید کاغذ طباعت اعلیٰ [illegible]
نور الایضاح کلاں عربی [illegible]
// خورد [illegible]
تلخیص المفتاح محشی عربی [illegible]
مجموعہ شرح تہذیب کلاں عربی [illegible]
سفینۃ الطالبین سفید عمدہ کاغذ ۵/
مجموعہ میزان الصرف و منشعب عمدہ ۸/
و مجموعۃ المثانی عربی از حضرت تھانوی
رحمہ اللہ۔ قیمت [illegible]
باکورۃ الادب ۸/
خلاصۃ البیان ۶/
مالابد منہ سفید عمدہ کاغذ [illegible]
پند نامہ عطار ۶/
گفتگو نامہ ۳/
آمد نامہ ۴/
حکایات لطیف ۶/

ہر قسم کے پارے قاعدے قرآن پاک و نیز دینی مذہبی درسی و غیر درسی کتب عمدہ و ارزاں ملنے کا پتہ
منیجر کتب خانہ امدادیہ دیوبند۔ یوپی (انڈیا)